مئی 2016
جلد 30 شمارہ 9
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ----- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ----- 7000 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام ۲۰/بی ۶ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

رخسانہ نگار عدنان

پہلی بات

شعاع کا مئی کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
محبت کائنات کی اساس ہے۔ تخلیق کا بنیادی جوہر۔ محبوب اور محب کا رشتہ۔
محبوب جس معیار کا ہوتا ہے محبت، محب کو بھی اسی بلندی پر لے جاتی ہے۔
پروردگار عالم کی محبت اعلیٰ وارفع محبت ہے اور کائنات کی عظیم ترین ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے محبوب کے درجے پر فائز ہیں۔ رجب کے مہینے میں پیش آنے والا واقعہ "معراج" محبت کی وہ انتہا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو شرف ملاقات بخشا اور وہ مقام عطا کیا جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔
معراج کا واقعہ محبت، بندگی کی وہ معراج جس کی عظمت کو بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔

آہ چودھری سردار محمود صاحب،

انشاجی سے چھوٹے اور محمود ریاض کے بڑے بھائی چودھری سردار محمود صاحب اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۰

جو اس دنیا میں آیا ہے، اسے ایک دن رخصت ہونا ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے لیکن اس کے باوجود دل اس سفاک حقیقت کو تسلیم نہیں کر پاتا ہے۔
سردار محمود صاحب نے بڑی بھرپور زندگی گزاری۔ انہوں نے لاہور سے ماہنامہ حنا کا اجراء کیا اور اسے بڑی کامیابی سے چلاتے رہے۔ اپنے پبلشنگ کے ادارے سے عمدہ اور معیاری کتابیں شائع کیں۔
سردار محمود صاحب ایک اچھے ایڈیٹر اور پبلشر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے انسان بھی تھے۔ ریاض صاحب سے محبت کے ساتھ ساتھ گہری دوستی کا بھی رشتہ تھا۔ ریاض صاحب کی وفات کے بعد انہوں نے جو مضمون لکھا تھا وہ اس ماہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے ان دونوں بھائیوں کے درمیان گہری دوستی اور قلبی تعلق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
قارئین سے درخواست ہے کہ وہ چودھری سردار محمود کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ابدی زندگی میں راحت اور سکون عطا فرمائے۔ آمین۔

محمود ریاض صاحب کی برسی،

محمود ریاض صاحب کو دنیا سے رخصت ہوئے 15 سال گزر گئے۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ، شعاع اور کرن ان کے لگائے ہوئے وہ پودے ہیں جو ان کی یاد کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین۔
15 مئی کو ان کی برسی کے موقع پر دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں،

- نفیسہ سعید کا مکمل ناول۔ محبت خوشبو کی مانند،
- صدف آصف کا مکمل ناول۔ یوں ملے ہو،
- حوا بتول کا مکمل ناول۔ راستے اور منزلیں،
- صائمہ اکرم کا ناولٹ۔ سیاہ حاشیہ،
- ماجرہ ریحان، فرح بخاری، سنیعہ عمیر اور فرحت جبیں کے افسانے،
- گل رعنا کے ہیرو فیروز خان سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں۔ احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔

مئی کا شمارہ پڑھ کر ہمیں اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔ آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔

خاموشی ہو یا ہو بات
سب پر ظاہر تیری ذات

تیرے ہی دم سے میں ہوں
ورنہ کیا میری اوقات

تیری وحدت کی ہے گواہ
تیری ساری کائنات

میں ادنیٰ سا حمد گزار
تیری اعلیٰ ذاتِ صفات

میرے من کے صحرا پر
تیرے کرم کی ہو برسات

وہ باطل سے کیوں گھبرائے
سنگ ہو جس کے تیری ذات

در پر بیٹھا ہے نعمانؔ
دے دو اس کو بھی خیرات

نعمان فاروق

اُڑا کے لے جا مجھے اے ہوا مدینے میں
میری حیات کا ہے مدّعا مدینے میں

مرے جنوں کی ہوئی انتہا مدینے میں
کہ پھر رہا ہوں دریدہ قبا مدینے میں

نہیں ہے فکر کوئی اب گناہگاروں کو
شفاعتوں کا ہے اک آسرا مدینے میں

ابھی تو ذکرِ سفر تھا زباں ہوئی گُم صُم
میں کس طرح سے کروں گا ثنا مدینے میں

یہ چاند بھی ہے اُسی نقشِ پا کا اک ذرّہ
ہیں جس کے عکس سجے جا بجا مدینے میں

ہیں جس کے سامنے خورشید و ماہ بھی مدھم
ہے رحمتوں کا وہ روشن دیا مدینے میں

نہیں ہے فکر مجھے روزِ حشر کی عاجزؔ
مرے لیے ہیں شہہ دوسرا مدینے میں

افضال عاجزؔ

اذکار رنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تم جھوٹی بات سے بچو۔" (الحج۔30)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔" (الاسرا۔36)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انسان جو لفظ بھی بولتا ہے تو اس کے پاس ہی ایک نگران فرشتہ تیار ہوتا ہے۔" (ق۔18)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تیرا رب یقیناً" گھات میں ہے۔" (عملوں کو دیکھ رہا ہے۔) (الفجر۔14)

نیز فرمایا "(اہل ایمان) جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔" (الفرقان۔72)

سب سے بڑا گناہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں۔"

ہم نے کہا "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ (سیدھے ہو کر) بیٹھ گئے اور فرمایا۔

"سنو! اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔"

چنانچہ آپ برابر یہ بات دہراتے رہے ' یہاں تک کہ ہم نے کہا۔

"کاش! آپ خاموشی اختیار فرمالیں۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : اس سے واضح ہے کہ جھوٹی گواہی کتنا بڑا جرم ہے۔ لیکن بد قسمتی سے نام نہاد مسلمانوں میں دیگر کبیرہ گناہوں کی طرح اس کا ارتکاب بھی عام ہے۔

لعنت کرنے کے بعد

حضرت ابو زید ثابت بن ضحاک انصاری رضی اللہ عنہ ' جو بیعت رضوان کے شرکا میں سے ہیں ' روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص جان بوجھ کر اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ اس طرح ہی ہے جیسے اس نے کہا۔ اور جس شخص نے کسی چیز کے ساتھ خود کشی کی تو قیامت والے دن اسی چیز کے ساتھ اس کو عذاب دیا جائے گا اور آدمی پر اس نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ کسی اور دین کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح کہے : اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی یا عیسائی۔ اس سے اس کی نیت اگر واقعتاً" یہودیت یا عیسائیت کا اختیار کرنا ہے تو وہ فی الفور کافر (یہودی یا عیسائی) ہو جائے گا کیونکہ عزم کفر بھی کفر ہے۔ اور اگر مقصد اس سے دوسرے دینوں کے اختیار کرنے کی نفی کرنا ہے اور اس کا عزم ہے کہ وہ کبھی بھی دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار نہیں کرے گا ' تو اس انداز کی قسم بہرحال ناپسندیدہ اور معصیت ہے جس سے استغفار لازمی ہے۔

2۔ اس حدیث کے آخری فقرے سے واضح ہے کہ

کسی مومن پر لعنت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ قتل کے برابر جرم ہے۔

لعن طعن کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی راست باز (مومن) کے لیے مناسب نہیں کہ وہ لعن طعن کرنے والا ہو۔" (مسلم)

فائدہ : لعن طعن اور سب وشتم کمال ایمان و کمال صدق کے منافی ہے۔

لعنت کرنا

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت، اس کے غضب اور جہنم کی آگ کے ساتھ لعن طعن نہ کرو۔" (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

فائدہ : اس کا مطلب ہے کہ آپس میں اس طرح بددعا نہ کرو، تجھ پر اللہ کی لعنت ہو، یا اللہ کا غضب نازل ہو یا تو جہنم کی آگ میں جلے وغیرہ۔

مومن

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مومن طعنہ زنی کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش بکنے والا اور نہ فضول گوئی و زبان درازی کرنے والا۔" (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔)

فوائد و مسائل :

1۔ یہ مومن کامل کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔
2۔ طعنہ زنی سے مراد حسب و نسب کے حوالے سے یا غیبت و بدگوئی کے ذریعے سے تنقیص و تحقیر کرنا ہے۔
3۔ لعان، ہر وقت لعنت ملامت اور سب وشتم کرنے والا، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہو جاتی ہے کہ گالی کے بغیر کوئی بات ہی نہیں کرتے۔
4۔ فاحش سے مراد قول و فعل سے بے حیائی کا ارتکاب کرنے والا اور ... چرب زبان اور زبان دراز قسم کا آدمی، اور بے وقوف اور فضول گو بھی اس میں شامل ہے۔

لعنت کرنا

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے لیکن اس کے ورے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو اس کے دروازے بھی اس کے ورے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر دائیں اور بائیں سمت اختیار کرتی ہے۔ پھر جب کوئی گنجائش نہیں پاتی تو اس کی طرف لوٹتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر وہ چیز اس لعنت کی مستحق ہوتی ہے (تو اسی پر پڑتی ہے) ورنہ وہ لعنت کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔) (ابوداؤد)

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر لعنت کرنا (اسے اللہ کی رحمت سے محرومی یا اس کے عتاب و غضب کی بددعا دینا) ایسا فعل ہے کہ انسان خود اس کا مورد اور ہدف بن سکتا ہے۔ اس لیے اس سے حتی الامکان اجتناب ہی کرنا چاہیے۔

سواری

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر پر تھے اور ایک انصاری عورت اونٹنی پر سوار (اونٹنی سے) تنگ دل ہو گئی تو اس نے اس پر لعنت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنا تو فرمایا۔

"اس اونٹنی پر جو سامان لدا ہوا ہے وہ اتار لو اور اسے چھوڑ دو' اس لیے کہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔"

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا میں اب بھی اس اونٹنی کو دیکھ رہا ہوں' وہ لوگوں کے درمیان چل رہی ہے' کوئی اس سے تعرض نہیں کر رہا ہے۔ (مسلم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ تنگ دل ہو کر انسانوں کو تو کجا' جانوروں کو بھی بد دعا دینا اور ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں بعض لوگوں کو یہ مسئلہ پیش آیا کہ اونٹنی کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا' اس کو بار برداری کے کام میں لایا گیا اور نہ سواری کے' جیسے زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام وقف شدہ جانوروں کے ساتھ کیا جاتا تھا' جسے سائبہ کہا جاتا تھا' حالانکہ اس میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اسے سائبہ کی طرح مطلقاً" آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ صرف لعنت کی وجہ سے اسے اس چیز کا مستحق نہیں سمجھا گیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہے۔ اس صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس پر ہر قسم کے تصرفات کی اجازت تھی۔

2۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل بدعت اور اہل فسق و فجور کی صحبت و ہم نشینی جائز نہیں' اس لیے کہ وہ محل لعنت ہیں۔ جب ایسے جانور کو ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے' جس پر لعنت کی گئی ہو تو لعنتی کام کرنے والوں کی صحبت اور دوستی کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔

کوئی نام لیے بغیر لعنت کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔"

(ہود۔18)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"چنانچہ ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔" (اعراف۔44)

اور صحیح (بخاری و مسلم) میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اس عورت پر اللہ کی لعنت ہے جو دوسروں کے بال اپنے بالوں کے ساتھ ملائے اور اس پر بھی جو کسی دوسری عورت سے بال ملوائے (جڑائے)" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سود خور پر لعنت فرمائے۔"

نیز آپ نے تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو زمین کی حدوں میں ردّو بدل کرے۔"

اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے جو انڈے کی چوری کرتا ہے۔"

اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو اپنے ماں باپ پر طعن کرے۔" اور فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے۔"

اور فرمایا۔

"جو مدینے میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔"

اور فرمایا: "اے اللہ! رعل' ذکوان اور عصیتہ قبیلوں پر لعنت فرما' انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔" یہ تینوں عرب کے قبیلے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے' انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔"

اور آپ نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر (بھی لعنت کی) جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

یہ تمام الفاظ (جو مذکور ہوئے) صحیح احادیث میں

ہیں۔ ان میں سے بعض تو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہیں اور بعض ان میں سے کسی ایک میں ہیں۔ ان کی طرف اشارہ کرنے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

فائدہ : امام نووی رحمتہ اللہ کی نقل کردہ آیات و احادیث سے واضح ہے کہ اس طرح لعنت کرنا تو جائز ہے، ظلم کرنے والوں، جھوٹ بولنے والوں، قطع رحمی کرنے والوں پر لعنت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کسی ایک شخص کا نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، چاہے وہ بظاہر ظالم ہو، جھوٹا ہو، قاطع رحم ہو، قاتل ہو، کیونکہ کسی کو یہ پتا نہیں کہ جس شخص پر وہ اس کے ظلم یا جھوٹ یا کسی اور گناہ کی وجہ سے لعنت کر رہا ہے، اس نے اپنے اس گناہ سے توبہ کرلی ہو اور عنداللہ وہ ظالم یا جھوٹا وغیرہ شمار نہ ہو۔ اس لیے کسی بھی گناہ گار مسلمان کے لیے، چاہے وہ کتنا بھی بڑا گناہ گار ہو، اس پر اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے، مرنے سے پہلے اس نے خالص توبہ کرلی ہو اور اللہ نے اسے معاف کر دیا ہو۔ صرف یہ کہنا جائز ہے، جھوٹوں پر، ظالموں پر یا فلاں فلاں کام کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

مسلمان کو ناحق تکلیف دینا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور وہ لوگ جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر قصور کے تکلیف پہنچاتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔" (الاحزاب۔58)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمان کو گالی دینا فسق (اللہ کی حکم عدولی) ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : مومن کے قتال کو کفر کہنے کا مطلب ہے کہ گناہ اور حرمت میں کفر کی طرح ہے۔ اس سے اس جرم کی شدت واضح ہے۔ اس میں مسلمان کو سب و شتم یا اس سے جھگڑا کرنے کی ممانعت ہے۔

واپس لوٹنا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہو تو یہ تہمت اسی کی طرف لوٹ آتی ہے۔" (بخاری)

فائدہ : مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کی بابت یہ کہے کہ وہ تو فاسق یا کافر ہے در آں حالیکہ وہ فاسق یا کافر نہیں ہے تو خود کہنے والا عنداللہ فاسق یا کافر قرار پا جائے گا، اس لیے اس قسم کے دعووں سے بچنا چاہیے۔

گالی دینا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آپس میں گالی دینے والے دو شخص، جو کچھ ایک دوسرے کو کہیں گے، اس کا گناہ ابتدا کرنے والے کو ہو گا، یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کا ارتکاب کرے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان نے گالی دی اور دیگر ناجائز باتیں کیں تو دوسرے مسلمان نے بھی جواب میں اسی طرح کی گالی دی اور دیگر ناجائز باتیں کیں۔ اس نے اس کی باتوں سے تجاوز نہیں کیا تو اس صورت میں سب و شتم کا سارا گناہ ابتدا کرنے والے کو ہو گا۔ ہاں، اگر دوسرا (مظلوم) شخص بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کر گیا تو پھر اپنی زیادتی کے حساب سے وہ بھی گناہ گار ہو گا۔

2۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے لیکن بدلہ لیتے وقت عام طور پر انسان حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور مظلوم کی جگہ ظالم بن جاتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ انسان بدلہ لینے کے بجائے معاف کر

دے اور صبر اور عفو (درگزر) کو اپنا شعار بنائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شرابی آدمی لایا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے مارو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے کوئی اسے اپنے ہاتھ سے 'کوئی اپنے جوتے سے اور کوئی اپنے کپڑے سے مار رہا تھا۔

جب وہ (مار کھا کر) جانے لگا تو لوگوں میں سے کسی نے کہا۔

''اللہ تجھے رسوا کرے۔''

آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس طرح مت کہو 'اس کے خلاف شیطان کی مدد مت کرو۔'' (بخاری)

فوائد و مسائل :

1۔ گناہ گار کو بد دعا دینے سے شیطان کی مدد ہوتی ہے کیونکہ شیطان کا مقصد بھی مسلمان کو عند اللہ ذلیل و خوار کرنا ہی ہے 'تو جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر لعنت کرتا یا اسے ذلت و رسوائی کی بد دعا دیتا ہے تو گویا وہ شیطان کے مشن ہی کی تکمیل کرتا ہے۔ اس لیے گناہ گار کو بد دعا نہیں دینی چاہیے 'اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔

2۔ اس میں شرابی کو صرف زدو کوب کرنے کا ذکر ہے۔

یہ حد کے مقرر ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے پر چالیس کوڑوں کی حد نافذ فرمائی۔ اس لیے راجح مسلک یہی ہے کہ شراب نوشی کی سزا بطور تعزیر نہیں 'بطور حد ہے اور وہ ہے چالیس کوڑے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی حد کو نافذ کیا 'البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب شراب نوشی کا رواج کچھ زیادہ ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چالیس کے بجائے اسی کوڑے اس کی سزا کر دی۔

علمائے محققین نے کہا ہے کہ حد تو چالیس کوڑے ہی ہے 'البتہ بطور تعزیر چالیس کوڑوں یا اس سے کم و بیش کا حق امام وقت اور قاضی کو حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اضافہ بھی بطور تعزیر ہی ہے ورنہ حد میں کسی کو بھی کمی بیشی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

دس بار

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے 'نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دس مرتبہ یہ کلمات کہے۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر۔

ترجمہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اور تمام تعریفات اسی کے لیے ہیں۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''

تو اس کا یہ عمل اس شخص کی طرح ہے جس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کیے۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ : حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے غلام بطور تمثیل کے ہے 'یعنی نہایت بیش قیمت غلام آزاد کرنے کا ثواب۔

سب سے زیادہ محبوب

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

''کیا میں تجھے ایسا کلام نہ بتلاؤں جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ بے شک اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کلام سُبحان اللّٰہِ وَ بحمدہ ہے۔'' (مسلم)

میرا بھائی میرا دوست

چوہدری سردار محمود

محمود ریاض اگرچہ میرا چھوٹا بھائی تھا لیکن ہم دونوں کا تعلق دو بہت ہی اچھے اور گہرے دوستوں کی مانند تھا۔ نہ اس نے کبھی مجھ سے کوئی بات پوشیدہ رکھی اور نہ ہی میں نے اس سے اپنی زندگی کا کوئی گوشہ چھپایا۔ وہ دنیاوی معاملات میں بھی مجھ سے بہت آگے نکل گیا تھا۔ جیسے زندگی کے سفر میں بھی وہ مجھے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ وہ وہاں جا چکا ہے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا... وہ مجھے اپنی باتیں... اپنی یادیں سمیٹنے کے لیے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

محمود ریاض کو بچپن ہی سے کہانی بنانے اور کہانی سنانے کا بڑا شوق تھا۔ وہ ابھی چھوٹا ہی تھا جب وہ رات کو گھر کی چھت پر سونے سے پہلے بڑے بھائی انشاء جی اور مجھے روزانہ نئی سے نئی کہانی گھڑ کر ضرور سنایا کرتا۔ اس کی کہانی بھی شیطان کی آنت کی طرح بہت طویل ہوتی۔ اکثر کہانی سنتے سنتے انشاء جی اور میں سو جاتے لیکن اس کی کہانی کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ کچھ ہی عرصے بعد انشاء بھائی کو اپنی تعلیم کے سلسلے میں لدھیانے جانا پڑا تو ریاض کی کہانیاں سننے کا "بوجھ" اکیلے مجھ ناتواں کو اٹھانا پڑا۔ وہ تھوڑا بڑا ہوا تو یہ کہانیاں اب ناولوں اور افسانوں کی شکل اختیار کر گئیں۔ وہ بڑی صلاحیت سے ہر چھوٹے بڑے اپنے اور یہاں تک انشاء جی کے ملنے والے دوستوں کو بھی اپنے ناول اور افسانے سنانا شروع کر دیتا۔

مشہور ادیب حمید اختر نے اپنے ایک کالم میں ریاض کی اس عادت کا بڑا دلچسپ تذکرہ کیا ہے۔ کہ وہ ایک دفعہ انشاء جی سے ملنے ہمارے گھر آئے لیکن انشاء جی گھر پر موجود نہیں تھے۔ ریاض نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور اپنا نیا افسانہ سنانا شروع کر دیا۔ حمید اختر جب سنتے سنتے اکتا گئے تو تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلے، اپنی سائیکل اٹھائی اور اندھا دھند اسے چلانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے سائیکل قدرے آہستہ کی تو پیچھے بیٹھے ریاض نے پھر سے انہیں اپنا افسانہ سنانا شروع کر دیا۔

ریاض کو انشاء جی سے بہت محبت تھی اور انشاء جی بھی ریاض کو بہت چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انشاء جی جب اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملازمت کے سلسلے میں انبالہ چھاؤنی گئے تو ریاض کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور اسے وہاں کے ایک اسکول میں داخل کرا دیا۔ میں ان دنوں گاؤں کے اسکول سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے لدھیانہ جا چکا تھا۔ اسی دوران انشاء جی کی تبدیلی انبالہ سے پونا ہو گئی تو ریاض کو بھی لدھیانہ آنا پڑا۔ لدھیانہ میں میرے اور ریاض کے اسکول اور ہاسٹل الگ الگ تھے لیکن ہم دونوں شام کے وقت اکٹھے ہو جاتے اور جگرانواں والا پل پر جس کے نیچے سے ریل گزرتی تھی۔ جا کر بیٹھ جاتے۔ مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کا گھر بھی اسی پل کے قریب تھا۔ ہم وہاں گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہتے اور وہاں سے گزرنے والی ریل گاڑیوں کو دیکھتے رہتے۔ اندھیرا ہونے پر ہم وہاں سے چل دیتے اور رات کا کھانا لکڑ بازار کے ایک چھوٹے سے ہوٹل سے کھا کر اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل پڑتے۔ یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ میں میٹرک کر کے بمبئی چلا گیا لیکن ریاض لدھیانے میں ہی رہا۔ انشاء بھائی جان ان دنوں دہلی میں تھے۔ ریاض کی خواہش تھی کہ وہ بھی ان کے پاس وہیں چلا جائے اور وہاں تعلیم حاصل کرے لیکن بھائی جان نے اسے منع کر دیا کیونکہ دوسری جنگ

عظیم ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان میں آزادی کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔

تقسیم کے وقت میں بھی اپنے گاؤں آیا ہوا تھا۔ ہم اپنے گھر والوں کے ساتھ پاکستان آگئے۔ لاہور میں انشاء بھائی دہلی سے آچکے تھے' وہ ریڈیو پاکستان سے منسلک تھے۔ ہم بھی ان کے ساتھ ہی رہنے لگے' چند دنوں بعد میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں کراچی چلا گیا اور ریاض جو اس وقت نویں جماعت کا طالب علم تھا' اسکول جانے لگا۔ میٹرک کے بعد اس نے دیال سنگھ کالج میں داخلہ لے لیا۔ انشاء بھائی کو بھی ملازمت کی وجہ سے کراچی جانا پڑا' میں 1950ء میں ملازمت کو خیر باد کہہ کر لاہور آگیا تو انشاء بھائی ریاض کو اپنے ساتھ

کراچی لے گئے وہاں انہوں نے اسے اسلامیہ کالج میں داخلہ دلا دیا۔ پھر اسے ایک ملازمت مل گئی جس کا تعلق آڈٹ ڈیپارٹمنٹ سے تھا۔ وہاں کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر اس نے استعفیٰ دے دیا اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس نے متعدد ناول لکھے جن کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے' اس دوران مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے اسے ذاتی ادارہ قائم کرنے کے لیے کہا۔ اس نے لارک پبلشرز کے نام سے کتابوں کی اشاعت کا آغاز کیا۔ جس کے تحت اس نے ملک کے مشہور مصنفین کی کتابیں شائع کیں۔ کتابوں کی دنیا سے اس کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ اسے ملک میں شائع ہونے والی ہر کتاب کی سطریں' صفحات اور قیمتیں زبانی یاد تھیں۔ پھر اس نے مجھے بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کے لیے کہا۔ میں نے اس کے کہنے پر کئی ناول لکھے۔ جو چھپے بھی اور بکے بھی۔

اس نے بے شمار مضامین بھی لکھے جو اس وقت کے مشہور اخبار "امروز" میں شائع ہوئے۔ نفسیات کے بارے میں اس کا مطالعہ بہت گہرا تھا۔ اس نے نفسیات ڈائجسٹ کے نام سے ایک ماہنامے کا اجراء کیا۔ ڈائجسٹوں کی دنیا میں اس کا یہ پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد اس نے خواتین ڈائجسٹ اور عمران ڈائجسٹ کے نام سے دو رسالے جاری کیے۔ ڈائجسٹوں کی

اشاعت کے بعد وہ سارا سارا دن محنت کرتا اور انہیں خوب صورت بنانے کے لیے اس سے جو بھی بن پڑتا کرتا۔ خواتین ڈائجسٹ کی اشاعت کے کچھ سالوں بعد اس نے کرن کا اجراکیا اور نفسیات ڈائجسٹ کی اشاعت معطل کردی۔ اب وہ ایک ہی وقت میں تین ڈائجسٹوں کی ترتیب' اشاعت اور تقسیم کا بار اٹھائے ہوئے تھا۔

اس دوران اس کا بڑا بیٹا محمود بابر فیصل اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی محنت بر آئی اور خواتین ڈائجسٹ کی اشاعت میں اضافہ ہونے لگا۔ پھر ایک دن اسے نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے شعاع کے نام سے ایک نئے ڈائجسٹ کو اپنے ادارے میں شامل کرلیا۔

میں جب بھی کراچی جاتا یا وہ لاہور آتا تو اپنے آئندہ پروگراموں سے مجھے ضرور آگاہ کرتا۔ ہم کراچی یا لاہور کی سڑکوں پر گھومتے پھرتے اور گپیں ہانکتے۔

ڈائجسٹوں کی کامیاب اشاعت کے باوجود وہ ہمارے ہاں کے نیوز ایجنٹوں سے بہت شاکی رہتا تھا کیونکہ وہ لوگ وقت پر فروخت شدہ پرچوں کی قیمت ادا نہیں کرتے تھے اور پھر وہ وقت آگیا جس کا اسے انتظار تھا۔ اب نیوز ایجنٹ ایجنسی حاصل کرنے کے لیے اسے پیشگی رقم بطور ضمانت دینے کو تیار ہوگئے۔ گزرے دنوں کا ذکر وہ اکثر کیا کرتا تھا۔ اب اس کے لگائے گئے یہ پودے تناور درخت بن چکے تھے۔ اس کے پاس اچھا دفتر تھا اور محنتی اسٹاف تھا۔ جس کی تعریف وہ اکثر کرتا تھا۔

انشاء بھائی سے اسے بے پناہ محبت تھی۔ جب وہ بیمار ہوئے تو وہ سب کچھ بھول کران کے علاج کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ انشاء بھائی جان علاج کے لیے لندن گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچ گیا اور اسپتال میں جو لندن سے باہر تھا۔ انہیں ہر روز ملنے جاتا تھا۔

انشاء بھائی جان کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ پھر وہ ان کا جسد خاکی لے کر پاکستان آگیا۔ میں بھی ان

دنوں کراچی میں تھا۔ ان کی تدفین کے بعد ریاض باتیں کرتے کرتے چپ ہوجاتا اور دور خلاؤں میں گھورنے لگتا۔ کیونکہ انشاء بھائی نے اس کے سامنے جان دی تھی۔ میں ایک ماہ وہاں ٹھہرا۔ وہ پھر سے اپنے کام میں دلچسپی لینے لگا۔

میں نے اس کے مشورے پر لاہور سے "حنا" کا اجراء کیا۔ جسے اب تک جاری رکھے ہوئے ہوں پھر اس کے دو آپریشن ہوئے ایک پتے کا اور دوسرا آنکھ کا اس دوران اس نے مجھے اپنے پاس سے ہلنے نہ دیا۔ پھر نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ اپنے بڑے بیٹے محمود بابر فیصل کی ادارت میں ایک روزنامہ جاری کیا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے بیٹا محمود بابر فیصل جسے سب لوگ بے انتہا چاہتے تھے ایک ہفتہ کومے میں رہ کر انہیں داغ جدائی دے گیا۔ میں اس وقت بھی اس کے پاس تھا۔ جوان بیٹے کی بے وقت موت نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ مجھے فون کرتا اور میں اگلی فلائٹ سے کراچی چلا جاتا۔ ہم دونوں اکثر ساحل سمندر پر چلے جاتے اور بلا مقصد گھومتے رہتے۔ پھر رات گئے گھر آکر کھانا کھا کر باتوں کا سلسلہ جاری رکھتے اور صبح

کے وقت سو جاتے تھے۔ میں سارا سارا دن اس کے پاس بیٹھا رہتا۔

ابھی وہ بڑے بیٹے کا غم بھول نہ پایا تھا کہ اسے ایک اور عظیم حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کا دوسرا جوان بیٹا محمود خاور جو بچوں میں اپنی کتابوں کی وجہ سے بہت مقبول تھا۔ اچانک اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جس نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ دو جوان بیٹوں کی بے وقت جدائی نے اس کی صحت کو تباہ کر دیا تھا۔ میں اس وقت بھی اس کے پاس تھا لیکن مجھ میں اسے حوصلہ دینے کی ہمت نہ تھی۔ ہم گھنٹوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے رہتے لیکن کوئی بات نہ کرتے نہ مجھ میں بات کرنے کی ہمت ہوتی اور نہ ہی وہ خاموشی توڑنے کی کوشش کرتا۔

پھر قدرے ہمت سے کام لیتے ہوئے اس نے زندگی سے سمجھوتا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ اس وقت تک دمہ جیسے موذی مرض کا شکار ہو چکا تھا۔ پتے کے نکل جانے کی وجہ سے اس کا نظام ہضم بھی متاثر ہوا تھا اس کے ادارے سے شائع ہونے والے ڈائجسٹ اپنی بلندیوں کو چھونے لگے تھے۔ اسے کسی چیز کی کمی نہ تھی لیکن بیٹوں کی موت کا دکھ اسے اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔ اب اس کے پاس سکون کے سوا سب کچھ تھا۔ اب اس نے اپنی توجہ کاروبار کے ساتھ ساتھ فلاح و بہبود کے کاموں کی طرف مبذول کر دی۔

میں ہر ہفتہ کی شام باقاعدگی سے اس سے فون پر اس کی صحت کے بارے میں معلوم کرتا رہتا تھا۔ اسے جب کبھی میری خرابی صحت کی خبر ملتی تو بے چین ہو جاتا اور لاہور آنے کا کہتا لیکن میں اس کی بیماری کی وجہ سے اسے روک دیتا تھا۔ اور وہ تقاضا کرنے لگتا کہ میں اس کے پاس کراچی چلا آؤں۔ میں جب بھی کراچی جاتا تو کئی دن اس کے پاس ہی رہتا تھا۔ وہ مجھے دوسرے عزیزوں کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ وہ کہتا کہ "آپ میرے پاس آئے ہیں۔ اب میرا آپ پر حق ہے جتنے دن کراچی رہیں گے میرے ساتھ ہی رہیں گے۔" میں اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیتا تھا۔

وہ مجھے اپنے ڈائجسٹوں کی بڑھتی ہوئی مانگ سے مطلع کرتا رہتا تھا اور خوشی کا اظہار کرتا اور مجھے بھی "حنا" کے بارے میں اکثر مشورے دیتا رہتا تھا۔

20 اگست 2000ء کو اس کے دوسرے بیٹے محمود خاور کی پہلی برسی تھی۔ میں 18 اگست کو کراچی چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے عزائم ٹوٹ پھوٹ گئے ہوں۔ میں اور وہ اس کمرے میں جس میں محمود خاور پڑھنے لکھنے کا کام کرتا تھا۔ بند ہو کر رہ گئے۔ ہم صوفے پر ہی لیٹتے اور دن رات محمود خاور کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ میں بڑی مشکل سے اسے وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر سے اپنے کاموں میں دلچسپی لینے لگا اور میں لاہور آ گیا۔ اس نے چند دنوں بعد مجھ سے لاہور آنے کا وعدہ کیا۔ جسے وہ پورا نہ کر سکا۔ وہ لاہور کی سردی اور گرمی سے بہت گھبراتا تھا۔ ایک دو بار تو اس نے ٹکٹ بھی خریدا لیکن نہ آ سکا۔

اس نے مارچ 2001ء کے آخری دنوں میں مجھے کراچی آنے کے لیے فون کیا۔ لیکن میں مصروفیت کی وجہ سے نہ جا سکا اور میں نے مئی کے وسط میں آنے کو کہا۔ جب میں نے اسے اپنی مصروفیت کی وضاحت کی تو وہ مان گیا۔ 3 مئی جمعرات کے روز اس کی اہلیہ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئیں جس کی اطلاع مجھے

اعتذار

نبیلہ عزیز کے ناول "رقص جنوں" کی قسط تاخیر سے موصول ہونے کی وجہ سے اس ماہ شامل اشاعت نہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔

ایک عزیز نے 7 مئی کو فون پر دی۔ اس دن لاہور میں بادوباراں کے طوفان کی وجہ سے میں ٹیلیفون نہ کر سکا' البتہ 8 مئی کو میری فون پر اس سے بات ہوئی۔ اس کے لہجے میں دکھ کا عنصر نمایاں تھا۔ پھر میں نے 9 مئی رات 10 بجے فون کیا لیکن اس سے بات نہ ہو سکی البتہ اس کی خیریت کی اطلاع مل گئی۔

پھر وہ منحوس گھڑی آن پہنچی۔ رات تقریباً" دو بجے کسی شخص نے فون پر ان کی خرابیٔ طبیعت کی وجہ سے اسپتال لے جانے کی اطلاع دی اور اس کے چند لمحوں کے بعد خالدہ جیلانی نے بھی اس بات کی تصدیق کردی۔ اس وقت صبح 3 بجے ایک فلائٹ کراچی جاتی تھی جسے پکڑنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی مجھے اس کی وفات کی جانکاہ خبر مل گئی۔

میں اپنے گھر والوں کے ساتھ گیارہ بجے کی فلائٹ سے کراچی چلا گیا۔ وہ بھائی جو میری آمد پر خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا' میرے سامنے بیگانوں کی طرح چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آنکھ کھول کر بھی نہ دیکھا۔

پھر اسے انشاء بھائی' ماں جی' بہن حمیدہ اور اس کے دو بیٹوں کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔

میں تین چار دن وہاں رہا لیکن کسی پل چین نہ پڑتا تھا۔ میں لاہور واپس آگیا۔

جب بھی ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ میں اس کی جانب دیکھنے لگتا ہوں۔ جس کے دم قدم سے میرے لیے کراچی آباد تھا۔ اب وہی کراچی میرے لیے ویران ہوگیا ہے۔ لاکھوں لوگ سڑکوں پر آجا رہے ہوں گے لیکن میرا بھائی' میرا دوست ان میں نہیں ہوگا۔

ہفتہ کے روز میں ٹیلی فون سیٹ اٹھاتا ہوں۔ اس کے نمبر ڈائل کرتا ہوں۔ گھنٹی بجتی ہے اور میں بند کردیتا ہوں اور اس کی یادوں میں کھو جاتا ہوں۔ یادیں جوائنٹ ہوتی ہیں اور کبھی دل سے محو نہیں ہوتیں۔

☼

"خوش رہو.... کیا ہو رہا ہے آج کل.... اور ماشاء اللہ "گل رعنا" میں آپ کی پرفارمنس لاجواب تھی"۔

"شکریہ.... جو کچھ ہیں آپ سب کی دعاؤں اور پسندیدگی کی وجہ سے ہی ہیں.... حوصلہ افزائی انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ تب ہی آگے بڑھنے کی ہمت آتی ہے اور مصروفیات تو آپ کو پتا ہے کہ اس فیلڈ کی ہوتی ہیں۔"

"گل رعنا" میں نگیٹیو رول تھا.... لوگوں نے برا کہا ہوگا آپ کو؟"

ہنستے ہوئے "یہی تو کامیابی ہے.... ویسے لوگوں نے بہت زیادہ برا بھی نہیں کہا.... ہاں یہ ضرور کہا کہ اتنی معصوم لڑکی کو کیوں دکھ دے رہے ہو؟" قہقہہ....

گلِ رعنا کے ہیرو

فیروز خان سے ملاقات

شاہین رشید

ڈراما سیریل گل رعنا کے دو کردار بہت مقبول ہوئے "گل رعنا کے کردار میں سجل علی" جو پورے ڈرامے میں ایک معصوم لڑکی بنی رہی۔ حالانکہ اپنے شوہر کو اپنا نہ بنا سکنے میں سب سے بڑی قصوروار وہی تھی۔ اور دوسرا "عدیل" کے کردار میں "فیروز خان" .... جن کا نگیٹیو اور نفسیاتی کردار تھا.... جو کہ فیروز خان نے بہت خوب صورتی سے ادا کیا جبکہ حقیقی زندگی میں میری ان سے جتنی بھی بات چیت ہے' میں نے انہیں ایک بہت اچھا انسان پایا.... فنکار تو اصل میں وہی ہوتا ہے نا جو کہ اپنی پرفارمنس سے محبت اور نفرت کروا سکے.... بلاشبہ فیروز خان ایک اچھا فنکار ہے۔

"کیا حال ہیں....؟"

"جی آپ کی دعائیں ہیں آپا۔"

"معصوم لڑکی بھی تو کچھ زیادہ ہی ضدی اور انا پرست ہو گئی تھی....؟"

"جی جی.... بس اس لیے تو عدیل سدھرنے کے بجائے خراب ہی ہوتا گیا۔"

"اور حادثہ نہ ہوتا تو خراب ہی ہوتا چلا جاتا....؟"

قہقہہ "آخر رائٹر نے اسے ٹھیک بھی تو کرنا تھا.... تو بس جی یہ اصلی زندگی ہو یا ڈراما ہو.... کوئی حادثہ ہی انسان کو بگاڑ بھی دیتا ہے اور سنوار بھی دیتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا.... اس سیریل میں اگر کسی کی اداکاری کی تعریف کرنا چاہیں تو کس کی کریں گے؟"

"میرے خیال میں سب نے ہی بہت اچھا پرفارم کیا ہے.... لیکن سجل کی اداکاری کی میں ضرور تعریف کروں گا اور ویسے بھی میں سجل کو حقیقی آرٹسٹ سمجھتا ہوں کیونکہ وہ بہت توجہ کے ساتھ گہرائی میں جا کر اور

بہت ڈوب کر اداکاری کرتی ہے... کبھی کوئی غصے والا سین کرنا ہوتا تھا تو کہتی تھی کہ کوئی ایسی بات کریں کہ مجھے سچ مچ غصہ آجائے تاکہ میری اداکاری میں حقیقی پن نظر آئے... تو بس ویسے سب نے بہت اچھا پرفارم کیا... اوور آل دیکھا جائے تو سیریل کافی پسند کیا گیا۔"

"اچھے پرفارمر ہیں... مگر بہت کم اسکرین پہ نظر آتے ہیں' کیوں؟"

"سچ بتاؤں' مجھے ہر وقت اسکرین پہ رہنا پسند نہیں ہے میں کم کام کرکے زیادہ نام کمانا چاہتا ہوں' یہ میری اپنی سوچ ہے کہ زیادہ کام سے بے شک پیسہ زیادہ آتا ہے مگر ایک تو ہر وقت اسکرین پہ رہنے والوں کو لوگ پسند نہیں کرتے' دوسرے یہ کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے کام سے انصاف نہیں کرسکتے... تو جناب ناظرین ذرا گیپ سے دیکھیں تو اچھا لگتا ہے۔"

"ڈرامہ سیریل "چپ رہو" سے شہرت پائی' اس کردار اور "گل رعنا" کے کردار کا کوئی موازنہ ہے؟"

"کوئی موازنہ نہیں' دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے "گل رعنا کا عدیل تو کسی اور ہی ٹائپ کا بندہ تھا اور "چپ رہو" کا آذر دوسروں پر انحصار کرنے والا... جو اپنی بیوی کا دفاع بھی نہیں کرسکتا تھا... تو مجھے ذرا مختلف قسم کے کردار کرنے میں ہی مزا آتا ہے۔"

"اگلا سیریل کون سا ہے...؟"

"ابھی کچھ نہیں بتا سکتا... آپ خود دیکھیے گا تو آپ کو اندازہ ہوگا۔ کیونکہ پبلسٹی کرکے لوگوں کو کسی چیز کو دیکھنے پر مجبور کرنے کو میں کامیابی نہیں سمجھتا... ہاں ناظرین کو معلوم ضرور ہونا چاہیے کہ ان کے پسندیدہ

آرٹسٹ کا نیا سیریل کب شروع ہوگا' ویسے بھی ایک پروجیکٹ مکمل ہونے کے بعد ہی میں دوسرا پروجیکٹ سائن کرتا ہوں۔"

"آج کل سب اچھے آرٹسٹ بھارت کا رخ کر رہے ہیں آپ کب بھارت کو پیارے ہو رہے ہیں؟"

قہقہہ "پیارے... ابھی تو نہیں... فیوچر کے لیے

کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لوگ کہتے ہیں آفرز ہو رہی ہیں' میں سوچ رہا ہوں... میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا... جس دن سائن کرلوں گا' کام شروع کردوں گا' اسی دن بتاؤں گا۔"

"کب احساس ہوا کہ مجھ میں اداکاری کے جراثیم بھی ہیں اور مجھے اس فیلڈ میں آنا چاہیے؟ یا بہن سے سفارش کرائی...؟"

"ہرگز نہیں... بہن کی سفارش سے نہیں بلکہ سو فیصد اپنی صلاحیت سے آیا ہوں۔ تھوڑی دیر سے ضرور آیا ہوں' مگر اپنی تعلیم مکمل کرکے آیا ہوں... اور کس طرح آیا اور کب احساس ہوا کہ مجھ میں اداکاری کے جراثیم ہیں تو آپ کو پتا ہی ہے کہ گھر میں پہلے سے ایک پرفارمر موجود تھی' انہیں دیکھ دیکھ کر بھی اور جب ڈرامے دیکھتا تھا تو مجھے لگتا تھا کہ یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں... بلکہ زیادہ اچھا کرسکتا ہوں۔ اب ہمارے یہاں کوئی اکیڈمی تو ہے نہیں کہ بندہ وہاں جائے اور کچھ سیکھے۔ تو بس اپنے بل بوتے پہ گیا اور اللہ نے کامیابی دی۔"

"پھر اداکاری کرکے کیا اندازہ ہوا کہ کام آسان ہے

یا مشکل؟"

ہنستے ہوئے "ففٹی ففٹی ہے.... کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جن میں پرفارم کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی.... آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ ہاں کچھ کردار ایسے ہیں جن میں تھوڑی مشکل ہوتی ہے.... جیسے گل رعنا کے بعض سین ایسے تھے کہ تھوڑی مشکل ہوئی۔"

"کیا فرق ہے عام زندگی میں اور ڈرامے میں؟"

"بہت فرق ہے.... ڈراما' ڈراما ہوتا ہے اور عام زندگی' عام ہی ہوتی ہے۔ ڈراما بالکل مختلف چیز ہے۔ ہم اداکاری کر رہے ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے کا کردار نبھا رہے ہوتے ہیں.... اور ریئل لائف میں ہم خود ہوتے ہیں.... سب کچھ حقیقت.... نو ڈراما۔"

"کیسا کردار کرنے کا شوق ہے؟"

قہقہہ.... "ایک لوربوائے کا.... میں عام شوہروں والے رول نہیں کرنا چاہتا۔"

"لڑکے تو اپنی حقیقی زندگی میں بھی ایسے ہی ہوتے ہیں؟"

"ہوتے ہوں گے.... مگر میں ایسا نہیں ہوں۔ میرا تو سارا دھیان اپنے کام پر ہوتا ہے' فرصت ہی نہیں ملتی کچھ کرنے کی۔"

"کتنے سال ہو گئے اس فیلڈ میں اور اتنے اچھے آرٹسٹ ہیں' جلدی کیوں نہیں آئے اس فیلڈ میں؟"

"جلدی کیوں نہیں آیا.... تو بات یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنی پڑھائی کو چھوڑ کر اس فیلڈ میں آجاؤں.... کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اگر اس فیلڈ میں آ گیا تو پھر پڑھائی بیچ میں ہی رہ جائے گی۔ اور ویسے بھی میں پاکستان میں نہیں تھا بلکہ لندن میں لندن کی لا یونیورسٹی سے لا پڑھ رہا تھا.... بس پڑھائی مکمل ہوئی اور میں آ گیا' اور یہ بات 2014ء کی ہے۔ یہاں سب مجھے جانتے تو تھے ہی تو آنے کے کچھ ہی عرصے کے بعد یاسر نواز نے "چپ رہو" کے لیے بک کر لیا اور اس نے مجھے بہت شہرت بھی دی.... اور ایک کے بعد ایک آفرز آئیں' مگر کام وہی لیا جو میرے دل کو بھایا۔"

"مستقبل میں اس فیلڈ میں ہی رہنا ہے یا اس فیلڈ کے کسی اور شعبے میں جانا ہے؟"

"سچ بتاؤں.... میں نے کبھی فیوچر پلاننگ نہیں کی' میرے لیے جو کچھ ہے وہ آج ہے.... لمبی چوڑی پلاننگ کروں اور پھر اس پر عمل نہ کر سکوں تو فائدہ.... میرا رب جو راستہ مجھے دکھاتا ہے میں اسی پہ چلتا ہوں اور اس لیے کامیاب بھی رہتا ہوں۔"

"اگر کل کی پلاننگ نہیں تو پھر تو جو کمایا وہی کھا پی کر حساب برابر کر لیا کہ جو ہو گا کل دیکھا جائے گا؟"

ہنستے ہوئے.... "نہیں ایسا نہیں ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے جو کماتا ہوں وہ اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ایک دن میں ختم ہو جائے.... بہت محنت سے کماتا ہوں اور بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہوں.... بالکل بھی فضول خرچ نہیں ہوں.... کل کی فکر رہتی ہے مگر اس فکر میں اپنا آج خراب نہیں کرتا لائف کو انجوائے کرتا ہوں۔"

"لا پڑھ کر ڈگری کو کام میں لانے کا نہیں سوچا؟"

"سوچا تھا.... مگر پھر سوچا کہ پہلے شوبز کی فیلڈ کو آزمالوں' اگر اس فیلڈ میں کامیاب نہ ہوا تو پھر لا کی پریکٹس شروع کر دوں گا.... مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے کامیاب کر دیا.... اب جب تک کامیابیاں ملتی رہیں اس فیلڈ کو ہی پروفیشن بناؤں گا.... ورنہ ڈگری تو ہے میرے پاس۔"

"لوگ ملک سے باہر جاتے ہیں۔ تعلیم مکمل کرتے ہیں اور پھر وہیں پر رہ کر کماتے ہیں.... آپ کا دل نہیں چاہا ایسا کرنے کو؟"

"نہیں.... ہرگز نہیں.... مجھے اپنے وطن پاکستان سے بہت پیار ہے اور اپنے ملک میں بھی بہت مواقع ہیں کمانے کے' بس آپ کا باصلاحیت اور پڑھا لکھا ہونا بہت ضروری ہے۔"

"دوران تعلیم وقت کیسا گزرا؟.... پڑھائی کی یا کمائی بھی کی؟"

"وہاں.... ڈگری کے بغیر اچھی جاب ملنا تقریباً" ناممکن ہے.... ہاں طلبہ کے لیے یہ سہولت ہے کہ وہ فارغ اوقات میں چھوٹی موٹی جاب کریں تاکہ اپنی گزر

اوقات اچھی طرح کرلیں... تو میں بھی جاب کرتا تھا اور ساتھ ساتھ پڑھائی بھی... والدین کی سپورٹ شامل حال رہی... مگر کچھ فرض اولاد کا بھی ہے کہ وہ ایک جائز حد تک اپنے والدین کی سپورٹ حاصل کرے۔"

"والدین خوش ہیں، آپ کی تعلیم اور دوران تعلیم آپ کی جاب اور اب شوبز سے وابستہ ہونے پر؟"

"جی الحمد للہ بہت خوش ہیں... میری تعلیم سے، میری جاب سے اور اب اس فیلڈ میں میری کامیابی سے، والدین اولاد سے کیا چاہتے ہیں؟ اپنی اولاد کی کامیابیاں اور باکردار ہونا... اور اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اپنے والدین کو مایوس نہیں کیا ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

"جی بالکل... 11 جولائی 1990ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوا، ستارہ کینسر ہے۔ قد کا ماشاء اللہ لمبا ہوں، 5 فٹ 11 انچ ہے۔ 4 بہنیں ہیں میری، دو کا تعلق تو اس فیلڈ سے ہے... دو کا نہیں ہے... ہم دو بھائی ہیں اور بہن بھائیوں میں میرا نمبر پانچواں ہے اور تعلیم کے بارے میں آپ کو بتایا کہ بزنس لاء کیا ہے۔"

"آپ کے نام کے ساتھ "خان" لکھا جاتا ہے... اس کی کوئی خاص وجہ؟ باقی بہن بھائی "ملک" لگاتے ہیں؟"

"جی جی... یہ بہت اہم سوال آپ نے کیا... میں اس کا آپ کو جواب دیتا ہوں۔

میرے پردادا کا نام "ملک فیروز خان" تھا اور ان کو سب "خان" صاحب کہہ کر بلاتے تھے، ہمارے خاندان میں سولہ سال سے کسی لڑکے کی پیدائش نہیں ہوئی تھی... تو جب میرے ابو کی شادی ہوئی تو میرے دادا کی خواہش تھی کہ اگر ہمارے گھر بیٹا پیدا ہوا تو میں اس کا نام اپنے والد کے نام پر رکھوں گا... چنانچہ جب چار بہنوں کے بعد میں پیدا ہوا تو میرے دادا نے میرا نام "فیروز خان" رکھا یہ کہانی ہے میرے نام کی... تو صرف خان ہی نہیں بلکہ فیروز خان میرے پردادا کے نام پر ہے... اور مجھے اپنا یہ نام بہت پسند ہے۔"

"اب تو عزت، شہرت اور ماشاء اللہ سے دولت سب نعمتوں سے اللہ نے نواز دیا تو فیملی کب بنانی ہے؟"

بڑی سنجیدگی سے... "شادی کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ابھی عمر ہی کیا ہے... اور ابھی تو پریکٹیکل لائف شروع ہوئی ہے۔ ابھی تو کمانا شروع کیا ہے... خود بھی تھوڑا انجوائے کرلوں۔ پھر سوچوں گا ان شاء اللہ۔ شادی تو کرنی ہے اور پسند سے کروں گا اور والدین کی پسند شامل حال رہے گی۔ ویسے کچھ پتا نہیں جلد ہی کوئی اچھی خبر مل بھی جائے آپ کو۔"

"کام کا فیڈ بیک کیسا ملتا ہے... نگیٹو یا پوزیٹو؟"

"اللہ کا بڑا کرم ہے کہ پوزیٹو فیڈ بیک ہی ملتا ہے۔ اب اگر کسی نے کہا کہ "گل رعنا" میں تم گل رعنا کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہے تو یہ بھی ایک طرح سے میری تعریف ہے... ہاں کوئی کہے کہ تمہاری پرفارمنس بری ہے تو یہ نگیٹو بات ہو جاتی ہے کہ وہ میری اداکاری کو پسند نہیں کر رہا... تو اس لحاظ سے اب تک تو تعریف ہی ملی ہے... اللہ کے کرم سے۔"

"مزاج کے کیسے ہیں؟"

"اف... نہ پوچھیں... غصے کا تیز ہوں اور اپنے ہی غصے سے بہت ڈرتا ہوں کہ کچھ غلط نہ ہو جائے... میرے بھائی کا غصہ بھی بہت تیز ہے... اس سے بھی ڈرتا ہوں... ویسے غصے کے علاوہ سب کے ساتھ بہت فرینڈلی ہوں... جب لوگ ملتے ہیں اور سیلفی بنوانے کی فرمائش کرتے ہیں تو سیلفی بھی بنواتا ہوں۔"

"جو نوجوان اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں کچھ کہیں گے؟"

"بالکل... میں نوجوان نسل کے لڑکے لڑکیوں دونوں سے کہوں گا کہ اس فیلڈ کو باصلاحیت اور پڑھے لکھے نوجوان کی ضرورت ہے۔ بس اپنی تعلیم مکمل کیجیے اور اگر آپ میں ٹیلنٹ ہے تو آجائیے... باصلاحیت لوگوں کے لیے دروازے کھلے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے فیروز خان سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں وقت دیا۔

مڑتی ہوئی گلیاں چھوڑی ہیں
کھلتی ہوئی کلیاں چھوڑی ہیں
جھولے کی وہ سکھیاں چھوڑی ہیں
ہر طاق میں گڑیاں چھوڑی ہیں
جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے
مت پوچھ کہ کیا کیا چھوڑا ہے

ایک لڑکی کا بابل کا گھر چھوڑ کر پیا دیس جانا ایسا ہی ہے جیسے پودا ایک زمین سے اکھاڑ کر دوسری زمین میں لگا دیا جائے۔ اگر موافق زمین اور ماحول ملے تو یہ پودا پھلتا پھولتا ہے ورنہ مرجھا جاتا ہے۔

غیر اور اجنبی لوگوں کی بات تو جانے دیں' کبھی کبھی سگی خالہ اور سگے چچا کے گھر میں بھی شادی ہو تو مختلف رویوں اور ماحول کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ تصور کریں ایک پڑھی لکھی' نازک خیال نفیس طبع لڑکی کو رخصت ہو کر ایسے ماحول میں جانا پڑے جہاں ان پڑھ لوگ 'گالم گلوچ' لڑائی جھگڑا' طعنے تشنے ہوں' اس طرح کے ماحول کو تبدیل کرنے اور یہاں خود کو منوانے کے لیے ایک عمر کی ریاضت درکار ہوتی ہے اور کبھی پوری عمر ہی رائیگاں ہی ٹھہرتی ہے۔ خود کو مٹا کر بھی کچھ نہیں ملتا۔ اس ماہ ہم اسی حوالے سے نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

م-ا-ق - اسلام آباد

س - شادی کب ہوئی؟

ج : جناب! ہماری شادی خانہ آبادی 7 جون 2009ء کو ہوئی۔ اب یہ مت سوچیے گا کہ اتنی گرمی میں.... جی نہیں جناب کیونکہ اس وقت اتنی گرمی نہیں آئی تھی۔ موسم بس ٹھیک ہی تھا۔

س - شادی سے پہلے مشاغل اور دلچسپیاں؟

ج : جناب شادی سے پہلے کچھ خاص مشاغل تو نہ تھے۔ میں چونکہ پڑھا کو بہت تھی اس لیے بس ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی۔ اس کے علاوہ صفائی کی وہم کی حد تک شوقین تھی' ہر وقت گھر صاف ہونا چاہیے خواہ دن میں کتنی ہی بار کرنا پڑے کیونکہ میرے ماشاءاللہ سے چار بھائی تھے اور لڑکے تو ویسے بھی احساس نہیں کرتے کہ گھر خراب نہ کریں' جوتے گندے ہیں تو باہر اتاریں' وغیرہ وغیرہ تو میں بس ان سے لڑتی بھی رہتی اور صفائی بھی کرتی رہتی۔ میں ابھی سیکنڈ ایئر میں تھی کہ شادی ہوگئی لیکن نکاح چھ ماہ پہلے ہوا تھا یعنی 26 دسمبر کو تو اس نکاح اور رخصتی کے درمیانی عرصے میں اپنے میاں سے موبائل پہ بات ہوتی رہتی۔ آخری چھ ماہ میں تو یہی مشغلہ تھا یہی دلچسپی۔

س - رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟

ج : چونکہ میری شادی بہت جلدی ہوئی تھی یعنی میں تقریباً" ساڑھے سترہ سال کی تھی تو میرا نہیں خیال کہ اس عمر تک میں نے کبھی خود سے پسند کرنے کا سوچا ہو.... یا کوئی لڑکی اس عمر تک سوچ سکتی ہے۔ امی نے احمد یعنی میرے شوہر کی تصویر دکھائی تھی جو کافی خوب صورت تھی۔ میں نے کچھ بھی نہ کہا بس خاموش ہوگئی' اچھی بچی جو تھی.... بس پھر امی نے ماتھا چوما اور دعائیں دیں اور ہاں کردی کیونکہ اسلام میں کنواری لڑکی کی خاموشی ہی اس کا اقرار ہے۔

میرے ابو چونکہ ایک سال پہلے وفات پا چکے تھے اور بھائی بھی خاص بڑے اور سمجھ دار نہ تھے تو امی نے خود ہی سب سنبھالا۔

ج : رشتہ ہونے سے پہلے میری ساس اپنے بیٹے کے

لیے لڑکی دیکھنے روزانہ ہمارے گھر آتیں۔ امی ان کو آس پاس' جان پہچان والے لوگوں کے گھر لے جاتیں کیونکہ امی کا خیال تھا کہ ابھی میں چھوٹی ہوں۔ میری ساس روزانہ

عصر کے وقت آتیں ایک دن بھی ناغہ نہ کرتیں حالانکہ ان کا گھر شہر سے باہر اور ہمارا شہر میں تھا۔ لانے لے جانے کے لیے پہلے کوئی بندہ چاہیے ہوتا۔ آخر کار انہوں نے میرا رشتہ مانگ لیا' امی تب بھی انہیں دوسری لڑکیاں دکھانے لے جاتی رہیں لیکن وہ میرے لیے ہی اصرار کرتی رہیں۔

امی نے ایک رات خواب دیکھا کہ میرے ابو جو حیات نہیں ہیں امی سے پوچھتے ہیں کہ "اندر کوئی آیا ہوا ہے تو امی کہتی ہیں کہ احمد کی والدہ۔ یہ سن کر ابو کہتے ہیں انہیں جو چاہیے دے دو۔" بس پھر امی نے ہاں کرنے میں دیر نہ لگائی۔

شادی کے بعد اب وہی ساس جو ماشاء اللہ سے تین دفعہ عمرہ اور ایک مرتبہ حج کر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ نماز روزے نوافل کی پابند.... فرماتی ہیں؟

میں نے تو اس کا رشتہ نہیں مانگا تھا۔ اس کی ماں نے خود زبردستی اپنی لڑکی مسلط کی۔ کبھی کہتی ہیں دکھائی ایک بیٹی تھی اور دی دوسری ہے۔ حالانکہ میری چھوٹی بہن اس وقت ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ میں کوئی پینتالیس سال کی تو نہیں تھی کہ گل سڑ رہی تھی میکے میں اور پہلا رشتہ آیا اور امی نے مسلط کر دیا۔

ایک بات اور کہ میرے شوہر مجھ سے پندرہ سال بڑے ہیں۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ ایک لڑکی جس کی عمر ابھی اٹھارہ سال بھی نہ ہوئی ہو اس کی ماں زبردستی پندرہ سال بڑے مرد کے ساتھ رشتہ کریں گی؟

ایک بات اور کہ میرے شوہر کی مجھ سے دوسری شادی تھی۔ پہلی بیوی چچا زاد بہن تھی جس کے ساتھ بچپن میں نکاح کر دیا گیا۔ مسلسل انکار' گھر چھوڑنے کی دھمکیاں لڑائی جھگڑوں کے بعد بھی زبردستی ان کی شادی ہو گئی۔ تب انہوں نے کہا تھا کہ میں دوسری شادی ضرور کروں گا کیونکہ مکمل طور پر یہ کپل مس میچ تھا۔ میرے شوہر خوب صورت' پڑھے لکھے' شہر میں رہنے والے اور وہ لڑکی کم صورت' ان پڑھ اور مکمل دیہاتی پن لیے۔ غرض ہر طرح سے یہ جوڑا ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

شادی اس لیے بھی ہو گئی کہ وٹہ سٹہ تھا۔ بہرحال دوسری مرتبہ ان کی قسمت میں ہیں تھی الٹا یہ کہ میری ساس شکر کرتیں کہ ان کے بیٹے کی زندگی بن گئی اتنی چھوٹی سی لڑکی اچھے خاندان کی پڑھی لکھی مل گئی وہ تو الٹا پیٹھ پیچھے کہتی ہیں کہ کاش ہم نے بیٹے کی شادی نہ کی ہوتی۔ کم از کم

ہمارے ہاتھ میں تو تھا۔

حالانکہ میرے شوہر اپنی زندگی سے بہت مطمئن' بہت خوش ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ تمہاری شکل میں اللہ نے تمام نعمتیں دے دیں اور میری زندگی بن گئی۔

س ۔ ذہن میں جیون ساتھی کا کوئی تصور تھا؟ وہ کیا خوبیاں تھیں' جو آپ اپنے جیون ساتھی میں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج : بس جناب یہی تھا ہر لڑکی کی طرح کہ خوب صورت ہو۔ سید یا قریشی خاندان سے ہو کیونکہ میں خود قریشی خاندان سے ہوں۔ بہت محبت کرنے والا بہت خیال رکھنے والا ہو' رومینٹک ہو۔ بس اتنا ہی۔ الحمد اللہ۔ بہت اچھے' بہت خیال رکھنے والے ہیں اور بہت محبت کرتے ہیں۔ بس صرف یہی خواہش پوری نہ ہوئی کہ قریشی یا سید ہوں۔ پھر بھی اللہ کا احسان ہے۔ مجھ ناچیز پہ۔

واقعی میرا رب برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ دیتا ہے۔

س ۔ منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے فون یا بات ہوئی یا ملاقات وغیرہ؟

ج : نکاح 26 دسمبر 2008ء کو ہوا جبکہ رخصتی 7 جون 2009ء میں تو یہ درمیانی عرصہ تقریباً" چھ ماہ کا تھا۔ ان 6 ماہ میں ہماری فون پہ بات ہوتی رہتی تھی۔ حالانکہ نہ میری چھوٹی بہن نے اپنے منگیتر سے کبھی بات کی اور نہ بڑی نے اس کی وجہ یہ تھی کہ امی کے دل میں ڈر تھا کہ عمروں کا فرق کہیں ان کی زندگیوں کو متاثر نہ کر دے اسی لیے یہ سب ممکن ہوا۔ لمبی لمبی کالز ہوتی تھیں بہت اچھا لگتا تھا۔ میری زندگی کا خوب صورت ترین وقت یہ چھ ماہ تھے شاید میں ان دنوں کو کبھی نہیں بھلا پاؤں گی۔ دو دفعہ امی کے گھر ملاقات بھی ہوئی۔

س ۔ شادی سے پہلے سسرال والوں کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے؟

ج : اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو بہت نیک خیالات تھے۔ اس سوال نے تو جیسے زخم ادھیڑ دیے۔ شادی سے پہلے میرا

سسرال بہت ملنسار، بہت مہذب، بہت ٹھیک تھا۔ ہر وقت آنا جانا۔ ساس کا جپھیاں اور پپیاں لے کے ملنا..... میں تو سمجھو آسمانوں پہ تھی مگر جناب جیسے ہی سسرال پہنچی سارے خواب چکنا چور۔ یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ بمشکل ایک ہفتے بعد جب میں خود روٹی اٹھانے لگی تو

ساس نے نہایت غصے اور تحقیرانہ انداز میں کہا آئندہ روٹی مجھ سے پوچھ کر اٹھایا کرو۔

لو جی گل ہی ختم۔ جب روٹی اٹھانے کے لیے اجازت درکار ہوگی تو آپ کا کیا خیال ہے اور کس کس بات پہ اجازت نہ لینی پڑتی ہوگی؟ یہ سنتے ہی میری تو آنکھیں بھر آئیں، ساس فوراً" بھاگ کے میرے شوہر کے پاس آئیں کہ "بیٹا میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ خود نہ اٹھایا کرو مجھے حکم دیا کرو۔ میں لے آیا کروں گی۔" میں تو ہکا بکا رہ گئی کہ جو اکیلے میں مجھ سے انگارے چبا چبا کر بات کر رہی تھیں اب وہی بات لہجے کی شیرینی میں ڈبو ڈبو کر دوسرے رخ سے پیش کی جارہی ہے۔

بس جناب پھر تو یہ حیرانیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئیں اور ہماری صرف چپ۔ لبوں پہ قفل ہی لگ گئے کیونکہ میں بہت ڈرپوک ہوں۔ کسی سے لڑ نہیں سکتی، صرف رو سکتی ہوں اور شادی کے اتنے سال بعد بھی صرف رونا آتا ہے کسی کو جواب دوں یا لڑائی کروں تو ٹانگیں کانپنے لگتی ہیں۔ بس جی گزر گیا وہ وقت لیکن بھولا نہیں۔

ہزاروں غم ہیں اس دل میں
مگر شکوہ کروں کس سے

س ۔ شادی کے لیے تعلیم کی قربانی دینی پڑی؟

ج : نہیں جناب ایسی کوئی قربانی نہیں دی کیونکہ جس وقت شادی ہوئی اس وقت میں سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ میری تعلیم ساتھ ساتھ جاری رہی اب الحمدللہ میں ماسٹرز کر چکی ہوں اور وہ بھی بزنس 72 مارکس لے کر پرائیویٹ پڑھتی رہی ہوں کیونکہ گھر کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ میرا سسرال تعلیم کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بنا شکر ہے اللہ کا۔ میرے شوہر نے بھی بہت ساتھ دیا۔ اب بھی تعلیم جاری ہے۔

س ۔ شادی بخیر و خوبی انجام پائی یا رسموں کے دوران لین دین پر بد مزگی ہوئی؟

ج : بہت سادگی سے میری شادی ہوئی تھی۔ ہماری فیملی میں زیادہ رسمیں کی بھی نہیں جاتیں لیکن یہ تھا کہ بری بہت تھرڈ کلاس تھی اور میری امی نے سختی سے منع کیا تھا کہ جو کچھ ہے ٹھیک ہے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میرا زیور جو کہ اسٹامپ پیپر پہ اور نکاح نامے پہ پندرہ تولے لکھا تھا صرف اڑھائی تولہ دیا امی نے اس بات پہ بھی خاموش رہنے کا کہا۔ بس نہ پوچھیں میرے سارے خوابوں کا جنازہ کیسے نکالا میرے سسرال والوں نے۔ بری میں نو سوٹ تھے، جن میں چار عام سادہ لان کے تھے اب آپ خود سوچیں کہ باقی کیسے ہوں گے۔ میری قسمت کہ بعد میں بھی روایتی جھگڑے اور پہلے بھی خوشیاں نہ ملیں۔ بعض لڑکیاں اچھے کپڑے اور اچھے زیوروں پہ تو ارمان نکالتی ہیں میرے تو وہ بھی نہ تھے۔ سارے کپڑے دیہاتیوں والے اور زیور بھی بہت گندے پرانے زمانے والے ڈیزائن کا۔ میرا سسرال کافی امیر تھا پھر بھی چونکہ امی شرپسند نہیں تھیں اس لیے بخیر و عافیت سب ہوگیا اگر حساب کرنے پہ آتیں تو تب یہ خیریت مفقود ہوتی۔

س ۔ شادی کے بعد شوہر نے آپ کو دیکھ کر کیا کہا؟

ج : شوہر صاحب نے سلام کیا اور کہا کہ ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔

س ۔ شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج : مزاج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں آج بھی ویسی ہوں جیسے سات سال پہلے تھی لڑ نہیں سکتی اپنا حق نہیں مانگ سکتی کسی کو اس کی غلط بات پہ آج بھی نہیں ٹوک سکتی۔ میری دیورانی جو میری بہنوں کی طرح ہے۔ ہر وقت مجھے سمجھاتی ہے کہ اپنے حق کے لیے بولنا سیکھو لڑنا سیکھو کیونکہ جیسا سسرال تمہیں ملا یہاں بغیر لڑے گزارا نہیں چل سکتا۔ تم دبتی ہو اس لیے تمہیں مزید دباتے ہیں، تم جواب نہیں دیتیں۔ اس لیے وہ تم پر جھوٹے الزامات لگاتے رہتے ہیں۔ کوشش کر رہی ہوں کہ اب میں بھی اپنا دل کڑا کر کے خود کو مضبوط کر کے جینا سیکھوں۔

اس کے علاوہ شکل اور جسامت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ ہاں یہ ہے کہ بے فکری نہیں ہے، اپنی مرضی نہیں ہے۔ اللہ گواہ ہے میں نے بہت خدمت کی اپنے سسرال کی۔ اپنی ساس کی ٹانگیں دباتی، کپڑے پریس کر کے کمرے میں لٹکاتی، دیور اور سسر کے جوتے صاف کر کے ان کے آگے رکھتی، ہر ہر کام خود بخود میرے سر ہونے لگا میں خوشی خوشی کرتی۔ امی کے گھر میں یہ نہیں تھا کہ ہماری بھابھی

ہمارے کپڑے دھوئے یا ہمارے ذاتی کام کرے لیکن وہاں جاکر میں نے یہ سب کچھ کیا سب کچھ۔ کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ بھابھی کام کرتی ہے یا کرتی تھی۔ بس مشین سمجھتے تھے اب تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ڈیڑھ سال ہوا ہے علیحدہ ہوں۔

امی کے گھر کا ماحول شہریوں کا تھا جبکہ میں ٹھیٹ دیہاتیوں کے گھر آئی۔ یہاں کا بولنا بھی سمجھ سے بالاتر تھا بہت سی باتوں کی مجھے سمجھ ــ نہیں آتی تھی۔ دوسرا یہ کہ یہاں گالی گلوچ' لڑنا جھگڑنا' طعنے دینا بہت عام سی بات تھی۔ میری تین نندیں ہیں جو کہ اپنے گھروں میں بھی مالکائیں ہیں اور یہاں بھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر مل کے تینوں اتنا ذلیل کرتیں کہ میں بس کانپتی رہتی اور کچھ بھی نہ کہہ سکتی۔ بس دعا کرتی کہ اللہ میری آزمائش طویل نہیں کرے۔

س ــ شادی کے کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟

ج : شادی کے پہلے دو ماہ تک صرف صفائی کرتی اور شوہر کے کپڑے استری کرتی اس کے بعد پھر سارے کام آہستہ آہستہ سر پہ پڑتے گئے۔ ویسے تو ساتویں دن سے کام شروع کیے تھے۔

س ــ کیا میکے اور سسرال کے کھانے پکانے میں انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟

ج : جی بالکل۔ امی کے گھر ہر کھانے میں گوشت لازمی ہوتا جبکہ یہاں ایک ٹائم گوشت اور ایک ٹائم سبزی پکتی۔ جس ٹائم سبزی پکتی۔ میں آدھے پیٹ ہی کھاتی۔ ویسے اور کوئی اتنا خاص نہیں۔ یہ ضرور تھا کہ کھانا خود نہیں نکال سکتے تھے اس کے لیے باقاعدہ درخواست جمع کروانی پڑتی اور پھر ساس بذات خود یا ان کی دختر نیک اختر آتیں اور مبارک ہاتھوں سے نکال کر دیتیں۔ اگر کبھی خود ہمت کر کے نکال بھی لیا تو ساس تانکا جھانکی کرتی رہتیں کہ کتنا نکالا کیا نکالا .... کچن میں کسی کام سے جاتی تو ساس فوراً" آجاتیں۔

"کیا کر رہی ہو ادھر؟ کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"اگر فریزر کھولتی تو تب بھی ایسے ہی نازل ہو جاتیں۔ اگر سو رہی ہوتیں اور میں پانی لینے آتی فریزر میں سے تب فوراً" بھاگتی ہوئی آجاتیں کہ کیا چیز چاہیے؟" اب آپ اندازہ کریں کہ کتنی خود مختاری ہوتی ہوگی میری.... سب کچھ برداشت کیا صرف اپنے شوہر کی خاطر کیونکہ وہ بہت اچھے انسان ہیں اور اللہ پاک ہمیشہ ان کا ساتھ عطا کرے۔ آمین۔

صرف ان کی محبت کی خاطر
نجانے ہم کس کس کا احترام کرتے ہیں۔

س ــ میکے اور سسرال میں کیا فرق محسوس ہوا؟

ج : میکے میں یہ تھا اور یہ ہے کہ وہاں بہوؤں کو بہت اختیارات ہیں۔ مطلب جو ان کا حق ہے وہ ان کو حاصل ہے۔ میری شادی کے وقت صرف ایک بھابھی تھی اور اب تین ہیں تینوں کے الگ الگ پورشن الگ الگ سب کچھ۔ سب کے میاں کما کے اپنے اپنے گھر چلا رہے ہیں کوئی روک ٹوک' پابندی نہیں یہاں تک کہ امی بھی ان کی کمائی پہ اپنا حق نہیں سمجھتیں لیکن سسرال میں تو ساری حکمرانی بہنوں کے ہاتھ میں ہے۔ شادی شدہ بہنوں کے ہاتھ میں۔ کچن بھی ان کے ہاتھ میں۔ جو بھی کچھ اسپیشل بن جائے گھر میں تو مجھے پتا تک نہ ہوتا برتن دھوتے وقت پتا چلتا کہ آج یہ چیز بنی تھی یا یہ بنی ہے۔ سارے کا سارا بیٹیوں کا اور ان کے بچوں کا حق ہوتا تھا۔ میرے شوہر کچھ بھی نہ لا سکتے تھے میرے لیے کیونکہ پھر بہنیں آجاتی تھیں لڑنے مرنے کو۔ صبر ہی کرتی رہی اور اجر مل گیا کہ اللہ پاک نے علیحدہ گھر دے دیا۔

میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا بھی علیحدہ گھر ہوگا بس اللہ نے ایسے حالات بنائے کہ خود بخود راستہ بنتا چلا گیا بے شک صبر زندگی کے دروازے کھولتا ہے۔ زندگی اور خوشیوں کے دروازے کی چابی صرف صبر ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جلد باز انسان ذلت اور نقصان نہ اٹھائے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صبر کرنے والا ناکام ہو۔ اور صبر ہی ایسی سواری ہے جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی۔ نہ کسی کی نظروں میں اور نہ کسی کے قدموں میں۔ اللہ پاک مزید بہتریاں بھی عطا فرمائے گا ان شاء اللہ۔

س ــ سسرال میں کن باتوں پر تنقید ہوئی اور کب تعریف؟

ج : تنقید تو ہر معاملے' پر کم بولتی تو تب بھی برا لگتا اگر کسی سے بولنے کی کوشش کرتی یعنی اپنی جٹھانی سے یا اس کے بچوں سے تب بھی برا مانتے۔ ہنستی تب تو ساس کی شکل دیکھنے والی ہوتی کبھی تو کہہ بھی دیتیں کہ "نہ ہنسا کرو۔" نہ ہنستی تو کہتیں سخت دل ہے۔

صفائی کا جنون تھا شروع سے ہی۔ تب بھی تنقید کرتیں کہ ہم کوئی کافر ہیں جو تم اتنا خیال رکھتی ہو۔ چھوٹے بیٹے کی بیوی میری ساس کی بھتیجی ہے۔ اس کے دو بچے ہیں پورے گھر میں ہر طرف گندی شلواریں اور گندگی پڑی ہوتی ہے۔ یہ تمیز نہیں کہ بچے کو پاٹ میں پاٹی کروائیں، جہاں دل چاہا کروادی.... پورے گھر میں گندی بدبو ہوتی ہے۔ جس دن چاہیں دھولیں۔

میری تو جان چھوٹ گئی شکر ہے۔ اب اپنی ہی نسل کی بہو ملی تو کسی حد تک دماغ ٹھکانے آگیا ہے سب کا۔

جو کپڑے پہنتی تنقید کرتے حالانکہ یہ خالص دیہاتی اور ہم شہری ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں سونے کے ٹائم پہ بھی سوتی تب بھی نندیں اور ساس بہت کچھ سناتی رہتیں۔ میرے ہاتھ کا کھانا میرے سسر کو اتنا پسند — تھا کہ کہتے تھے۔ "دن کو بھی تم پکاؤ اور رات کو بھی۔"

سارا گھر تعریف کرتا تب بھی ساس فرماتیں اس نے اچھا نہیں پکایا بلکہ گوشت تازہ تھا، سبزی تازہ تھی، میں نے بتایا تھا ایسے پکاؤ وغیرہ وغیرہ۔

س۔ سسرال والوں نے آپ کو وہ مقام دیا جو آپ کا حق تھا؟ سسرال میں گھریلو اور خاندانی معاملات میں آپ کی رائے کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے؟

ج: ابھی تک نہیں ملا اور نہ اس بات کی خوش فہمی ہے۔ میرا سسرال بہت نرالا ہے۔ یہاں ہر بات جس کی کوئی وقعت نہ بھی ہو وہ بھی چھپائی جاتی ہے۔ رائے لینا تو دور کی بات ہے۔ جہاں تک مقام کی بات ہے تو جناب سرف تک میری ساس چھپا کے رکھتیں یہاں تک کہ جب میں مانگتی تو کہتیں ابھی تو یہاں رکھا تھا پتا نہیں کہاں چلا گیا۔ کسی بچے سے کہتی تو اسے بھی منع کردیا جاتا کہ نہیں لانا۔ خود بھی نہیں دیتے اور لینے بھی نہیں دیتے تھے حالانکہ میرے سسرال والے کافی امیر ہیں۔

حیثیت اتنی تھی کہ نند کے بچے کھیل رہے ہوتے اور میں پیار سے صرف اتنا کہہ دیتی کہ سونے کا ٹائم ہے پلیز سونے دیں یا دوسری حویلی میں جاکر کھیل لیں تو بس جناب نند کا آٹھ سالہ بیٹا ہزاروں باتیں گھڑ گھڑ کے ماں اور نانی سے کہتا اور پھر نند میدان میں کود پڑتی۔

ایک مرتبہ میری کمر میں بہت شدید درد تھا شوہر سے کہا کہ کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلیں وہ مجھے محلے کے پریکٹیشنر کے پاس لے گئے۔ واپس آئے تو نند کا دماغ ہی چلا ہوا تھا۔ کیا کچھ نہیں کہا بددعائیں، طعنے، گالیاں، الزام اور یہ سب کچھ صرف مجھے نہیں، میرے میکے کے ہر ہر بندے کو۔ یہاں تک کہ ان دنوں میری چھوٹی بہن امید سے تھی اس کے معصوم بچے کو بھی جو ابھی اس دنیا میں آیا بھی نہیں تھا۔ نہیں بخشا۔

کبھی یہ نند فرماتیں کہ ہمارے بھائی کے کپڑے پھاڑ کے بہن کے بچے کی گدیاں بناتی ہے حالانکہ میری بہن کا سسرال ہم سے بھی زیادہ امیر ہے اور میری بہن کا پہلا بچہ تھا کیا یہ ممکن ہے کہ پہلے بچے پہ میں اسے گفٹ بھی دوں تو پرانے کپڑوں کی گدیاں؟

ایسی ایسی باتیں کہ ابھی میرے ذہن میں بھی وارد نہیں ہوئی ہوتی تھیں اور یہ ان کا پورا نقشہ کھینچ لیتے میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی اور یہ پوری کہانی گھڑ چکے ہوتے مزے کی بات کہ سسر صاحب بھی یقین کرلیتے اور وہ بھی بیٹیوں کی طرح گالیاں دینے سے نہ چوکتے۔

میری جب شادی ہوئی تھی۔ اس سے بھی پہلے میری منجھلی نند جو کہ میرے شوہر کے بدلے میں اپنے چچا زاد کی بیوی تھی اپنے میکے میں براجمان تھی دو بچوں سمیت۔ ایک بچے کا ابارشن بھی کروا چکی تھی کہ میں ف کا بچہ کبھی پیدا نہیں کروں گی یعنی اپنے شوہر سے بدظن تھی اور ان کی آپس میں بھی نہ بن سکی پھر کیا ہوا کہ میری بدبختی کہ میں ان کے گھر آگئی۔ اسی بھائی کی بیوی بن کر جس کے بدلے میں منجھلی نند تھی حالانکہ میری نندیں اپنے میکے کی ہیڈ ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا بلکہ میرے وقت میں تو واقعی کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب کچھ تبدیلی آگئی ہے۔

تو قصہ مختصر کہ میری شادی انہوں نے اپنی مرضی اور رضامندی سے اپنے بھائی سے کرائی تھی لیکن بعد میں مجھے وہ ذلیل کیا کہ کیا کسی نے کسی کو بھی کیا ہو گا۔ ہر وقت نندوں کے طعنے کہ تمہاری وجہ سے ہماری بہن کا گھر خراب ہوا۔ یہ طعنے معمول بن گئے یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی نند کہتی کہ "میں اپنے بھائی کی پہلی بیوی یعنی اپنی نند کو لے کے آؤں گی تمہیں طلاق دلوا کے رہوں گی۔ تمہیں اس گھر سے نکال کے رہوں گی۔ حالانکہ میری نند کو میری شادی کے بعد بھی کئی مرتبہ اس کے سسرال والے

لینے آئے لیکن ہر دفعہ اکڑ دکھاتی۔ آخر کار اللہ کی کرنی کہ اس کے شوہر نے تنگ آکر دوسری شادی کرلی۔ اب یہ الزام بھی مجھ پہ کہ اس کی وجہ سے یہ سب ہوا حالانکہ میری نند کے سسرال نے آخری حد تک کوشش کی کہ یہ واپس اپنے گھر آجائے لیکن میری نند کو یہ منظور نہ تھا کہ روٹی آٹے کی ملکیت میری بھابھیوں کے پاس چلی جائے۔ اس نے گھر بچوں اور شوہر پر تو سمجھوتا کرلیا لیکن ملکیت پہ.....

میرے شوہر کے بعد والے بھائیوں کی شادی اکٹھی ہوئی تھی میری شادی کے تقریباً" ڈھائی سال بعد۔ میری نندیں اور ان کے بچوں کی ہی شاپنگ ہوتی رہی۔ تین نندوں کے نو بچے تھے اور سب کی ذمہ داریاں میرے سسرال والے برداشت کرتے رہے' شادی شدہ بہنوں کو آج کل کون اتنا دیتا ہے؟ تین تین اچھے سوٹ ماں اور بہنوں کے اس کے علاوہ بھی ضرورت کی ہر چیز خریدی گئی۔ اگر پابندی تھی تو صرف میرے لیے' مجھے کسی نے جھوٹے منہ بھی نہیں کہا کہ تم نے کچھ لینا ہے' الٹا دلہنوں کی چیزیں ایسے چھپائی جاتیں کہ خدانخواستہ میں کالا علم کروادوں گی۔

آخر کار جب شوہر صاحب سے کہا کہ "مجھے بھی کچھ کپڑے لے دیں میں کیا پہنوں گی۔"

تو انہوں نے مجھے بھی دو سوٹ لے دیے' "آج تک میری ساس طعنے دیتی ہیں کہ دلہنوں کی طرح کپڑے لیے' خرچا کیا یہ وہ' حالانکہ ان کی بیٹیوں کو میرے شوہر نے تین تین سوٹ لے کردیے۔ میری ساس کا مطلب تھا کہ میں اپنے بری والے کپڑے پہنوں حالانکہ میں پہلے بتا چکی ہوں کہ میری بری بہت تھرڈ کلاس تھی' یہ بھی نہیں کہ بہت مہنگے سوٹ شوہر نے لے کردیے۔ پانچ ہزار کے دو سوٹ تھے اس پر اتنا واویلا کہ بس۔

مجھے کبھی کبھی رونا آتا کہ میکہ بھائیوں کا ہے اور سسرال نندوں کا تو میرا گھر کون سا ہے؟ ساس سسر بلکہ میرا سارا سسرال ہی پشیمان ہے کہ ہم نے اپنے بیٹے کی دوسری شادی کیوں کی' عجیب خود غرض ہیں کہ بیٹے کی زندگی بن جانے' سنور جانے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ غم زدہ ہیں حالانکہ میرے شوہر اب تک اپنی ماں اور باپ کے نہایت فرماں بردار ہیں اور اپنی موجودہ زندگی سے بہت مطمئن بھی۔

س - سسرال والوں سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟

ج : توقعات تو بہت تھیں لیکن ایک بھی پوری نہ ہو سکی۔ شادی سے پہلے والی ساس اور محبت کرنے والی نندیں تو کہیں غائب ہی ہو گئیں۔ جس سسر کو اپنے والد کا مقام دینے کا سوچ کے آئی تھی انہوں نے تو غلیظ الزامات لگانے' گالیاں دینے اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ امی کی طرف سے جو سیٹ سونے کا ملا تھا اس کے بندے بار بار کانوں سے نکل جاتے۔ میں نے وہ بندے دے کر ایک رنگ لے لی۔ بس اتنی سی بات پہ میرے سسر نے مجھے بدچلن' آوارہ تک کہہ دیا اور کئی غلیظ گالیاں بھی دیں۔ یہ سب اپنی بیوی اور بیٹیوں کے کہنے پر کیا۔

امی کے گھر جب جاتی' امی کہتیں' ساس سسر کو اپنے ماں باپ سمجھ کر خدمت کیا کرو۔" اب امی کو کیا بتاتی کہ سسر صاحب کی زبان دیکھ کر تو کہیں سے نہیں لگتا کہ یہ ابو کی طرح ہیں۔ ایسے لوگوں سے بھلا کیا توقعات؟ ہمارے گھر یعنی میکے میں اونچی آواز میں بھی بات نہیں کرتے تھے گالیاں تو بالکل بھی نہیں جبکہ سسرال میں چھوٹے بڑے سب کو ہر ورائٹی کی گالی ازبر تھی۔

بہت ٹف ٹائم تھا جو اللہ کا شکر ہے گزر گیا۔ خیر کی توقعات تو نہیں البتہ شر کی' جھوٹ کی' الزام تراشیوں کی' دل دکھانے کی اور رلانے کی توقعات اب بھی پوری ہیں' کیونکہ علیحدہ ہونے کے باوجود اب بھی ایسی ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ دماغ ماؤف ہو جاتا ہے' سمجھ میں نہیں آتا ہنسوں یا روؤں۔ اللہ پاک شاید انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور جب بھی رسی کھینچے گا پکڑ بہت سخت ہو گی' میرا تو ایمان ہے اس بات پہ۔

س - بچوں کی پیدائش عورت کی زندگی میں بہت بڑا امتحان بن کر آتی ہے خصوصاً" پہلا بچہ.....؟

ج : کسی بھی عورت کی زندگی میں اولاد بہت حیثیت رکھتی ہے اگر عورت سسرالی دکھوں اور پریشانیوں کا شکار ہو تب تو بچے بہت بڑا مرہم ہیں شاید اس معاملے میں بھی میں اتنی لکی نہیں تھی۔ تقریباً" سات سال ہونے والے ہیں شادی کو ابھی تک اللہ پاک نے ماں بننے کی سعادت نہیں دی۔ بظاہر سب کچھ نارمل لیکن اللہ کی مرضی نہیں ابھی۔ اس کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں' وہ جو بھی کرتا ہے اس میں خیر اور مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ بہت بڑا خلا ہے' جو

کسی بھی اور نعمت سے پر نہیں ہوتا۔ جب جب کوئی دکھ ملتا تب تب یہ محرومی شدت سے محسوس ہوتی۔

سارا دن کام 'اوپر سے ساس نندوں کی کڑوی باتیں سن سن کے جب کمرے میں آتی تو وہاں بھی کاٹ کھانے والی خاموشی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ساس نے کبھی چاہا ہی نہیں کہ کوئی علاج 'کوئی ڈاکٹر کوئی ٹوٹکا ہی آزمالوں۔ پہلی دفعہ جب میں ڈاکٹر کے پاس گئی تھی 'جب واپس آئی تب میری چھوٹی نند نے جو کہ ابھی کنواری تھی 'سلام کا جواب تک نہ دیا۔ اسے بھی غصہ تھا کہ میں ڈاکٹر کے پاس کیوں گئی۔ جب میری دیورانی جو کہ ساس کی بھتیجی ہے امید سے ہوئی اور اسے بہت زیادہ اہمیت ملتے دیکھتی تب تو بہت شدت سے کمی محسوس ہوتی۔

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

وہ پہلے بھی کام کو ہاتھ نہ لگاتی تھی جب امید سے ہوئی تو سب کے ہاتھوں کا چھالا بن گئی 'ڈنکے کی چوٹ پہ آرام فرماتی اور میں سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام کرتی پھر بھی ساس صاحبہ ناراض۔ کسی کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ میرے متعلق سوچے کہ میں بھی تو اسی گھر کی بہو ہوں۔ انہوں نے تو کل وقتی ملازمہ سمجھ لیا تھا۔ جس کے بچے نہ ہوں وہ سارا دن کام کرے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اسے بھی آرام کی ضرورت ہے 'سکون کی ضرورت ہے ' اچھی خوراک کی ضرورت ہے۔ کیا عورت کی اپنی ذاتی حیثیت کوئی نہیں ؟ اس کے بچے ہی اس کی ویلیو بڑھاتے ہیں ؟ اگر ایسا ہے تو وہ خود کیا ہے ؟ صرف بچے ہونے پہ ہی سکون سے زندگی گزاری جاسکتی ہے ؟

میری قسمت کہ میں چھوٹی عمر سے اللہ پاک سے دعا کیا کرتی تھی کہ اے اللہ جب میری شادی ہو تو مجھے بچے ضرور دینا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں خود ایک بچی تھی اور شادی کے مفہوم سے ہی نا آشنا۔ آپ لوگ بھی میرے لیے دعا کرنا کہ اللہ پاک کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

س ۔ جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ رہنا؟

ج : جیسے میرے حالات رہے ان کے مطابق تو جوائنٹ سسٹم کے نام سے بھی نفرت ہے۔ شادی کے فوراً" بعد ساس نندوں نے ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ جب دیور کی

شادی ہوئی تو سوچا تھا۔ اب حالات ٹھیک ہو جائیں گے لیکن وہ تو مزید خراب ہو گئے۔ آخر کو وہ محترمہ بھی تو ان ہی کے خاندان سے تھیں۔ کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتی بس سارا دن شوہر سمیت کمرے میں بند۔ کچھ عرصہ انتظار کیا کہ شاید دو ماہ تک گھر کے کام میں مدد دے۔ لیکن نہ جی یہ تو ہماری عقل کا فتور تھا۔ چھ ماہ تک تو وہ دلہن ہی تھی پھر امید سے ہو گئی پھر بچہ ہو گیا پھر مصروفیت بنی بچے والی۔ میری جٹھانی چونکہ میری ساس کے جیٹھ کی بیٹی ہے لہٰذا وہ اور میں کولہو کے بیل کی طرح کام کرتیں، وہ بے چاری تو مجھ سے بھی زیادہ کام کرتی۔ اس دور میں بھی ثابت نمک وہ چکی پہ پیستی ہے کیوں کہ میری ساس صاحبہ کو بازار والا نمک پسند نہیں۔

ایک بات بتاتی چلوں کہ میری دیورانی جو مہارانی بن گئی ہمارے لیے، وہ دیہات کی رہنے والی ہے، دیہاتی عورتیں تو زیادہ کام کرنے کی عادی ہوتی ہیں بہ نسبت شہریوں کے، میں گھر کی صفائی کرتی جب کر لیتی اور تھک کے بیٹھتی۔ تب میری دیورانی اپنے کمرے کی صفائی کر کے سارا گند برآمدے میں پھیلا دیتی یا میرے کمرے کے آگے پھینک دیتی۔ میرا اور اس کا کمرہ بالکل ساتھ ساتھ تھا۔ کوئی کچھ بھی نہ کہتا، اب اگر ایسے حالات ہوں تو کون کہے گا کہ جوائنٹ سسٹم ہو۔

کچن کو صاف کر کے چمکا کے جاتی پیچھے یہ اپنی چائے پکانے آتی سب کچھ پھیلا کے، یہاں تک کہ دیگچی تک ویسے چھوڑ کے چلی جاتی، اگر چائے ابل کر گر گئی تب بھی احساس نہیں کہ ابھی جٹھانی صاف کر کے گئی ہے، صاف کر لوں۔ میں صرف دانت ہی پیس سکتی تھی اپنے۔

شوہر سے کہتی کہ آپ اپنی ماں سے کہیں کہ کام تقسیم کر دیں، میں تھک جاتی ہوں، جب شوہر بیچارے اپنی ماں سے کہتے تو ماں فرماتیں کہ "تم اور تمہاری بیوی میری بھتیجی سے جلتے ہو۔"

لو بھلا اس میں ایسی کون سی صفات تھیں کہ جن سے کسی جلا جاتا۔ نہ بولنے کی تمیز نہ بڑے چھوٹے کا لحاظ، نہ کسی کے ساتھ انسانی ہمدردی اور نہ حسن کی دیوی۔ آج تک اور اب تک اگر کوئی بات میرے میاں بے چارے کہہ بھی دیں تو ساس کا جواب وہی ہوتا ہے۔

یہ تو تھی جوائنٹ فیملی سسٹم میں دیورانی کے ساتھ تعلق، ساس بھی کسی سے کم نہ تھیں۔ ہم میاں بیوی اکٹھے کھانا کھا رہے تھے ایک دن کہ ساس نے فرمانا شروع کیا کہ یہ تو کھلی بے غیرتی ہے کہ جوان بھتیجے کھڑے ہیں اور تم دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے ہو (ہنسنا منع ہے) سوچیے جناب! میری ساس بلکہ پورا سسرال خود کو "عمادالدین" سمجھتے ہیں، دین کے علمبردار سمجھتے ہیں خود کو کہ سارا دین بس ہمارے گھر ہی ہے۔ اتنا علم نہیں کہ ہمارے پیارے آقا اپنی ازواج کے ساتھ کس طرح سلوک کرتے۔ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ ایک دوسرے کے منہ میں نوالہ دینے سے محبت بڑھتی ہے، بے شک کہ اس وقت ہم صرف کھانا کھا رہے تھے ایک دوسرے کو کھلا نہیں رہے تھے تو پھر یہ کون سے علوم ہیں جن کا علم صرف ہماری ساس صاحبہ کو ہے؟

کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں

جناب یہ تو صرف ٹریلر تھا میری زندگی کا۔ کئی تلخ یادیں ہیں جو چاہوں بھی تو بھلا نہیں سکتی۔ کہنے کو صرف چھ سال ہیں، لیکن ان چھ سالوں میں بہت کچھ سہنا پڑا۔ اللہ پاک کا شکر ہے شوہر اچھے ہیں اگر خدانخواستہ یہ بھی اپنے گھر والوں کی طرح ہوتے تو میں کیا کر سکتی تھی۔

سو باتوں کی ایک بات کہ اکٹھے رہ کر ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھنے سے بہتر ہے کہ شروع سے علیحدہ رہا جائے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم صرف وہاں کامیاب ہو سکتا ہے جہاں بڑے غیر جانب دار، بارعب، انصاف پسند ہوں۔ یہ نہ ہو کہ بیٹی کے لیے کچھ اور غیر بہو کے لیے کچھ اور بھتیجی بہو کے لیے کچھ اور قسم کے قانون نافذ ہوں۔

س: آپ نے سسرال کے ماحول کو بہتر کرنے کی کس حد تک کوشش کی؟ کوشش کس حد تک کامیاب ہوئی؟

ج: شعوری یا لاشعوری طور پر گھر کے بچوں کو اچھی طرح بولنا سکھاتی، لڑکیوں یعنی جیٹھ اور نندوں کی بیٹیوں کو صاف ستھرا رہنے کا کہتی رہتی نماز پڑھنے کا کہتی۔ جب جب وہ غلط الفاظ استعمال کرتے منع کرتی رہتی۔ کیونکہ ماشاء اللہ سے میرے سسرال کے سارے بچے بہت بگڑے ہوئے ہیں۔ چھوٹی نند اور دیورانی تو مجھے ہر لحاظ سے کاپی کرتیں بولنے سے لے کر چیزیں لینے تک کسی نہ کسی حد تک ان دونوں نے اپنے بول چال کو گزارے لائق بنا دیا۔

دیورانی تو میری جو چیز دیکھتی فوراً" وہی منگواتی۔ جو چیز میرے کمرے میں اسے نظر آ گئی بس پھر پورے بازار میں جیٹھ کے بیٹے کے چکر لگتے اور یہ منگوانے میں ہلکان ہوتی رہتی، چاہے میری ضرورت کی اور اس کے لیے غیر ضروری ہی کیوں نہ ہو۔

☆

عفت سحر طاہر

تیز برستی بارش اور سماعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے' یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی' ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گانے والی زرنگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زرنگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

طلال اور مہر ماہ یونی ورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی' آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا جان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں' تائی جان' مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں' ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زرنگار کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔
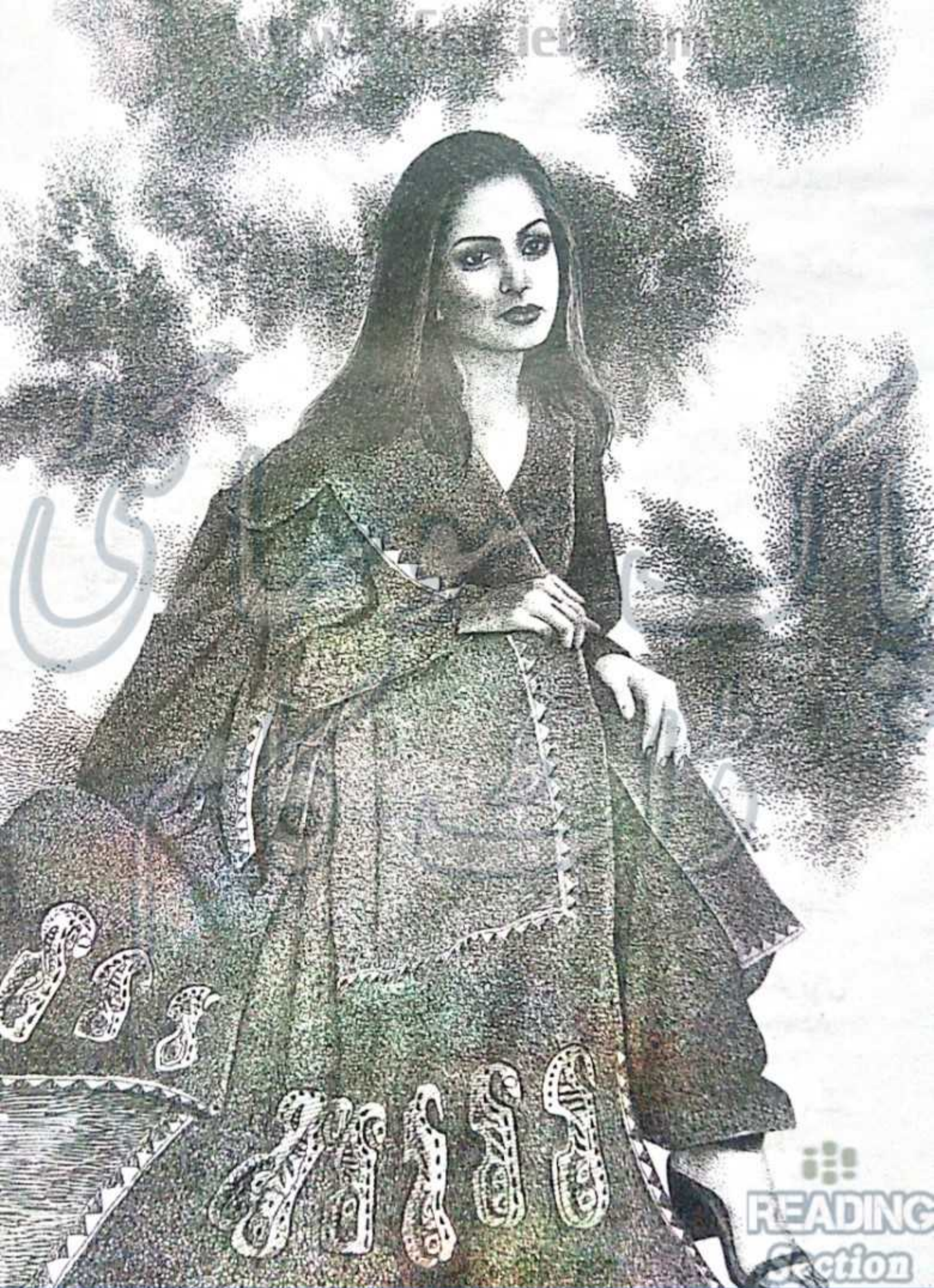
آفندی ہاؤس میں بے چینی سے فاران کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے لیکن وہ نہیں پہنچ پاتے۔ ان کا فون بھی بند ہوتا ہے۔
تیسرے دن مبین آفندی کا فاران آفندی کے فون پر رابطہ ہوتا ہے تو وہ آغا جان کو بتاتے ہیں کہ فاران آفندی اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔

دوسری قسط

آغا جان ڈھے گئے.... ان کی اکڑ، غرور، تنتنا، سب فنا ہو گیا۔ وہ آغا ذوالفقار آفندی کے بجائے صرف ایک باپ رہ گئے۔ ایک لٹا پٹا، کٹا پھٹا دل رکھنے والے باپ۔
ایک زمانہ ان کے نام سے متاثر تھا۔ "آفندی ہاؤس" میں وہ بولتے تو اور کسی کو آواز نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔
اب وہی آغا جان جیسے اپنی ہمت اور طاقت کھو بیٹھے تھے۔ یہ فون کال آفندی ہاؤس میں دکھ کی لہر دوڑا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
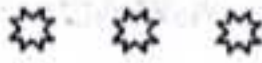
"بجائے اپنے بابا جان کو سمجھانے کے تم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔" ثمرو اس پر بھی خفا تھیں۔
"ماما! جتنا میں ڈیپریسڈ ہوں نا۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔" موحد بے حد سنجیدہ ہو کر بولا۔
"تو پھر اعتراض کرو ان کے فیصلے پر۔ احتجاج کی کوئی تو صورت ہونی چاہیے نا۔" ثمرو ہلکے سے اشتعال کی کیفیت میں تھیں۔ موحد نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے دونوں ہاتھ تھام کر لبوں سے چھوئے اور بے بسی سے بولا۔
"وہ میرے بولنے کے لیے کچھ چھوڑتے ہی نہیں۔ کیسے احتجاج کروں میں....؟"
"تم اور میں مل کے ان پر زور ڈالیں گے تو......" ثمرو پر جوش سی ہو کر کہنے لگی تھیں کہ اسی وقت فاران آفندی تیار ہو کر وہیں چلے آئے۔ وہ ثمرو کا جملہ سن چکے تھے۔
"کیا بھئی.... کس غریب کی شامت آئی ہے۔ کس پہ مل کے ماں بیٹا دھاوا بولنے والے ہو؟"
وہ مسکرا کر باری باری ثمرو اور موحد کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ موحد تو چپ ہی رہا مگر ثمرو پر "حد ادب" جیسی کوئی خاص پابندی نہ تھی۔ تنک کر بولیں۔
"فی الحال تو آپ ہی قابو سے باہر ہو رہے ہیں۔ مجال ہے جو ہماری حق بات بھی مان لیں یا سن لیں۔"
وہ سنجیدہ ہو گئے۔ "حق بات ہوتی تو سن ہی نہیں مان بھی لیتا۔"
"جن لوگوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی بھی اچھی فیلنگ نہیں، آپ ان کے بیچ ہمیں کیوں لے جانا چاہتے ہیں بابا جان۔" موحد نے صاف صاف کہا۔
"مائی ڈیئر! فیلنگز تو اس لیے نہیں ہیں کہ ہم سالوں سے دوریوں کا عذاب جھیل رہے ہیں۔ فیلنگز تو پاس رہنے سے بنتی ہیں۔ اب دیکھنا، آغا جان کیسے سینے سے لگاتے ہیں تمہیں۔ اکلوتے پوتے ہو ان کے۔ وارث اور جانشین بھی۔"
فاران آفندی کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔ بہت کچھ زبان کی نوک تک آیا۔ بہت سے زخموں کے ٹانکے ادھڑے، مگر وہ اپنے بابا جان کی آنکھوں کی چمک کو مدھم نہیں کر پایا۔ اس لیے ہمیشہ کی طرح وہ سارے الفاظ اندر ہی اتار لیے، مگر زہر یلے الفاظ کو یوں اندر اتارنا نفرتوں کے زہر کو بڑھاتا ہے اور بس۔
"میں تو مر کے بھی اس گھر میں نہیں جانا چاہتی تھی۔" ثمرو بھی ان کی ضد سے مجبور تو ہو چکی تھیں، مگر کم از کم

زبان ہلا کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے پر تو پابندی نہ تھی، تزخ کر بولیں تو وہ انہیں دیکھ کر دھیرے سے مسکرائے پھر بولے۔
"اور میں تو اپنی وصیت میں لکھ چکا ہوں کہ مجھے مرنے کے بعد میرے گھر لے جایا جائے اور ہمارے آبائی قبرستان میں دفنایا جائے۔"
"فاران...!" ثمرہ دہشت زدہ سی، چیخ اٹھیں۔
"بابا جان پلیز..." موحد بھی خفگی سے انہیں دیکھنے لگا تو وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"چلو پھر اٹھ جاؤ۔ آج مارکیٹ کا ایک چکر لگالیں۔ کچھ گفٹس وغیرہ لے لیں سب کے لیے۔"
انہوں نے بشاشت سے کہتے ہوئے ثمرہ کو اشارہ کیا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئیں۔
پاکستان جانا ان کی مجبوری تھا، مگر ان سب ظالم لوگوں کے لیے گفٹس خریدنے کا انہیں کوئی شوق تھا اور نہ ہی کوئی انہیں مجبور کر سکتا تھا۔ مجبوراً" فاران آفندی کو تنہا ہی جانا پڑا، مگر اچانک ٹرالر سے ہونے والے ایکسیڈنٹ میں فاران آفندی کو موت یوں اچک کے لے جائے گی، یہ ان ماں بیٹے کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
ایک ناگہانی آفت تھی یا پھر کوئی چھوٹی موٹی قیامت، جس کا ان کو سامنا تھا۔ وہ دونوں ہی حواس کھو بیٹھے۔ ایک دوسرے کی سانسوں سے سانس لینے والے بچھڑتے ہیں تو سانس لینا بھول جایا کرتے ہیں۔
ثمرہ کو بھی جینے سے نفرت ہوئی۔
"اے کاش میں بھی ان کے ساتھ چلی جاتی مارکیٹ..." وہ سرپٹخ پٹخ کر روتیں، کرلاتیں۔
غم سے نڈھال ماں کا دکھ اتنا عظیم تھا کہ موحد کا دل ٹکڑے ہوا جاتا، مگر......
بہر طور وہ مرد تھا۔
اور بھلا حوصلہ مرد ہی کیا کرتے ہیں۔
ان دونوں کو "آفندی ہاؤس" سے نفرت تھی، مگر فاران آفندی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہیں یہ نفرت پس پشت ڈالنی پڑی۔ جو کام فاران آفندی ان کی رضامندی سے نہ کروا سکے تھے وہ ان کی وفات نے کروا دیا تھا۔
ضروری کارروائی کے ڈیڑھ ہفتے بعد، کی ان کی پاکستان کی سیٹس کنفرم ہو گئی تھیں۔
ثمرہ اور موحد پاکستان جا رہے تھے... فاران آفندی کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچانے۔

✡ ✡ ✡

آغا جان کو ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ وگرنہ ان کی مبین آفندی سے ایک ہی ضد تھی کہ وہ خود فاران کو لینے جائیں گے۔ اب بھی وہ اسپتال میں آئی سی یو میں تھے، مسکن دواؤں کے زیر اثر۔ حواس میں لوٹتے تو مرا ہوا بیٹا یاد آتا۔ حالت بگڑنے لگتی، مگر غم کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو... نیند آنے سے پہلے تک ہوتا ہے۔
"آغا جان اتنے کمزور دل تو کبھی نہیں تھے۔"
اسپتال سے واپسی پر تائی جان کا تبصرہ تھا۔ فاران آفندی کی وفات کا افسوس اپنی جگہ، مگر ان کے لیے آغا جان کا یوں صدمہ اٹھا کر اسپتال پہنچ جانا انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا۔
"بیٹا کھویا ہے انہوں نے اپنا صاعقہ۔ ان کا ہوش و حواس کھونا بنتا ہے۔" ڈرائیور کی وجہ سے دھیمے لہجے میں کہتے انہوں نے ساتھ ہی تنبیہی نظروں سے تائی جان کو دیکھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔
"وہ تو سالوں سے کھویا ہوا تھا۔ نئی بات کون سی ہے اس میں؟" وہ تڑاخ سے بولیں۔

ایسی شقی القلبی صرف وہی دکھا سکتی تھیں۔ مبین صاحب نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا مگر انہیں شرمندہ ہونے کی عادت نہیں تھی۔ سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"ویسے یہ طلال کچھ خاص لکی ثابت نہیں ہوا ہماری فیملی کے لیے۔"

تزئین نے ناخن فائل کرتے ہوئے بہ آواز بلند تبصرہ کر کے چاروں لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ مہماہ کو غصہ آیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب..... ؟ تمہیں خود دکھائی نہیں دے رہا۔ کتنی بڑی بدشگونی ہوگئی۔ ادھر تمہاری منگنی کا اعلان ہوا۔ ادھر چچا جان کی ڈیتھ کی خبر آگئی۔"

وہ ناخنوں کو پھونک مار کے صاف کرنے کے بعد سامنے الٹا ہاتھ پھیلائے تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے' بڑے آرام سے کہہ رہی تھی۔

"کم آن تزئین..... " ملائکہ بڑی تھی۔ اس کے تنبیہی لہجے میں تزئین کے لیے مزید نہ بولنے کی تاکید بھی تھی۔ مگر مہماہ کو تو جتنا بھی غصہ آتا وہ کم تھا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ ایکسیڈنٹ کے بجائے میری منگنی کی خبر سے فوت ہوئے ہیں؟"

"مذاق کر رہی ہیں آپی..... " فرزین نے بہن کی فضول گوئی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔

"مذاق نہیں' ایک جنرل بات کر رہی ہوں۔ ایک اچھے کام کے دوران کوئی حادثہ ہوجائے تو بدشگونی ہی کہلاتا ہے۔ یعنی طلال کا ہماری فیملی کا حصہ بننا کچھ زیادہ اچھا ثابت نہیں ہوا۔" تزئین اب بھی اسی پر سکون انداز میں اپنا خیال ظاہر کر رہی تھی۔ اب تو حد ہی ہوگئی تھی۔

مہماہ کا ضبط جواب دینے لگا۔ "شٹ اپ تزئین۔ تم اپنی عقل مندانہ پیش گوئیاں اپنے پاس ہی رکھو۔ بہت سن لی تمہاری فضول گفتگو۔"

"آپی..... اب بس بھی کردیں۔" فرزین نے بھی کوفت سے بہن کو دیکھا۔ تو اس نے شانے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔

"آج کل سچ کسی سے برداشت ہی کب ہوتا ہے۔"

"فیملی ریلیشنز میں ایسے سچ رشتوں میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں تزئین! اب طلال اس فیملی کا حصہ بننے والا ہے۔ اس کے بارے میں ایسی بات کرنے سے پہلے تمہیں خود سوچنا چاہیے۔" ملائکہ نے اپنے مخصوص نرم' مگر تادیبی انداز میں کہا تو وہ سر جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے چپ رہنے یا نہ کہنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔" تلخی سے کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔

اور اب آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بالوں کو پہلے کھولا۔ پھر اچھی طرح برش کرنے کے بعد کیچر لگا کر سمیٹا..... اور پھر کھول دیا۔

"سمجھتی کیا ہے خود کو..... ہنہ..... " تزئین صاف گو تھی..... منہ پھٹ۔ دل دکھانے کی حد تک صاف گو۔ خصوصاً" مہماہ کے بارے میں۔

"اور طلال..... اسے بھی مہماہ ہی دکھائی دی..... میں نہیں..... "

اپنے عکس کو آئینے میں دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ضبط کا گلابی پن اترنے لگا تو وہ سر جھٹک کر اپنے سلکی ڈارک براؤن بالوں کو کیچر میں جکڑنے لگی۔

☆ ☆ ☆

گزشتہ دو ہفتوں میں وہ اتنا رو چکی تھیں کہ اب تو لگتا تھا آنکھوں کے سوتے بھی خشک ہو گئے ہیں۔ آج وہ ماں بیٹا فاران آفندی کو لے کر خود پاکستان جا رہے تھے۔

"آفندی ہاؤس!" جس سے ثمو اور موحد آفندی کو یکساں نفرت تھی۔

☆ ☆ ☆

"آغا جان کو ابھی اسپتال ہی میں رہنا ہو گا۔ ڈاکٹرز سے بات ہوئی ہے میری۔ مزید کوئی صدمہ ان کا دل برداشت نہیں کر پائے گا۔ دوبارہ ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے انہیں۔"

مبین آفندی خود بھی ضبط کی کڑی منزل سے گزر رہے تھے۔ بھائی کے ملنے کی امید بندھی بھی تو یوں کہ اگلے ہی پل ٹوٹ بھی گئی۔ ابھی تو وہ آغا جان کے مان جانے کی خوشی بھی ٹھیک سے منا نہیں پائے تھے۔

قریبی رشتہ داروں کو فاران آفندی کے آنے کی خبر تھی اور سب کو معلوم تھا کہ کچھ دنوں کے بعد مہرماہ کی منگنی کا ایک بڑا فنکشن ہونے والا ہے۔ جس میں سب ہی کی فاران اور ان کی فیملی سے ملاقات بھی ہو جاتی۔

مگر اب تو پرسہ دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ڈیڑھ ہفتے سے وسیع و عریض ہال میں چاندنیاں بچھائی جاتیں۔ وہاں باقاعدہ قرآن خوانی ہوتی۔ کوئی نہ کوئی آیا ہی رہتا۔ آفندی ہاؤس میں مستقل صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میرا تو دل نہیں کرتا آپی کہ میں اس جل ککڑی تزئین سے بات بھی کروں۔"

مہرماہ غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ یوشع کے منہ سے دودھ کی بوتل لگاتے ہوئے ملائکہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا.....؟"

"اس روز آپ کے سامنے بھی طلال کے بارے میں بکواس کر رہی تھی اور آج پھر اس نے میرا موڈ خراب کر دیا۔ یونیورسٹی میں بھی اسی طرح کی فضول باتیں کرتی پھرتی ہے۔"

"اس کی تو عادت ہے..... اور تم سے میں نے کہا بھی تھا کہ..... یونیورسٹی سے چھٹی لے لو..... کل چچا جان کی میت آ رہی ہے۔" ملائکہ نے تزئین والی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے تادیب کی۔

"ضروری نوٹس لینے تھے سر مزمل سے۔ تین چھٹیاں پہلے بھی کر چکی ہوں۔ صبح گھر پہ ہی ہوں میں۔" مہرماہ نے منہ پھلا لیا۔

فاران آفندی سے خون کا رشتہ ہی سہی، مگر درمیان میں اتنے ماہ و سال کی جدائی تھی کہ نوجوان نسل ان کی موت سے اس طرح سے متاثر نہیں ہوئی تھی کہ بے حد صدمہ محسوس کرتی۔

"چلو، میں سمجھاؤں گی تزئین کو۔ اللہ کے کاموں میں کسی کا کیا دخل۔ شگون اور بدشگونی تو ہمارے تخیل کی گھڑی باتیں ہیں بس۔" ملائکہ نے اسے تسلی دی تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔

اور پھر وہ وقت بھی آ پہنچا جب فاران آفندی آخر کار "آفندی ہاؤس" لوٹ ہی آئے۔ تابوت میں بند،

ایمبولینس میں سوار ہو کر ہی گئی۔

سیاہ شیفون کے لباس میں ملبوس بالوں کو سفید و سیاہ اسکارف سے ڈھانپے، غم سے نڈھال ثمو ساتھ تھیں۔

اور۔۔۔

مبین آفندی اور سہیل آفندی کے قدم ٹھٹکے۔ پھر مارے حیرت کے آنے والے نوجوان کو دیکھنے کے بعد ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ اونچا لمبا قد، مغرور نقوش۔۔۔ بے حد جانے پہچانے۔

ثمو نے کسی کے بھی پاس رکنے یا کسی کے گلے لگنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ تابوت کو لان کے وسط میں رکھ دیا گیا تھا۔ وہ وہیں جا کے بیٹھ گئیں اور بہ زبان خاموشی، بہتی آنکھوں کے ساتھ اپنے زندگی کے ہم سفر سے گفتگو کرنے لگیں، جو بیچ سفر میں چھوڑ گیا تھا۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ آغا ذوالفقار آفندی مسکن دواؤں کے زیر اثر اسپتال میں سوتے رہے اور ان کا لخت جگر منوں مٹی تلے اتر گیا۔

ثمو حواس کھو چکی تھیں۔ عورتوں نے انہیں سنبھال کر ان کے لیے تیار کردہ کمرے میں لٹا دیا۔ موحد باپ کے جنازے کے ساتھ گیا تھا۔ آج زندگی کا ایک باب تمام ہوا۔

آنے والے دن بے حد خاموشی اور سوگواری میں گزرے۔ ثمو اب کچھ بہتر تھیں۔ آغا جان اسپتال سے گھر واپس آ گئے تھے۔ فی الحال انہیں فاران صاحب کی پاکستان میں تدفین کے متعلق کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ صرف انہیں یہ خبر دی گئی کہ ثمو اور موحد "آفندی ہاؤس" آ چکے ہیں۔

موحد کا رویہ سب ہی سے انتہائی سرد اور کھنچا کھنچا سا تھا۔

اتنا ہینڈسم اور خوبرو کزن۔۔۔ وہ سب ناشتے اور کھانے کی میز پر ایک دوسرے کو اشارے کرتیں، مگر ایک وہ تھا۔ انتہائی مغرور اور سرد تاثرات لیے سر پلیٹ میں گھسائے کھایا کے یہ جا وہ جا۔

"موحد۔۔۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا جب مبین آفندی نے اسے پکارا۔ اپنے تایا اور چچا دونوں ہی سے اس نے ابھی تک سلام و دعا سے زیادہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

بھنوؤں کو استفہامیہ انداز میں اچکائے وہ یوں پلٹا جیسے کہہ رہا ہو۔

"کون۔۔۔ میں؟ مجھے بلایا آپ نے؟"

"تم سے بات کرنی ہے بیٹا۔"

انہوں نے لاؤنج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بادل نخواستہ ان کی تقلید میں لاؤنج میں چلا آیا۔

"بیٹھو۔۔۔"

مبین صاحب نے مسکرا کر گویا دوستی کا آغاز کیا، مگر دوسری جانب ہنوز سرد گلیشیر تھا۔

"شکریہ۔۔۔ آپ بات بتائیں جس کے لیے مجھے بلایا ہے آپ نے۔۔۔" رکھائی سے کہہ کر وہ بڑے ضدی سے انداز میں کھڑا انہیں بے ساختہ کسی کی یاد دلا گیا۔

"آغا جان تم سے ملنا چاہتے ہیں بیٹا۔"

انہوں نے بے اختیار پدرانہ جذبے کے تحت اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تو وہ لمحہ بھر ان کی طرف دیکھنے کے بعد اسی رکھائی سے بولا۔

"مگر میں ان سے نہیں ملنا چاہتا۔"

"بری بات موحد بیٹا! بڑوں سے ایسا رویہ اختیار نہیں کرتے۔" انہوں نے نرمی سے ٹوکا تو وہ برجستہ مگر کاٹ دار

لہجے میں بولا۔

"کیا کریں جی۔ خون کا اثر ہے۔ بدلحاظی تو نس نس میں دوڑ رہی ہے میری۔ وراثت میں ملی ہے یہ بدعادت۔"

ایسا تلخ اور منہ پھٹ جواب۔

مبین آفندی سن رہ گئے۔ کچھ بولنا ہی بھول گئے، مگر مہرماہ آفندی کو کون روک سکتا تھا بھلا....؟

"ایکسکیوزمی مسٹر....!"

وہ ایک دم سے سامنے آئی اور اس کی طرف انگشت شہادت اٹھا کر تنبیہی لہجے میں بولی۔

موحد نے ناگواری سے گلابی لباس میں ملبوس سیاہ بالوں والی اس لڑکی کی جرات کو دیکھا۔

"وراثت میں اگر کچھ اچھا نہیں ملا تو اسے دماغ کے کسی اسٹور میں بند کردیں۔ ہمیں ذرا بھی برا نہیں لگے گا۔ اچھا ہوگا اگر یہاں رہائش کے دوران آپ اپنے والدین کی تربیت شو کریں تو۔"

وہ بولی تو موحد آفندی کا دماغ گھوم گیا۔

"چلیں ابو.... آپ خوامخواہ اپنا بی پی کیوں بڑھا رہے ہیں۔" وہ انہیں زبردستی وہاں سے لے گئی۔

"ربش....." موحد نے سر جھٹکا۔

کتنے آرام سے وہ جتا گئی تھی کہ یہاں اسے اپنے والدین کی تربیت دکھانی چاہیے۔ اور اب جبکہ وہ لوگ یہاں آہی گئے تھے تو آغا جان سے ملنا لازم ہی ٹھہرا تھا۔

وہ ثمرہ کے سر پہ ہاتھ پھیرنے کے بعد موحد کو دیکھ کر بے حد جذباتی ہوگئے۔ انہیں اپنے دونوں بیٹے.... اپنے کٹ جانے والے دونوں بازو یاد آئے تھے۔

اسے گلے سے لگائے بھیگی آنکھیں لیے وہ بہت جذباتی ہو رہے تھے مگر موحد کے دل میں ان کے لیے ترحم یا ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں جاگا تھا۔

وہ ٹھس سا ان کے سینے سے لگا کھڑا رہا۔

اسے یاد آتا رہا کس طرح ان لوگوں نے انہیں گھر سے نکالا تھا۔ اور کیسے ان پر آفندی ہاؤس کے دروازے بند کردیے گئے تھے۔

اسے یاد آیا فاران آفندی کو محض اپنے بھائی کا ساتھ دینے کی پاداش میں اس گھر سے بے دخل کردیا گیا تھا۔

اس نے ان کے سینے سے لگے، اپنے ہر عہد کو دہرایا تھا۔ ان کے ہر ظلم کو یاد کیا تھا۔ وہ بھولنے والا نہیں تھا۔

وہ موحد آفندی تھا....

اسے اس گھر کے مکینوں سے بہت سے بدلے لینے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ہی از سو ہینڈسم یار....."

تزئین آج کل موحد آفندی کی تعریفوں میں رطب اللسان تھی۔ موحد آفندی، جس کو خبر بھی نہ تھی کہ اس گھر میں کل کتنی لڑکیاں رہتی ہیں۔

"آخ....." مہرماہ کا منہ حلق تک کڑوا ہوا۔ "ہینڈسم....؟ بدتمیز کہو۔ اچھی شکل کا غرور ہی لے بیٹھا ہے شاید۔ تمیز تو ہے نہیں اسے بات کرنے کی۔"

"اس پہ یہ بدتمیزی بھی سوٹ کرتی ہے۔ ہینڈسم لوگوں کو ایک آدھ قتل بھی معاف ہونا چاہیے.... کیوں ملاحہ؟"

تزئین کے انداز سے پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ سیریس ہے یا مذاق کے موڈ میں ہے۔
لیکن مہراہ کو تو موحد آفندی زہر لگتا تھا۔ اس کے باپ کے ساتھ اتنی بدتمیزی اور اکھڑ انداز میں بات کرنے والا اسے کبھی اچھا لگ بھی نہیں سکتا تھا۔
"ایسے لوگ تم ہی کو پسند آسکتے ہیں بس۔" مہراہ کا موڈ خراب ہوا۔
وہ ان سب کو موحد کی مبین آفندی کے ساتھ ہونے والی گفتگو اور اس کے رویے کے بارے میں بتا چکی تھی۔
مگر اس کے باوجود بھی اگر وہ اس کے "ہینڈسم" ہونے پر رشک کر رہی تھیں تو پھر ان کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
"تمہارے پاس تو نہ چانس ہے اور نہ آپشن۔۔۔ ورنہ تم بھی ضرور سوچتیں۔"
تزئین نے بالواسطہ حملہ کیا تھا۔۔۔ طلال سے منسوب رشتے کا حوالہ۔
"میں طلال سے کمٹڈ نہ بھی ہوتی تب بھی موحد آفندی کبھی میری فرسٹ تو کیا لاسٹ چوائس بھی نہ ہوتا تزئین!"
ضبط کرتے ہوئے بھی اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ اور نہ صرف لاؤنج میں موجود تائی جان بلکہ ثمو اور موحد نے بھی بخوبی سنی تھی۔ تائی جان بیٹی کی اس قدر بدتمیزی پر جز بز ہو کر پہلو بدل کر رہ گئیں۔
اس طرح کے تخریبی بیان کم از کم آہستہ آواز میں اپنے کمرے میں بیٹھ کر جاری کیے جانے چاہئیں۔۔۔ مگر ان کی اس باغی اولاد کو کون سمجھاتا۔ ساتھ ہی سٹنگ روم میں بیٹھی تھیں سب کی سب۔
"یہ چکن رول لو نا ثمو۔۔۔ گھر کے بنے ہوئے ہیں۔" انہوں نے لاؤنج میں پھیلے سکوت کو توڑا۔
وہ دونوں ماں بیٹا کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر چائے پیتے رہے۔
"کیا بدتمیزی ہے مہو۔ چچی جان لاؤنج میں بیٹھی ہیں۔ اور تزئین کیوں غصہ دلاتی رہتی ہو تم مہو کو۔۔۔؟"
ملائکہ نے بروقت دونوں کو تنبیہہ کی۔
"میں نے تو ایک جنرل بات کی تھی۔ مہو کو تو عادت ہے ہر بات خود پر اپلائی کرنے کی۔" تزئین کبھی شرمندہ نہیں ہوتی تھی۔ اب بھی ڈھٹائی سے اپنی بات پہ جمی رہی۔
"ویسے ثمو چچی پیاری ہیں مگر کسی سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتیں۔" ملاحہ نے موضوع کو دوسرے رخ پہ ڈال دیا۔
"دونوں ماں بیٹا ایسے ہی ہیں۔ سرد مزاج اور۔۔۔ اور۔۔۔" وہ جیسے سوچ میں پڑ گئی کہ ان کے رویے کو کس چیز سے تشبیہ دے۔
"اور پتا نہیں کیا۔۔۔" بے بسی سے کہا۔
"یہ کون سی خاصیت دریافت کی ہے تم نے؟" ملائکہ نے اس کے آخری فقرے پر اسے گھورا۔
"پتا نہیں آپی۔۔۔ مگر ثمو چچی کی آنکھوں میں کچھ عجیب سی کیفیت دکھائی دیتی ہے مجھے۔" وہ الجھ کر بولی۔ جو اس نے محسوس کیا تھا اسے بیان کرنا اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔
"صرف ثمو تائی کی آنکھیں دیکھی ہیں یا۔۔۔؟" تزئین نے مسکراتے ہوئے خط اٹھاتے ہوئے آخر میں ذومعنی سا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"باقی کی تمہارے لیے چھوڑ دی ہیں۔ مجھے ان فضولیات میں پڑنے کا کوئی شوق نہیں۔"
وہ مارے کوفت کے ڈھنگ کا جواب بھی نہیں دے سکی اور وہاں سے اٹھ ہی گئی۔
وہ آغا جان کے پاس آئی تو وہ جاگ رہے تھے۔ مسنون دعاؤں والی چھوٹی سی کتاب ہاتھ میں تھی۔ مہراہ کو دیکھ کر

کتاب بند کردی اور چشمہ اتار دیا۔

"کیسے ہیں آغا خان......؟" وہ مودب سی ان کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہوں...... موحد کہاں ہے؟" ان کا پہلا سوال ہی غیر متوقع تھا۔ وہ گڑبڑائی۔

"پتا نہیں آغا جان...... شاید گھر پر ہی ہو......"

"تو پھر میرے پاس آکے کیوں نہیں بیٹھتا وہ......"

وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولے تو مہرماہ کا دل ڈوب سا گیا۔ آغا جان کو اس کیفیت میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"وہ بیٹھے گا آغا جان۔ میرے خیال میں وہ ہم سب سے کچھ اجنبیت محسوس کرتا ہے فی الحال۔"

مہرماہ نے جلدی سے ان کا دل رکھنے کے لیے کہا۔ وگرنہ اس سے بڑھ کے موحد آفندی کے خیالات کون جانتا تھا۔ شاید...... بلکہ یقیناً" مبین صاحب نے بھی آغا جان سے موحد کی بدزبانی کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"اسے کہو، میرے پاس آیا کرے۔ اس سے میرے بیٹے کی خوشبو آتی ہے۔" وہ محض اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

مگر مہرماہ کو لگا جیسے اس کے دل میں خنجر سا گڑ گیا ہو۔

آپ کی طبیعت بھی اب ٹھیک ہے آغا جان۔ آپ بھی باہر نکلا کریں۔ ہماری ساتھ کھانے میں شریک ہوں گے تو ثمرہ چچی اور موحد سے بھی بات چیت ہو جایا کرے گی۔ اجنبیت دور ہو گی۔"

وہ جب بھی پوتا نہ ہونے کا غم کرتے تو مہرماہ کو بہت دکھ ہوتا تھا مگر اب جبکہ موحد ان کے پاس آچکا تھا تو مہرماہ کو کوئی جلن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اسے تو موحد کی بدتمیزی پر غصہ آیا تھا۔ اب جبکہ سب کے رویے اور حالات بدل چکے تھے تو یوں پرانی باتوں کو سینے سے لگا کر کڑھنے اور طعنے دینے کا کیا مطلب تھا۔

مگر خیر...... میں نے بھی اچھا جواب دیا۔

وہ بڑی مطمئن تھی۔ جواب نہ دے پاتی تو ہفتہ بھر نیند نہیں آتی اسے۔ وہ دل ہی دل میں کچھ جوڑ توڑ کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جانے کتنی صعوبتوں اور مشکلات سے گزر کر آج وہ دولہا بنا زرنگاہ کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ مبشر بر لاس کے فلیٹ پر چند گواہان کی موجودگی میں نکاح کی سنت ادا ہوئی اور اب وہ نصیر قاضی کے ڈرائیو کے ہمراہ اس کے فارم ہاؤس پہ جا رہے تھے۔ اس نے زرگل بائی کو منہ مانگی قیمت دے کر زرنگار کو پایا تھا۔ اس کا اکاؤنٹ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ گاڑی اور فلیٹ دونوں انتہائی رازداری سے بک چکے تھے۔

مگر وہ خوش تھا...... بے حد خوش۔

اس نے زندگی کی انمول خوشی سستے داموں پالی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو زرنگار بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ "آہم......!" وہ کھنکھارا...... زرنگار سوچوں سے چونکی۔

پھر اپنے وجیہہ و خوبرو ہمسفر کو دیکھے گئی یہاں تک کہ آنکھیں چھلک گئیں۔

"ارے...... رے......" وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

زرنگار اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔ اور رونے لگی۔ "کبھی مجھے خریدنے کا طعنہ مت دینا وقار...... میں اسی روز

مر جاؤں گی۔"

وقار نے اسے کندھوں سے تھام لیا اور اس کی صبیح پیشانی کو چومتے ہوئے بے حد محبت سے بولا۔

"تم تو انمول ہو میری جان۔ صدقہ دے کے آیا ہوں تمہارا۔ تم تو اس قابل ہو کہ تم پر سلطنت وار دی جائے۔"

زرنگار نے اس کی محبت کی شدت کو روح تک محسوس کیا۔ اس کے الفاظ ٹھنڈے میٹھے پانی کی مانند تھے۔ تن بدن کی تپش کو ختم کرتے۔ جلتے بلتے دل کو سکون دیتے۔

وہ اسے دیکھتی رہی' اس کی نظروں میں محبت کے ساتھ ساتھ فخر کا رنگ بھی تھا۔

وقار آفندی ہلکا سا کھنکھارا۔ "اب اگر تم اپنی جگہ جا کے بیٹھو اور مجھے موقع دو تو میں تمہارا گھونگھٹ اٹھانے کا شوق پورا کرلوں؟"

بڑی معصومیت سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ زرنگار لجا کر پیچھے ہٹی۔ تو ہنستے ہوئے وقار آفندی نے اس کا ہاتھ کھینچ لیا۔

سیاہ آسمان کے سینے میں پورے دنوں کا چاند شان سے جگمگا رہا تھا اور ستارے نگینوں کی طرح ضوفشاں تھے۔

آج کی رات زمین پر بھی دو ستاروں کا ملن تھا۔

☼ ☼ ☼

موبائل کی بیل کافی دیر سے بج رہی تھی۔ مگر سننے والا اوندھے منہ پڑا بے سدھ سو رہا تھا۔

موبائل بج بج کے خاموش ہو گیا۔

زرنگار واش روم سے نکلی۔ آئینے کے سامنے جا کر بالوں کو تولیے کی گرفت سے آزاد کیا اور نرم ہاتھوں سے سہلانے لگی۔

اس کی نگاہ آئینے میں..... بستر پر سوئے وقار آفندی پر بار بار پڑ رہی تھی۔ اور ہر بار ایک خوب صورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل جاتی۔

تب ہی موبائل نے دوبارہ بجنا شروع کر دیا تو وہ چونکی۔

تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلا کر وہ موبائل اٹھانے کے لیے بڑھی اور جھک کے موبائل اٹھا لیا۔ اس کے گیلے بال شانے سے سرک کر وقار آفندی کے منہ پر پڑے تھے۔

اس نے نیند ٹوٹنے پر سر اٹھا کے دیکھا..... اور زرنگار کی کلائی تھام لی۔

"فون..... بج رہا ہے کب سے۔"

"اگر میری ہر صبح ایسی حسین ہو..... تو میں ہمیشہ سویا رہنا پسند کروں گا۔" نیند سے بوجھل لہجے میں کہتا وہ زرنگار کا دل دھڑکا گیا۔

کال کرنے والا بھی کوئی بے حد مستقل مزاج تھا۔ موبائل مستقل بجے جا رہا تھا۔

"کال تو اٹینڈ کرلو۔ تمہارے دوست کوس رہے ہوں گے تمہیں۔" وہ مسکرا کر بولی تو ذرا سا اونچا ہو کر تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے وقار نے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر اسکرین پر نمبر دیکھا تو لمحہ بھر کو ٹھٹک گیا۔

گھر کے نمبر سے کتنی ہی کالز آچکی تھیں۔ (تب موبائل اتنا عام نہیں ہوا تھا)

"کیا ہوا..... کس کا فون ہے؟"

"گھر سے ہے....." وہ مسکرایا۔

زرنگار فکرمندی سے بولی۔ "ان کو پتا چل گیا ہوگا۔"
"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ مجھے تمہید نہیں باندھنی پڑے گی۔" وہ مطمئن تھا۔
"تمہاری زندگی بہت مشکل ہونے والی ہے وقار۔" زرنگار آزردگی سے بولی۔ تو وقار اس کی ریشمی زلفوں سے اٹھنے والی خوشبو سانسوں میں بساتے ہوئے بولا۔
"پہلے میں اس کی آسانیوں کو تو محسوس کرلوں۔"
کمرے میں زرنگار کی کھلکھلاتی ہنسی گونج اٹھی۔

☼ ☼ ☼

وہ دو دن بعد گھر لوٹا تو آغا جان کا پارہ ہائی تھا۔
"تمہیں آزادی دے رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔" وہ گرج رہے تھے۔ اور وقار آفندی سر جھکائے بڑی سعادت مندی سے کھڑا تھا۔
"میں نے جانے سے پہلے بھائی صاحب کو بتایا تھا۔" اس نے ادب سے مبین آفندی کا حوالہ دیا۔
"بتایا ہے اس نے مجھے۔" آغا جان کو اور غصہ آیا۔ "اس طرح اطلاع کرکے جاتے ہیں۔ دو منٹ کی کال اور بس کہہ دیا کہ دوستوں کے ساتھ جارہا ہوں گھومنے۔ یہ طریقہ ہے اجازت لینے کا۔؟"
"میں نے انہیں انفارم کیا تھا۔ اجازت نہیں مانگی تھی بابا جان۔" وقار آفندی کے لب و لہجے میں ادب تو تھا مگر ان کے غصے سے متاثر ہونے کا تاثر نہیں۔
وہ ایک ہی تھا ان کے چاروں بیٹوں میں سے انہیں بابا جان کہنے والا۔ ان کا لاڈلا سب سے چھوٹا بیٹا۔
"ہاں۔ بڑے ہوگئے ہو۔ اب تو تمہیں ہماری اجازت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" انہوں نے طنز کیا۔
"بیسیوں فون کروائے میں نے۔ ایسی کون سی مصروفیت تھی تمہاری جو ایک کال اٹینڈ نہیں کرپائے؟"
چھم سے ایک دلنواز اور طرحدار سراپا وقار آفندی کے پردہ ذہن پہ اترا تو اس کے ہونٹوں پر باوجود ضبط کے مسکراہٹ پھیل گئی۔
"سوری بابا جان......"
"نہیں بتاؤ مجھے۔ تمہارے آوارہ دوست تو یہیں پھر رہے تھے۔ تم کہاں آوارہ گردی کررہے تھے۔"
اس کی مسکراہٹ میں انہیں نیا پن اور کچھ انوکھا سا لگا۔ وقار آفندی کی وجاہت میں مزید اضافہ محسوس ہوا۔ کاٹن کے سفید کرتا شلوار میں ملبوس...... خوبرو تومند۔ وہ ان کا بہت لاڈلا بیٹا تھا۔ مگر ان کے عتاب سے وہ بھی نہیں بچ پاتا تھا۔ اب بھی آئیں بائیں شائیں کرکے وہ ان کو ٹال گیا تھا...... مگر موقع پاکر فاران آفندی نے اسے گھیر لیا۔
مبین آفندی سب سے بڑے تھے مگر ان سے چھوٹے فاران بھائی سے وقار کی بہت بنتی تھی۔ یا شاید وہی سب سے چھوٹے بھائی کے بڑے لاڈ اٹھاتے تھے۔
"کہاں تھے شہزادے؟"
وہ ابھی آغا جان کی ڈانٹ ڈپٹ اور سارا لیکچر سر جھکا کے سن کے آیا تھا اور اب ناشتے کی میز پہ آتے ہی یہ تفتیش۔
"یہاں تو کہیں جانے سے پہلے پوسٹر لگا دینے چاہئیں پورے شہر میں۔"
وہ خفا خفا سا اپنی کرسی پر بیٹھا تو ماں جی نے نظروں میں اپنے شہزادوں جیسے بیٹے کی بلائیں لیں۔
"اچھا بس۔ اب ناشتا کرنے دو اسے۔ دو دن وہ موئی ڈبل روٹی ہی کھائی ہوگی دوستوں کے گھر۔"

انہوں نے فاران کو مزید بات کرنے سے منع کیا تو۔ وہ وقار کو تھوڑا سا گھور کے خاموش ہو گئے۔ مگر فیکٹری جاتے ہوئے پھر سے انہوں نے وہیں سے اسٹارٹ لیا۔

"اب بتاؤ۔ کدھر تھے.....؟"

اور اس نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بات کاٹ کر بولے۔ "اب مجھ سے وہی گھسا پٹا جھوٹ مت بولنا کہ دوستوں کے ساتھ تھا..... وہ سب یہیں ہیں دو دن سے۔"

وقار نے منہ بند کر کے انہیں گھور کے دیکھا۔

"بندے کی کچھ ذاتیات بھی ہوتی ہیں فاران بھائی۔" وہ ناراضی کا اظہار کیے بغیر رہ نہیں سکا تھا۔

"اور تمہیں تو یوں بھی عادت ہے اپنی ذاتیات مجھ سے شیئر کرنے کی۔ چلو شاباش۔ شروع ہو جاؤ۔" انہوں نے جیسے کسی بچے کو پچکارا۔

"شادی کر لی ہے میں نے۔ کل ولیمہ تھا۔" وہ بے حد اطمینان سے بولا تو انہیں ہنسی آ گئی۔

"آغا جان کو بتایا یہ سب؟"

"جوتے کھانے تھے ان سے..... آپ کو سب سے پہلے بتا رہا ہوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"آغا جان کو بچ میں بہت غصہ ہے۔ چھوٹے ہو اس لیے نظر انداز کر جاتے ہیں تمہیں۔ ورنہ صاعقہ بھابھی نے بھی خوب ہی باتیں بنائیں تمہاری غیر موجودگی کے بارے میں۔"

وہ سنجیدہ ہو گئے۔

"ایک تو یہ بڑی بھابھی بھی نا....." وہ جیسے زچ ہوا۔ "ثمرہ بھابھی بھی تو ہیں..... مجال ہے جو مسکراہٹ جدا ہو ہونٹوں سے۔ میری تو اتنی بڑی رازدار ہیں وہ۔ یہ بڑی بھابھی کسی روز لٹیا ڈبو دیں گی میری۔" خفا خفا سا کہتا وہ انہیں ہنسا گیا۔

"تو طوفان میں کشتی ڈالنے کی ضرورت ہی کیا ہے شہزادے۔"

"اسی میں تو مزا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔

"کہا بھی تھا میرے ساتھ ہی شادی کروا لو..... کم از کم یوں آوارہ پھرنے اور ڈانٹ کھانے سے تو بچ جاتے۔" انہوں نے نصیحت کی جو وہ ہنسی میں اڑا گیا۔

"ہا۔ آپ کے ساتھ شادی..... ؟ تو پھر ثمرہ بھابی کس سے کرتیں؟"

انہیں ہنسی آ گئی۔ "بے ہودہ بات....."

فیکٹری پہنچ کر وہ اپنے آفس جا رہے تھے جب وہ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے پہلے بھی، آج بھی اور آئندہ بھی آپ کی سپورٹ کی ضرورت ہے فاران بھائی۔"

وہ ٹھٹکے۔ رک کر بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ "کیا ہوا۔ کیا کر کے آئے ہو؟"

وہ دفعتاً مسکرایا پھر شوخی سے بولا۔ "بتایا تو ہے۔ شادی....."

وہ اس کے شانے پہ ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے چلے گئے تو وہ بھی گنگناتا ہوا اپنے آفس کی طرف چل دیا۔

✡ ✡ ✡

"کیا بات ہے..... بڑے ہواؤں میں اڑ رہے ہیں جناب آج کل۔" صدیقہ بھابی نے رات کھانے کے بعد اسے گھیرا۔

تین دنوں سے وہ گھر اور فیکٹری میں پھنسا تھا اور آج تو وہ ہر طور زرنگار کے پاس جانا چاہتا تھا۔ بالوں میں ہاتھ ہی کنگھی پھیرتا، وہ فاران بھائی کی گاڑی کی چابی لے کے باہر کی طرف بڑھ رہا تھا تب پتا نہیں کیسے صدیقہ بھابی کی

نظر پڑ گئی۔
وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔
"بابا جان کے پاس ان کے پرانے کلاس فیلو آئے ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں اپنے دوستوں سے مل آؤں۔" وہ جلدی میں لگتا تھا۔
مگر جب سے بھابھی کی چھوٹی بہن رابعہ سے اس کی شادی کی بات چلی تھی وہ ۔ اس پر کچھ زیادہ ہی نظر رکھنے لگی تھیں۔ اور رعب کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا تھا۔
"شریفوں کا یہ وطیرہ ہوا کرتا ہے وقار! کہ لڑکے بھی رات گئے باہر نہیں رہتے۔ اپنے بھائی صاحب کو ہی دیکھ لو۔"
وہ اپنے مخصوص چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔ اور مبین آفندی کا تذکرہ بطور خاص کیا۔
(جی..... اس گھر میں ایک وہی شریف ہیں بس۔)
"جی بھابی..... میں چلوں اب۔"
ان کی ہاں میں ہاں ملا کر وہ پھر سے باہر بڑھنے کو تھا۔ انہوں نے اسے گھور کے دیکھا۔
"ارے۔ میں کیا سمجھا رہی ہوں اور پھر سے وہی راگ الاپ رہے ہو۔"
"بھابی..... مجھے فرصت ہے۔ دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔" وہ بڑے ضبط سے بولا۔ پھر جتا بھی دیا۔ "ماں جی کو بتا کے نکلا ہوں انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔"
"ان سے بھی بات کروں گی میں۔ انہیں فرق نہیں پڑتا ہوگا۔ تمہاری آزادی (آوارہ گردی) سے۔ ہمیں تو بہت پڑتا ہے۔"
وہ ناک چڑھا کر بڑے دعوے سے کہہ رہی تھیں اور وقار آفندی کلائی الٹ کر گھڑی دیکھتا بے چین تھا۔
"اچھا بھابی۔ واپسی پہ بات ہوگی....." وہ ان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی باہر نکل گیا تو وہ بڑبڑائیں۔
"پتا کرواتی ہوں میں مبین صاحب سے۔"

☼ ☼ ☼

وہ بڑی عجلت میں اپنے فلیٹ میں پہنچا تو کتنی ہی دیر بیل بجانی پڑی۔ زرنگار پتا نہیں کہاں سوئی ہوئی تھی۔ اس کا دل اوہام کا شکار ہونے لگا۔ فلیٹ میں فون بھی نہیں لگا ہوا تھا۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ زرنگار کو بھی ایک موبائل لے کر دے گا۔
اسی وقت کھٹ سے دروازہ کھل گیا۔
زرنگار کی روتی آنکھیں اور پسیجا ہوا چہرہ ایک پل کو دکھائی دیا۔ وہ دروازہ کھول کے تیزی سے پلٹ گئی تھی۔
"زری....." وہ پیچھے لپکا۔ اور اسے بیڈ روم کے دروازے پہ جا لیا۔ "زری..... کیا ہوا..... سوری یار!۔"
اسے بازو سے تھام کے زبردستی اپنی طرف موڑا تو وہ اس کے شانے سے لگ کے بری طرح رو دی۔
"زری.....!" وہ سناٹے میں آگیا۔ "کیا ہوا میری جان.....؟" اس کے بالوں کو چوم کر بڑی محبت بھری بے چینی سے پوچھا۔
"بات مت کرو مجھ سے۔" وہ دفعتاً چلائی۔
وقار کے ہونٹوں پر اتنی پریشان کن سچویشن میں بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔
اس کے ساتھ لگی وہ اسی سے بات نہ کرنے کا کہہ رہی تھی۔
وہ اسے آہستہ آہستہ تسلی دینے کے انداز میں تھپکنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئی تو پھر اس سے الگ ہو کر

صوفے پہ جا بیٹھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔
"کیسی ہو؟" بڑی چاہت سے پوچھا۔
"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ ناراض تھی۔ شدید ناراض۔ آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔
"اتنی خوب صورت آنکھوں پہ ظلم کر رہی ہو۔"
"تین دن سے اکیلی رہ رہی ہوں اس فلیٹ میں اکیلی۔ دن میں بھی اور رات میں بھی۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔ شکوہ کناں انداز میں کہتی وہ وقار کو شرمندگی کے سمندر میں دھکیل گئی۔ "آئم سوری یار۔ بابا جان نے اتنا ٹف شیڈول بنا دیا تھا کہ چاہ کے بھی نکل نہیں پا رہا تھا۔"
"اتنا ڈر لگتا تھا رات کو اکیلے میں مجھے۔ میں نے سوچا تم مجھے چھوڑ گئے ہو۔ شاید بابا جان کو پتا چل گیا ہو۔" اس کے اپنے ہی وہم تھے۔ تنہائی کے وہم۔ اکیلے میں ایسے ہی وہم ستایا کرتے ہیں۔ سب کے چھوڑ جانے اور دنیا میں تنہا ہو جانے کا وہم۔
وہ بھی تین دنوں سے رو رہی تھی۔
وقار نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔ "میری جان! ایک دنیا سے لڑ کے تمہیں پایا ہے۔ ایسے کیسے کھو سکتا ہوں تمہیں۔ بس غلطی ہو گئی۔ معاف کر دو۔"
زرنگار نے ہمیشہ وقار کی محبت کی شدت اور جذباتیت کو شدت سے محسوس کیا تھا۔ اب بھی اس کے انداز میں وہی شدت تھی۔ وہ پرسکون ہو گئی۔
"میں بہت جلد بابا جان سے بات کرنے والا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ پھر تم "آفندی ہاؤس" شفٹ ہو جاؤ گی۔ اس فلیٹ میں تنہا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی تمہیں۔" وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔
اس کی قربت کے نشے میں مدہوش وقار آفندی نے رات وہیں گزارنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ یہ جانے بغیر کہ اس کا یہ عمل کیسا طوفان مچانے والا ہے۔

☆ ☆ ☆

"کمال ہے یار۔ اب تو اتنے دن گزر گئے۔ اس حادثے کو۔ سادگی سے ہی سہی مگر منگنی کی رسم تو ادا ہو جانی چاہیے۔"
طلال خفا ہو رہا تھا۔
"اب میں اپنے منہ سے کہتی اچھی لگوں گی کیا۔ تمہاری ماما کو چاہیے فون کر کے میری امی سے بات کریں۔" مہماہ نے درخت سے ٹیک لگا کے بیٹھتے ہوئے بیگ اور فائل ایک طرف رکھی اور ریسان سے بولی۔
"ماما تو تمہاری طرف سے سگنل کے انتظار میں ہیں۔" وہ بولا۔
مہماہ کو جیسے کچھ یاد آیا۔
"ایک بات تو بتاؤ طلال۔ تمہاری بھابی۔ ہمارے رشتے سے کچھ خاص خوش نہیں لگیں مجھے۔"
طلال خاموش سا ہو گیا۔ وہ مزاحیہ انداز اپنا کر مزید بولی۔ "بلکہ مجھے تو لفٹ ہی نہیں کروائی انہوں نے۔"
"ایسی بات نہیں ہے مہو۔"
"کم آن طلال۔ پہلے ہم دوست ہیں۔ ابھی سے باتیں مت چھپاؤ مجھ سے۔" مہماہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔ تو وہ ہنس دیا۔
"ارے وہی یار۔ ان کا دل تھا کہ گھر کی دوسری بہو بھی ان ہی کی فیملی میں سے آئی۔"

"اچھا.... اتنی اچھی ہیں کیا....؟" مہراہ نے بے ساختہ پوچھا۔
"بس اسی وجہ سے تمہیں اگنور کرتی رہیں۔ ماما نے بھی محسوس کیا تھا مگر بھابی کو اگنور کرنے میں ہی گھر کا سکون پوشیدہ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
"ان کی سسٹرز ہیں یا کوئی کزن سسٹر؟" مہراہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔
"کزن سسٹر ہی تھی۔ ان کی کوئی سی بھی سگی بہن کنواری نہیں ہے۔" طلال نے بتایا۔ پھر اس کے ہاتھوں پہ نظر پڑی تو فوراً" پوچھنے لگا۔
"تمہاری انگوٹھی کہاں ہے؟"
"کون سی انگوٹھی....؟" اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا۔
طلال کو برا لگا۔ "جو میں نے دی تھی مہراہ۔" جتا کر بولا۔
"ارے.... وہ...." وہ جیسے یاد آنے پر کھینچ کے بولی۔ "ایکچوئیلی عادت نہیں ہے مجھے رنگز پہننے کی۔ خارش سی ہو رہی تھی انگلی میں۔ اتار کے رکھی تو یاد ہی نہیں رہی پہننی۔" اپنے مخصوص لاابالی انداز میں بتایا۔ اس نے طلال کے جتاتے ہوئے لب و لہجے کو محسوس نہیں کیا تھا۔ "واہ.... میں نے اتنے دن لگا کے تمہارے لیے وہ رنگ سلیکٹ کی تھی۔ اور تمہیں پروا بھی نہیں اس کی۔ بلکہ یاد بھی نہیں کہ کوئی رنگ پہن رکھی تھی تم نے۔"
طلال کی خفگی کا یہ پہلا رنگ دیکھا تھا مہراہ نے۔
"ایسی بھی کوئی بات نہیں طلال۔" اس نے طلال کو بہلانا چاہا۔
"میں اس معاملے میں بہت پوزیسیو ہوں مہو۔ میں، مجھ سے منسلک چیزیں، تمہارے لیے موسٹ امپورٹنٹ ہونی چاہئیں۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"نہیں طلال.... بالکل ہیں۔" مہراہ نے زور دے کر کہا۔ پھر ملتجی انداز میں بولی۔ "بات کو غلط انداز سے مت دیکھو، پلیز۔"
"اوکے۔ مگر کل سے وہ رنگ تمہاری انگلی میں ہونی چاہیے اب میں اسے کبھی اترا ہوا نہ دیکھوں۔"
وہ مان گیا تھا۔
مہراہ کو عجیب سا احساس ہوا۔ شاید طلال کا یہ روپ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
"اور پلیز۔ ماما فون کریں گی تو اپنی امی سے کہنا مزید کچھ بہانہ نہ بنائیں سیدھا سیدھا منگنی کی تاریخ دے دیں۔" وہ کہہ تو عام سے انداز میں رہا تھا مگر مہراہ کو برا لگا۔
"میرے چچا جان کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ وہ بہانہ نہیں تھا طلال۔"
اس کے تیز لہجے پر طلال ذرا سنبھلا۔ "میرا مطلب ہے کہ اب مزید انتظار نہیں ہوتا ڈیئر۔"
وہ بیگ اور فائل سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ناراض ہو گئی ہو؟" وہ پیچھے لپکا۔ مہراہ سنجیدہ تھی۔ طلال کو احساس ہو گیا۔
"سوری...."
"آئندہ میرے ساتھ ایسی باتیں مت کرنا طلال جس کے بعد بار بار سوری کرنا پڑے۔" وہ کہہ کر کلاس لینے کا بہانہ کر کے چلی گئی۔
طلال نے وہیں کھڑے ہو کر پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔" نیند سے بوجھل آنکھوں سے اس نے موبائل اسکرین پہ آنے والا نمبر نہیں دیکھا تھا۔
"نمیر آفندی۔۔۔؟" دوسری طرف سے استفہامیہ انداز تھا۔ یکلخت اس کی پوری آنکھیں کھل گئیں۔
"سومیہ۔۔۔؟"
دوسری طرف وہ کھلکھلائی۔ "یعنی تم نیند میں بھی مجھے یاد رکھتے ہو۔"
"او! شٹ اپ۔۔۔"
وہ تکیہ اونچا کر کے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
"تمہیں اپنا نمبر دے کر غلطی کی شاید میں نے۔"
"بہت بے وفا ہو۔۔۔ ملو گے نہیں؟" وہ بڑے لاڈ سے بولی۔ تو اس نے سختی سے اس کی فرمائش رد کر دی۔
"نہیں۔ بالکل نہیں۔"
"نمیر۔۔۔!"
"دیکھو سومیہ!۔ دوستی کو دوستی ہی رہنے دو۔ حالانکہ میں اس پر بھی راضی نہیں تھا۔" جتانے والے انداز میں کہا تو وہ گہری سانس بھر کے بولی۔
"بہت روڈ ہو۔۔۔ ظالم۔"
"یہ سب کچھ میں افورڈ نہیں کر سکتا سومیہ! وقت پر کوئی اچھا سا بندہ چن لینا۔ میری منزل کچھ اور ہی ہے۔" وہ صاف گو تھا۔ دل چیر دینے کی حد تک صاف گو۔
وہ سلگی "جانتی ہوں میں نمیر وقار آفندی! کیا ہے تمہاری منزل 'انتقام' انتقام اور صرف انتقام۔"
"ویری گڈ۔۔۔ یادداشت اچھی ہے تمہاری۔" وہ اسے سراہتے ہوئے چڑا رہا تھا۔
"کم آن نمیر۔ اب چھوڑو یہ سارا قصہ۔ اپنی زندگی ریلیکس ہو کر گزارو۔ اپنے دادا اور ان کی فیملی کا حساب اللہ پہ چھوڑ دو۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔
"انہوں نے ہمارا حساب خود کیا تھا۔ میں بھی خود ہی کروں گا۔"
"اف۔۔۔ ایک تو حضرت انسان کو خدائی دعوے کرنے کا بہت شوق ہے۔۔۔ اللہ جب حساب کرنے پہ آتا ہے تو سب کا حساب صاف کر دیتا ہے نمیر آفندی۔ انہوں نے غلط کیا۔۔۔ تم مت کرو۔"
"لائن کو کاٹنے کے لیے بھی لائن ہی لگانی پڑتی ہے سومی ڈیئر۔" اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔
"بھول ہے تمہاری۔ اب ریموور ملتے ہیں۔ لائن لگائے بغیر ہی لائن صاف ہو جاتی ہے۔۔۔ بس آدمی اپنا دل صاف کر لے ایک بار۔" سومیہ بہت نرم دل تھی اور اس کی سوچ بھی مثبت تھی۔
"او کے۔۔۔ لیو دس ٹاپک۔ تم نے مجھے یہی سب سنانے کے لیے کال کی ہے؟" اس نے فوراً ہی بات بدل کے کھردرے لہجے میں کہا تو سومیہ برجستہ بولی۔
"کال تو محترم نمیر وقار آفندی سے اپائنٹمنٹ لینے کے لیے کی تھی۔ ملنے آسکتے ہیں جناب یا میں تشریف لے آؤں؟"
"دونوں ہی کام نہیں ہو سکتے فی الوقت۔" اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔
"نمیر۔۔۔!" اس کا دل ہمیشہ کی طرح بجھ سا گیا۔
"میں اور ہی دنیا کا انسان ہوں سومیہ! میرا پیچھا کرنے میں ٹائم ضائع کرنے سے بہتر ہے، وقت پر اپنے لیے بہتر فیصلہ کر لو۔" اس نے خدا حافظ کہہ کر خود ہی فون بند کر دیا۔

سومیہ کی خاموشی سے اسے کوئی تاسف نہیں ہوا تھا۔
(بہرحال اسے اس راہ پر میں نہیں لایا۔)
چند لمحے کسل مندی سے لیٹے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور فریش ہونے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔
وہ نمیر وقار آفندی تھا۔۔۔ وقار آفندی ہی کی طرح خوبرو اور دلکش، مگر آفندی ہاؤس والوں کے لیے زہر سے بھرا۔
اور یہ زہر آفندی ہاؤس کے مکینوں کی رگوں میں کب اترنے والا تھا' اس کا لائحہ عمل وہ آہستہ آہستہ تیار کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ فریش ہو کے وقار کے پاس نیم دراز ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"محبت ظاہر کرنے والے عمل کتنے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، مگر ان کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔" مسکرا کر بولی۔
"ہوں۔۔۔" وہ نیند میں تھا۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ زرنگار نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔
"ہوں۔۔۔ ہیلو۔۔۔" نیند سے بوجھل لہجہ۔
"نالائق۔۔۔ نانجار۔ کہاں سے بول رہے ہو تم؟"
آغا جان دوسری طرف فون پر گرج کر بولے تو وقار کی ساری نیند اڑن چھو ہو گئی۔ وہ بدک کر سیدھا ہوا۔
زرنگار پریشان سی اٹھ بیٹھی۔
"یہیں ہوں بابا جان! ایک دوست کی طرف۔۔۔" وہ حواسوں میں لوٹتے ہوئے بولا۔
"پتا دو اس دوست کا مجھے۔ میں مبین کو بھیج رہا ہوں ابھی۔ میں بھی تو دیکھوں ایسا کون سا دوست بن گیا ہے جس کے پاس تم راتیں بھی گزارنے لگے ہو۔"
وہ شدید اشتعال میں تھے۔
رات ہی صدیقہ بھابھی نے انہیں وقار کے بدلے انداز اور رات گئے تک گھر نہ آنے کی شکایت کی تو صبح ہوتے ہی انہوں نے مبین آفندی سے کہہ کر بینک سے وقار آفندی کے اکاؤنٹ کی تفصیل منگوائی، جسے جان کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کا بینک بیلنس فقط پانچ ہزار روپے رہ گیا تھا۔ کسی خدشے میں گھر کے انہوں نے فیکٹری کے لاکر میں رکھی پراپرٹی کی فائلز چیک کروائیں تو وقار کے نام کے فلیٹ کے کاغذات بھی غائب تھے۔ پریشانی اپنی جگہ، مگر کچھ غلط ہو جانے اور خود کو دھوکا دیے جانے کے احساس نے ان کی رگوں میں انگارے بھر دیے تھے۔
وقار دل ہی دل میں جوڑ توڑ کر رہا تھا۔ بابا جان کو سب علم ہو چکا ہے یا وہ محض اس کے گھر سے باہر رات گزارنے پر ہی خفا ہیں۔
"سچ بتاؤ وقار! کہاں عیاشی کر رہے ہو؟" آغا جان کے سرسراتے لہجے نے اسے بھک سے اڑا دیا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے بابا جان!" وہ بمشکل بول پایا۔
زرنگار الگ پریشان ہوئی جا رہی تھی۔ وقار کے تاثرات کچھ اچھی کہانی نہیں سنا رہے تھے۔
"تم گھر آؤ پھر بات کرتا ہوں تم سے۔۔۔ بچہ نہیں ہوں میں جسے تم ٹافی تھما کے بہلا دو گے۔ آکر مجھے اپنے بینک بیلنس کی تفصیل دو اور فلیٹ کے کاغذات میرے حوالے کرو۔" وہ دانت پیس کر غصے سے بولے تو وقار ساکت رہ گیا۔ یعنی وہ آدھا معمہ حل کر چکے تھے۔

"باباجان! میں آکے آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں۔" اس نے فوری طور پر فیصلہ کرتے ہوئے اطمینان سے کہا تو انہوں نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا وقار۔۔۔؟" زرنگار نے سراسیمہ ہو کر پوچھا۔ وہ گہری سانس بھر کے خود کو سنبھالتا ہوا اسے دیکھ کر تھوڑا سا مسکرایا۔

"لگتا ہے باباجان آدھا پزل حل کر چکے ہیں۔"

"کون سا پزل۔۔۔؟" وہ پریشان تھی ورنہ فوراً سمجھ جاتی۔

"ہمارا۔۔۔ تمہارا اور میرا۔۔۔" وہ اطمینان سے کہتا اسے بے اطمینان کر گیا۔

"تو۔۔۔ اب پھر۔۔۔؟" اس کی ہوائیاں اڑیں۔ وقار نے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"تو اب یہ کہ۔۔۔ میری جان! اب ہم آفندی ہاؤس جائیں گے۔" زرنگار کا چہرہ فق ہوا۔ اسے پھریری سی آئی۔ وقار کے دوستوں نے آغا جان کی دہشت کے قصے اسے سنا رکھے تھے۔

"کیا انہیں پتا چل گیا ہماری شادی کا؟"

"جو بھی پتا چلا ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ مکمل بات میں انہیں بتاؤں۔ میں فریش ہو جاؤں۔ تم اچھا سا ناشتا بناؤ۔ پھر چلتے ہیں، ہمارے گھر۔"

وہ مرد تھا۔۔۔ بڑا جی دار مرد۔ وہ اپنی عورت کو اپنی پریشانی کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے مسکراتے ہوئے لب و لہجے کا پردہ تانے رکھا۔

وہ تو واش روم میں گھس گیا، مگر زرنگار کے دل کو طرح طرح کے خدشات نے گھیر لیا۔ ناشتا بناتے ہوئے بھی اس کا دل خدا کے حضور محو مناجات تھا۔

☼ ☼ ☼

میرون اور فیروزی بنارسی پٹی والے فیروزی رنگ کے لباس میں زرنگار بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کی رنگت بے حد سفید تھی، اور اس رنگ نے اس کی رنگت کو اور بھی اجاگر کر دیا تھا۔ مارے ٹینشن کے تیار ہی نہیں ہوئی۔ لب کاٹ کاٹ کے سرخ کر لیا۔

"اوں ہوں۔۔۔!" وقار نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

"میں بہت نروس ہو رہی ہوں وقار۔۔۔"

"اتنا ظلم تو نہ کرو۔۔۔" وہ اس کی طرف جھکا۔ زرنگار پیچھے ہٹ گئی۔

"مذاق مت کرو وقار! میں واقعی پریشان ہوں۔ اگر تمہارے باباجان نے مجھے قبول نہ کیا تو۔۔۔؟"

"تو یہ کہ باباجان کا یہ بیٹا تو تین بار قبول ہے، قبول ہے کہہ چکا ہے نا۔ پھر کا ہے کی فکر۔" وہ پلٹ کر بالوں میں برش پھیرنے لگا۔

وہ چلتی ہوئی اس تک آئی اور پرفیوم اٹھا کر اس پر چھڑک دیا۔

"تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے نا وقار۔۔۔؟" وہ بمشکل آنسو روک رہی تھی۔

وقار نے خفگی سے اسے دیکھا۔ پھر اس کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

"یہ تو وہی بات ہو گئی کہ جینا چھوڑ تو نہیں دو گے نا وقار؟" وہ اس کے سینے سے لپٹ گئی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے وقار۔۔۔"

"اس گھر سے اگر نکلے تو ہم دونوں اکٹھے نکلیں گے میری جان۔" وقار نے اس کو تسلی دیتے ہوئے قطعی لہجے میں قول دیا۔

"اور اگر انہوں نے تمہیں عاق کرنے کی دھمکی دے دی تو۔۔۔؟" زرنگار اپنی کشتیاں جلا کے اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔" وہ چہرہ اونچا کر کے ہنسا۔ "کر بھی دیں تو کیا؟ ابھی بھی بنا بینک بیلنس کے پھر رہا ہوں۔ فلیٹ بھی بیچ ڈالا تھا' صرف فیکٹری میں حصہ ہے یا گھر میں' تو وہ تو فی الحال ویسے بھی نہیں ملنا تھا تو مختصر یہ کہ مجھے اس عاق نامے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"فرق تو پڑے گا وقار۔۔۔ وہ تمہیں فیکٹری سے بھی نکال دیں شاید۔۔۔"

وہ زرد پڑ رہی تھی۔ وقار نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"تم مسلسل ایک پلڑے میں خود کو اور دوسرے میں زندگی کی ترجیحات کو رکھ رہی ہو۔"

"ان کے بنا زندگی ناممکن ہے وقار۔" زرنگار نے کہنا چاہا۔

"شش۔۔۔" وقار نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولا۔

"ایک پلڑے میں میری زندگی ہے اور دوسرے میں زندگی گزارنے کی ترجیحات۔۔۔ میں ہر حال میں اپنی زندگی ہی کو چنوں گا۔ ترجیحات تو پھر سے بنائی جا سکتی ہیں' مگر زندگی نہیں۔"

آہستہ سے اس نے زرنگار کی صبیح پیشانی پر لب رکھ دیے تو اس نے آنکھیں موند لیں۔ تشکر کے موتی اس کی پلکوں پہ چمک رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ان کے قدم رکھتے ہی "آفندی ہاؤس" میں گویا ایک بھونچال سا آگیا تھا۔

سب ہی بڑے ہال میں اکٹھے ہو گئے۔

ایک طرف وہ سب تھے اور دوسری طرف وقار آفندی اور اس کی اوٹ میں کھڑی حسین زرنگار۔

صدیقہ بھابھی نے تو دل ہی تھام لیا۔ بھاگ کے آغا جان کو بلا لائیں۔

"یہ کون ہے وقار۔۔۔؟" انہوں نے آتے ہی جس انداز میں پوچھا۔ وقار نے بڑی بھابھی کو غلط نگاہ سے دیکھا۔

فاران آفندی بے یقینی سے وقار کو دیکھ رہے تھے۔

(شادی کرلی ہے میں نے۔۔۔ کل ولیمہ تھا میرا)

تو کیا یہ درست کہہ رہا تھا۔۔۔ مذاق ہی مذاق میں سچ بول رہا تھا؟ ان کا سر چکرانے لگا۔

"آغا جان۔۔۔ آرام سے بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" مبین آفندی نے باپ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

صدیقہ بھابھی نے بدمزہ ہو کر شوہر کو گھورا۔ جو کلائمکس پہ پہنچے سین کو خراب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ ہے وہ عورت جس پہ پیسہ لٹایا ہے تم نے اپنا۔۔۔ فلیٹ بیچا ہے اس کے لیے؟؟"

آغا جان دھاڑے تو زرنگار نے ڈر کر وقار کی شرٹ کو مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑ لیا۔ وہ اس کے وجود کی لرزش بہ آسانی محسوس کر سکتا تھا۔

"جی بابا جان۔۔۔ شادی کرلی ہے میں نے۔ بیوی ہے یہ میری' اس گھر کی بہو۔" وہ بڑی ہمت سے بولا۔ ماں جی تیزی سے آگے بڑھیں۔

"بکواس مت کرو وقار۔ کیوں دل جلاتا ہے ماں باپ کا۔ جھوٹ نہ بول۔" انہوں نے پیار سے راج دلارے کا

چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اپنے مخصوص انداز میں اسے ڈانٹا۔
"سچ بول رہا ہوں ماں جی۔ بہو ہے یہ آپ کی۔"
"شرم تو نہیں آ رہی بڑوں کے سامنے اپنی بے شرمی کا اعتراف کرتے۔ رابعہ سے بات طے ہو چکی ہے تمہاری۔" صدیقہ بھابھی چیخیں۔
"کہاں سے لائے ہو اسے.....؟ کسی شریف گھرانے کی تو نہیں ہوگی ورنہ تمہارے ساتھ یونہی نہ چل پڑتی۔" آغا جان نے حقارت سے پُر لہجے میں کہتے وقار آفندی کی برداشت کا گویا امتحان ہی تو لے ڈالا۔
"شریف ہی ہے' تب ہی بھاگ کے نہیں نکاح کر کے آئی ہے۔"
"شریفوں کی اولاد ہوتی تو اس کے ماں باپ چوری چھپے تمہارے ساتھ رخصت نہ کر دیتے۔ ہمیں بلاتے' ہم سے ملتے اور نہ ہی تمہیں چوری چھپے شادی کرنے کی ضرورت پیش آتی..... اتنا ہی نسب والا خاندان تھا تو ہمیں لے کے جاتے اس کے گھر۔"
صدیقہ بھابھی کا تو صدمہ ہی بہت بڑا تھا۔ بہن کو دیے جانے والے لارے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔
"وہ وقت گزر گیا بابا جان۔ اب یہ آپ کی بہو ہے۔" وقار نے مصالحت آمیز انداز اپنایا۔

"ہرگز نہیں....." آغا جان گرجے۔ "جہاں سے اٹھا کے لائے ہو' وہیں پھینک کے آؤ اسے۔ تمہارا خالی بینک اکاؤنٹ اس کی شرافت کی ساری کہانی سنا رہا ہے۔" وہ تلخی بھرے طنزیہ لہجے میں بولے۔
"مان جاؤ وقار۔ بچے غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ اگر تلافی کرنے کا موقع مل رہا ہے تو کر لو۔ واپس پلٹ آؤ۔"
ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وقار کا دل تڑپ اٹھا۔ اپنی بات مکمل کرتے ہی انہوں نے اپنا دوپٹا اتار کر وقار کے پیروں میں ڈال دیا تھا۔
"ماں جی....." وقار ششدر تھا تو زرنگار کا دل بھی کہیں گہرائیوں میں ڈوب گیا۔
"تجھے اپنی ماں کی عزت کا واسطہ۔ اگر شادی کر ہی لی ہے تو طلاق دے دے اسے۔ اس عمر میں تجھے کھونے کا حوصلہ نہیں ہے میرے اندر۔"
وقار آفندی کے قدم گویا زمین نے جکڑ لیے تھے۔ اس نے بے بسی سے چہرہ موڑ کے زرنگار کی طرف دیکھا جو فق چہرہ اور پلکوں کی باڑ میں آنسو لیے اس کے فیصلے کی منتظر تھی..... اور اس کے دعووں اور قول کے سچا ہونے کی منتظر بھی۔
وقار آفندی کا دل پیروں میں پڑے ماں کے دوپٹے میں اٹکنے لگا۔ اس نے جھک کر دوپٹا اٹھایا اور نرمی سے ماں کے سر پہ ڈال کر انہیں گلے سے لگا لیا۔ اس کی شرٹ زرنگار کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔
(تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ماں اور بیوی میں سے کس کو چُننا ہے)
اس نے پپڑی زدہ ہونٹوں پہ زبان پھیر کے انہیں تر کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆ ☆ ☆

طلال کی ماما نے فون کر کے منگنی کی تاریخ مانگی تو تائی جان نے مہراہ کے بابا سے پوچھ کے بتانے کا کہہ دیا۔
"ابھی صبر کرو۔ دن ہی کتنے گزرے ہیں فاران کی موت کو۔" مبین آفندی نے انہیں ٹوک دیا۔
"اب بس بھی کریں مبین صاحب۔ پورا گھر مستقل ایک سوگ کی کیفیت میں ہے۔ اچھا ہے سب کا دھیان بٹے گا ذرا۔" وہ اکتا کر بولیں۔

"آغا جان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے پھر کہا۔

"وہ بھی اسی لیے.... وہ فاران کا غم دل سے لگائے بیٹھے ہیں۔ کچھ ماحول تبدیل کریں گے تو سب کی سوچ بھی بدلے گی۔" وہ اپنی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے بولیں۔

"ہوں.... بات کرتا ہوں میں آغا جان اور سہیل سے۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں کہا۔ بیوی کی بات ان کے دل کو بھی لگی تھی۔ وہ ننھی یوشع کا تکیہ سیدھا کر کے کمبل ٹھیک کرنے لگیں۔ اب وہ مطمئن تھیں۔ شوہر کے ذہن کو جس طرف لگانا چاہتی تھیں لگا چکی تھیں۔

آغا جان بھی ذرا سی پس و پیش کے بعد مان گئے تو گھر میں خوشی کی لہر سی دوڑا اٹھی۔

"میں واپس دبئی جانا چاہتی ہوں۔" رات کو کھانے کی میز پر ثمرہ نے کسی کو مخاطب کیے بغیر اونچی آواز میں کہا تو سب ہی ان کی طرف دیکھنے لگے۔ ماسوائے موحد کے جو اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔ آغا جان بھی اب ان سب کے ساتھ مل کے کھانا کھاتے تھے۔ وہ بھی حیران ہوئے۔ پھر بے چینی سے بولے۔

"مگر کیوں.... ؟ فاران نے تو کہا تھا کہ سب کچھ سمیٹ کر یہاں آ رہا ہے ہمیشہ کے لیے۔" سارے ماحول پر ایک سوگوار سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"وہ تو نہیں رہا مگر اب تم اور میرا پوتا ہمیشہ اس گھر میں رہو گے۔"

آغا جان نے بشاشت سے کہتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

"مگر موحد کی جاب ہے وہاں۔" انہوں نے اپنا پلڑا بلند رکھنے کی سعی کی۔ کسی کو کیا پتا کہ وہ ریزائن کر کے آیا تھا۔

"ہماری تو پشتوں میں کسی نے نوکری نہیں کی۔ وارث ہے یہ ہمارے وسیع کاروبار کا۔"

آغا جان نے کھلے دل سے کہا تو ثمرہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دل نہیں لگ رہا یہاں آغا جان...."

"ماحول بدلے گا تو دل بھی لگ جائے گا۔ مہر ماہ کی منگنی کی تاریخ طے کر رہے ہیں ہم۔ ہلے گلے اور رونق سے دل بہل جائے گا سب کا۔" تائی جان نے بشاشت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے ثمرہ کو خبر بھی سنا دی تو وہ ٹھٹکیں۔

"مہر ماہ.... ؟" انہوں نے دھیرے سے دہرایا۔

تائی جان مسکرائیں۔ "یاد ہے تمہیں.... جب تم یہاں سے گئی تھیں تو آٹھ سال کی تھی مہر ماہ اور اب دیکھو.... منگنی ہونے والی ہے اس کی۔ طلال نام ہے لڑکے کا۔" ہاتھ سے سامنے بیٹھی مہر ماہ کی طرف اشارہ بھی کیا۔ سیاہ بالوں والی وہ بڑی پیاری صورت کی لڑکی تھی۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے بھابھی...." ثمرہ نے عجیب سی نظروں سے پہلے مہر ماہ کو اور پھر تائی جان کو دیکھا۔

"مگر آپ بھول رہی ہیں کہ بچپن میں مہر ماہ اور موحد کا رشتہ طے کر دیا تھا آغا جان نے.... اس کا کیا ہوا؟" ایک دھماکا سا ہوا تھا وہاں۔

سب تو رہے ایک طرف.... خود موحد بھی ششدر رہ گیا اور مہر ماہ.... ؟؟

اس کی نظروں میں تو زمین آسمان گھوم گئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

حاجرہ ریحان

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ دادا ابا نے امی کو کوئی ہدایت دی ہو۔ اور وہ بجا نہ لائی ہوں۔۔۔ شاید امی بھول رہی ہیں۔۔۔ یا پھر موقع کی تلاش میں ہیں۔۔۔ یا پھر۔۔۔ چھوٹے چچا نے امی کو قسم دے دی ہوگی۔۔۔ اور اگر ایسا ہی ہے تو میرا تو فرض ہے کہ میں سچ کھول کر بتا دوں۔ میں نے دل میں فیصلہ کر کے ایک بار پھر سے

خاتون کی طرف دیکھا۔۔۔ جو کہ کسی سمٹائی سی صوفے پر براجمان تھیں۔ لمبے گھنے سیاہ بال۔۔۔ گھنی پلکیں اور ان کے عین نیچے چمکتی ہوئی بڑی بڑی کتھئی آنکھیں۔۔۔ ستواں ناک کے کونے پر کالا تل' جس نے ان کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے اور ہونٹوں پر کھیلتا ہوا ہلکا سا تبسم۔۔۔ کتنی خوب صورت ہیں۔۔۔ میں نے ایک بار پھر ان کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے چھوٹے چچا سے ان کا موازنہ کیا۔

یوں تو چھوٹے چچا بھی لمبا قد اور مضبوط دہانہ رکھتے ہیں مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں چھوٹے چچا میں وہ خوب صورتی نہیں جو ایسی خاتون کے شوہر ہونے کے لحاظ سے ہونی چاہیے تھی۔۔۔ کہاں یہ کہاں ہمارے چھوٹے چچا۔۔۔ کوئی جوڑ نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔ میں نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔۔۔ ایک کام جو کہ میرا ہمیشہ سے پسندیدہ رہا' وہ تھا کسی بھی شادی میں جا کر دولہا' دلہن کا موازنہ کرنا۔۔۔ جہاں مجھے دلہن بڑی خوب صورت حسین لگتی اور دولہا عجیب بے ڈھنگا دکھائی دیتا۔ میں دل میں باقاعدہ سوچنے لگتی کہ کاش رشتے کے وقت میں بھی موجود ہوتی تو لڑکی کو ہامی بھرنے سے پہلے ہی بتا دیتی کہ لڑکا اس کا دولہا بننے کے بالکل بھی لائق نہیں لہٰذا انکار کر دے۔۔۔ اسی طرح کہیں دولہا اچھا ہوتا اور دلہن ایویں ہوتی تو ہمدردی دولہا کے ساتھ ہو جاتی۔۔۔ کچا ذہن تھا' کسی فلم میں کام کرنے والے' حسن اور دلکشی میں ایک دوسرے سے ٹکر کھانے والے دولہا دلہن ہی دیکھنا چاہتی تھی۔

اور اب' جب کہ میں واقعی رشتے کی بات چیت کے دوران اتفاق سے موجود ہی ہوں تو کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں۔۔۔ ویسے بھی دادا ابا نے میرے سامنے ہی امی سے کہا تھا کہ چھوٹے چچا کے بارے میں لڑکی اور اس کے والد کو سچ سچ بتا دینا۔۔۔ دادا ابا کو یہ بات بڑی عجیب لگی تھی کہ رشتے کی بات پہلے لڑکی والوں کی طرف سے کی گئی ہے۔۔۔ لہٰذا امی کو اکیلے جانے کے بجائے دو چار لوگوں کے ساتھ جانے کی ہدایات دی تھیں۔

میں نے ابھی پیسٹری کو آدھا ہی ہڑپ کیا تھا کہ خاتون کے کزن نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی تمہارے چچا تو ڈاکٹر ہیں۔ مزے سے جب بیمار پڑتی ہو گی' دوائی مل جاتی ہو گی۔۔۔ کیوں۔۔۔؟"

میں نے غور سے کزن صاحب کو دیکھا۔۔۔ لمبے چوڑے۔۔۔ باکسر جیسے ڈیل ڈول والے۔۔۔ گورے چٹے' اوپر سے جب بھی مسکراتے سفید دانت موتیوں کی طرح جھل مل کرتے نظر آتے۔۔۔ میں نے دوسری نظر خاتون پر ڈالی۔۔۔ ہاں۔۔۔ بالکل ٹھیک۔۔۔ ان خاتون کو اپنے کزن سے ہی شادی کرنی چاہیے۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کتنا جچ رہے ہیں۔

میں نے نوالہ ختم کر کے کہا۔۔۔ "چھوٹے چچا تو بس نام کے ڈاکٹر ہیں۔۔۔ نہ کبھی دادا بابا کے ٹانگوں میں تکلیف کی وجہ ڈھونڈ سکے اور نہ ہی کبھی بڑی پھوپھی کی بیماری کو سمجھ سکے۔۔۔ یہاں تک کہ محلے میں سے کوئی اگر کبھی اپنی کوئی رپورٹ دکھا دے تو ہاں' ہوں کر کے جان چھڑا لیتے ہیں۔۔۔ کلینک میں ساری شام مکھیاں مارتے رہتے ہیں۔۔۔ مجال ہے کوئی مریض پھٹک جائے۔"

کزن صاحب کھی کھی کرنے لگے اور خاتون سمیت باقی لوگ بے چینی سے پہلو بدلنے لگے۔۔۔ مگر میں تو اب شروع ہو چکی تھی اور چاہتی تھی کہ سب کچھ سنا کر ہی دم لوں۔۔۔ میں پھر گویا ہوئی۔

"کام بھی کوئی خاص نہیں کرتے۔۔۔ ہر وقت اکھڑے اکھڑے سے رہتے ہیں۔۔۔ دادا ابا اور بابا جانی کے ڈانٹنے کے باوجود سگریٹ پیتے ہیں۔۔۔ دادا ابا تو کہتے ہیں کہ یہ سگریٹ ہی نہیں نشہ بھی کرتا ہے' تب ہی تو ہر وقت کھویا کھویا سا رہتا ہے اور اسی وجہ سے اپنی ہاؤس جاب بھی مکمل کیے بغیر ہی کلینک کھول لیا۔۔۔ دادا ابا کہتے ہیں کہ ایک نمبر کا نکھٹو اور نکما لڑکا ہے' اگر امی اور بابا جانی ان کو گھر پر نہ رکھیں تو بھوکے ہی مر جائیں گے۔۔۔ اور پتا ہے ان کا شوق کیا ہے؟"

میں جانتی تھی کہ امی اور چھوٹی پھوپھی مسلسل

مجھے گھور رہی ہیں' مگر مجھے ان خاتون سے ایسی ہمدردی ہوگئی تھی کہ میں ان کو ہر قیمت پر چھوٹے چچا سے بچانا چاہ رہی تھی..... کزن صاحب اب کی بار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

میں پھر شروع ہوگئی۔ "چھوٹے چچا تو بس ہر وقت مختلف قسم کی خوشبوئیں جمع کرتے رہتے ہیں۔ بابا جانی اب تک ان کے لیے ڈھیروں پرفیوم لا چکے ہیں' مگر وہ استعمال ایک بھی نہیں کرتے' بس ایک بار سونگھ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان کے کمرے میں ہزاروں پرفیوم کی بوتلیں پڑی ہوئی ہیں.... خود بھی کئی خرید چکے ہیں.... بس نئی لائی گئی بوتل کو خوب شوق سے کھول کر سونگھتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر ڈبے میں بند کر کے رکھ دیتے ہیں کہ.... نہیں' نہیں یہ وہ خوشبو نہیں...."

میں نے دیکھا کہ خاتون بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں.... واہ.... کیا لانبا قد ہے.... میں ایک بار پھر سے ان کی شخصیت سے متاثر ہوگئی.... میرا بس چلتا تو میں صاف دوٹوک خاتون سے کہہ دیتی کہ وہ اس رشتے سے انکار کردیں.... مگر کیا کرتی' میں بچی.... میری بات کی اہمیت ہی کہاں تھی.... مگر چھوٹی پھوپھی کی شاید حد ہوچکی تھی' انہوں نے معذرت کی اور مجھے لے کر واش روم کا بہانہ کر کے دوسرے کمرے میں چلی آئیں.... چھوٹی پھوپھی نے اکیلے ہوتے ہی میرے کان اینٹھے....

"یہیں.... ویسے گھر میں تو اتنی گھنی چپی بنی رہتی ہے' مگر یہاں کیسے زبان چلا رہی ہے' جیسے اس کو سب سکھا کر بھیجا گیا ہے.... کیوں.... بڑوں کے درمیان میں باتیں کرنے سے منع نہیں کیا بھابھی نے....؟ اور بکواس ہے کہ بند ہی نہیں ہو رہی.... اب اگر ایک لفظ بھی نکالا تو جان سے مار ڈالوں گی.... سمجھی....؟"

چھوٹی پھوپھی یہ کہہ کر جلدی سے واپس چلی گئیں' جب کے میں اپنے حواس بحال کرنے میں لگ گئی۔ اب جو کمرے پر غور کیا تو حیران رہ گئی.... دو چار بڑی لمبی چوڑی میزوں پر مختلف قسم کے مجسمے سجے ہوئے تھے۔

ایک میز پر جو کہ شاید مجسمہ سازی کے لیے استعمال ہوتی تھی' اس پر مختلف قسم کے چھوٹے بڑے اوزار پڑے ہوئے تھے.... مٹی کا ڈھیر۔ پانی کے چھوٹے بڑے پیالے.... میں چند ایک کو بغور دیکھتی آگے بڑھی تو دوسری میز پر کچھ سفید' تو کچھ مٹی کے رنگ کے کچھ مکمل تو جیسے کچھ ادھورے مجسمے نظر آئے.... زیادہ تر کی صرف شکل ہی بنائی گئی تھی.... کچھ ایسے بھی تھے جن کے آدھے چہرے خوب صورت تو آدھے نہایت بدصورت تھے.... ایک دو ایسے بھی نظر آئے کہ جن کی آنکھوں کو چہرے کی بہ نسبت بڑا اور بے ڈھنگا سا بنایا گیا تھا.... کسی کی زبان بے تحاشا باہر کو لٹکی ہوئی اور ان ہی سب مجسموں کے درمیان مجھے وہ نظر آیا.... یہ مجسمہ باقیوں سے ذرا الگ تھلگ تھا.... جیسے ایک طرف باقی بے ڈھنگے.... بدصورت اور مکروہ تو ایک طرف یہ.... مکمل جامع اور دلآویز سا.... میں غور کرنے کے لیے اور بھی قریب گئی تو حیران رہ گئی' کیونکہ یہ تو ہو بہو چھوٹے چچا کی کاپی تھا....

"کیسا لگا یہ کمرہ....؟" مترنم آواز نے پیچھے سے پوچھا۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو خاتون کھڑی تھیں۔

"ان کی تو آواز تک خوب صورت ہے...." میں نے دل میں سوچا....

"میں نے بنائے ہیں یہ سب.... میڈیسن تو میں نے اپنے والد کے اصرار پر پڑھی تھی' مگر اصل شوق میرا مجسمہ سازی ہے۔ جب بھی فرصت ملتی ہے' میں یہاں چلی آتی ہوں.... اور اپنے شوق کی تسکین کر لیتی ہوں...." وہ قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گئیں اور مجھے کمر سے پکڑ اٹھا کر میز پر اپنے سامنے ہی بٹھا دیا۔

میں نے ایک بار پھر سے چھوٹے چچا کے مجسمے کو دیکھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے خاتون سے پوچھنا چاہا' مگر سوچا کہ پوچھوں بھی تو کیا پوچھوں.... مجھے یاد آیا کہ چھوٹے چچا نے مجھے خاص طور سے کہا تھا کہ خاتون کو چپکے سے موقع ملتے ہی ایک عدد جملہ بول دوں.... میں

نے گلا کھنکھار کر ان کو بتایا۔۔۔

"چھوٹے چچا نے آپ کے لیے ایک پیغام دیا ہے۔ کہ۔۔۔ آپ خود کو سزا نہ دیں۔"

ان کی آنکھیں تجسس سے بھر گئیں۔۔۔ انہوں نے جلدی سے پوچھا "اور کیا کہا تھا؟"

"اور کچھ نہیں۔۔۔ بس۔۔۔" میں نے نا سمجھی سے سر ہلا دیا' جبکہ وہ دو چار گہری سانس لے کر سوچ میں ڈوب گئیں۔

"ایک کہانی سناؤں؟" انہوں نے تھوڑی دیر کے توقف کے بعد پوچھا۔۔۔

اچانک خاتون مجھے بڑی پراسرار سی لگنے لگی تھیں۔۔۔ جیسے ان کی بڑی بڑی گہری کتھئی آنکھوں میں کئی راز تھے' جن کا کہیں نا کہیں چھوٹے چچا سے بھی تعلق تھا۔۔۔ میں اپنی بساط کے مطابق سمجھنے کی کوشش میں بالکل ہی خاموش ہو چکی تھی۔۔۔ اور صرف سر ہلانے پر اکتفا کر رہی تھی۔

"ایک لڑکی تھی' بڑی خوب صورت حسین سی۔۔۔ اکلوتی اولاد' سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی۔۔۔ باپ کی جان۔۔۔ ماں کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ لہٰذا باپ کو لڑکی سے اور لڑکی کو باپ سے حد درجہ محبت تھی۔۔۔ اور والد کے کہنے پر ہی اس نے اپنے شوق کو قربان کر کے میڈیکل کی پڑھائی اختیار کی تھی۔۔۔ کالج میں اکثر لڑکے اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے' کوئی اس کی خوب صورتی سے متاثر تو کوئی اس کی امارت سے۔۔۔ اور خاندان میں کزن وغیرہ بھی باتوں باتوں میں اس سے اپنے دل کا احوال کہتے رہتے۔۔۔ مگر وہ ممکن حد تک شرافت سے زندگی گزار رہی تھی۔ سوچتی تھی کہ شادی جس سے ہو گی اسی سے محبت بھی کرے گی۔۔۔ اس کی میڈیکل کی پڑھائی مکمل ہوئی تو ہاؤس جاب شروع کی۔۔۔ کالج کے ہی کئی کلاس فیلو بھی ہاؤس جاب میں اس کے ساتھی تھے۔

ایک رات اسے ایمرجنسی وارڈ میں اس کی ڈیوٹی نہ ہوتے ہوئے بھی طلب کر لیا گیا۔ بھاگم بھاگ اسپتال پہنچی تو معلوم ہوا کہ جن نئے ڈاکٹرز کی ڈیوٹی تھی وہ کسی وجہ سے چھٹی کر گئے ہیں۔ اس کو بتایا گیا کہ ایک اور ڈاکٹر کو بھی بلایا گیا ہے' جو کہ راستے میں ہے اور جلدی آجائے گا۔ یہ وہی اس کا کلاس فیلو ڈاکٹر تھا جو خود میں مگن سا رہتا تھا اور لڑکی کو اس سے باتیں کرنے اور ساتھ بیٹھنے میں مزہ آتا تھا۔۔۔ اب جو اپنے حلیے پر نظر کی تو شرم آگئی۔۔۔ گرمیوں کے لحاظ سے لان کے جوڑے میں ملبوس وہ لڑکی اب پریشان تھی کہ واپس جا کر کپڑے تبدیل کرنے کا موقع نہیں تھا۔ جبکہ جلدی میں اس کا سفید گاؤن بھی گھر پر رہ گیا تھا۔ اس نے گھر فون کر کے اپنا ایک جوڑا اور گاؤن منگوایا۔۔۔ ایک دو بار ایمرجنسی وارڈ کا چکر لگا کر وہ واپس اسٹاف روم میں بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔ اتفاق سے ایمرجنسی وارڈ میں بھی کوئی مریض نہیں آیا تھا۔ ایک مریض آیا تھا جس کی تھوڑی بہت مرہم پٹی کر کے فارغ کر دیا تھا۔

لہٰذا لڑکی سکون سے اسٹاف روم میں تھی۔ اچانک دروازہ کھول کر کوئی بے دھڑک اندر آ گیا۔ ویسے تو ایمرجنسی وارڈ میں ڈیوٹی کے دوران کبھی بھی کوئی بھی نرس یا وارڈ بوائے اسٹاف روم میں ڈاکٹر کو بلانے آسکتا ہے' مگر تمیز کے دائرے میں رہتے ہوئے اندر آنے سے پہلے دستک ضرور دیتا ہے۔ لڑکی جو ایک صوفے پر نیم دراز سی تھی۔۔۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھی' دیکھا کہ اس کا وہ بدتمیز کزن تھا' جس کے ساتھ اسی شام کافی بدمزگی ہوئی تھی۔۔۔ کزن کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا' جس میں یقیناً" اس کا گاؤن اور کپڑے بھجوائے گئے تھے۔۔۔ تھیلا اس کے حوالے کرتے کرتے کزن نے اچانک لڑکی کی گردن کے گرد اپنا بازو ڈال دیا۔۔۔ اور اسے خود سے قریب کرتے ہوئے شام کی بدمزگی کی معافی مانگنے لگا۔

کزن چند دن ہوئے باہر سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے آیا تھا اور اب اس کے لیے زور و شور سے لڑکی دیکھی جا رہی تھی' جب کزن اس سے شادی کا خواہاں ہوا تو اس نے اپنے والد کے سامنے کزن کی بے ہودہ حرکتوں

کا پول تو نہیں کھولا، مگر رشتے سے سختی سے انکار کردیا۔۔۔ والد کو اپنا بھتیجا کچھ ایسا پسند تھا کہ انہوں نے لڑکی کے انکار پر بھی کزن کو اجازت دے دی کہ اکیلے میں لڑکی سے مل کر اسے منانے کی کوشش کرلے۔۔۔
کزن، والد کے سامنے لڑکی سے بہت عزت احترام سے پیش آتا، مگر پیچھے حد درجہ ذلیل کرتا۔۔۔ اب اتنی رات گئے اکیلے اسٹاف روم میں یوں تو کزن معافی مانگ رہا تھا، مگر جس طرح وہ لڑکی کے ساتھ زبردستی چمٹ رہا تھا۔ اسے پسند نہ آیا۔
لڑکی نے ایک جھٹکے سے کزن کو خود سے علیحدہ کیا اور اسے کمرے سے جانے کو کہا۔۔۔ یہ سن کر کزن پر ایک دم جنون سوار ہوگیا۔۔۔ اس نے لڑکی کو اپنی طرف کھینچا تو لان کا کرتا چاک ہوگیا۔ لڑکی شرم سے پانی پانی ہورہی تھی اتنے میں ایمرجنسی وارڈ کی ڈیوٹی میں تعینات دوسرا ڈاکٹر بھی اپنی دھن میں دروازے پر ہلکی سی دستک دیتا ہوا اندر داخل ہوا۔۔۔ ڈاکٹر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر لڑکی سے علیحدہ کیا۔ ڈاکٹر کے کندھے پر اس کا گاؤن لٹک رہا تھا جو اس نے لڑکی کی طرف اچھال دیا۔۔۔ لڑکی جب تک گاؤن پہن کر دونوں کی طرف متوجہ ہوئی تو دیکھا کہ کزن اور ڈاکٹر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں۔۔۔
کزن باکسنگ کرتا تھا اور لڑکی جانتی تھی کہ طاقت میں وہ ڈاکٹر سے کہیں بڑھ کر ہے۔۔۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر دونوں کو الگ کرنے کی کوشش کی کہ کزن کا ایک زوردار گھونسا اسے بھی پڑا اور وہ چکرا کر ایک طرف لڑھک گئی۔۔۔ ڈاکٹر یہ دیکھ کر ایک دم جوش میں آگیا۔۔۔ مگر کزن جان چکا تھا کہ اب یہاں ٹھہرنا بے کار ہے۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو چھڑا کر بھاگ لیا۔۔۔
اب ڈاکٹر نیم بے ہوش لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔ گھونسا سر پر ایسی جگہ پڑا تھا کہ لڑکی کبھی باتوں کو سمجھ پاتی، کبھی ایک دم بے ہوش سی ہوجاتی۔۔۔ بس اتنا یاد ہے کہ ڈاکٹر نے احتیاط سے اٹھا کر اسے صوفے پر لٹا دیا تھا۔
ایکسیڈنٹ یا کسی ناگہانی آفت کے زخمی مریضوں کے ہوش و حواس اور ردعمل کو دیکھنے کے لیے ڈاکٹر اس سے معمول کے سوالات کرتے کرتے اچانک ایک انوکھا سا سوال کردیتے ہیں۔۔۔ جو بظاہر اس وقت اور مریض سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھتا، مگر مریض اس سوال میں پھنس کر حواس میں آنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔۔۔ جیسے۔۔۔ آج چاند دیکھا تھا؟ آج میچ کون جیتا؟ ناشتے میں آملیٹ کھایا تھا کہ ہاف فرائی؟
ڈاکٹر۔۔۔ لڑکی کے سر کو آہستہ آہستہ سہلاتے ہوئے اسے حواس میں لانے کی کوشش کررہا تھا۔ ایک دو گھونٹ پانی پینے کے بعد لڑکی نے آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر کو خود پر جھکا پایا۔ ڈاکٹر نے وہی حربہ استعمال کرتے ہوئے لڑکی سے اچانک پوچھا۔
''آپ کون سی خوشبو استعمال کرتی ہیں۔۔۔ بہت مسحور کن ہے۔''
اسی اثنا میں ایک نرس کمرے میں داخل ہوگئی۔ اس نے جو کمرے کے بکھرے ہوئے سامان کو اور لڑکی کو صوفے پر نیم بے ہوش اور ڈاکٹر کو اس پر جھکے دیکھا تو دروازے سے ہی چیختی چلاتی باہر دوڑ گئی۔ جب تک لڑکی کو ہوش آیا پوری رات گزر چکی تھی۔۔۔ پولیس۔۔۔ ڈاکٹر کو پکڑ کر حوالات میں بند کرچکی تھی اور اس کے بوڑھے والد تھانے میں اس کی ضمانت کے لیے پریشان بیٹھے تھے۔ یہاں لڑکی کے والد بھی غیض و غضب دکھا رہے تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے کہ ڈاکٹر کی کسی صورت ضمانت نہ ہو۔ جبکہ ڈاکٹر نے اپنی صفائی میں ایک لفظ تک نہیں بولا تھا۔ لگتا تھا وہ لڑکی کے فیصلے کا منتظر تھا۔

☆ ☆ ☆

میں جو مبہوت ان کی کہانی سن رہی تھی، ان کے اچانک خاموش ہونے پر گڑبڑا گئی۔ دیکھا تو چھوٹی پھوپھی نہ جانے کب سے کمرے میں آکر ہماری بات چیت سن رہی تھیں۔۔۔ ان کے کرسی سے اٹھنے پر چھوٹی پھوپھی خلاف توقع بڑی نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کھڑی ہوگئیں۔

"غیرت ہے ہم... تمہارے اس کزن نے اتنا کچھ کر کے بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا...؟" چھوٹی پھوپھی نے دھیمے سے کہا۔

"میں ہوش میں آئی... تو آپ کی بھابھی اسپتال میں موجود تھیں۔ انہوں نے ہی مجھے حالات سے باخبر کیا تھا... لیکن جب تک میں نے پولیس کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا' آپ لوگوں کی جو بدنامی ہونی تھی وہ تو ہو ہی چکی تھی... میں نے بھابھی سے معافی کی درخواست کی تھی' مگر لگتا ہے کہ وہ..." آپ بہت تھکے تھکے انداز میں بات کر رہی تھیں... تھوڑے توقف کے بعد پھر گویا ہوئیں۔ "مگر لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مجھے معاف نہیں کر سکے۔"

چھوٹی پھوپھی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "سچ پوچھو تو میں تو بہت ہی ڈری ہوئی تھی کہ پتا نہیں تم لوگوں نے خود ہی بلایا ہے تو نہ جانے کتنی صلواتیں سناؤ... ابا جان بھی کہہ چکے تھے کہ جو بھی سنائے چپ کر کے سن لینا اور خاموشی سے واپس آ جانا... ان کا احسان ہے کہ چھوٹے کو جیل اور مقدمے سے بچالیا۔ ہم سب چھوٹے کو ہی قصوروار سمجھتے رہے ہیں۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہے۔ آج تک ایک لفظ نہیں کہا... اور شاید اسی نے بھابھی کو بھی منع کر دیا تھا' ورنہ بھابھی ابا جان کو تو سچ بتا ہی دیتیں۔"

وہ نظریں جھکائے کھڑی تھیں... چھوٹی پھوپھی نے اوپر سے نیچے ایک بار پھر ان کا جائزہ لیا... اور گویا ہوئیں...

"معافی تلافی کیا کرتا۔ وہ اس بات سے ہی ڈر گیا ہو گیا کہ کہاں تم... پڑھی لکھی... خوب صورت... اعلا خاندان اور کہاں ہم... متوسط طبقے کے لوگ... اچھا کھاتے ہیں' اچھا پہنتے ہیں... مگر تمہارے خاندان جیسے ٹھاٹ باٹ کہاں... وہ تو مجھے چھوٹے کی پرانی کتابوں کو ردی میں بیچتے وقت تمہاری تصویر نہ ملتی تو دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی ہم رشتہ لے کر ہرگز نہ آتے۔" چھوٹی پھوپھی نے آخری چند جملے بڑے معنی خیز انداز میں ادا کیے۔

ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے... وہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولیں۔ "یہاں تک تو آگے بڑھ گئی کہ پاپا کو زبردستی رشتہ کی بات بڑھانے کے لیے کہا۔ اس سے زیادہ بھلا کیا کر سکتی ہوں؟"

چھوٹی پھوپھی اب ان کو دلاسا دیتے ہوئے بولیں۔ "اوہو! تم فکر ہی نہ کرو... بس تم نے پہل کر دی ہے نا تو اترا گیا ہے... میں دو ایک دن ایسا لتاڑوں گی... ایسا سناؤں گی کہ دیکھنا تیسرے دن ہی شادی کے لیے حامی بھر لے گا۔"

دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"چلو شکر ہے کہ اب خاندان بھر کی پرفیوم کی فرمائش سے تو جان چھوٹے گی۔" چھوٹی پھوپھی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں... اور اسی طرح شاید چھوٹے چچا سگریٹ بھی چھوڑ دیں؟" میں نے بیچ میں ٹوکا دیا تو جیسے دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گیا۔

چھوٹی پھوپھی نے مجھے غصے سے تلملاتے ہوئے دیکھا۔ "ارے! تم گھنی چھپی یہیں ہو۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ چل نکل یہاں سے... اور اگر کسی کے سامنے یہ سب بکواس کی نہ تو جان سے مار ڈالوں گی... سمجھیں...؟"

"مگر... مگر چھوٹی پھوپھی جانے سے پہلے ان سے کم از کم یہ تو پوچھ لیں..." میں خود کو چھوٹی پھوپھی کے اتنا قریب پا کر منمنائی۔

"نہیں... کیا پوچھوں... کیا پوچھنا تھا؟" چھوٹی پھوپھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولیں۔

"یہ ہی... یہ ہی کہ یہ خوشبو کون سی استعمال کرتی ہیں؟"

اتنی دیر میں کہ چھوٹی پھوپھی میری چالاکی کو سمجھتیں' میں میز سے چھلانگ لگا کر سے باہر نکل چکی تھی۔

فرح بخاری

ضروری

بھاپ اُڑاتی چائے کا کپ لیے رباب ٹیرس پر آئی تو جاتی دھوپ کی سنہری کرنوں نے مشرقی سمت میں ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ وہ چونکہ سائے میں تھی اس لیے ہلکی ہلکی ٹھنڈ کا احساس ہو رہا تھا۔ گیٹ کے باہر ذیلی سڑک کا منظر تھا جہاں رش معمول سے کافی کم

— تھا۔ اس کے علاوہ آس پاس کے گھر اور روڈ پار والا پارک۔ جہاں وہ بہن بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ بچپن میں خوب کھیلی تھی۔

بچپن کی یادیں جو پانچویں جماعت تک محدود تھیں کیونکہ جونہی وہ چھٹی جماعت میں آئی ابو نے انہیں لاہور میں اپنا نیا گھر تیار ہو جانے کی نوید سنائی اور ہمیشہ کے لیے انہیں ساتھ لے گئے۔ بس اس کے بعد وہ لوگ صرف سردی کی چھٹیوں میں ہی یہاں آیا کرتے تھے۔ وہ بھی محض ایک آدھ ہفتے کے لیے کیونکہ اس کی امی اس سے زیادہ اپنی سسرال اور ساس کو برداشت نہیں کرپاتی تھیں۔ ہاں عیدین پر وہ سب ضرور حاضری دیا کرتے۔ وہ خود البتہ دادی کی محبت میں کبھی کبھار اکیلی بھی کھنچی چلی آتی تھی اور دادی کا خیال آتے ہی دھیان کے ساتھ ساتھ رباب کی آنکھیں بھی گیٹ کے بیرونی حصے سے ہٹ کر اندرونی طرف یعنی گھر کے لان میں آٹکیں جہاں دادی جان سورج کی جاتی کرنوں سے فیض حاصل کرنے بلکہ ساری وٹامن ڈی نچوڑ لینے کی کوشش میں چہرہ عین سورج کی جانب کیے — پڑھنے میں مگن تھیں۔

رباب نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر دادی کو دیکھا' نرم و نازک' سفید چہرے 'سفید بالوں اور بنا دانتوں والے دہانے سے محبت بھری حسین مسکراہٹ سے نوازنے والی دادی جان..... جو ہمیشہ ہی اپنے صاف ستھرے پہناوے' نفاست سے کنگھی کیے نرم سفید بالوں اور دھلے دھلائے باوضو اور نورانی چہرے کی بدولت اسے ایک کھلونا گڑیا لگا کرتیں..... یا شاید کھلونا بڑھیا... دادی کو بغور دیکھتے ایک نئی اصطلاح سوجھ جانے پر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

دادی بہت نفیس مزاج تھیں۔ نہ صرف دیکھنے میں بلکہ یہ نفاست ان کے مزاج میں بھی جھلکتی تھی۔ ان کے کمرے میں ہر چیز ایک مخصوص جگہ پر رکھی ملتی۔

دادی اپنا ضروری سامان میز سے سمیٹتے ہوئے اندر جانے کا قصد کر رہی تھیں کیونکہ سورج صاحب اب نظر آنا بند ہو گئے تھے۔ رباب کی چائے بھی تقریباً" ختم ہو چکی تھی۔ باقی کا وقت ان کے ساتھ گزارنے کا ارادہ کرتے ہوئے وہ بھی ٹیرس سے ہٹ گئی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ کوریڈور میں آئی تو سامنے سے دادی بھی آہستہ آہستہ دیوار کا سہارا لیتی اپنے کمرے کی طرف آرہی تھیں۔ اسے سامنے سے آتے دیکھ محبت سے مسکرائیں۔

"اب آپ کے پاس اسٹک ہونی چاہیے دادی۔ دیوار کا سہارا لے کر چلنے میں دقت ہوتی ہوگی۔" اس نے آگے بڑھ کر ان کا بازو تھام لیا۔

"مجھے نہیں پسند یہ اسٹک وسٹک۔" انہوں نے ناک چڑھائی۔ "خواہ مخواہ بندہ خود کو بوڑھا سمجھنے لگتا ہے۔ دو چار سال تو اور خود کو دھوکا دے لینے دو۔" وہ شرارت سے وضاحت کرتی اپنے کمرے میں داخل ہو گئیں اور رباب کو بھی ہنسی آگئی۔

"اور کیا۔ ویسے بھی آپ کی عمر ہی کیا ہے ابھی۔"

"ہاں۔ اور یہ بال تو ڈائی کیے ہیں ناں؟" انہوں نے اپنے سفید بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا مضحکہ اڑایا۔

"آپ تو یہی کہا کریں سب سے۔ ویسے بھی فیشن ہے آج کل بال سفید رکھنے کا۔" اس نے مسکرا کر دادی کو بیٹھنے میں مدد دی۔ "چائے بنا لاؤں؟"

"ارے نہیں۔ بیٹھو میرے پاس۔ چائے تو کب کی پی چکی۔"

"اچھا!" رباب نے حیرت سے اپنا خالی کپ سامنے کیا۔ "میں نے تو ابھی پی۔ مونا دے گئی تھی۔"

"ہاں۔ ہاں۔ یہ سب تو اسی وقت ہی پیتی ہیں۔ ٹائم بھی یہی ہے۔ بس میری ذرا عادت بگڑ گئی ہے۔ دوپہر کا کھانا کھائے مشکل سے آدھا گھنٹہ گزرتا ہے کہ مجھے چائے کی طلب ہونے لگتی ہے۔ مانتی ہوں اچھی عادت نہیں ہے لیکن پیچھا چھڑانا بھی مشکل ہے اب۔"

"اور رات کو دادی.....؟"

"رات کو صرف قہوہ پیتی ہوں کھانے کے بعد۔"

"قہوہ تو بہت اچھا ہے دادی۔ آج میں اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلاؤں گی۔" رباب باقاعدہ آلتی پالتی مار کر ان کے پیروں کی طرف ان ہی کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

دادی سے کرید کرید کر سوال کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ عام سے جملوں سے گفتگو کا آغاز کرتے وہ انہیں ماضی کی حسین وادیوں میں لے جاتی۔ جس کے متعلق رباب کو بتاتے دادی کا خوب صورت نورانی چہرہ مزید دمکنے لگتا تھا۔ وہ بہت دلچسپی سے اسے اپنے ماضی کے قصے سنایا کرتیں۔ اکثر پرانے واقعات کو یاد کرتے دادی کا انداز خاصا جوشیلا ہو جاتا اور رباب کی اس شعوری کوشش کی وجہ بھی محض دادی کو ذہنی سکون اور سچی خوشی فراہم کرنا ہوتا تھا۔ فطرتاً "وہ بہت ہمدرد ——— اور حساس سی تھی۔

بزرگوں کو خاموش تماشائی کے سے انداز میں زندگی گزارتے دیکھ کر اسے حقیقی دکھ کا احساس ——— ہوتا۔ امنگوں اور جوش سے بھرپور زندگی گزارنے والے لوگ جب بزرگی کی عمر کو پہنچتے ہیں تو آخر اچانک اتنی چپ اور ——— اداسی بھری زندگی بسر کیوں کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات اسے ہضم نہیں ہوتی تھی۔ دادی کے

لیے سال بھر میں جو چند ——— ہفتے وہ نکال پاتی تھی۔ ان میں وہ دادی کو بھرپور وقت دینے کی کوشش کیا کرتی۔

یوں تو چھوٹے چچا کی فیملی بھی ان کے پاس ہی رہتی تھی لیکن نجمہ چچی کے ساتھ رباب کے تعلقات بس واجبی سے ہی تھے۔ کچھ وہ خود بھی ایسی ہی تھیں لیے دیے رہنے والی۔

"دادی! آپ کو گفٹس پسند تو آئے ناں۔؟" دل سے دل میں مچلتا سوال رباب کے لبوں پر آ ہی گیا۔

اس کی امی نے ہمیشہ کی طرح اسے مہنگے گفٹس دے کر دادی کے پاس بھیجا تھا۔ بھلے سے ماں کی نیت بھی وہ خوب پہنچانتی تھی۔ مہنگے تحفے بھیج کر وہ صرف اس کے ابو پر یہ جتاتی تھیں کہ وہ ان کی ماں کا بہت

خیال رکھتی ہیں۔ اس بار انہوں نے ساس کے لیے موسم کا ایک تھری پیس سوٹ، مہنگی گرم شال اور بند جوتے بھیجے تھے۔ رباب نے بہت خوشی اور جوش سے شاپنگ دادی کے آگے رکھی تھی لیکن معلوم نہیں کیوں دادی کا ردعمل توقع کے برعکس کچھ ٹھنڈا سا تھا۔ جیسے شاپنگ دیکھ کر وہ کسی سوچ میں پڑ گئی ہوں۔ رباب کے سوال پر انہوں نے پیار سے رباب کی ٹھوڑی کو چھوا۔

"ہاں بہت پسند آئے۔ بھلا میری بیٹی کے اتنی محبت سے لائے گئے تحفے مجھے پسند کیوں نہیں آئیں گے۔ ہر چیز بہت خوب صورت ہے "لیکن بیٹا کیوں میرے لیے اتنی زحمت کرتی ہو۔ اب کیا میری عمر ہے ایسی مہنگی چیزیں پہننے کی۔"

"یہ مت کہا کریں دادی۔" رباب نے منہ پھلایا۔ "خوب مزے سے پہنا اوڑھا کریں۔ ابھی واقعی میری دادی بہت کم سن ہیں۔" اس نے بھی پیار سے دادی کی ٹھوڑی چھوئی۔ لیکن جانے کیوں وہ دھیرے سے مسکرا کر پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"کیا بات ہے دادی۔" رباب سنجیدہ ہو گئی۔ "آپ کا ذہن کہیں اور ہے..... سب خیریت تو ہے.....؟

بتائیں ناں دادی! میں تو آپ کی پکی والی سہیلی ہوں ناں۔" اس نے دادی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے فیصلہ کن انداز میں مسکرائیں۔

"ہاں۔ تم ہی میری پکی سہیلی ہو۔ اور تم سے میں ہر بات کر لیتی ہوں۔"

"تو بتائیں دادی۔ کیا بات ہے؟" اس نے آگے کھسک کر ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"تم سے ایک اجازت لینی تھی۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

"اجازت۔؟" رباب کی آنکھوں میں واضح حیرت تھی۔

"اگر تم کہو تو میں یہ تحفے تمہاری آصفہ پھوپھو اور مریم کو دے دوں۔" ان کے لہجے میں ——— جھجک

تھی۔ جبکہ رباب نے بے ساختہ گہری سانس لی۔
"اوہ۔ اتنی سی بات۔ ارے دادی۔ آپ کی چیز ہے۔ آپ جسے چاہے دیں۔ جیسے چاہیں استعمال کریں۔"
"دراصل تمہارے پھوپھا اور آصفہ کی ساس وغیرہ کی طرف سے اسے مارکیٹ جانے کی اجازت تو شروع سے نہیں ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی جانتی ہو گی۔ ہمیشہ ہی آصفہ اور مریم کی چیزیں عابد خود لاتا تھا۔ آصفہ کبھی کبھار شکوہ کر بیٹھتی تو میں اسے تسلی دیتی کہ ہر حال میں شکر کیا کرو۔ بس ہوتی ہیں مردوں کی اپنی اپنی قسمیں۔ پھر ملتا بھی کیا ہے بھلا بازار وغیرہ جاکر۔ لیکن آج کل ذرا آصفہ کے مالی حالات بھی کچھ اچھے نہیں چل رہے۔ وہ بتاتی تو نہیں لیکن بیٹی اور نواسی کی ظاہری حالت سے ہی سمجھ جاتی ہوں کہ کیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔ تمہارے پھوپھا نے وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے کر شاید اچھا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بہرحال مجبوریاں تھیں اس کی۔ اور میرے پاس تو یقین کرو اتنے کپڑے رکھے ہیں کہ سیزن گزر جاتا ہے اور انہیں پہننے کی باری نہیں آتی۔ ہر عید، بیاہ، خوشی اور موسم کی مناسبت سے بھی بچے کپڑے جوتے لے آتے ہیں۔ اب تو نہ میں کہیں آتی جاتی ہوں اور نہ ہی اچھا لگتا ہے نئے نئے کپڑے سلوانا اور پہننا۔" انہوں نے پوری تفصیل سے رباب کو اپنی اس سوچ سے آگاہ کیا جس میں غالباً "وہ کل سے ڈوبی تھیں۔
رباب کو دل میں افسوس ہوا کاش وہ پھوپھو اور مریم کے لیے اپنی طرف سے بھی کچھ لے آتی۔ سگی پھوپھو تنگ دستی کی زندگی گزار رہی تھیں اور وہ لوگ کتنے بے خبر تھے۔
"ٹھیک ہے دادی۔ آپ یہ سب بھی انہیں دے دیں اور اگلی مرتبہ میں خود بھی پھوپھو اور مریم کے لیے ڈھیر سارے گفٹس لاؤں گی۔"
"میں جانتی ہوں۔" انہوں نے پیار سے رباب کو اپنے گلے لگالیا۔
"میری بچی بہت ذمہ دار بہت خیال رکھنے والی ہے۔ اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔ خوش رہو۔"
وہ اسے کندھے سے لگائے دعاؤں کا ایک طویل سلسلہ شروع کر چکی تھیں۔ جس کا لالچ ہمیشہ سے رباب کو یہاں کھینچ لاتا تھا۔
وہ سکون سے مسکراتے ہوئے ان کی دعاؤں سے اپنا دامن بھرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"اوہ۔ نو۔ پھر لیٹ ہو گئی۔" کھڑکی سے آتی ایک بھرپور چمکیلے دن کی روشنی سے رباب کی آنکھ کھلی تو وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
بھلے سے وہ تین چار دن کی چھٹی پر تھی اور یہاں مہمان تھی۔ لیکن دیر تک سونے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر بھی روزانہ دیر سے آنکھ کھلتی اور آج تو اسے واپس بھی جانا تھا۔ واپسی اگرچہ دوپہر کو تھی لیکن بہرحال چچی کو بار بار ناشتے کی تکلیف دینا بھی اچھی بات نہیں تھی۔ اس نے فوراً" سلیپر میں پیر گھسائے تاکہ سب کے ساتھ ناشتا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔
دادی بھی شاید کافی دیر پہلے کمرے سے جا چکی تھیں۔ کھلے بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹ کر اس نے دوپٹہ درست کیا اور باہر نکل آئی۔ کوریڈور کے آخری کونے میں کچن تھا۔ وہاں سے کھٹ پٹ کی آوازیں سن کر رباب نے پہلے وہیں جانے کا ارادہ کیا تاکہ چچی کو اس کے بیدار ہونے کا علم ہو جائے۔
وہ کچن کے نزدیک آئی تو جوتے کے نیچے کچھ چپکنے کا احساس ہوا۔ وہ رک کر دیکھنے لگی۔ جوتا ہاتھ میں لے کر دیکھا تو اس پہ چیونگم چپکی نظر آئی۔ وہ مسکرا کر ہٹانے لگی کہ ضرور چچا کے چھوٹے بیٹے عالی کا کام تھا۔ کچن میں کھڑی چچی اور مونا کی آوازیں اب صاف صاف کان میں آرہی تھیں۔
"کتنی مرتبہ کہا ہے باتھ روم سے اپنا شیمپو اور صابن وغیرہ اٹھالیا کرو اس بڑھیا کے نہانے سے

پہلے۔" چچی کی آواز میں واضح غصہ اور نفرت چھپی تھی۔ رباب نے چونک کر ہاتھ روکا۔

"اب مجھے کیا پتا تھا صبح صبح نہانے نکل پڑیں گی۔" مونا کے لہجے میں بھی وہی تنفر تھا۔ "آدھی بوتل انڈیل دی ہوگی سر پر۔"

"ایسے تیل بھرے سر پر تو آدھی بھی کم پڑے گی۔ پتا نہیں میرے بچوں کی چیزیں استعمال کرتے شرم کیوں نہیں آتی اسے۔"

"کتنی بار کہا ہے آپ سے۔ باہر والے باتھ روم میں ایک سستا صابن اور شیمپو رکھوا دیں ان کے لیے۔ تاکہ بخش دیں یہ ہمارے اندر والے باتھ رومز کو۔" مونا ساتھ ساتھ برتن بھی پٹخ رہی تھی۔

"ہاں جیسے میرے کہنے پر وہ باہر والے باتھ روم میں نہا ہی تو لے گی۔ ہونہہ۔ ایک بار میں نے کہا تو فرمانے لگیں۔" وہاں سردی لگتی ہے۔ گرمیوں میں استعمال کیا کروں گی۔" خبطی بڑھیا..... شوق ہے اسے تم لوگوں کے باتھ روم میں گھسنے کا۔ بو سونگھتی پھرتی ہے ہر چیز کی..... غضب خدا کا۔ ہماری بڑی بوڑھیاں تو ملتانی مٹی اور کپڑے دھونے والی پیلی ٹکی سے ہی سر دھو لیا کرتی تھیں۔ اب یہ عمر ہے شیمپوؤں کے چونچلے کرنے کی۔ خبردار جو باپ سے ان کے نئے صابن، شیمپو کی بات کی۔ بس چپ کر کے اپنا سامان اٹھا لیا کرو۔ اوپر والی کارنس میں بچے ہوئے صابن کے ٹکڑے اسی کے لیے تو رکھتی ہوں۔ کرے گی استعمال۔"

وہ مونا کو تنبیہہ کرنے لگیں اور رباب حیرانی کیفیت میں جوتا ہاتھ میں لیے لیے ہی کمرے میں واپس آگئی۔ کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔ اس نے باہر جھانکا تو دادی دھوپ میں کرسی ڈالے اپنے گیلے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں۔ شک کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ ان دونوں کی گفتگو میں بڑھیا سے مراد کون تھا۔ رباب کا اس کشادہ ہوادار کمرے میں بھی دم گھٹنے لگا۔

چچا کے گھر میں تین باتھ روم تھے۔ ایک ان کے بیڈ روم میں تھا۔ دوسرا کوریڈور میں بچوں کے کمرے کے بالکل پاس تھا اور تیسرا باہر برآمدے میں۔ یوں رسائی میں ہونے کی وجہ سے کوریڈور والا باتھ روم ہی کامن باتھ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ دادی کی بات بھی بجا تھی۔ باہر والا باتھ روم بہت کشادہ اور ڈائریکٹ ٹھنڈ کی زد میں تھا۔

"لیکن صابن..... شیمپو....." رباب کی ذہنی رو ان کے دوسرے جملوں کی طرف بھٹکی۔ بنگلے نما اس گھر کے مکینوں کے دل اتنے چھوٹے ہوں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اور دادی جو بظاہر اس گھر کی مالکن تھیں۔ حقیقت میں گھر کے ایک صابن پر بھی اپنا حق نہیں رکھتی تھیں۔ وہ گھر جو ان کے اپنے بیٹے کی کمائی سے چلتا تھا۔ وہاں وہ ایسی معمولی اشیاء کے لیے بھی ترستی رہتی تھیں۔ آج تو مونا باتھ روم سے اپنی ذاتی اشیاء غائب کرنے سے چوک گئی جو دادی نے انہیں استعمال کرلیا۔ لیکن پہلے جب وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جایا کرتی تھی تو دادی بے چاری کیا صرف پانی سے نہا کر باہر آجاتی ہوں گی۔ حد ہوتی ہے۔ رباب کا دماغ سن ہونے لگا۔

اس کی معصوم، شفیق دادی تو کسی سے شکایت کرنے والی بھی نہیں تھیں۔ نہ ہی ضرورت کے سامان کے لیے کسی سے فرمائش کرنے والی، جانے اور کس کس معاملے میں یہ لوگ انہیں ذہنی اذیت دیتی ہوں گی۔ اور سعید چچا۔ سارا دن گھر سے باہر گزارنے والے آدمی کو کیا پتا۔ ماں کے ساتھ ہونے والی ایسی زیادتیوں کا۔

مونا کے سامنے وہ کیسے دھڑلے سے ساس کو بڑھیا کہے جا رہی تھیں۔ اور وہ۔ دادی کے لیے ایسی زبان کے استعمال پر بجائے بُرا ماننے کے ان کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

پچھلے روز اس کے ذہن میں دادی کے لیے کھلونا گڑیا کی جگہ بڑھیا کا لفظ آیا تو لحظے کو وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہوگئی تھی لیکن اس کی نیت اور انداز ہر گز

دادی کا مضحکہ اڑانے کا نہیں تھا' بلکہ اپنی اصطلاح کو انجوائے کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ دادی کو بھی یہ دلچسپ بات بتائے گی۔ لیکن چچی... اس نے کھولتے ہوئے دماغ پر قابو پا کر کچھ سوچا۔

دل تو چاہا اسی وقت دادی کا سامان پیک کرے اور لے جائے انہیں ایسے بے حس' غیر ذمہ دار لوگوں سے دور... لیکن یہ آئیڈیا قابل عمل نہیں تھا کیونکہ دادی شوہر کا آبائی گھر کسی قیمت پر چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتی تھیں۔ ایک دو بار پہلے ایسی کوشش کی گئی تو وہ اچھی خاصی بیمار پڑ گئی تھیں۔ تب ہی دوسرے آئیڈیے پر عمل در آمد کا پختہ عزم کرتے ہوئے اس نے اپنا گرم دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور واش روم چلی گئی۔

سامان سے بھرا تھیلا جب اس نے دادی کے سامنے یہ کہہ کر رکھا کہ دادی یہ سب آپ کے لیے ہے تو وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ کیونکہ ناشتے کے بعد وہ یہ کہہ کر عابی کے ساتھ قریبی سپر اسٹور چلی گئی تھی کہ امی نے کچھ چیزیں منگوائی ہیں۔

اگرچہ وہ ان کے لیے صرف صابن اور شیمپو ہی خریدنے گئی تھی لیکن جب اسٹور میں گھوم پھر کر چیزوں کو دیکھتی گئی تو دماغ کی گرہیں بھی ساتھ ساتھ کھلتی گئیں۔ تولیے پر نظر پڑتے ہی اسے یاد آیا کہ وضو کے بعد وہ اپنی شال کے کونے سے ہی بازو اور پیر خشک کر لیا کرتی تھیں۔ تولیہ نام کی کوئی چیز اسے دادی کے کمرے میں نظر نہیں آئی تھی۔ صابن ہاتھ میں لیا تو خیال آیا کہ بنا صابن دانی کے وہ اسے کیسے استعمال کریں گی لہٰذا وہ بھی خرید لی۔

کولڈ کریم دیکھتے ہی دادی کے سفید نورانی چہرے اور ہاتھوں کا کھردرا پن اور پیٹرولیم جیلی دیکھ کر ان کی پھٹی ایڑیاں نگاہوں میں گھوم گئیں۔ بس پھر کریمیں' کنگھی' نیل کٹر' رومال جیسی تمام ضروری اشیاء خرید لیں۔

دادی کے آگے تمام اشیاء رکھتے وہ اچھی خاصی نروس تھی کہ جانے ان کا ردعمل کیا ہو۔ اور وہ بھی ایک ایک چیز کو تھیلے سے نکال کر حیرت سے کچھ دیر دیکھتیں۔ جانے کیا سوچتیں... اور پھر ایک طرف رکھ دیتیں... چہرے پر کوئی اثرات بھی نہیں تھے۔ رباب لب بھینچے' دم سادھے انہیں دیکھ رہی تھی... اور جب وہ آخری چیز بھی تھیلے سے نکال کر دیکھ چکیں تو مسکرا کر رباب کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے قریب کیا اور پیشانی پر اپنے نرم لبوں کا بوسہ دے کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"بے شک عبادتوں کی قبولیت ہماری نیت اور ایمان کی سچائی میں مضمر ہے' لیکن تمہاری نیکی کا حصہ بھی اس ثواب میں ضرور شامل ہوگا۔ خوش رہو۔ اللہ زندگی میں تمہیں کسی خوشی سے محروم نہیں کرے گا۔ ان شاء اللہ۔"

دو بجے وہ بس میں بیٹھی لاہور کے لیے روانہ ہو رہی تھی ابو کو اپنی روانگی کی اطلاع دے کر اس نے موبائل فون پرس میں رکھنے کے لیے زپ کھولی۔ اوپر اوپر ایک مڑا تڑا پیپر رکھا دیکھا تو موبائل اندر رکھ کر اسے نکال لیا۔

اوہ... دادی کے سامان کا بل جو اسٹور سے نکلتے وقت اس نے جلدی سے پرس میں ڈال لیا تھا۔ رباب نے مسکراتے ہوئے قیمت کی جگہ پر انگلی پھیری۔

جس دادی کے لیے وہ گھر سے چھ' سات ہزار کے تحفے خرید کر لائی تھی' ان کی اصل ضروریات زندگی کا بل محض 985 روپے کا بنا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر بل احتیاط سے تہہ کیا۔

امی نے دکھاوا کیا تھا لیکن وہ کسی کام نہیں آیا۔ چچی نے بخل کیا جو کہ ویسے بھی سراسر نقصان کا سودا تھا۔ کام آیا تھا صرف "احساس" احساس ان ضرورتوں کا جن کے اصل مفہوم سے ہر کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔ اس نے پیپر پرس کے چھوٹے خانے میں رکھ دیا۔ بھلے وہ خود کئی ماہ بعد دادی کی طرف چکر لگا پاتی تھی لیکن یہ ضروری اشیاء اب اس نے باقاعدگی سے ہر ماہ انہیں بھجوانی تھیں کیونکہ ایک بڑی نیکی میں اپنا چھوٹا سا حصہ ڈالنے کی حقیقی مسرت سے وہ بھی آج پہلی بار آشنا ہوئی تھی۔

☆

نفیسہ سعید

خوشبو محبت کی مانند

گھنٹی دوسری بار بجی میں نے باورچی خانے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا عذیر کمپیوٹر پر شاید اپنے آفس کے کسی کام میں مصروف تھے جبکہ دونوں بچے وہیں لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھنے میں اتنی بری طرح محو تھے کہ انہیں دروازے پر بجنے والی گھنٹی سنائی ہی نہیں دے رہی تھی طوعاً کرہاً "میں نے چولہے کی آنچ کو کم کیا اور باہر نکل آئی، داخلی دروازے کی کی ہول سے جھانکا، سامنے عبایہ میں ملبوس عائشہ کھڑی تھی، اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آیا کہ آج یقیناً "ہفتہ ہے کیونکہ یہ واحد دن تھا جب وہ میرے دروازے پر ضرور آتی میں نے دروازے کا لاک کھول دیا۔

"السلام علیکم...!" مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ دھیمے سے مسکرائی، حسب توقع ابراہیم اس کی انگلی تھامے کھڑا اندر آنے کے لیے بے چین دکھائی دے رہا تھا۔

مکمل ناول

"وعلیکم السلام بیٹا تم چلے جاؤ اندر۔" اسے جواب دیتے ہی میں نے ابراہیم کو مخاطب کیا جو میری اجازت ملتے ہی ماں کی انگلی چھوڑ کر اندر کی سمت تیزی سے دوڑا' یقیناً" وہ شازل اور شمائل سے ملنے کے لیے بے تاب تھا اور شاید عذیر سے بھی' میں نے پیچھے ہٹ کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا' اپنے بیٹے کی بے ساختگی دیکھ کر عائشہ مسکرا دی۔

"تھینک یو سو مچ فائزہ! تم میرے بیٹے کا اس قدر خیال رکھتی ہو۔" اس نے ۔ میرے ہاتھ تھام کر اس طرح شکریہ ادا کیا کہ میں دل ہی دل میں شرمندہ سی ہو گئی۔

"اندر آجاؤ....."

نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے میزبانی نبھانے کی کوشش کی۔

"سوری یار! تم جانتی ہو اس وقت گھر میں عذیر ہوتا ہے اور میں شرعی پردہ کرتی ہوں۔"

اس کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی میں نے بے اختیار ایک نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی' وہ اچھی طرح سر سے لے کر پاؤں تک لپٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی پھر میں نے ایک نظر خود کو دیکھا' جینز ٹی شرٹ اور دوپٹے سے عاری وجود' ایک پل کو میں شرمندہ ہو گئی لیکن دوسرے ہی پل میرے اپنے دلائل نے میری شرمندگی کو جھٹ پٹ غائب کر دیا۔

"خوامخواہ کی ڈراما عورت' جب ابراہیم کے اسکول کا کوئی پرابلم ہو یا کوئی گھریلو مسئلہ ہمیشہ عذیر ہی اس کی مدد کو جاتا ہے اور میرے سامنے ایسے ظاہر کر رہی ہے جیسے کبھی عذیر سے بات ہی نہ کی ہو۔" چہرے پر مسکراہٹ سجائے میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی جب اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"اللہ حافظ فائزہ! میں جا رہی ہوں کیونکہ کچھ ہی دیر میں میری قرآن کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے پلٹی لیکن یک دم شاید کچھ یاد آگیا اور پھر پلٹ کر میری جانب آگئی۔

"ایک بات کہوں فائزہ پلیز اگر تمہیں برا نہ لگے تو دو دن ابراہیم کو اس کی پسندیدہ چکن بریانی' بروسٹ اور فش وغیرہ بنا دینا تم جانتی ہو وہ پورا ہفتہ ان چیزوں کو ترسا ہوا ہوتا ہے اور تمہارے گھر سے کھایا اس کا من پسند دو دن کا کھانا اس کے باقی دن بہت اچھے کر دیتا ہے۔"

"مجھے پتا ہے' میں بنا دوں گی۔"

"اللہ حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ رکی نہیں اور تیز تیز چلتی تھوڑی ہی دیر میں میری نظروں سے اوجھل ہو گئی اور میں پلٹ کر اندر آگئی جہاں عذیر اور بچوں کی پرانی مصروفیات ابھی بھی جاری تھیں' فرق صرف اتنا آیا تھا کہ ابراہیم کی آمد نے شازل اور شمائل کے چہروں پر خوشی کا رنگ بکھیر دیا تھا' ویسے بھی وہ دونوں پورا ہفتہ ایسے کئی کام جمع کیے رکھتے جو ابراہیم ہی آکر ختم کرتا۔ عام طور پر وہ کمپیوٹر گیم ڈاؤن لوڈ کر کے دینے کے علاوہ ان کے اور بھی کئی مسائل حل کر دیا کرتا تھا۔ میں نے عذیر کے چہرے پر نظر ڈالی جہاں ایک ایسا اطمینان پھیلا ہوا تھا جو اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر کسی بھی باپ کے چہرے پر نظر آتا ہے اور پھر دوبارہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"شدت پسند کسی بھی مذہب کا ہو' وہ ہمیشہ عورت کے خلاف بولتا ہے وہ عورت کی آزادی کے خلاف ہوتا ہے اور اسے مرد کی برابری کرنے والی عورت باغی دکھائی دیتی ہے سوائے ہمارے مذہب کے۔" یہ کہہ کر ڈیوڈ نے ایک فخریہ تائید بھری نگاہ پوری کلاس پر ڈالی۔

"ایکسکیوزمی سر! مجھے مسٹر ڈیوڈ کے اس نظریہ سے قطعی اختلاف ہے کہ ہر مذہب عورت کی آزادی کے خلاف ہے۔"

میں نے آواز سن کر پلٹ کر دیکھا اور مسکرا دیا' میری توقع کے عین مطابق ثناء اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہمارے مذہب نے عورت کو بے حد آزادی دی

لیکن ایک حد کے اندر، جس کی زندہ مثال میں آپ کے سامنے کھڑی ہوں جو تن تنہا دیار غیر میں حصول علم کی خاطر موجود ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنا مقصد بھول کر نامحرموں کے ساتھ گل چھرے اڑاؤں۔"

میں جانتا تھا کہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں اتنی ہی جذباتی ہے اور اب ظاہر ہے کہ دوسری جانب بھی ڈیوڈ تھا جو قطعی خاموش رہنے والا نہ تھا ایک لاحاصل بحث شروع ہو چکی تھی، جس میں میری دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی اس لیے اپنا بیگ اٹھائے میں کنونشن ہال سے باہر نکل آیا جب وہ بھاگتی ہوئی میرے پیچھے آگئی اور دور سے ہی مجھے آواز دے کر روک لیا۔

"ایکسکیوزمی مسٹر علی۔"

"لیس..." میں نے اپنی جگہ رک کر اسے پلٹ کر دیکھا۔

"میں سمجھی تھی کہ تم ثناء کا ساتھ دیتے ہوئے ڈیوڈ کا مقابلہ کرو گے لیکن تم تو انہیں بحث کرتا چھوڑ کر باہر نکل آئے۔"

"لیکن تم نے ایسا کیوں سمجھا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی پریا شرما کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا، جس کے حلیہ کو اگر نظر انداز کر کے صرف اس کی شکل پر غور کیا جاتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا تعلق پاکستان کے کسی قبائلی علاقے سے ہو، میں نے ہمیشہ یہ ہی سنا کہ ہندو دبلے پتلے اور سانولے سے ہوتے ہیں جبکہ پریا ایک گوری چٹی لڑکی تھی، ابھی بھی اس کی سرخ و سفید رنگت پر رائل بلیو ٹاپ بہت جچ رہا تھا۔

"اس لیے کہ اس کا تعلق تمہارے مذہب سے ہے اور میرا خیال ہے کہ ہماری اس کلاس میں مسلمان صرف تم دو ہی ہو۔"

اس کا کہنا درست تھا تھائی لینڈ کی اس یونیورسٹی میں مسلمان طلباء کی تعداد کافی کم تھی اور خاص طور پر اکاؤنٹنگ کی کلاس میں تو صرف ہم دو ہی مسلمان طالب علم تھے جن میں سے میں واحد پاکستانی تھا جبکہ ثناء کا تعلق بنگلہ دیش سے تھا۔

"تمہیں شاید علم نہیں میرا مذہب زبانی دعوے سے زیادہ عملی مظاہرے کا درس دیتا ہے اور میرا خیال ہے اس لحاظ سے میں ڈیوڈ تو کیا کلاس کے دوسرے تمام لڑکوں سے ہزار گنا بہتر ہوں کیونکہ جو کچھ وہ صرف زبانی کہہ رہا ہے میں وہ سب عملی طور پر کر کے دکھاتا ہوں۔"

"اوہ..." اس نے ہونٹ سکیڑے اور میرے ساتھ ہی چل دی ہمارا رخ کیفے کی جانب تھا۔

☼ ☼ ☼

"آنٹی..." میں نے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا جہاں سر پر سفید ٹوپی لیے ابراہیم کھڑا تھا یقیناً آج اس نے بھی شازل اور شمائل کے قاری صاحب سے سبق لیا تھا۔

"بولو..." مختصر جواب دے کر میں بستر کی چادر درست کرنے لگی۔

"آپ آج لنچ میں فش فرائی کردیں گی یو نو آئی لو فرائی فش۔"

میں نے ایک نظر اس کے معصوم سے چہرے پر ڈالی جہاں مچھلی کھانے کی خواہش شدت سے جھلکتی نظر آرہی تھی اور پھر مجھے اس کی ماں پر شدید غصہ آیا جس نے اپنے چھوٹے سے بچے کو کھانے کے معاملے

میں اپنی پسند وناپسند میں الجھا رکھا تھا۔

"ہاں بنادوں گی اور اگر چاہو تو پیک بھی کردوں گی گھر لے جانا کل کے لنچ کے لیے۔" میں نے بڑے خلوص سے اسے آفر کی۔

"سوری آنٹی! یو نو امی جی گھر میں فش نہیں لانے دیتیں تو ظاہر ہے اگر میں کل لے گیا تو انہیں بہت برا لگے گا بس آپ مجھے آج بنادیں میں یہاں ہی کھالوں گا۔" بنا کوئی شکوہ کیے بڑے صابر لہجہ میں کہتا وہ مجھے بڑا پیارا لگا۔

"چلو بنادیتی ہوں اور کچھ؟"

"تھینک یو آنٹی۔" پیار سے میرے ہاتھ چومتا وہ واپس پلٹ گیا بلاشبہ عائشہ نے اپنے بچے کی تربیت پکی مسلمان ماؤں والی کی تھی وہ کھانے' پینے' بات کرنے' اٹھنے بیٹھنے کے آداب سے بخوبی واقف تھا یہ ہی وجہ تھی جو کبھی کبھی مجھے اس سے جیلسی بھی محسوس ہوتی' خاص طور پر اس وقت جب عذیر شازل یا شائل کو کسی بات پر ڈانٹتے ہوئے ابراہیم کا حوالہ دیتے لیکن اس سب کے باوجود وہ مجھے کسی حد تک اچھا لگتا ویسے بھی میرے دونوں بیٹے اس سے بہت محبت کرتے اور اس کا انتظار اس کے جانے کے بعد ہی شروع کردیا کرتے اور یہ بات مجھے خاصی طمانیت کا احساس دیتی۔

✿ ✿ ✿

میں جیسے ہی باہر نکلا' بے اختیار نگاہ سامنے گراؤنڈ میں پڑی جہاں ڈیوڈ اور پریا کھڑے جانے کن باتوں میں گم تھے میری کوشش تھی کہ انہیں نظرانداز کرتا آگے بڑھ جاؤں مگر پریا نے میری اس کوشش کو ناکام بناتے ہوئے مجھے راستے میں ہی روک لیا۔

"علی..." اپنے عقب سے آتی اس کی تیز آواز سن کر مجھے رکنا پڑا وہ عین میرے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"آئی تھنک! تم بہت جلدی میں ہو؟"

"ہاں آج جمعہ ہے اور مجھے نماز پڑھنے سینٹرل مسجد جانا ہے جو یہاں سے کافی دور ہے پہنچتے پہنچتے پندرہ بیس منٹ ہو جائیں گے سوچ رہا ہوں ایسا نہ ہو میری نماز نکل جائے۔"

"نماز مطلب تمہاری دینی عبادت؟" میری جانب تائید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"یس..." اسے مختصر جواب دے کر میں نے آگے بڑھ جانا چاہا' مگر اپنے عقب سے آتی پریا کی آواز نے مجھے پھر رک جانے پر مجبور کردیا۔

"کیا عیسائیوں کی طرح تم مسلمان بھی صرف جمعہ والے دن ہی عبادت کے لیے اپنی مسجدوں میں جاتے ہو؟" ایسا سوال جس نے مجھے ایک دم ہی شرمندہ کردیا۔

"نہیں ہم پر روزانہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ مطلب ہم دن میں پانچ مرتبہ جو عبادت کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے اس کے علاوہ بھی اگر ہم چاہیں تو نفلی عبادت کسی بھی وقت کرسکتے ہیں۔"

"اچھا مگر میں نے تو تمہیں کبھی نماز کے لیے جاتے نہیں دیکھا سوائے جمعہ کے۔" وہ درست کہہ رہی تھی۔ فجر چھوڑنے کا عذر رات دیر سے سونا تھا۔ ظہر کے وقت میری کلاس ہو رہی ہوتی' عصر کے وقت میں ہاسٹل جانے کے لیے یونیورسٹی سے نکل رہا ہوتا ہاں البتہ مغرب میں اکثر ہی پڑھ لیا کرتا جبکہ رات پڑھائی میں اتنا مصروف ہوتا کہ عشاء کا وقت ہی نہ ملتا۔

"بس پردیس آکر مصروفیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ نماز کا وقت ہی نہیں ملتا۔" شرمندگی نے میرے لہجے کو دھیما کردیا' پریا کے سوال نے مجھے یاد دلایا کہ میرے والد ایک مذہبی اسکالر تھے' میری والدہ ایک دینی مدرسے میں درس کے فرائض انجام دیا کرتیں اور میری تینوں بہنیں مکمل اور شرعی پردہ کرتیں' اور وہ سب آج بھی پاکستان میں ان ہی تمام معمولات پر عمل پیرا زندگی گزار رہے تھے جبکہ میں یہاں تھائی لینڈ آکر ایک سال میں ہی سب فراموش کرنے لگا تھا یہاں تک کہ مجھے اپنا مسلمان ہونا بھی یاد نہ رہا تھا۔

"اٹس اوکے' تم جاؤ ایسا نہ ہو کہ تمہاری آج کی عبادت بھی میری باتوں میں ضائع ہو جائے۔" اطمینان

سے کہتی وہ واپس مڑ گئی میں نے اسے دور تک جاتے دیکھا گھٹنوں سے اوپر شارٹ 'اور چھوٹی سی ٹی شرٹ میں جاتی وہ لڑکی مجھے یہ احساس دلا گئی کہ اپنے دینی فرائض صحیح طور پر انجام نہ دینے سے پردیس میں کوئی یہ نہیں جان پاتا کہ ہم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں اپنی الگ مذہبی پہچان بنانے کے لیے 'اپنی عبادت پر کاربند رہنا ضروری ہے اور وہیں کھڑے کھڑے میں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ آج کے بعد کچھ بھی ہو اپنی فرضی عبادت سے غافل نہیں ہونا۔

☼ ☼ ☼

"کس کا فون ہے؟" عذیر کو دیر سے فون پر مصروف دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں اس کے پیچھے ہی ٹیرس پر آ گئی۔

"عائشہ کا..." آہستہ سے مجھے جواب دیتا وہ ایک بار پھر سے فون پر مصروف ہو گیا اسے اس طرح عائشہ سے بات کرتا دیکھ کر مجھے خواہ مخواہ ہی غصہ آنے لگا اور میں تیزی سے پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی ٹیرس کی جانب کھلنے والا کمرے کا دروازہ زوردار آواز سے بند کیا تاکہ عذیر کو احساس ہو کہ مجھے اس کا اس وقت اور اس طرح عائشہ سے بات کرنا بالکل پسند نہیں آیا اور میں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی کیونکہ اگلے چند ہی سیکنڈ میں وہ فون بند کر کے کمرے میں آ گیا۔

"کیا بات ہے فائزہ! کیوں اس طرح بی ہیو کر رہی ہو؟" میرا سوجا ہوا منہ دیکھ کر عذیر حیرت سے بولا۔

"کچھ نہیں آپ یہ بتائیں عائشہ کیا کہہ رہی تھی؟"

میں نے حتی الامکان اپنے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں یار! اسے بینک کی طرف سے دس دن کی چھٹیاں ملی ہیں اور ان چھٹیوں میں وہ عمرہ کرنے جانا چاہ رہی ہے جبکہ اصل مسئلہ ابراہیم کا ہے جس کے اسکول کھلے ہوئے ہیں اور شاید کوئی امتحانات وغیرہ بھی چل رہے ہیں اس لیے وہ چاہتی ہے کہ..." عذیر نے بات ادھوری چھوڑ کر میری شکل دیکھی۔

"کیا چاہتی ہے وہ...؟"

یہ جانتے ہوئے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے میں نے پھر بھی سوال کر دیا۔

"یہ ہی کہ اگر ان دس دنوں میں ہم ابراہیم کی ذمہ داری اٹھا لیں تو وہ اطمینان سے عمرے کا فریضہ ادا کر کے آ سکتی ہے۔" جواب میری توقع کے عین مطابق تھا۔

"واؤ ڈیڈی اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھائی اب ہمارے ساتھ پورے دس دن رہیں گے۔" میرے جواب دینے سے پہلے ہی شانزل بول اٹھا جو میرے کمرے میں اپنا ٹی وی ریموٹ ڈھونڈنے ابھی ابھی آیا تھا میں نے دیکھا خوشی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"ہاں اگر تمہاری مما چاہیں تو؟"

"پلیز مما! آپ ہاں کر دیں اور ابراہیم بھائی کو یہاں رکھ لیں میں آپ کو تھینک یو بولوں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے اسے کہو چھوڑ جائے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے شوہر اور بچوں کی خوشی کی خاطر مجھے اپنا دل مارنا پڑا 'شاید شادی شدہ عورت کی زندگی میں اپنی خاطر کچھ باقی نہیں بچتا شادی کے ساتھ ہی دوسروں کی خاطر زندگی گزرنے کا عمل خود بخود اس کی ذات کا حصہ بن جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

پریا کتنی دیر سے اپنی جگہ ساکت بیٹھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی' جوہی کو لگا جیسے وہ کسی الجھن کا شکار ہے 'اسے مسلسل اسی حالت میں بیٹھا دیکھ کر اس سے برداشت نہ ہوا اور وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"پریا کیا ہوا تمہیں..." پریا نے شاید اس کی آواز سنی ہی نہیں۔

"پریا..." اب جوہی نے یک دم اسے کندھے سے تھام کر ہلا دیا۔

"آں... ہاں۔" وہ چونک اٹھی۔

"کیا ہوا تمہیں کیوں اتنی پریشان ہو؟"
"کچھ نہیں دی! بس ایسے ہی کچھ سوچ رہی تھی۔ آپ بتائیں کوئی کام ہے؟"
"ہاں سریش کا فون آیا تھا وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچنے والا ہے، تم تیار ہو جاؤ ہم اس کے ساتھ باہر ڈنر پر جا رہے ہیں۔"
"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ چلی جائیں۔"
وہ بے دلی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب، وہ اتنی دور کا سفر کر کے بنکاک سے تھائی لینڈ صرف تم سے ملنے آرہا ہے اور تم ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے تمہیں یہ بات پتا ہی نہ ہو۔"
پریا کی عدم دلچسپی نے جوہی کو بھڑکا دیا۔
"کل سے وہ تمہیں فون کر رہا ہے تم اس کی کال ریسیو نہیں کر رہیں اور آج تم نے صبح سے اپنا فون بند کر رکھا ہے۔"
"میرے فون کی بیٹری خراب ہو گئی ہے وہ صحیح چارج نہیں ہو رہا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے بیگ میں ہاتھ مار کر سیل فون باہر نکالا اور جوہی کے سامنے ہی بیڈ پر پھینک دیا جوہی نے دیکھا فون کی بیٹری بالکل ختم تھی۔
"اٹس او کے! لیکن اب جو بھی ہو تمہیں اسے کمپنی دینی ہے وہ تمہارا منگیتر ہے اور صرف تمہاری خاطر یہاں آرہا ہے ایسے میں، میرا تن تنہا اس کے ساتھ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"
"آپ گھر میں ہی کھانا آرڈر کر دیں، میرا باہر جانے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔" وہ اپنی سابقہ ہٹ دھرمی پر ابھی بھی قائم تھی، جس کی وجہ جوہی سمجھنے سے قاصر تھی کیونکہ آج سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔
"کیا ہوا ہے پریا تمہیں، اگر سریش نے کچھ کہا ہے تو مجھ سے شیئر کرو، بلاوجہ اس طرح اپنا موڈ آف مت کرو۔"
جوہی نے اپنی اس چھوٹی بہن کو ماں بن کر پالا تھا یہ ہی سبب تھا جو وہ اس سے بے حد محبت کرتی تھی اور یہ محبت ہی تھی جو پریا کو پریشان دیکھ وہ خود بھی بے چین ہو گئی تھی۔
"میں نے آپ کو بتایا تو ہے دی! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سر میں درد ہو رہا ہے تھوڑا سو جاؤں تو شاید کچھ بہتر ہو جائے گا۔"
وہ جواب دیتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ جوہی اسے دیکھ کر یہ ہی سوچتی رہی کہ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے۔ جس نے پریا جیسی لاابالی لڑکی کو اس طرح پریشانی میں جکڑ رکھا ہے۔

☼ ☼ ☼

آج میرا ارادہ نہاری بنانے کا تھا، یہ ہی سوچ کر کیبنٹ کھولا تو علم ہوا نہاری مسالا ختم ہو چکا ہے۔ اب دیار غیر میں بھی یہ سب مسالے دستیاب ہو جاتے تھے۔ الحمد سپر اسٹور تو میرے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا جہاں پاکستانی اشیاء کی مکمل ورائٹی ہر وقت دستیاب رہتی۔ یہ ہی سوچ کر میں نے دراز سے اپنا پرس نکالا اور بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی جہاں بالکل سامنے ابراہیم، شائل کو سائیکل چلانا سکھا رہا تھا جبکہ شازل اپنی سائیکل پر گول گول چکر کاٹ رہا تھا۔
"شازل! میرے ساتھ آؤ مجھے الحمد تک جانا ہے۔"
"پلیز مما! آپ اکیلی چلی جائیں میں سائیکل چلا رہا ہوں۔"
میں سمجھ گئی اس کا موڈ نہیں ہے، میں آہستہ سے آگے بڑھی جب مجھے اپنے عقب میں ابراہیم کی آواز سنائی دی۔
"ایک منٹ آنٹی! میں آرہا ہوں۔" میں نے پلٹ کر دیکھا وہ میرے قریب آچکا تھا۔
"ارے کوئی بات نہیں بیٹا! تم کھیلو میں بس ابھی پندرہ منٹ میں آرہی ہوں۔"
"نہیں آنٹی میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"
میرے منع کرنے کے باوجود وہ میرے ہم قدم تھا جب سوزینہ سائیکل پر سوار مجھے ہاتھ ہلاتی ہوئی گزری

"آنٹی! آپ کو سائیکل چلانا نہیں آتی۔" سوزینہ کو دیکھ کر شاید یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔
"نہیں اور سائیکل تو غالباً" تمہاری امی بھی نہیں چلاتیں۔"
"انہیں چلانی آتی ہے وہ تو صرف اپنے عبایہ کی وجہ سے نہیں چلا پاتیں ورنہ مجھے انہوں نے ہی سائیکل چلانی سکھائی ہے۔" اس کے اس چھوٹے سے جملے نے مجھے بہت کچھ یاد کروا دیا جو میں اس وقت بالکل یاد کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔
"اچھا۔۔۔" اس سے آگے میرا اس سے بالکل کوئی بھی بات کرنے کا موڈ نہ رہا تھا' یہ ہی سبب تھا کہ اسٹور جانے اور واپس آنے کا تمام سفر ہم دونوں نے بالکل خاموشی سے طے کیا ماسوائے اس کے کہ اپنے ساتھ جانے کے انعام کے طور پر میں نے اسے' اس کی پسندیدہ آئس کریم ضرور لے کر دی اور میرے اس چھوٹے سے محبت کے اظہار نے اس معصوم بچے کے چہرے پر خوشی بکھیر دی' جو بنا کہے ہی مجھے نظر آگئی۔

☆ ☆ ☆

"میں جیسے ہی اپنے کیمپس سے باہر نکلا سامنے ہی کاریڈور میں شنا ڈیوڈ کے مقابل کھڑی کسی بات پر زور و شور سے بحث کرتی دکھائی دی' میں مسکرا دیا۔ آہستہ آہستہ گیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے بارش کی پہلی بوند میرے جسم کو چھو گئی جس کے ساتھ ہی ایک خوشگواریت کے احساس نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا جب اچانک نگاہ یونیورسٹی کے سائیکل اسٹینڈ کی جانب پڑی جہاں سے پریا اپنی سائیکل نکال رہی تھی حسب روایت چھوٹی سی نیکر پر مختصر سا ٹاپ جو کہ بارش میں بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گیا تھا' یہ تو تھائی لینڈ تھا جہاں ایسے نظارے عام تھے۔ اتنی دیر میں وہ سائیکل تھامے میرے قریب آگئی جب میں نے اپنا بیگ کھول کر اس میں سے چھوٹی سی چھتری برآمد کی جو ہر وقت میں اس لیے ساتھ لیے گھومتا کہ یہاں بارش کے لیے انتظار نہ کرنا پڑتا تھا کسی لمحے بھی برس سکتی تھی۔
"آج میں اپنا چھاتہ گھر بھول آئی اور بارش ہو گئی۔"
اپنے گیلے بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔
"کوئی بات نہیں تم یہ میری چھتری لے لو۔"
"اوہ نو علی! میرا یہ مطلب نہ تھا میں تو ابھی سائیکل پر دس منٹ تک گھر پہنچ جاؤں گی۔"
"میرا خیال ہے کہ ایسے موسم میں تمہیں سائیکل نہیں چلانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ سلپ ہو جاؤ۔"
میں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"ارے یہ بارش کون سا پہلی بار ہوئی ہے یہ تو اکثر ہوتی رہتی ہے اور میں ایسے موسم میں سائیکل چلاتے ہوئے زیادہ لطف اندوز ہوتی ہوں۔"
وہ سائیکل پر بے فکری سے سوار ہوئی جب اس کی شرٹ ہوا سے اڑی اور ایک پل میں اس کی پشت عریاں ہو گئی جانے کیوں مجھے عجیب سا لگا۔
"ایک منٹ پریا۔" میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکا اور ساتھ ہی ہاتھ میں تھامی چھتری کو اس کی سائیکل میں اس طرح لگا کر دیا کہ اب بارش کی بوندیں اسے گیلا نہ کر سکتی تھیں وہ تھوڑا سا حیران ہوتے ہوئے مسکرا دی۔
"تھینک یو علی' تھینک یو سو مچ میں کل تمہارا چھاتہ واپس لے آؤں گی۔"
"کوئی بات نہیں' میرے پاس دوسری چھتری موجود ہے۔"
بے نیازی سے جواب دیتا میں بس اسٹاپ کی جانب چل دیا جب کہ وہ کافی دیر تک کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ اس کی نظریں مجھے اپنی پشت پر محسوس ہو رہی تھیں لیکن میں نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ اسٹاپ پر پہنچتے ہی میری مطلوبہ بس آگئی جس میں سوار ہوتے ہوئے میں نے صرف ایک پل کے لیے یونیورسٹی گیٹ پر نظر ڈالی۔ جہاں ابھی بھی پریا کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔

میرے مڑ کر دیکھتے ہی اس نے اپنا ہاتھ لہرا دیا جس کا جواب دیتے ہوئے میں بس کے گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

٭٭٭

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال سنائیں کیا

مسلسل تیسری بار سنائی دینے والی فریدہ خانم کی یہ غزل اب مجھ سے مزید برداشت نہ ہوا میں نے باورچی خانے کی کھڑکی سے جھانکا' عذیر سامنے ہی صوفے پر آنکھیں موندے لیٹے تھے دور سے دیکھتے ہی مجھے محسوس ہوا وہ اس غزل میں پوری طرح ڈوبے ہوئے ہیں میں تیزی سے باہر نکلی اور سی ڈی پلیئر کو بند کر دیا' عذیر نے فوراً" آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور مسکرا دیے' ان کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ کچھ دیر قبل اسی حالت میں سو چکے تھے۔

"ایک ہی غزل سن سن کر تھکتے نہیں ہیں۔"

"نہیں....." وہ سیدھے ہو بیٹھے "فریدہ خانم کو اگر میں اسی طرح ساری زندگی سنتا رہوں تو بھی کبھی نہیں تھک سکتا۔"

"ہاں تو اس غزل کے علاوہ بھی ان کا بہت کلام ہے کچھ اور سن لیا کریں۔" لہجہ میں خفگی لیے میں واپس کچن کی جانب پلٹی جب پیچھے سے عذیر کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آج کھانے میں کیا پکا رہی ہو؟"

"پلاؤ....." مختصر سا جواب دے کر میں کچن میں آ گئی۔ حالانکہ بات کوئی خاص نہ تھی لیکن جانے کیوں میرا موڈ خراب ہو گیا اور پھر چاہتے ہوئے بھی میں سارا دن اپنے خراب موڈ کو بحال کرنے میں ناکام رہی۔

٭٭٭

آج جمعہ تھا میں نے گھڑی دیکھی نماز میں تھوڑا ہی وقت بچا تھا میں جلدی سے اپنی نوٹ بک اٹھا کر باہر کی جانب لپکا' تھائی لینڈ کے جس علاقے میں یہ یونیورسٹی واقع تھی وہاں مسلمان آبادی نہ ہونے کے باعث قریب کوئی مسجد نہ تھی مجھے نماز کے لیے چھپکا اہل جانا پڑتا تھا جہاں ایک چھوٹی سی مسجد تھی وہاں جاتے جاتے تقریباً" پندرہ سے بیس منٹ لگ جاتے' یہ ہی سوچ کر میں تیز تیز قدم اٹھاتا گیٹ کی جانب جا رہا تھا جب پریا نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔

"آئی تھنک آج فرائی ڈے ہے؟" وہ مجھے دیکھ کر شرارت سے مسکرائی۔

"ظاہر ہے تمہیں معلوم ہے آج کیا دن ہے۔"

"یاد نہیں تھا لیکن جب صبح تمہیں فنانس کی کلاس میں دیکھا تو یاد آ گیا" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔

"مجھے دیکھ کر یاد آیا؟" میں نے حیرت سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔

"آف کورس کیونکہ تم ہمیشہ کی طرح آج بھی فرائی ڈے کے احترام میں شلوار قمیص پہن کر آئے ہو۔"

"اوہ۔" میں اب اس کی بات سمجھا اور خود بھی مسکرا دیا۔

"چلو پھر بعد میں تم سے ملتا ہوں ابھی تو مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ایک منٹ علی۔" میرے قدم اٹھاتے ہی وہ بھاگ کر آئی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"

"کہاں؟" اس کا سوال ایسا تھا میری سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔

"مسجد' میرا مطلب ہے کہ میں نے آج تک کبھی کوئی مسجد اندر سے نہیں دیکھی' میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تمہارے اللہ کا گھر اندر سے کیسا ہوتا ہے۔" مجھے حیرت سے اپنی جانب تکتا دیکھ کر اس نے جلدی سے وضاحت دی۔

"سوری پریا! میں تمہیں مسجد نہیں لے جا سکتا۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے اللہ کے گھر کے اندر کسی غیر مسلم کا داخلہ ممنوع ہے۔"

"ایسا نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں مسجد جانے کے لیے بڑے ادب و احترام کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ تمہارا حلیہ اس قابل نہیں کہ تم میرے ہمراہ اس قابل

احترام جگہ جاسکو' پلیز ڈونٹ مائنڈ بٹ سوری۔"

"آئی ایم ناٹ مسلم' میں تو جسٹ مسجد کو اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں' میرا مقصد وہاں جا کر عبادت کرنا نہیں ہے۔"

میرا انکار کرنا شاید اسے برا لگا تھا جس کا اندازہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

"ہماری مسجد عبادت گاہ ہے کوئی سیاحتی مقام نہیں جسے کوئی بھی اس حلیہ میں اندر سے جا کر دیکھے اور انجوائے کرے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں سختی آگئی اور میں اسے جواب دیتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

"پتا ہے دی! پاکستان میں عورت اور مردوں کی کیو (قطار) الگ ہوتی ہے۔"

"مطلب؟" اپنے کام میں مگن جوہی کو فوری طور پر پریا کی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"مطلب یہ کہ وہاں ہر جگہ عورت کو بہت عزت دی جاتی ہے' وہ مردوں کے ساتھ کسی لائن میں کھڑی نہیں ہوتی' جب کسی یونیورسٹی یا کالج میں داخلہ فیس جمع ہوتی ہے تو لڑکے اور لڑکیوں کی لائن الگ بنتی ہے۔"

"پسماندہ ذہن کے لوگ ہیں وہ' عورت کو کبھی اپنے ساتھ کھڑا نہیں دیکھ سکتے۔" جوہی نے بات اپنے ذہن کے مطابق سنی' سمجھی اور جواب دیا۔

نہیں دی! ایسا نہیں ہے بلکہ وہ لوگ عورتوں کو زیادہ عزت دیتے ہیں۔"

"یہ آج کل تم سارا دن ایسی ہی کہانیاں کیوں سناتی رہتی ہو!"

پریا کے بدلتے رویے اور انداز گفتگو نے جوہی کو تشویش میں مبتلا کردیا۔

ویسے بھی مجھے سریش نے بتایا کہ تمہاری دوستی یونیورسٹی میں کسی مسلے سے ہوگئی ہے؟"

جوہی کے لہجہ میں حقارت کے ساتھ ساتھ نفرت بھی تھی۔

"پلیز دی! مسلا نہیں مسلمان کہو اور اس کا نام علی ہے۔" پریا کو اپنی بہن کا انداز گفتگو ذرا نہ بھایا۔

"بچ کے رہنا پریا ان سے' یہ بڑے مطلبی لوگ ہوتے ہیں تم یہاں کی نیشنل ہولڈر ہو اب ایسا نہ ہو علی اپنی لائن کلیئر کرنے کے لیے تمہیں پھانس لے۔" سابقہ حقارت ابھی بھی اس کے لہجے میں تھی۔

"ایسا نہیں ہے دی! ویسے بھی وہ ایک قابل نوجوان ہے اسے یہاں رہنے کے لیے میرے کندھے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ تو بھگوان ہی جانے وہ کیا چاہتا ہے لیکن تم بچ کر رہنا کیونکہ۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی' پریا کے فون کا مدھم میوزک کمرے میں پھیل گیا۔

"اُفوہ اسے کیا مصیبت پڑ گئی۔" اسکرین پر نظر آنے والا نمبر دیکھ کر وہ بڑبڑائی۔

"کون ہے؟" جوہی نے پریا کے چہرے کے بگڑتے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔

"سریش...." یس کا بٹن دبا کر وہ فون کان سے لگاتی اوپر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ جوہی وہیں بیٹھی کتنی دیر تک یہ ہی سوچ کر حیران ہوتی رہی کہ سریش کے فون نے پریا کو اس قدر خفا کیوں کیا؟ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آج کل سریش کو مکمل طور پر نظرانداز کر رہی ہے اس کی کیا وجہ تھی' فی الحال جوہی اسے سمجھنے سے قاصر تھی لیکن اگلے چند ہی دنوں بعد پیش آنے والے واقعہ نے جوہی کی پریشانی میں مزید اضافہ کردیا۔

☼ ☼ ☼

دوسرا سمسٹر ختم ہوا تو یونیورسٹی کی جانب سے ایک ہفتہ کی چھٹی ملی یہ اتنا کم وقت تھا کہ میرے لیے پاکستان جانا تقریباً" ناممکن تھا جبکہ اماں کئی فون کرچکی تھیں انہوں نے ذکی آپا کی شادی کی تاریخ مقرر کردی تھی اور چاہتی تھیں کہ اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے میں ضرور شرکت کروں جبکہ میرے لیے یہ خاصا مشکل تھا۔ اماں کے بعد بابا کا فون بھی آیا لیکن وہ میری مجبوری

فوراً" سمجھ گئے کیونکہ ایک مرد تھے اور میں ان ہی کے پیسے پر یہاں پردیس میں تعلیم حاصل کر رہا تھا' وہ اس سلسلے میں میرے سارے اخراجات بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے' میرا عذر سن کر ہی جان گئے کہ میں ایک ہفتہ کے لیے اتنی رقم ضائع کرنا نہیں چاہتا اس لیے انہوں نے جذبات سے زیادہ عقل سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہیں بہتر لگے میں تمہاری ماں کو سمجھا دوں گا۔"

"تھینک یو بابا۔" اور پھر ان پانچ دنوں کے لیے ہمارا پروگرام سنگاپور جانے کا بن گیا ہمارا بارہ لوگوں کا گروپ تھا جن میں ثناء' ڈیوڈ اور پریا کے علاوہ کلاس کے کچھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے' ہمارا ارادہ یہ سفر روڈ کے ذریعے کرنے کا تھا ہم سنگاپور جا کر گوتم بدھ کا مندر دیکھنا چاہتے تھے اور پھر وہاں پہنچ کر میں خدا کے بنائے حسین اور قدرتی نظارے دیکھ کر اش اش کر اٹھا۔ بلاشبہ سنگاپور ایک حسین شہر ہے۔

"اف اتنی خوب صورتی...." بس سے باہر دیکھتے ہوئے پریا ہلکی آواز میں چلائی' یقیناً" انڈیا سے تعلق رکھنے والوں کو سنگاپور کی خوب صورتی بہت متاثر کر سکتی ہے اس کا اندازہ پریا کا چہرہ دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا جبکہ وہ تو یہاں کافی عرصہ سے رہ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے ان کے شمالی علاقہ جات اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہیں انہیں دیکھو گی تو پاگل ہو جاؤ گی۔" ثنا نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"سچ علی...." ثناء کی بات سن کر وہ میری جانب پلٹی۔

"بالکل سچ' اتنی خوب صورتی ہے وہاں کہ تم سنگاپور جیسی جگہ بھول جاؤ' ہمارا کاغان' کالام' ناران' کشمیر اور پورا سوات اس قدر حسین قدرتی نظاروں سے بھرا ہوا ہے کہ مت پوچھو۔"

"یقیناً" وہاں کے نظارے بہت حسین ہیں لیکن معذرت کے ساتھ صفائی کا بہت فقدان ہے' جگہ جگہ گندگی نظر آتی ہے۔ میں چند سال پہلے گیا تھا جبکہ سنگاپور کی سب سے بڑی خوب صورتی یہاں کی صفائی ہے۔"

ڈیوڈ نے ہماری بات کے درمیان فوراً" لقمہ دیا میں اسے جواب دے کر الجھانا نہ چاہتا تھا اس لیے نظرانداز کرتا ہوا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا' جب پریا کی آواز میرے کان سے ٹکرائی۔

"اب جب تم پاکستان جاؤ تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا۔"

وہ دھپ سے میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ میں نے گھبرا کر اس کے حلیے پر ایک نظر ڈالی اور ذہن میں اپنے بابا کا تصور لاتے ہوئے ہنس دیا۔

"تم اگر میرے ساتھ پاکستان چلی گئیں تو میرے بابا مجھے گھر سے نکال دیں گے۔"

"کیوں...." اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

"ہمارے دیس میں ایسا لباس نہیں پہنا جاتا' وہاں عورتیں بہت کور ہوتی ہیں' ڈھکی چھپی بالکل ایسے جیسے ثناء۔" اس سے زیادہ کھلے لفظوں میں' میں اسے اپنی بات نہ سمجھا سکتا تھا۔

"مطلب تمہارے گھر اور تمہارے خدا کے گھر میں میرا داخلہ اس لیے ممنوع ہے کہ وہاں میرا حلیہ قابل اعتراض ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔"

"ہاں شاید۔"

"او کے' تم مجھے یہ دو گھر ضرور دکھا دینا میں انہیں دیکھنے کے لیے اپنا حلیہ تبدیل کر لوں گی' نو پرابلم۔" پتا نہیں وہ سنجیدہ تھی یا مذاق کر رہی تھی۔

"لیکن میں نے تو پاکستانی عورتوں کو بہت ماڈرن بھی دیکھا ہے۔" یہ جملہ بھی ڈیوڈ کی طرف سے ہی آیا تھا۔

"ضرور دیکھا ہو گا لیکن ایک حد کے اندر۔"

اتنا جواب دے کر میں پریا سے باتوں میں مشغول ہو گیا اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر بھی ادا کیا کہ ثناء اس وقت ہماری باتوں کی جانب متوجہ نہ تھی ورنہ ضرور اس بس میں ایک جنگ کا سماں پیدا ہو چکا ہوتا اب تک وہ ڈیوڈ کے مقابلے پر اتر آئی ہوتی۔

☼ ☼ ☼

دروازہ بج رہا تھا اس نے شیشے کی دیوار کے اس پار دیکھا سامنے ہی سریش کھڑا تھا۔ پریا کو اس کی اس طرح اچانک آمد نے حیران کر دیا۔ آج شاید وہ پہلی بار بنا بتائے آیا تھا اور وہ بھی اس وقت جب جوہی بھی گھر میں نہ تھی' پریا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"ہائے سویٹ ہارٹ۔" اندر داخل ہوتے ہی اس نے پریا کی کمر میں بازو ڈال کر اسے خود سے قریب کرنا چاہا' جبکہ اس کے منہ سے آتے بدبو کے بھبکے' جینز کے ساتھ گلے میں عجیب عجیب سی چیزیں لٹکائے وہ خاصا میلا لگ رہا تھا' اسی پل اس کے ذہن میں صاف ستھرا' گورا چٹا علی گھوم گیا جس کے پاس سے ہمیشہ ایک نفیس بھینی بھینی سی خوشبو آتی رہتی تھی۔

"پلیز سریش! دور ہو کر بات کرو مجھ سے' تمہارے پاس سے بدبو آرہی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"بدبو..." یہ لفظ دہراتے ہی وہ زوردار آواز میں ہنس دیا "کیا ہو گیا ہے تمہیں میری جان! اتنی مہنگی شمپئن کی خوشبو اور بدبو میں تمہیں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہو رہا۔" بات کرتے کرتے وہ پھر پریا کے قریب ہوا۔

"ابھی تم جاؤ یہاں سے' جوہی دی آجائے تو آجانا۔ میں تمہیں فون کر دوں گی۔" اسے خود سے دور کرتے ہوئے پریا نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں جوہی سے نہیں تم سے ملنے آیا ہوں' مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔"

"بولو کیا بات ہے؟"

"پوچھنا چاہتا ہوں تم مجھ سے اس طرح دور کیوں ہو رہی ہو؟" اس جملے نے پریا کو حیران کر دیا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سریش اس کا رویہ محسوس کر چکا ہے۔

"غلط فہمی ہے تمہاری' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"بکواس مت کرو' میں بچہ نہیں ہوں سب جانتا ہوں وہ سب جو تمہارے دل میں ہے۔" یکدم ہی سریش کا موڈ خراب ہو گیا اور اس نے پریا کا بازو تھام کر اسے خود سے قریب کیا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ تم اس مسلے کی محبت میں گرفتار ہو رہی ہو۔" وہ نفرت سے بولا۔

"تمیز سے بات کرو سریش' اس کا نام علی ہے۔ وہ تمہیں نہیں جانتا' اس نے کبھی تمہارا نام برے الفاظ میں نہیں لیا تو تمہیں بھی کوئی حق نہیں کہ تم اس کا نام اس بری طرح لو۔"

سریش کی بات سے وہ چڑ سی گئی۔

"تم نے مجھے بیوقوف سمجھ رکھا ہے...." اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان بدتمیزی باہر نکل آیا' وہ اس کے سامنے کھڑا اس بری طرح بک رہا تھا اور پریا کے دل میں بحیثیت مسلمان علی کی عزت بڑھتی جا رہی تھی جو کبھی اس طرح ڈیوڈ سے بھی نہ الجھا تھا' پریا تو بہت دور کی بات تھی' جس کا انداز اتنا نرم تھا کہ جب وہ بولتا تو دل چاہتا بولتا رہے اور دوسری طرف سامنے کھڑا یہ شخص جسے اس کے منگیتر ہونے کا اعزاز حاصل تھا جس کے چہرے کے بگڑے تاثرات اور گندی زبان نے یکدم ہی اسے پریا کے دل سے اتار دیا' سچ ہے' کبھی کبھی صرف ایک لمحہ لگتا ہے' فیصلہ کرنے میں اور شاید یہی وہ لمحہ تھا جب پریا نے اسے اپنی زندگی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

دو دن ہو گئے تھے اس واقعہ کو جب سریش گھر آکر اس کے ساتھ نہ صرف بدتمیزی کر کے گیا بلکہ جوہی دی کو فون کر کے جانے ایسی کیا بات کی کہ ان کا مزاج بھی پریا سے بگڑا ہوا تھا' اسے سریش کی فکر نہ تھی مگر جوہی دی کے خراب رویہ نے اسے قدرے پریشان کر دیا' اپنی یہ پریشانی وہ کسی اپنے سے بانٹنا چاہتی تھی مگر اس کی کسی سے ایسی دوستی نہ تھی سوائے علی کے لیکن آج تک اس نے علی سے بھی کبھی ایسی بات نہ کی تھی جس کا تعلق اس کی اپنی ذاتی زندگی سے ہو مگر اب وہ علی سے بات کر کے مشورہ لینا چاہتی تھی لیکن شومئی قسمت وہ کل یونیورسٹی ہی نہ آیا تھا اور آج بھی اس کی

کلاس پریا کے ساتھ نہ تھی' یہ ہی وجہ تھی جو وہ اسے ڈھونڈتی ہوئی کیفے ٹیریا آ گئی جہاں وہ ثناء کے ساتھ موجود تھا' اس پر نظر پڑتے ہی پریا کے جسم میں گویا توانائی بھر گئی اور وہ تیزی سے اس میز کی جانب لپکی جہاں وہ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"ایکسکیوزمی علی! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" بنا کسی ہیلو ہائے کے میز کے قریب جاتے ہی علی کو متوجہ کرتے ہوئے اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"اوکے..." علی نے کوئی سوال نہ کیا اور فوراً" اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' وجہ غالباً" پریا کا رویہ تھا وہ اسے پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"سوری ثنا! میں ذرا اس کی بات سن کر آتا ہوں۔" جاتے جاتے وہ ثناء سے معذرت کرتا ہوا بولا۔

"اٹس اوکے۔" ثناء مسکرا دی۔

وہ دونوں باہر نکل آئے' سامنے ہی میدان میں شیڈ کے نیچے بینچ خالی تھا۔ پریا اسے لیے وہاں آ گئی' علی نے محسوس کیا وہ بہت زیادہ الجھی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے پریا سب ٹھیک تو ہے نا۔"

"نہیں سب ٹھیک نہیں ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی پریا نے اسے کل والا سارا واقعہ سنا دیا جس میں علی کو کچھ ایسا خاص نظر نہ آیا جو پریا کی اس قدر پریشانی کا باعث بنا ہو۔

"دیکھو پریا وہ تمہارا منگیتر ہے اور تم اسے اس طرح اگنور کرو گی تو یقیناً" اسے برا لگے گا۔"

"تو کیا تمہارے ہاں بھی کوئی شخص اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ ایسی بدتمیزی کر سکتا ہے؟" اس کا سوال خاصا غیر متوقع تھا علی کو فوراً" جواب نہ سوجھا۔

"دراصل ہمارے ہاں منگنی کے بعد اتنا ملنے جلنے کا رجحان نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔" اس نے کہہ تو دیا لیکن اس کے ساتھ ہی علی کے ذہن میں اپنے ایسے کئی دوست آ گئے جن کے رشتے اکثر اس بنیاد پر ختم ہوئے تھے کہ منگنی کے بعد انہیں اپنی منگیتر کی کسی نہ کسی بات پر اعتراض تھا۔

"لیکن میں نے تو ایک دو پاکستانی ڈراموں میں دیکھا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کی آپس میں دوستی ہوتی ہے جبکہ ان کی شادی نہیں ہوتی۔" علی کے جواب نے پریا کو حیران کر دیا اس لیے وہ بولے بنا نہ رہ سکی۔

وہ صرف ڈراموں میں ہوتا ہے جبکہ حقیقی زندگی میں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔" اس کے جواب میں خاصی حد تک مبالغہ آمیزی شامل تھی وجہ صرف یہ تھی کہ اپنے مذہب کے معاملے میں وہ بھی شاید اتنا ہی حساس تھا جتنی ثناء' فرق صرف یہ تھا کہ ثناء ہر بات میں بحث و مباحثہ کرتی جب کہ وہ سب اچھا کہہ کر اپنے کلچر اور اپنے ملک کا دفاع اتنی خاموشی سے کرتا کہ سامنے والے کو محسوس ہی نہ ہوتا جیسا اس وقت پریا کے ساتھ ہوا۔

"اب یہ بتاؤ جو شخص شادی سے پہلے میری عزت نہ کرے وہ شادی کے بعد کیسے کرے گا اور میری دی اس بات کو نہیں سمجھتیں ان کا کہنا ہے کہ ہر مرد ایسا ہی ہوتا ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت کی جائے اور بس' عورت کی عزت اس کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

پریا کی بات سنتے ہی علی کی نظروں کے سامنے اپنے باپ کا چہرہ آ گیا اس نے اپنی زندگی میں کبھی یہ نہ دیکھا تھا کہ اس کی والدہ نے کبھی گھر میں بابا سے بحث کی ہو یا ان کی کسی بات سے انکار کیا ہو' وہ ہمیشہ اپنے شوہر کی جی حضوری کرتی تھیں اور یہ ہی درس انہوں نے ہمیشہ اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی دیا پھر علی کیسے کہتا کہ پریا کی بہن نے جو کہا وہ غلط ہے۔

"میری بات کا جواب دو علی! کیا مرد کے نزدیک عورت کی کوئی عزت نہیں ہوتی؟"

"ہوتی ہے پریا! ہر مرد عورت کی عزت کرتا ہے لیکن صرف اس وقت تک جب تک عورت اس کی عزت کرے۔" اس سے زیادہ معقول جواب اسے کوئی نہ سوجھا۔

"ہو سکتا ہے تم نے سریش کے ساتھ بدتمیزی کی ہو تو جوابی طور پر اس کا ایسا ردعمل سامنے آیا۔"

"ہاں میرا موڈ خراب تھا لیکن کیا ضروری ہے کہ

بدتمیزی کا جواب بدتمیزی سے ہی دیا جائے؟"
"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ ہمارے ہاں عموماً" ایسے کیسز بہت کم ہوتے ہیں۔" وہ جانتا تھا کہ اس کی بات میں سچ بہت کم ہے اب وقت خاصا بدل چکا تھا مرد کی برابری کا دعویٰ کرنے والی عورت میں شاید قوت برداشت ختم ہو گئی تھی۔
"اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے سریش سے شادی نہیں کرنی کیونکہ اسے عورت سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔"
"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنے بڑے فیصلے نہیں کیے جاتے۔" علی نے اسے سمجھانا چاہا۔
"یہ چھوٹی بات نہیں ہے اس کا رویہ میرے ساتھ نہایت توہین آمیز تھا اس پر دی کہتی ہے کہ میں اس سے معافی مانگوں' نیور' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اب تو وہ مجھ سے معافی مانگے گا تو بھی نہیں۔"
اپنے سر کو انکار میں ہلاتے ہوئے وہ اٹل لہجہ میں بولی۔
"ایک دفعہ اچھی طرح سوچ لو پریا! کوئی بھی ایسا فیصلہ مت کرو جو تمہارے ساتھ ساتھ تمہاری فیملی کے لیے بھی تکلیف کا باعث بنے۔"
"میں فیملی کی خاطر ساری زندگی کا عذاب اپنے گلے نہیں ڈال سکتی۔" وہ حتمی انداز میں بولی۔
"اور تھینک یو علی! تم نے میرا فیصلہ کرنا اور آسان کر دیا۔"
"میں نے۔۔۔" وہ حیران ہوا۔
"مگر میں نے تو تمہیں نہیں کہا کہ تم سریش کو چھوڑ دو؟"
"ہاں یقیناً" تم نے ایسا نہیں کہا' لیکن تمہارے اچھے رویے نے مجھے مرد کی پہچان ضرور سکھا دی' ورنہ میں تو شاید ساری زندگی اس خوش فہمی میں ہی رہتی کہ سریش ایک بہترین مرد ہے۔ جس کا نام میرے ہاتھ کی لکیروں میں لکھ دیا گیا ہے اور بس' لیکن اب مجھے احساس ہوا کہ بہترین مرد کیسا ہوتا ہے۔"
وہ اسے تشکر آمیز انداز میں دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' کئی دفعہ چیزیں وہ نہیں ہوتیں جو ہمیں دکھائی دیتی ہیں' لیکن پھر بھی ہم اکثر ہی ظاہر سے دھوکا کھا جاتے ہیں' نرم لہجہ دل کی سختی کو شاید چھپا دیتا ہے۔ جس کا احساس وقت سے پہلے نہیں ہو سکتا اور یہ سب کچھ شاید پریا نے بھی سہنا تھا کیونکہ اس کے مقدر میں ایسا لکھ دیا گیا تھا اور مقدر سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔

☆ ☆ ☆

میں پورے ایک سال بعد پاکستان اپنے گھر آیا تھا کیونکہ اس دفعہ سمسٹر کے بعد ہمیں پورے ایک ماہ کی چھٹیاں ملی تھیں تو میں نے سوچا کہ اب ایک چکر اپنے گھر کا لگا لوں جہاں میرے پیارے میرے منتظر تھے اور گھر پہنچتے ہی مجھے وہ سکون ملا' جو ہاسٹل کی زندگی میں نصیب نہیں ہو سکتا میرے آنے سے قبل ہی ذکی آپا بھی آئی تھیں۔ مگر وہ مجھے ہمیشہ کی نسبت کچھ بجھی بجھی سی محسوس ہوئیں جبکہ ان کی طبیعت خاصی چلبلی سی تھی اور پھر حیرت اس وقت دو چند ہوئی جب وہ میرے آنے کے ایک ہفتہ بعد بھی اپنے گھر واپس نہ گئیں اور اس دوران ایک دفعہ بھی شیراز بھائی مجھ سے ملنے نہ آئے۔ جبکہ وہ میرے سگے تایا زاد تھے اور اس حوالے سے ان کا فرض تھا کہ وہ مجھ سے ملنے آتے جبکہ تایا جی کے علاوہ گھر کا کوئی دوسرا فرد بھی مجھ سے ملنے نہ آیا تو میں مزید صبر نہ کر سکا اور ایک دن دوپہر میں امی جی کے پاس جا پہنچا' وہ باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔
"کیا بات ہے بیٹا! کچھ چاہیے تو مجھے یا اپنی کسی بہن کو آواز دے لیتے خود کیوں کچن میں آ گئے؟" سالن میں چمچہ چلاتے ہوئے انہوں نے پلٹ کر میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔
"امی جی ایک بات تو بتائیں۔"
"ہاں پوچھو کیا بات ہے؟" سالن کا چولہا ہلکا کر کے وہ میرے قریب آ گئیں۔
"شیراز بھائی یا بین تائی اور گھر کا کوئی دوسرا فرد ابھی تک مجھ سے ملنے کیوں نہیں آیا جبکہ ذکی آپا بھی یہاں

ہی نظر آرہی ہیں' کیا ماجرا ہے' یہ سب ٹھیک تو ہے نا؟" میں جلد از جلد ہر بات جان لینا چاہتا تھا۔

"بس بیٹا کیا بتاؤں۔" امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"قصور جانے کس کا ہے مگر ذکی اور شیراز میں بالکل نہیں بن رہی۔" امی کا یہ جملہ سن کر میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا' یہ ہی وہ بدترین خدشہ تھا جس نے رات بھر مجھے سونے نہ دیا تھا۔

"پتا نہیں آج کل کی بچیاں سمجھوتہ کرنا بالکل نہیں جانتیں' کہتی ہے جو زندگی آپ نے گزار دی میں ویسی زندگی نہیں گزار سکتی' کسی ایسے مرد کے ساتھ نہیں رہ سکتی جو عورت سے بات کرنے کی تمیز نہ جانتا ہو یا اسے اپنی زر خرید سمجھے۔" اور بھی جانے کیا کیا امی بول رہی تھیں اور میرے سامنے ذکی آپا کی جگہ پریا کا چہرہ آگیا۔ مختلف کلچر اور مختلف مذہب سے تعلق رکھنے والی دو الگ الگ عورتوں کے ایک ہی جیسے نظریات' شاید عورت کسی بھی ملک کی ہو عزت کی بھوکی ہوتی ہے جبکہ مرد کے نزدیک اہمیت صرف اس بات کی ہے کہ وہ کماتا ہے اور ہر مرد چاہتا ہے کہ جس عورت کو اس کے گھر دو وقت کی روٹی اور پہننے کو کپڑا نصیب ہو وہ اس کی جی حضوری کرے یا شاید ہر معاشرے کا مرد عزت کو صرف اپنا ہی حق سمجھتا ہے۔

"یہ اتنا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے جس پر وہ اپنا گھر بار چھوڑے یہاں بیٹھی ہیں' آپ انہیں سمجھائیں اس طرح کل کو رائمہ اور صبا کے لیے بھی مسائل کھڑے ہوں گے لوگ کہیں گے ایک بہن نہیں بسی تو دوسری کیسے آباد ہو سکتی ہیں۔"

دنیا کا خوف میرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو میں یہ بات نہیں جانتی۔" امی نے ایک شکوہ بھری نگاہ مجھ پر ڈالی اور میں شرمندہ ہو گیا' اس دنیا کے خوف میں میری ماں نے بابا جیسے خود پسند شخص کے ساتھ زندگی کے انتیس سال گزار دیے۔

"میں نے ہر کوشش کر کے دیکھ لی مگر وہ نہیں مانتی۔"

"اچھا میں ان سے خود بات کرتا ہوں اور ہاں آپ تیار ہو جایئے گا شام میں ہم تایا جی کی طرف چلتے ہیں۔ کیا ہوا جو شیراز بھائی ملنے نہیں آئے مجھے خود ان سے ملنے جانا چاہیے' آخر وہ مجھ سے بڑے ہیں۔" امی سے کہہ کر میں واپس اپنے کمرے کی جانب پلٹ آیا۔ میں دل ہی دل میں عہد کر چکا تھا کہ شام کو شیراز بھائی سے مل کر جاننے کی کوشش کی جائے کہ ذکی آپا ان سے اس قدر بدظن کیوں ہیں اور پھر ذکی آپا کو سمجھا کر اپنے گھر واپس بھیجا جائے' سوچیں ذرا ماں باپ اتنا پیسہ لگا کر بیٹی گھر سے رخصت کر کے سکھ کا سانس بھی نہ لینے پائیں اور وہ دوبارہ آکر بیٹھ جائے تو کیا احساسات ہوتے ہیں وہ ہی احساسات اس وقت میرے' امی اور بابا کے بھی تھے جبکہ اپنی بہنوں کے احساسات جاننا میرے لیے زیادہ ضروری نہ تھا' میرے نزدیک بہترین عورت یقیناً" وہ ہی ہو سکتی ہے جو اپنا گھر بنانا جانتی ہو' بے شک اس کی بنیادوں میں اسے اپنے ارمانوں کا لہو ہی کیوں نہ بھرنا پڑے۔

☼ ☼ ☼

"دیکھیں آپا! اگر شیراز بھائی نہیں چاہتے کہ آپ جاب کریں تو پلیز ان کی بات مان جائیں' چھوڑ دیں جاب۔" میں یہ بات کتنی دیر سے ہی ذکی آپا کو سمجھا رہا تھا مگر شاید ان کی سمجھ میں کوئی بات آہی نہ رہی تھی یا وہ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں صرف اس لیے اپنی اتنی اچھی جاب چھوڑ دوں کہ شیراز نہیں چاہتے۔"

"ہاں آپا! کیونکہ میرے خیال میں ایک اچھی عورت وہ ہی ہوتی ہے جو شادی کے بعد اپنے شوہر کی رضا میں راضی رہے۔"

"شاید تم بھول گئے ہو علی کہ گورنمنٹ جاب کا حصول ہمارے ملک میں کتنا سنگین مسئلہ ہے اور ایسے میں کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو اپنی سترہ گریڈ کی جاب ایک مرد کی انا پرستی کی نظر کر دے۔"

"سب سے زیادہ ضروری آپ کی گھریلو زندگی ہے۔"

"ویسے بھی بیٹا! جب وہ تمہاری ہر ضرورت کی ذمہ داری لینے کو تیار ہے تو پھر کیوں بے کار کی ضد کر رہی ہوں۔" اماں میرا ساتھ دینے کو آگے بڑھیں۔

"کیا ضرورت پوری کرے گا وہ میری' تایا کی پنشن اور شیراز کی تنخواہ ملا کر کس قدر مشکل سے گزارہ ہوتا ہے ان کا' پورے چھ ماہ دیکھ کر آئی ہوں۔ زویا کی شادی سر پر کھڑی ہے جبکہ باقی تینوں بہن بھائی کالج یونیورسٹی کے طالب علم ہیں ابھی تو ان کی اپنی ذمہ داریاں بھی ختم نہیں ہوئیں امی تو ایسے میں وہ میری کیا ذمہ داری اٹھائیں گے۔"

"تو پھر آپ گھریلو اخراجات میں ان کی کچھ مدد کر دیا کریں تاکہ انہیں محسوس ہو کہ آپ کی ملازمت ان کے حق میں بہتر ہے۔"

"کچھ مدد۔" میرا جملہ سن کر آپا طنزیہ مسکرائیں۔

"ان ماں بیٹا کی خواہش ہے کہ میں جو کماؤں وہ سب شیراز کے ہاتھ میں رکھ دوں اور پھر ان سے ایک ایک روپیہ مانگ کر خرچ کروں بقول ان کے اتنا روپیہ میں صرف اپنے کپڑوں میں خرچ کر دیتی ہوں یا پھر پیچھے اپنے میکے کو پہنچا رہی ہوں اس لیے وہ میری ملازمت کے خلاف ہیں ورنہ اور کوئی بات نہیں۔" آپا نے کھل کر ہر بات بتانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا جبکہ یہ سب کچھ میں پہلے ہی جان چکا تھا۔

"تو اس میں غلط کیا ہے اگر تم اس کی مدد کر دو اپنے معاشی مسائل مل کر حل کرو' اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر دے گا۔ چار پانچ سال تک وہ سب فکروں سے آزاد ہو جائے گا اور پھر دیکھنا تمہارا یہ تھوڑا سا ساتھ ساری زندگی تمہیں اس کے دل کی ملکہ بنائے رکھے گا۔"

اماں' ذکی آپا جیسی —— لڑکی کو سہانے سپنے دکھاتے ہوئے بولیں۔

"بس کریں اماں! جن ذمہ داریوں میں آپ نے مجھے پھنسا دیا ہے نا وہ ساری زندگی نہیں ختم ہونے والی' ہاں البتہ میں ضرور ختم ہو جاؤں گی پہلے تایا کی اولاد اور پھر تایا کے بیٹے کی اولاد۔" وہ کیا کہنا چاہتی تھیں میں سمجھ گیا مگر کوئی جواب نہ دیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی بات پر وہ بدک جائیں اور وہ بات جو میں بنانے کی کوشش کر رہا ہوں بنا بنائے ہی بگڑ جائے۔

"تایا کے بیٹے کی اولاد مطلب تمہاری اولاد تو بیٹا اپنی اولاد کی ذمہ داری تو خوش نصیب ماؤں کے حصے میں ہی آتی ہے۔" میرے منع کرنے کے باوجود اماں بولے بنا نہ رہ سکیں اور پھر اگلے چند دنوں میں ہمارے سمجھانے پر آپا شیراز بھائی کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کس طرح کیا اس تکلیف کا اندازہ میں بخوبی لگا سکتا تھا مگر کچھ بولا نہیں' کیونکہ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ ایک بہن ہونے کے ناتے انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کا مان رکھ لیا اور پھر بیس دن کا وقت ایسے گزرا کہ پتا ہی نہ چلا میرے واپس تھائی لینڈ جانے سے دو دن قبل پریا کا فون آ گیا اس کی آواز سن کر خوشگوار سی حیرت ہوئی کیونکہ اتنے دنوں میں اس نے پہلی بار مجھے فون کیا تھا لیکن اس فون کے پیچھے کیا مقصد تھا وہ سن کر میں حیران رہ گیا۔ میری خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد وہ اصل مقصد کی جانب آتے ہوئے بولی۔

"علی کیا تم میرے لیے ایک انگلش ترجمہ کا قرآن لا سکتے ہو میں نے یہاں بہت ڈھونڈا پر مجھے نہیں ملا۔"

"انگلش ترجمے کا قرآن پاک؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"تم نے کیا کرنا ہے؟"

"کسی کو چاہیے' پلیز تم لے آنا میں تمہیں اس کی قیمت ادا کر دوں گی۔"

"ہمارے قرآن پاک کی قیمت نہیں ہوتی ہدیہ ادا کیا جاتا ہے۔" لفظ قیمت مجھے خاصا برا لگا۔

"کیا فرق ہے ہدیہ اور قیمت میں!" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"ہدیہ بطور انعام کے اس شخص کو دیا جاتا ہے جس کی بدولت ہمیں اتنا عظیم کلام پڑھنا نصیب ہوا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر ہدیہ لے لینا مگر پلیز لانا مت

بھولنا۔" فون بند کرتے کرتے بھی وہ مجھے تاکید کرنا نہ بھولی۔ اور میں بھی اسی دن شام میں بازار جا کر ایک اچھی کمپنی کا انگریزی ترجمہ کا قرآن پاک لے آیا۔

☆ ☆ ☆

"ابراہیم.... ابراہیم۔" باہر سے آتی عائشہ کی آواز سنتے ہی وہ سمجھ گیا کہ امی غصہ میں ہیں اس لیے جلدی سے اپنی کاپی بند کر کے باہر کی جانب لپکا جبکہ عائشہ اس کے کمرے کی جانب ہی آ رہی تھی۔ اسے باہر آتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔

"تم نے آج اسکول میں جے شری کو مارا ہے؟" ماتھے پر پڑی تیوریاں اور غصہ کی شدت سے کانپتا عائشہ کا بولنا' ابراہیم تھوڑا سا خوف زدہ ہو گیا پہلے تو دل چاہا مکر جائے مگر جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کی امی کو جھوٹ بولنے والے لوگ سخت ناپسند تھے اور انہوں نے ہمیشہ ابراہیم کو نصیحت کی کہ اگر تمہیں کوئی جان سے بھی مار دے تو جھوٹ نہیں بولنا اور یہ بات بچپن سے اس کی گھٹی میں ایسے پڑی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی جھوٹ نہ بول سکا۔

"جی امی! لیکن قصور اس کا بھی تھا۔" اس کی آواز خاصی مدھم تھی۔

"ابراہیم میں نے تمہیں ہمیشہ منع کیا کہ کبھی کسی لڑکی پر ہاتھ نہ اٹھانا پھر بھی تم نے ایسا کیا' تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"سوری امی! مگر میں نے آپ کو بتایا کہ سارا قصور اس کا تھا اس نے میری کاپی کا صفحہ پھاڑ دیا جس کا کام میں ٹیچر سے چیک کروانے جا رہا تھا۔"

اپنی ماں کے سخت رویے کو محسوس کرتا ہوا وہ کچھ روہانسا ہو گیا۔

"ہاں تو پھر تم اپنی ٹیچر سے اس کی کمپلین کرتے نہ کہ تم نے اسے تھپڑ مار دیا اور وہ بھی بہت سارے دوسرے بچوں کے سامنے۔"

"سوری امی۔"

"مجھے سوری مت بولو میرے ساتھ جے شری کے گھر چلو اور میرے سامنے اس سے معافی مانگو۔"

"ٹھیک ہے امی جیسے آپ بولیں۔" اگلے ہی پل پاؤں میں چپل پھنسائے ابراہیم' عائشہ کے ساتھ جانے کو تیار تھا۔

"یاد رکھنا ابراہیم! کبھی کسی لڑکی پر ہاتھ نہ اٹھانا' اونچی آواز میں بات مت کرنا اور نہ ہی کبھی گالی دینا کیونکہ لڑکیاں بہت نازک دل کی ہوتی ہیں اور ان کا دل دکھانے والوں کو اللہ معاف نہیں کرتا اور اگر کبھی تم نے دوبارہ ایسا کیا تو تمہیں میں بھی معاف نہ کروں گی۔"

ابراہیم نے دیکھا اس کی ماں رو رہی تھی۔ وہ خاصا حیران ہوا اس کی سمجھ میں نہ آیا جے شری کو ایک ہلکا سا تھپڑ لگانے میں ایسا کیا تھا جس نے عائشہ کو اس قدر دکھی کر دیا کہ وہ رو پڑی۔

"آئندہ میں کبھی بھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا خاص طور پر کسی لڑکی پر' آپ پلیز مجھے اس دفعہ معاف کر دیں اور روئیں مت۔"

اپنی ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پورے دل سے عہد کیا۔

★ ★ ★

میں جب تھائی لینڈ واپس آیا تو یونیورسٹی کھلنے میں دو دن باقی تھے یہ دو دن میں نے اپنے کمرے کی صفائی کر کے گزارے' اپنی الماری میں کپڑے جمائے اور یونیورسٹی کے بہت سارے کام ختم کیے اگلے دن جب میں یونیورسٹی گیا تو وہ چھوٹا سا انگریزی ترجمہ والا قرآن شریف میرے بیگ میں تھا جسے نہایت احترام کے ساتھ میں نے ایک صاف کپڑے میں لپیٹ کر شیشے کے باکس میں ڈال رکھا تھا جیسے ہی میں کلاس لے کر باہر نکلا پریا دوڑتی ہوئی میرے پیچھے آ گئی۔

"میری چیز لائے ہو جو میں نے تم سے کہی تھی۔"

پھولی ہوئے سانسوں کے درمیان وہ میرے قریب آتے ہوئے بولی میں نے پلٹ کر دیکھا ان پچیس دنوں میں پریا خاصی تبدیل ہو گئی تھی' شارٹ کی جگہ جینز' چھوٹے سے ٹاپ کی جگہ ایک لمبی ٹی شرٹ اور سب سے بڑھ کر گلے میں جھولتا لمبا سا اسکارف' یہ

سب مجھے خاصا حیران کر گیا۔
"کسے دینا ہے مجھے بتاؤ میں تمہارے ساتھ چل کر خود دے آتا ہوں۔"

ذہن میں پاکی اور ناپاکی کا تصور نمایاں تھا اور میرے خیال میں ہندو ہونے کے ناتے پریا ناپاک تھی جبکہ ہم تو بنا وضو قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے تو پھر ایسے میں، میں اسے کیسے قرآن پاک دے دیتا۔

"وہ قرآن پاک مجھے اپنے لیے چاہیے۔" وہ ہاتھ آگے کیے بڑے اطمینان سے بولی۔

"مگر تم کیسے قرآن پاک پڑھ سکتی ہو تم تو....."

"تم شاید بھول گئے ہو وہ قرآن پاک نہیں اس کا ترجمہ ہے جو شاید ہم جیسے نو مسلم کے لیے ہی کیا جاتا ہے تاکہ ہمیں اسلامی تعلیمات سے آگاہی ہو سکے۔

اور فکر مت کرو میں سینٹرل پارک مسجد گئی تھی وہاں کے امام صاحب سے میری ملاقات ہوئی ہے اور ان کی ہدایت پر ہی میں نے تم سے ترجمۂ قرآن منگوایا ہے۔ اب پلیز زیادہ جرح مت کرو اور میری امانت میرے حوالے کرو۔"

میں اس کی باتیں سن کر اتنا حیران ہوا کہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا خاموشی سے بیگ میں ہاتھ ڈال کر شیشے کا وہ باکس نکالا اور پریا کے حوالے کر دیا، جسے بڑے احترام سے تھام کر چومتے ہوئے پریا مجھے کسی اور ہی جہاں کی مخلوق دکھائی دے رہی تھی۔ میں دم بخود کھڑا اسے دیکھ رہا تھا اور وہ اپنا اسکارف سر پر لیے قرآن پاک کو سینے سے لگائے آگے کی جانب بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم یہ کیا پڑھ رہی ہو؟" جوہی آہستہ آواز میں اس کے پیچھے آکر بولی پریا ترجمہ پڑھنے میں اس قدر محو تھی

کہ اسے کمرے میں جوہی کی آمد کا علم ہی نہ ہوا اب جوہی کی آواز کان سے ٹکرائی تو یک دم وہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔

"دی کیا پڑھ رہی ہو تم؟" جوہی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں موجود کتاب کو لینا چاہا شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ پریا ایسا کیا پڑھ رہی ہے جس کے لیے وہ سر پر اسکارف لیے نہایت ادب، احترام سے کمرہ بند کیے بیٹھی ہے۔

"میں قرآن کا ترجمہ پڑھ رہی ہوں۔" پریا نے آگے بڑھتے ہوئے جوہی کے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟ تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے مسلمانوں کی اس کتاب کا ترجمہ پڑھنے کی۔"

جوہی نے تلملاتے ہوئے اپنی چھوٹی بہن کو بازو سے پکڑا جبکہ پریا کے چہرے پر چھائی کیفیت کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہے اور ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی رہنمائی کے لیے زندگی میں ایک دفعہ اسے ضرور پڑھے۔"

پریا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا اس کے چہرے پر پھیلے سکون نے جوہی کو گنگ کر دیا۔

"ایک بات بتاؤ پریا۔" وہ اس کا بازو تھامتے ہوئے بولی۔

"کہیں تم اس مُسلے سے محبت تو نہیں کرنے لگیں۔" اس کے اندر کا خوف زبان پر آ گیا۔

"مُسلا نہیں علی، دی اس کا نام علی ہے۔"

"تو کیا تم سچ میں علی کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم دونوں، دو الگ مذاہب سے تعلق رکھتے ہو؟"

"پتا نہیں دی! مجھے کچھ نہیں پتا۔" جوہی نے دیکھا پریا کا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا شاید وہ اندر ہی اندر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے پریا! مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟"
اس کا پیلا پھٹک چہرہ، اور لرزتے ہونٹ، جوہی کا

جیسے دل بند ہونے لگا۔

"کچھ نہیں دی، پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے وہ جو کہتے ہیں نا کہ جس سے محبت ہو اس کی ہر بات اچھی لگنے لگتی ہے شاید مجھے علی سے محبت ہو گئی ہے اور اس کی محبت نے مجھے اس کے مذہب کے قریب کر دیا۔" وہ ہلکی آواز میں سسک رہی تھی۔

"اور جب میں نے اس کے دین کے بارے میں جاننا شروع کیا اسے سمجھنا شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ علی سے محبت کی وجہ ہی شاید یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ مسلمان ہونے کے باعث اس کی اچھی عادات، اس کا اخلاق میرے دل میں اس طرح گھر کرنے لگا کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی یہ سب کیسے ہوا مجھے کچھ نہیں پتا دی، میں کچھ نہیں جانتی۔"

"کیا یہ بات علی جانتا ہے؟" پریا کی حالت دیکھ کر جوہی کو اس پر ترس آنے لگا۔

"نہیں وہ کچھ نہیں جانتا ہمارے درمیان ہمیشہ ایک ایسی حد قائم رہی جو کبھی دوستی سے آگے کبھی نہیں بڑھی وہ تو شاید جان بھی نہیں سکتا کہ اس کی یک طرفہ محبت مجھے آسمان کی کن بلندیوں پر لے گئی ہے۔"

"دیکھو پریا! یہ پیار محبت سب بے کار باتیں ہیں تم اپنے خیالوں سے علی کو نکال کر سریش کو اس جگہ واپس لے جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جوہی نے پیار سے اپنی بہن کا سر کندھے سے لگاتے ہوئے سمجھانا چاہا کیونکہ یہ تو وہ بھی جان چکی تھی کہ پریا کے سر سے علی کا بھوت پیار محبت سے ہی اتارا جا سکتا ہے ورنہ شاید بہت مشکل ہو جاتی۔

"نہیں دی! اب کچھ ٹھیک نہیں ہو سکتا اور سریش تو بالکل بھی نہیں۔" روتی، تسکتی پریا سریش کا نام سنتے ہی آنکھیں پونچھ کر پہلے والی پریا بن گئی وہ پریا جسے سریش کے تلخ رویے نے علی کے قریب کر دیا تھا اب وہ کیسے دوبارہ سریش کو اپنے دل میں جگہ دیتی جہاں سے ایک بار اگر کوئی نکل جائے تو پھر دوبارہ اسے اپنا مقام کبھی نصیب نہیں ہوتا اور سریش کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا تھا، جبکہ اپنی بہن کی حالت دیکھتے ہوئی جوہی دل ہی دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ صبح ہوتے ہی سریش کو فون کر کے تھائی لینڈ بلائے ــــــــ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے ان دونوں کی شادی کی رسم ادا کر دی جائے اس کے نزدیک یہ ہی اس مسئلہ کا فوری حل ہو سکتا تھا۔

میں نے بیرونی دروازہ کھولا تو سامنے ہی عائشہ کھڑی تھی حسب معمول سر سے پاؤں تک ڈھکی اور چھپی ہوئی، مجھے حیرت ہوئی کیونکہ آج ہفتہ نہ تھا دوسرا وہ بالکل تنہا تھی، جبکہ میرے گھر وہ جب بھی آئی۔ ابراہیم ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا۔

"خیریت ہے عائشہ تم تنہا اور وہ بھی اس ٹائم۔" دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیتے ہوئے میں اپنی حیرت کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکی۔

"ہاں کیونکہ مجھے تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی ایسی بات جو میں ابراہیم کے سامنے نہیں کر سکتی تھی یہ ہی وجہ تھی جو اسے اسکول ڈراپ کرتے ہی میں تمہاری طرف آ گئی۔"

"اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لے آؤں۔"

اس کی اس طرح آمد پر دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے میں کچن کی جانب پلٹ آئی جلدی جلدی چائے کا ایک کپ بنایا اور لاؤنج میں واپس آ گئی، وہ مجھ سے ایسی کیا بات کرنا چاہتی تھی جو ابراہیم کے سامنے نہ ہو سکتی تھی یا شاید وہ کوئی ایسی بات تھی جس کا ذکر فی الحال وہ عذیر سے بھی نہ کرنا چاہتی تھی ورنہ عام طور پر اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل پر مشورہ کرنے کے لیے اسے کبھی بھی میری ضرورت پیش نہ آئی تھی کیونکہ وہ اپنی ہر بات، بہت آرام سے عذیر کے ساتھ ــــــــ کر لیتی تھی پھر آج کیا خاص بات ہو گئی یہ ہی سوچتے ہوئے میں اس کے سامنے ہی رکھی کرسی پر جا بیٹھی جبکہ وہ

اپنے ہی خیالوں میں گم ' اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو گھورے جارہی تھی۔

"عائشہ تم مجھ سے کوئی بات کرنے آئی تھیں ؟" کئی دیر تک اسے اسی طرح خاموش بیٹھا دیکھ کر مجھ سے برداشت نہ ہوا اور بالآخر میں اسے ٹوک ہی بیٹھی۔

"آں ..... ہاں۔" وہ جیسے اپنے خیالوں سے چونکی اور پھر گلا کھنکھاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"ایک بیوہ یا مطلقہ کی دوسری شادی سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے فائزہ!" اس کا سوال اس قدر غیر متوقع تھا کہ میں یک دم بوکھلا گئی۔ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا جواب دوں۔

"تم کس کی دوسری شادی کی بات کر رہی ہو؟" بے اختیار ہی میرے منہ سے نکلا حالانکہ میں جانتی تھی کہ یہ اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کیا اسلام میں یہ حکم نہیں ہے کہ کنواری سے پہلے مطلقہ یا بیوہ کی دوسری شادی میں جلدی کرنا چاہیے ؟"

"ہاں ہے تو سہی۔" میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اگر وہ یہ سب کچھ اپنے لیے کہہ رہی ہے تو آیا کیا واقعی وہ دوسری شادی کرنا چاہتی ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر وہ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہی ہے ؟ یہ جانتے ہوئی بھی کہ اس سلسلے میں مجھے عذیر سے کوئی خطرہ نہیں ہے پھر بھی جانے کیوں میرا دل بدترین خدشات میں گھر گیا۔

"دیکھو فائزہ! میرا کوئی ایسا بڑا موجود نہیں جو میرے لیے کوشش کرے جبکہ اتنے سالوں میں ' میں کم از کم اتنا اندازہ ضرور لگا چکی ہوں کہ ایک تنہا عورت کے لیے زندگی گزارنا کتنا وقت طلب کام ہے ' خاص طور پر اس وقت جب اس کی فیملی بھی اس سے قطع تعلق کر چکی ہو ' میری بات سمجھ رہی ہو نا تم۔

"ہاں تم بولو میں سن رہی ہوں اور اگر اپنے ایسے کسی معاملے میں تمہیں میری مدد کی ضرورت پڑے تو یقین جانو مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گی۔"

"بہت شکریہ فائزہ۔" اس نے اپنی آنکھوں میں آیا پانی صاف کیا اور شیشے کی میز پر رکھا اپنا موبائل اٹھا کر اسے آن کرتے ہوئے کچھ تلاش کرنے لگی ' میں بنا ٹوکے اسے خاموشی سے اپنا کام کرتا دیکھتی رہی پھر شاید اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی ' اس نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی اسکرین کو میرے سامنے کر دیا جہاں کسی لڑکے کی تصویر جگمگا رہی تھی۔

"یہ کون ہے ؟" تصویر پر نظر پڑتے ہی میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ فاران ہے اور اس کا تعلق بھی پاکستان سے ہے۔" لفظ بھی خاصا معنی خیز تھا جبکہ میں خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اسی سلسلے میں مجھے تمہارا مشورہ چاہیے ' بے شک میرا پہلا تجربہ خاصا تلخ تھا۔ لیکن شاید وہاں کچھ قصوروار میں بھی تھی جو مرد میں فرق مذہب کے حوالے سے تلاشتی رہی۔"

عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اور شاید عائشہ کا تعلق بھی ایسے ہی لوگوں سے تھا۔

"بہرحال اب میں جان چکی ہوں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والا مرد ایک ہی جیسا ہوتا ہے اور ہر مذہب سے تعلق رکھنے والی عورت کو اپنا دل مار کر جینا پڑتا ہے۔ دیر سے سہی مگر اب یہ بات میری سمجھ میں آچکی ہے کہ عورت اور مرد کی برابری کا دعویٰ کرنے والے خود اندر سے کتنے بودے ہوتے ہیں۔"

میں جانتی تھی کہ ان تمام باتوں کا مقصد محض مجھے کچھ جتلانا نہیں ہے مگر پھر بھی اس کی باتیں مجھے شرمندہ کر رہی تھیں حالانکہ اس کے کسی بھی معاملے سے میرا کوئی تعلق نہ تھا۔

"فاران مجھ سے دو سال چھوٹا ہے جبکہ اپنے تجربہ سے میں اتنا ضرور جان چکی ہوں کہ وہ ایک سچا اور کھرا نوجوان ہے ' مجھ سے شادی اس کی ضرورت ہے جس کا اعتراف وہ بنا جھجکے مجھ سے کر چکا ہے ' اس کا تعلق پاکستان کے ایک متوسط گھرانے سے ہے ' اسے یہاں رہائش کے ساتھ اور بھی بہت سارے مسائل کا سامنا

ہے جو میری مدد سے حل ہو سکتے ہیں اس کے بدلے میں وہ میرے بیٹے کو باپ کا پیار اور مجھے گھر کا تحفظ دینے کو تیار ہے جبکہ اس کا کہنا ہے کہ وہ دل سے میری قدر کرتا ہے اور میرا خیال ہے کہ عورت کے لیے مرد کی محبت سے زیادہ اس کی طرف سے ملنے والی عزت اہم ہے' سب سے خاص بات یہ کہ وہ صرف نام کا مسلمان نہیں ہے۔" بات مکمل کیے بنا ہی میں جان چکی تھی کہ اس کے اس آخری جملے کا مطلب کیا ہے۔

"وہ پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے بنا کسی عذر کے ادا کرتا ہے۔ قرآن شریف ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھ چکا ہے اور دریں قرآن اکیڈمی میں ہی ہم دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی جہاں وہ بھی قرآن کی کلاسز لینے آتا تھا' وہ دین سے متعلق کافی معلومات رکھتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ایک مسلمان مرد اس وقت ہی بہتر باپ' بھائی اور شوہر ثابت ہو سکتا ہے جب وہ دینی معاملات جانتا ہو ورنہ صرف نام کا مسلمان ہونے سے اعمال میں فرق نہیں آتا۔"

"تم نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے عائشہ! اور یقین جانو مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ تم نے اپنی سپاٹ زندگی کو رنگین بنانے کا سوچ لیا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

اس کی باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ میں اس کے فیصلے پر داد دیتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی کردوں۔ جس نے اسے خوش بھی کر دیا۔

"بہت بہت شکریہ فائزہ۔" تشکر جذبات سے لبریز اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میں تمہیں ایک دفعہ فاران سے ملوانا چاہتی ہوں اور اگر تم بہتر سمجھو تو عذیر سے بھی اس کی ملاقات کروا دو۔"

"ٹھیک ہے میں آج ہی عذیر سے بات کر کے تمہیں بتاتی ہوں۔"

"او کے' کوشش کرنا جتنی جلدی ہو سکے تم اس سے مل لو تاکہ اس کے بعد تمہارے ذریعے میں نکاح کے دیگر معاملات طے کر سکوں۔" اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے مجھے ہدایت کی اور اس کے ساتھ ہی اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے وہ میرے گھر کی دہلیز پار کر گئی میں نے فاران اور عذیر کی ملاقات کروانے کا وعدہ عائشہ سے ضرور کر لیا تھا مگر فی الحال میرا ایسا کوئی ارادہ اس وقت تک نہ تھا جب تک وہ دونوں شادی نہ کر لیتے۔

☼ ☼ ☼

"علی... علی۔" میں جیسے ہی یونیورسٹی میں داخل ہوا وہ جانے کہاں سے نکل کر میرے سامنے آگئی' ہمیشہ کی طرح مجھے پکارتی ہوئی' میں نے رک کر ایک نظر اس پر ڈالی' جینز شرٹ کے ساتھ اپنا سر اسکارف سے ڈھکے ہوئے وہ یقیناً "پریا" تھی جو عام دنوں سے قدرے مختلف نظر آرہی تھی۔

"ارے واہ تم تو بڑی چینج ہو گئی ہو' اچھی لگ رہی ہو۔" اسے سراہتے ہوئے میں نے سرتاپا اس کا اچھی طرح جائزہ لیا۔

"علی مجھ سے شادی کرلو۔" بنا کوئی تمہید باندھے کھٹاک سے کی جانے والی اس کی' اس انوکھی فرمائش نے مجھے گنگ کر دیا' کچھ پل تو میں کچھ بول ہی نہ سکا اور پھر یک دم ہنس دیا۔

"کم آن پریا! کیا بچوں والے فضول مذاق کر رہی ہو؟"

"یہ مذاق نہیں سچ ہے' مجھے تم سے شادی کرنی ہے۔ اگر تم چاہو تو آج اور ابھی اسی وقت۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی شاید میری ہنسی سے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اس کا مذاق اڑا رہا ہوں جب کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم دونوں کے مذاہب ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں تم نے مجھے شادی کی آفر کر دی' حیرت ہے مجھے پریا! جبکہ تم تو اہل کتاب بھی نہیں ہو۔"

"اہل کتاب نہ سہی لیکن میں اہل مذہب ضرور ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس کے اس جملے کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا۔

"میں مسلمان ہو چکی ہوں اور اب وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح میری سریش سے شادی ہو جائے جبکہ یہ ناممکن ہے' اب ان دونوں سے بچنے کا میرے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم مجھ سے نکاح کرلو اس طرح میں محفوظ ہو جاؤں گی۔"

وہ شاید اپنا سوچ رہی تھی جبکہ میرے سامنے اپنی چھوٹی بہن رائمہ کا چہرہ آگیا جس کا پچھلے ہفتہ ہی ایک اچھی جگہ رشتہ طے ہوا تھا اور بدلے میں اس کی نند کے ساتھ میری بات چل رہی تھی جو آئی ٹی کرنے ملائشیا آنا چاہتی تھی اور اس کی فیملی کا خیال تھا کہ مجھ سے نکاح کے بعد وہ اپنی لڑکی آسانی سے بنا کسی پریشانی کے اسٹڈی کے لیے یہاں بھیج سکتے ہیں اور اس سلسلے میں کل شام ہی میری بابا سے بات ہوئی تھی اور آج یہ نیا مسئلہ پریا کی شکل میں' سامنے آن کھڑا ہوا۔

"لیکن پریا..."

"علی میرا نام پریا نہیں عائشہ ہے میں نے سینٹرل مسجد کے امام صاحب کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور یہ نام انہوں نے ہی مجھے دیا ہے لہٰذا پلیز اب مجھے پریا مت کہنا۔"

میں کیا کہنا چاہتا تھا بالکل بھول گیا' میرے سامنے ایک اچھے مستقبل کے ساتھ ریڈ پاسپورٹ کی حامل لڑکی کھڑی تھی۔

"جانتے ہو کسی کو مسلمان کرنے کا ثواب کس قدر زیادہ ہے۔" جانے کس کا کہا ہوا یہ جملہ میرے کانوں میں گونجا' میں نے ایک نظر پریا پر ڈالی' اچھے مستقبل کے ساتھ اسے ہندو سے مسلمان بنانے کا کریڈٹ بھی مجھے مفت میں مل رہا تھا جس کا ثواب الگ' سودا گھاٹے کا نہ تھا لیکن بابا کو میں کیا جواب دیتا۔

"عائشہ! تمہیں کوئی بھی جواب دینے سے قبل مجھے اپنے گھر بات کرنا ہوگی۔"

"کیونکہ ہمارے ہاں شادی بیاہ کے فیصلے لڑکا یا لڑکی خود نہیں کر سکتے۔"

اسے اس [illegible] چھوڑ کر میں واپس چلا آیا اور پھر اسی رات میں نے بابا کو فون کرکے ساری بات بتا دی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ہم تمہارا رشتہ رائمہ کے بدلے میں طے کر چکے ہیں اور وہ لوگ اچھے کھاتے پیتے زمیندار ہیں جس کا ہم سے زیادہ فائدہ تم دونوں بہن بھائیوں کو ہے۔"

"لیکن بابا! عائشہ یہاں کی رہائشی ہونے کے ساتھ ساتھ برطانیہ کی نیشنلٹی بھی رکھتی ہے اور ایک اچھے بینک میں جاب بھی کرتی ہے مجھے امید ہے اس سے شادی کے بعد وہ میری ملازمت کے سلسلے میں بھی کافی مدد کرے گی اس کی بدولت میں اپنی رہائش یہاں ہی رکھ لوں گا اور جو کماؤں گا وہ گھر بھیج دیا کروں گا جبکہ اس کی تنخواہ ہم دونوں کے لیے کافی ہوگی۔"

اپنے باپ کی فطرت جانتے ہوئے میں ان ہی کے لہجہ میں گفتگو کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔

"اچھا چلو تو پھر ٹھیک ہے میں رائمہ کے سسر کو فون کرکے بتا دیتا ہوں کہ تمہیں ایک ہندو لڑکی کو مسلمان کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے اب وہ جو فیصلہ کریں ان کی مرضی۔" میری باتوں نے بابا کو مطمئن کر دیا تھا۔

"جیسا آپ بہتر سمجھیں۔" میں نے یہ بتانا قطعی مناسب نہ سمجھا کہ وہ لڑکی پہلے ہمارے دین میں داخل ہوئی ہے بنا کسی لالچ کے اس کے بعد اس نے مجھے شادی کی آفر دی ہے' کیا فرق پڑتا ہے' مسلمان پہلے ہوئی ہو یا بعد میں' ہوئی تو میری خاطر تھی نا' اس سوچ نے دماغ میں جگہ بناتے ہی مجھ میں ایک غرور سا بھر دیا جو میرے پورے وجود پر چھا گیا۔

☆ ☆ ☆

"پریا کبھی زندگی میں میرے سامنے مت آنا ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" سریش میرے سامنے کھڑا چلا رہا تھا جبکہ اس کے ساتھ کھڑی جو ہی وی خاموشی سے میری جانب تک رہی تھیں' بے شک وہ

اس وقت حالت نشے میں تھا مگر میں جانتی تھی کسی زمانے میں اس نے مجھ سے بے حد محبت کی ہے' یہ محبت ہی تو تھی جو اسے ہر ہفتہ بنکاک سے تھائی لینڈ لے آتی لیکن میں کیا کرتی میں تو شاید عشق مجازی سے نکل چکی تھی میری منزل تو اب عشق حقیقی تھا جسے پانے کے لیے میرا دل بے تاب تھا۔

"دیکھو سریش اس طرح چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں' اس دنیا میں ہر انسان آزاد ہے اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کے لیے اور میں اپنا فیصلہ کر چکی وہ فیصلہ جس میں میرے دل سے زیادہ دماغ کا عمل دخل تھا۔"

"دلفیین جانو پریا! تم بہت پچھتاؤ گی بھگوان تمہیں کبھی سکون نہ لینے دے گا کیونکہ تم نے ہمارا سکون برباد کیا۔"

میں نے حیرت سے دیکھا' مجھے یہ دعا دینے والی میری سگی بہن تھی' وہ بہن جو کبھی مجھ پر اپنی جان بھی لٹانے کے لیے آمادہ تھی آج وہ مجھے بد دعا دے رہی تھی کہ مجھے کبھی سکون نصیب نہ ہو نہیں جانتی تھی ایک سچا دین اپناتے ہی میں اتنی پر سکون ہو گئی تھی کہ شاید ساری زندگی لگا کر بھی جوہی دی وہ سکون نہ پا سکتی تھیں۔ یہ ہی فرق تھا بے خبری اور آگہی میں' وہ بے خبر تھیں جبکہ میں آگہی کے عمل سے گزر چکی تھی کاش میری بہن کو بھی رب کی وہ خاص مہربانی حاصل ہو جائے جو مجھ پر ہوئی "میں نے دل ہی دل میں دعا ضرور کی کیونکہ چاہتے ہوئے بھی میں انہیں کوئی بد دعا نہ دے سکتی تھی۔

ابھی میں نے نیا نیا تو یہ جانا تھا کہ ہمارے نبی آخری الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے کسی دشمن کو بھی بد دعا نہ دی تو پھر ان کی امت سے تعلق رکھتے ہوئے میں کیسے کسی کو بد دعا دے دیتی اور وہ بھی اپنی اس بہن کو جس نے ہمیشہ میرا خیال ماں کی طرح رکھا۔

"آجاؤ سریش! چھوڑ دو اسے تم دیکھنا وہ پاکستانی اس کے ساتھ کیسا دھوکا کرے گا ساری زندگی نہ روتی پھری تو مجھ سے کہنا' وہ جس کی خاطر اس نے ہمیں چھوڑا اور اپنے ماں باپ کا پرانا مذہب۔ جھوڑ کر اس کے مذہب کے رنگ میں رنگ گئی۔"

"آپ غلط کہہ رہی ہیں دی' یہ مذہب میں نے اپنی رضا سے قبول کیا ہے' کسی کی خاطر نہیں' البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کی وجہ وہ ضرور بنا' اس نے مجھے یہ احساس ضرور دیا کہ ان کے مذہب میں عورت بھی مرد جیسی ہی قابل عزت ہے۔"

"دھوکا اور فراڈ ہے وہ' میں بہت سارے مسلمانوں کو جانتی ہوں خاص طور پر پاکستانی مسلمان مرد حد درجہ گرے ہوئے لوگ اندر کچھ باہر کچھ' لالچی اور خود غرض۔"

جوہی دی کی زبان زہر اگل رہی تھی' جبکہ ان کے ساتھ کھڑا سریش ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا کہ جو بس چلتا تو یقیناً" میرا خون بھی کر دیتا لیکن یہاں بھی شاید محبت ہی آڑے آ گئی تھی جس نے سریش کے ہاتھوں کو باندھ رکھا تھا۔

"گڈ نائٹ دی۔" میں ان کے لیے اللہ حافظ جیسا لفظ استعمال نہ کر سکتی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ گڈ نائٹ کہہ کر ہمیشہ کے لیے اس گھر کا دروازہ پار کر کے باہر نکل آئی جہاں سامنے ہی میری گاڑی کے ساتھ علی کھڑا تھا' میں اس گھر سے صرف اپنی گاڑی لے کر نکلی تھی جبکہ میرے نام بینک میں خاصی رقم موجود تھی جس کا فی الحال علی کو کوئی علم نہ تھا' میری ماں کے دیے ہوئے زیورات میں پٹایا کے بینک لاکر میں محفوظ تھے' ان سب باتوں سے علی قطعی لاعلم تھا' نہ جانتا تھا کہ خالی ہاتھ اس کے ساتھ جانے والی عائشہ کا بینک بیلنس کتنا ہے اس بات نے مجھے احساس دلایا کہ دی کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ پاکستانی مرد لالچی اور خود غرض ہوتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

میرا اور عائشہ کا نکاح ملائشیا کے ایک دینی ادارے میں نہایت سادگی سے انجام پایا' تھائی لینڈ میں مسلمان آبادی نہایت کم ہونے کے باعث ہم نے اپنا نکاح ملائشیا جا کر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جو ایک اسلامی ریاست ہے۔ جس کے باعث یہاں مسجد، مدارس اور دینی درس گاہوں کی اکثریت ہے نکاح میں میری طرف سے ثناء اور بابا شریک ہوئے، بابا کی شرکت عائشہ کی بدولت انجام پائی کیونکہ میں تو ان کے ٹکٹ کا انتظام کرنے کے قابل نہ تھا اس کی وجہ فی الحال میرا بے روزگار ہونا تھا میں تو یہاں اپنا تعلیمی خرچا بھی بابا کی بدولت پورا کر رہا تھا جبکہ عائشہ یہاں رہنے کے باعث شروع سے ہی چھوٹا موٹا کام کرنے کی عادی تھی، اس نے مجھے یہ بھی خود بتایا کہ وہ دونوں بہنیں کافی عرصہ تک تھائی لینڈ کی سڑکوں پر ڈوسا بیچتی رہی ہیں۔

یں نے ایک اچھی چیز وہاں ضرور دیکھی کہ محنت کرنے میں کوئی عار نہیں اور نہ ہی کمانے کی ذمہ داری صرف اکیلے مرد کی ہے بلکہ عورتیں بھی ان کے شانہ بشانہ ہر طرح کا کام کرتیں، یہی وجہ تھی جو ان کے گھر بڑی آسانی سے چلتے۔

بابا عائشہ سے مل کر بہت خوش ہوئے، وہ پندرہ دن ہمارے ساتھ رہے۔ عائشہ نے بینک سے صرف چار دن کی چھٹی لی جو جلد ہی ختم ہو گئی پھر یونیورسٹی اور جاب کے ساتھ ساتھ وہ بابا کو بہت کم وقت دے پائی جبکہ میں یونیورسٹی سے آکر گھر ہی ہوا کرتا۔ پندرہ دن بعد جب بابا پاکستان واپس چلے گئے تو عائشہ نے مکمل اسلامی تعلیمات سیکھنے کے لیے ملائشیا کی ایک یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ جہاں وہ ہفتہ میں دو دن کلاس لینے جاتی اور ان دو دنوں میں وہ اتنی تھک جاتی کہ مجھ سے بات بھی بمشکل کر پاتی لیکن میں نے یہ ضرور دیکھا کہ مسلمان ہوتے ہی وہ نماز پنجگانہ کی پابند ہو گئی تھی اور نماز سیکھنے وہ ہر روز سینٹرل مسجد کے امام صاحب کے پاس جاتی، ابھی فی الحال وہ نماز پڑھنے کا طریقہ ہی سیکھ رہی تھی یعنی اس کی زندگی چوبیس نہیں تو اٹھارہ گھنٹے ضرور مصروف گزرتی، اسی لیے گاڑی بھی اس کے استعمال میں ہوتی جبکہ میں یونیورسٹی بس سے جاتا جو مجھے اچھا نہ لگتا۔ اگلے تین ماہ میں عائشہ نے ایک لگژری اپارٹمنٹ بھی خرید لیا جس کے لیے کچھ رقم اس نے اپنے بینک سے لون کے طور پر لی جبکہ یہاں لون کی واپسی پاکستان کے مقابلے میں خاصی آسان تھی۔ سود کے طور پر اضافی رقم نہ لی جاتی بلکہ اصل کے ساتھ صرف دو یا تین فیصد بمشکل واپس کرنا پڑتا۔ فلیٹ بہت خوب صورت تھا جسے دیکھ کر میں خوش ضرور ہوا لیکن ایک خلش سی دل میں آگئی جس کا اظہار میں عائشہ سے کیے بنا نہ رہ سکا۔

"اگر تمہیں بینک سے اتنا لون مل سکتا تھا تو مجھے بھی گاڑی لے دیتیں، اب دیکھو میں یونیورسٹی جانے کے لیے یہاں سے دو بسیں بدل کر دھکے کھاتا ہوا جاؤں گا۔" جہاں اس نے فلیٹ خریدا تھا وہ جگہ یونیورسٹی سے خاصی دور تھی جبکہ شادی سے پہلے میری رہائش یونی ورسٹی سے قریب ہی تھی۔

"لیکن گاڑی تو پہلے ہی ہمارے پاس موجود ہے۔" نہایت سادگی سے جواب دیتے ہوئے اس نے میری جانب دیکھا۔

"صرف تمہارے پاس، میں تو پبلک ٹرانسپورٹ کا عادی ہوں۔"

طنزیہ انداز میں، میں نے اسے جتلایا لیکن شاید اپنی سادہ طبیعت کے باعث وہ میرا طنز سمجھ نہ سکی۔

"دراصل علی میری اور تمہاری ٹائمنگ چینج ہیں اور پھر تم نے تو صرف یونیورسٹی جا کر گھر واپس آنا ہوتا ہے جبکہ میں سارا دن یہاں وہاں پھرتی ہوں اس لیے گاڑی استعمال کرنی پڑتی ہے۔"

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ مجھے بھی بینک سے لون لے دو، میں بھی ایک گاڑی لے لوں، چونکہ تم یہاں کی رہائشی ہو اس لیے کوشش کرو مجھے کہیں جاب مل جائے تو میں تمہارے ساتھ مل کر جلد ہی یہ قرضہ اتار دوں گا۔"

میں فوراً سے پیشتر اپنے مطلب پر آگیا۔

"اچھا میں کوشش کرتی ہوں کہ تمہاری جاب کا کچھ کروں کیونکہ صرف میری سیلری میں گھر چلانا خاصا مشکل کام ہے۔"

گاڑی اور لون یہ دونوں باتیں وہ گول کر گئی اور میری جاب کے ساتھ ہی اسے گھر کے اخراجات بھی یاد آ

گئے جبکہ میں سوچ رہا تھا کہ اب بابا کو منع کر دوں گا کہ وہ مجھے ہاسٹل کا اضافی خرچہ نہ بھیجا کریں بلکہ وہ بھی پیسہ جمع کر کے رائمہ کے ہاتھ پیلے کر دیں کیونکہ میں ہاسٹل چھوڑ کر عائشہ گھر میں شفٹ ہو گیا تھا جبکہ یہاں آئے دوسرے دن ہی اس نے مجھے جتلا دیا کہ اب گھر کے اخراجات میں میرا حصہ ڈالنا لازمی امر ہے اور اس کی یہ بات مجھے بالکل پسند نہ آئی اور پھر اگلے کچھ ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ عائشہ خاصی صاف گو لڑکی تھی جس کے ساتھ رہنا ایک مشکل امر تھا۔

✡ ✡ ✡

میں نے اگلے ہی ہفتہ فاران سے ملاقات کی اور اسے عائشہ کے لیے ڈن کر دیا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مجھے وہ لڑکا اچھا لگا اور دوسرا میں دل سے یہ چاہتی تھی کہ عائشہ ایک بار پھر اپنا گھر بسا لے اور ضروری نہیں تھا کہ ہر انسان کا دوسرا تجربہ پہلے جیسا ہی تلخ ہو۔ کبھی کبھی حالات پہلے سے بہت بہتر ہو جاتے ہیں۔ یقیناً "اللہ تعالیٰ اپنے کسی بھی بندے کو ہمت سے زیادہ نہیں آزماتا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو جلد ہی شادی کر لینی چاہیے۔"

اپنے دل میں آئی بات میں نے ان دونوں کے سامنے بیان کر دی۔

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔ بہن لیکن میں یہ نکاح پاکستان اپنی فیملی میں جا کر کرنا چاہتا ہوں۔" فاران کا جواب میرے لیے خاصا غیر متوقع تھا جبکہ عائشہ کے چہرے پر چھایا سکون اس بات کا غماز تھا کہ وہ یہ سب پہلے سے ہی جانتی ہے۔

"فاران یہاں ایک ہوٹل میں معمولی جاب کرتا ہے۔ جس سے اس کی پڑھائی کا کوئی حرج نہیں ہوتا اور وہ یہ پیسہ کافی عرصہ سے جمع کر رہا ہے اب یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے پیسے پر اس کے ساتھ پاکستان جاؤں کیونکہ بقول اس کے ہم لوگ عورتوں کی کمائی پر عیاشی کرنے کے عادی نہیں ہیں میں نے تو بہت سمجھایا کہ اپنا ٹکٹ میں خود افورڈ کر سکتی ہوں مگر یہ نہیں مانتا۔" فخر کے ساتھ ساتھ پیار بھی عائشہ کے لہجہ میں چھلک رہا تھا۔

"اللہ اس کا یہ فخر اور پیار ہمیشہ قائم رکھے۔" میں نے کھلے دل سے اسے دعا دی۔

"دراصل آپا میں اپنی زندگی کی ابتدا اپنے کمائے ہوئے روپے سے کرنا چاہتا ہوں اور بس صرف ایک ماہ اور لگے گا میرے پاس اتنی رقم ضرور آ جائے گی انشاء اللہ کہ ہم دونوں کے ٹکٹ آ سکیں، پھر میں اسے پاکستان لے جاؤں گا جہاں میری فیملی اس کی منتظر ہے۔"

"ٹھیک ہے جب تم دونوں جاؤ تو ابراہیم کی ذمہ داری میں اٹھالوں گی اس کی فکر مت کرنا۔"

بڑے خلوص سے میں نے عائشہ کا ہاتھ دبا کر تسلی دی۔

"نہیں آپا! میں ابراہیم کو بھی اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا تاکہ وہ بھی میری فیملی سے مل سکے اس طرح آنے والے وقت میں وہ میری فیملی میں اچھی طرح ایڈجسٹ ہو سکے گا، ویسے بھی اب وہ میری ذمہ داری ہے۔"

"ہاں فائزہ اسی لیے ہم دونوں کو نکاح میں کچھ ٹائم لگے گا ایک تو فاران اخراجات کی مد میں خرچ ہونے والی رقم جمع کر لے اور دوسرا ابراہیم کے اسکول کی چھٹیاں ہو جائیں۔"

"جیسا تم بہتر سمجھو، میری دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔"

یہ کہہ کر ان دونوں کو خدا حافظ کہتی میں باہر نکل آئی، سچ تو یہ تھا کہ فاران کی باتوں نے مجھے شروع سے لے کر آخر تک اپنے سحر میں جکڑے رکھا اسے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ ایک پکا مسلمان کیسا ہونا چاہیے اور اسی وقت میں نے عہد کیا کہ وہ تمام باتیں جو ایک مسلمان اور اچھے انسان کی شخصیت کا حصہ ہونی چاہئیں اپنے دونوں بیٹوں کو ان کا عادی بنانے کی ہر ممکن

کوشش کروں گی تاکہ آنے والے وقت میں کوئی بھی ابراہیم اپنا بچپن بنا باپ کے نہ گزار پائے۔

☼ ☼ ☼
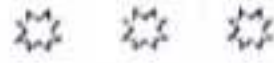
"دیکھو عائشہ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں یہ جاب بھی نہیں کر سکتا۔" عائشہ کی بتائی ہوئی تیسری نوکری میں مسترد کر چکا تھا کیونکہ میں پاکستان سے یہاں اتنی مہنگی یونیورسٹی میں پڑھائی اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ فارغ وقت میں کسی دکان میں سیلزمینی کا کام کروں یا ہوٹل میں برتن دھوؤں، جبکہ اپنے گھر میں اکلوتا ہونے کے باعث میں نے کبھی اٹھ کر پانی کا گلاس بھی خود نہ پیا تھا۔

"میرا خیال ہے علی! تم پہلے اپنی اسٹڈیز مکمل کر لو پھر آرام سے جاب کرنا انشاء اللہ تمہیں اپنے مطلب کی اچھی جاب مل جائے گی۔" شاید وہ خود بھی میرے لیے نوکری ڈھونڈ کر اب تھک چکی تھی۔

"تم اپنے بینک میں کوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"دراصل علی! تم نے ابھی تک کہیں انٹرن شپ بھی نہیں کی اگر تم وہ ہی کر لیتے تو اب اتنی پریشانی نہ ہوتی۔"

"میرے گھر سے میرے تعلیمی اخراجات کے لیے ایک معقول رقم آتی ہے عائشہ! پھر تمہیں پریشانی کس بات کی۔"

"اب تعلیمی اخراجات سے ہٹ کر ایسی بہت ساری ضروریات ہیں جن کے لیے ملازمت تمہاری ضرورت بن گئی ہے' یہ بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس نے کل ہی مجھے شاپنگ کروائی تھی حالانکہ میں نے تو بہت روکا تھا لیکن بقول اس کے اچھا نہیں لگتا کہ میں خود اپنے لیے کچھ خریدوں اور تم خالی ہاتھ ساتھ پھرتے رہو اور اب مجھے ایسا لگا جیسے اس شاپنگ کے حوالے سے وہ مجھے طعنہ دے رہی ہے، اس بات نے میرا مزاج خراب کر دیا۔

"عائشہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ مجھے شرٹس اور شوز خرید کر دو' تم نے جو کچھ لیا اپنی مرضی سے لیا پھر اب طعنہ کیوں دے رہی ہو۔"

"میں طعنہ نہیں دے رہی علی! ایک سادہ سی بات سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں وہ بات جو کافی عرصہ پہلے تم نے خود مجھے سمجھائی تھی۔"

"میں نے کیا سمجھایا تھا؟" وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی' میں فوری طور پر سمجھ نہ پایا۔

"یہ ہی کہ تم لوگ عورت کو اپنے ذمہ داری سمجھتے ہو اور دین اسلام میں عورت کی کمائی کا حکم نہیں ہے۔ کیا یہ بات سچ نہیں۔"

"سچ ہے۔" میں گڑبڑا گیا اپنی ہی کہی بات خود اس طرح میرے گلے پڑ جائے گی' مجھے اندازہ نہ تھا۔

"لیکن تم خود جانتی ہو کہ میں یہاں پردیس میں رہ کر اتنا نہیں کما سکتا کہ تمہاری اور اپنی ضروریات پوری کر سکوں' انشاء اللہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب مجھے اچھی جاب مل جائے گی تو کوشش کروں گا کہ تم یہ نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤ تاکہ سہولت کے ساتھ اپنے بچے پال سکو۔"

اس کے مزاج کے مطابق میں نے اپنا لب و لہجہ تبدیل کر لیا ساتھ ہی اسے بہلانے کے لیے ایک میٹھی گولی کا سہارا بھی لے لیا۔

"انشاء اللہ میں اس وقت کے انتظار میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔" تلخ ماحول میری بروقت چالاکی نے خوشگوار کر دیا اور میں بالکل مطمئن ہو کر اپنی تعلیم کی جانب متوجہ ہو گیا کیونکہ مجھے گریجویٹ ہونے کے لیے آٹھ ماہ کا عرصہ درکار تھا اس کے بعد امید تھی کہ عائشہ میری اچھی ملازمت کے حصول میں مثبت کردار ضرور ادا کرے گی۔

☼ ☼ ☼

میں اپنے سامنے بیٹھے اس شخص کو حیرت سے دیکھ رہی تھی جس کی مجبوریوں کی نہ ختم ہونے والی داستان نے میرے قیمتی دو سال ضرور ختم کر دیے' وہ ابھی تک بچوں کے حق میں نہ تھا اور میں خاموش بیٹھی اس کے دلائل سن رہی تھی شاید وقت کے ساتھ ساتھ میں ان

باتوں سے اب تھکنے لگی تھی۔

"دیکھو عائشہ جہاں تم نے اتنا صبر کیا' میرا ساتھ دیا' پلیز اب ایک دو سال اور رک جاؤ پھر جیسے تم کہو گی ویسا ہی ہوگا۔"

"اچھا اب یہ بھی بتادو کہ ایک یا دو سال تک کون سا ایسا الہ دین کا چراغ تمہارے ہاتھ لگ جائے گا جو ہمارے تمام مسائل کو چٹکی بجاتے ہی حل کر دے گا۔"

"کل میری اماں سے بات ہوئی ہے انہوں نے بتایا کہ تقریباً" ایک سال تک صبا کا میڈیکل ختم ہو جائے گا تو ذرا سوچو اس کی پڑھائی ختم ہوتے ہی ہر ماہ کتنے پیسوں کی بچت ہوگی اس کے ساتھ ساتھ وہ ہاؤس جاب بھی شروع کر دے گی جس سے گھر کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔"

صبا اس کی چھوٹی بہن کا نام تھا جو غالباً" پاکستان کے کسی پرائیوٹ میڈیکل کالج کی طالبہ تھی اور جس کی فیس کا اماؤنٹ لاکھوں میں تھا' علی میرے توسط سے ایک بینک کے اکاؤنٹ سیکشن میں بھرتی ہو گیا تھا مگر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود اس کے پاس میرے لیے ایک روپیہ نہ تھا' اپنی آمدنی کا اسی فیصد حصہ وہ یہ کہہ کر پاکستان بھیج دیتا کہ بہنوں کی شادی اور تعلیم کے سلسلے میں اسے اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا ہے کیونکہ جو تعلیم اس نے حاصل کی وہ صرف اس لیے ممکن ہو سکی کہ اس کے اخراجات بابا پورا کرتے تھے ورنہ بقول اس کے کہ وہ آج کچھ بھی نہ ہوتا' اس کا کہنا تھا کہ اسلام کا حکم ہے بڑھاپے میں ماں باپ کا خیال کرو' جبکہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے وہ خود باپ کے عہدے پر فائز ہونے سے کترا رہا تھا' میں اس سے سوال کرنا چاہتی تھی کہ اگر مرد کی ذمہ داری صرف ماں' باپ اور بہنیں ہیں تو بیوی کس کی ذمہ داری ہے مگر ہر بار میرے دل میں آیا یہ سوال اندر ہی کہیں دب جاتا مبادا باہر نکل کر کسی لڑائی جھگڑے کا سبب نہ ٹھہرے۔

"دیکھو علی مجھے دو سال ہو گئے تمہاری یہ باتیں سنتے ہوئے' تمہارے ماں باپ اور بہنیں جو آج تک کبھی مجھ سے ملے بھی نہیں یہاں تک کہ تمہیں فون کرتے ہوئے بھی مجھ سے ہونے والی ان کی گفتگو اتنی رسمی ہوتی ہے کہ میں خود بھی زیادہ بات کرنے سے گریز کرتی ہوں ان تمام لوگوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے تم میری ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال رہے ہو اور ہر بار میرے بچے کی خواہش کا گلا اتنی خاموشی سے گھونٹ دیتے ہو کہ میں آواز بھی نہیں نکال پاتی مگر اب ایسا نہ ہوگا' میں جانتی ہوں کہ دنیا میں آنے والا ہر فرد اپنا رزق اپنے ساتھ لے کر آتا ہے اور نیا آنے والا فرد ہم میں سے کسی پر بوجھ نہیں ہوتا ان کی کفالت ہمارے رب کی ذمہ داری ہوتی ہے تمہاری یا میری نہیں' اس لیے اب اپنے ایسے بودے دلائل میرے سامنے بیان مت کرو جنہیں سن کر مجھے لگے کہ تم اللہ پر یقین نہیں رکھتے۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" میں نے کچھ ایسا غلط نہ کہا تھا مگر میرا آخری جملہ سنتے ہی علی بھڑک اٹھا۔

"تمہیں جمعہ جمعہ چار دن ہوئے ہیں کافر سے مسلمان ہوئے اور اب تم مجھے میرا دین سکھاؤ گی اور تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ مجھے اللہ پر یقین نہیں' تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ میں مسلمان نہیں۔" علی کی گفتگو سے زیادہ انداز گفتگو مجھے حیران کر گیا۔ چڑھی آنکھیں' ماتھے پر پڑے بل' میری باتوں کا اس نے بالکل غلط مطلب لیا تھا' اب میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اپنے کہے گئے الفاظ کی وضاحت کیسے کروں' جانے کیوں وہ ایک دم بہت غصے میں آگیا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو علی میرا یہ مطلب نہ تھا۔"

جہنم میں گئیں تم اور تمہارا مطلب۔" وہ غصے سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سارا دن اتنی محنت صرف تمہارے لیے کرتا ہوں کہ تم خوش رہ سکو مگر کیا فائدہ اتنی محنت کا اگر میں تمہیں بھی خوش نہ رکھ سکا' تمہارے آفس میں' میں تمہارے اسٹنٹ کے طور پر کام کرتا ہوں' ہر پل مجھے تمہاری جی حضوری کرنا پڑتی ہے وہاں تم آفیسر ہو اور میں تمہارا ماتحت کم از کم یہاں گھر میں تو مجھے یہ

محسوس کرنے دو کہ میں تمہارا محکوم نہیں ہوں۔"

وہ صرف بول رہا تھا اور میں سن رہی تھی' الفاظ بدل گئے۔ چہرے بدل گئے ہاں مگر انداز وہ ہی تھا آج دو سال تین ماہ اور دس دن بعد پہلی بار مجھے سریش یاد آیا مگر اس لیے نہیں کہ میں پچھتا رہی تھی الحمد للہ بحیثیت مسلمان میں کبھی پچھتا نہیں سکتی کیونکہ میری محبت کا محور میرا اللہ اور میرا رسول تھا۔ مجھے اپنے دین سے محبت تھی میں نے یہ دین اپنی رضا سے اپنایا تھا اس کے پیچھے یقیناً" کوئی مرد نہ تھا ہاں البتہ علی کا رویہ سریش کی یاد دلا کر یہ احساس ضرور دلا گیا ہر سرزمین کا مرد صرف مرد ہوتا ہے۔ اسلام مرد کو انسان ضرور بناتا ہے وہ بھی اس شرط پر کہ وہ اسلام کو اچھی طرح جان سکے' بنا جانے کسی مسلمان یا کافر میں کوئی فرق نہیں' یہ میری ذاتی رائے ہے جس سے کسی دوسرے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☼ ☼ ☼

"آج پندرہ دن بعد تم مجھے بتا رہی ہو کہ عائشہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ پاکستان گئی ہے شادی کرنے....."

عذیر حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھورتے ہوئے لفظ چبا چبا کر اپنی زبان سے ادا کر رہے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا جواب دوں' میں تو شاید ابھی بھی نہ بتاتی مگر چونکہ دو ویک اینڈ گزر گئے اور ابراہیم نہ آیا اس کے ساتھ عائشہ اور ابراہیم دونوں کے سیل فون بند تھے یہ ہی وجہ تھی جس نے عذیر کو تشویش میں مبتلا کر دیا اور ان کی اس تشویش کو دور کرنے کے لیے میں نے فاران کے حوالے سے بات ان کے گوش گزار کر دی جسے سنتے ہی مانو انہیں تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

"پاکستانی ہونے کے ناتے تمہیں تو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ کس قدر دھوکا ہوتا ہے وہاں غیر ملکی عورتوں کے ساتھ' دو پیسوں کی خاطر کہیں بیچ آئے گا وہ اسے۔"

عذیر کی زہر اگلتی زبان اور الفاظ دونوں نے ہی مجھے گنگ کر دیا۔ کتنی آسانی سے وہ یہ سب کہہ رہے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی اور میں ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔

"پلیز عذیر ایسا تو مت کہیں اللہ کرے وہ خیر خیریت سے واپس آئے۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ واپس نہ آئے' ہر بات کو الٹا مت لے جایا کرو۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ تم کیا جانتی تھیں فاران کے بارے میں' وہ کون تھا کہاں رہتا تھا کچھ علم تھا تمہیں بلاوجہ ساری ذمہ داری اٹھاتے ہوئے اس احمق کو ایک انجان شخص کے ساتھ جانے کہاں روانہ کر دیا۔"

"میں نے روانہ نہیں کیا وہ خود گئی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اپنا ہر مسئلہ خود ہینڈل کر سکتی ہے۔"

"اتنی ہوشیار تھی تو اکیلی جاتی' کیا ضرورت تھی ابراہیم کو ساتھ لے جانے کی یک نہ شد دو شد' اب تم دیکھ لینا وہ بندہ ان دونوں کو لے کر کہیں غائب ہو جائے گا۔"

"خدا کے لیے عذیر! اتنی منفی باتیں مت کریں میرا دل بیٹھ رہا ہے۔" درحقیقت عذیر کے الفاظ نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا اب مجھے شدت سے یہ احساس ہوا کہ میں نے فاران کے حوالے سے ساری بات عذیر کو پہلے کیوں نہ بتائی مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے بہتر تھا کہ اپنی غلطی مان لی جائے یہ سوچ کر میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب آپ دعا کریں کہ وہ دونوں ماں بیٹا خیر خیریت سے واپس آئیں ورنہ شاید میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا گلا بھی رندھ گیا جبکہ عذیر نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا اور مجھے گھورتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے اور پھر آنے والا ہر گزرتا دن مجھے خوف زدہ کرتا گیا اور ساتھ ہی یہ محسوس ہونے لگا کہ شاید اب میں دوبارہ کبھی بھی عائشہ کو نہ دیکھ سکوں گی اور اس تصور نے میری راتوں کی نیندیں حرام کر دیں' عائشہ کے ساتھ ابراہیم کا چہرہ بھی

میرے خوابوں میں آکر مجھے پریشان کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

میرا بینک ملازمت کا کنٹریکٹ صرف دو سال کا تھا جو جلد ہی ختم ہو گیا چونکہ میں یہ بات جانتا تھا اور مجھے چاہیے تھا کہ میں اپنی دوسری ملازمت کے حصول کی کوشش پہلے ہی شروع کر دیتا لیکن ایسا نہ کرنے کا نتیجہ مجھے بے روزگاری کی شکل میں بھگتنا پڑا' گھر کا بوجھ تو پہلے ہی تقریباً" سارا عائشہ کے کندھوں پر تھا اب ایک نیا مسئلہ یہ کہ میں گھر کیا بھیجوں؟ عنقریب ہی صبا کی شادی ہونے والی تھی اس کی فرمائشوں کی ایک طویل فہرست میرے پاس موجود تھی پھر ہم دونوں نے پاکستان بھی جانا تھا وہ الگ خرچا' پاکستان کے بگڑتے حالات کے سبب دینی مدارس ویسے ہی حکام کی خاص مہربانی کی زد میں آنے کے باعث بابا نے اپنا مدرسہ کافی عرصہ پہلے ہی بند کر دیا تھا اب تھوڑی بہت زمینوں سے ہونے والی آمدنی سے گھر کا گزارہ بہت مشکل تھا۔ جبکہ امی چاہتی تھیں کہ میں ہمیشہ کے لیے پاکستان آجاؤں' وہاں آکر اپنا بزنس شروع کروں' ان کے خیال میں میری اعلیٰ تعلیم مجھے جلد ہی پاکستان میں اچھی نوکری ملنے کا سبب بھی بن جائے گی' نوکری سے زیادہ ان کا بزنس والا آئیڈیا اچھا تھا' لیکن یہ کام میں عائشہ کی مدد کے بغیر نہ کر سکتا تھا' وہ اگر چاہتی تو اپنا گھر بیچ کر مجھے رقم فراہم کر دیتی یا بینک سے مزید قرضہ لیتی' جو بھی تھا اس کے پاس اتنی رقم ضرور تھی کہ وہ میری مدد کر سکتی اور میں پاکستان جا کر اپنا بزنس شروع کر دیتا اور جیسے ہی بزنس سیٹ ہوتا وہ بھی اپنی ملازمت چھوڑ کر پاکستان آجاتی مگر یہ سب اسے سمجھانا کس قدر مشکل تھا یہ بھی میں جانتا تھا گھر اور ملازمت یہ دو چیزیں اسے مجھ سے بھی زیادہ عزیز تھیں اور شاید میری خاطر وہ ان سے کبھی بھی دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوتی' یہ ہی سوچ تھی جو مجھے عائشہ سے بات کرنے سے روک رہی تھی' جبکہ دوسری طرف وہ اپنے بینک میں میرے لیے ایک اور کنٹریکٹ نوکری ڈھونڈ چکی تھی' وہ ہی ایک سالہ ملازمت اور پھر بے روزگاری یعنی اس سلسلے میں مجھے ہمیشہ عائشہ کا محتاج رہنا پڑتا اور یہ بات میری مردانگی کے خلاف تھی' جبکہ بزنس کرنے کا شوق دن بدن میرے دل و دماغ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا اور پھر بہت سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اب عائشہ سے ہر بات کھل کر کر لینی چاہیے اور اپنی محبت سے اسے قائل کرنا چاہیے کہ وہ میری بات مان جائے' ویسے بھی مجھے اپنی محبت کی طاقت پر یقین تھا کہ وہ میری کچھ نہ کچھ مدد ضرور کرے گی لیکن اس سے بات کرنے کے لیے مجھے... بہت حوصلہ چاہیے تھا جو آہستہ آہستہ کر کے بالآخر مجھ میں آ ہی گیا اور آخر ایک دن میں نے اس سے بات کر ہی لی جسے سنتے ہی اس کا بالکل وہی رد عمل میرے سامنے آیا جیسا میں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا اور اس نے صاف انکار کر دیا جس کا مجھے بے حد دکھ ہوا۔

☼ ☼ ☼

میں جھاڑ پونچھ کر رہی تھی جب بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی۔

"اس وقت کون آگیا؟" میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے خود سے سوال کیا شمائل اور شازل ابھی اسکول سے نہ آئے تھے جبکہ عذیر آفس کے کام کے سلسلے میں دو دن سے بنکاک تھے' ابھی میں یہ ہی سوچ رہی تھی کہ گھنٹی ایک بار پھر سے بج اٹھی اس دفعہ اس کی شدت آنے والے کی بے تابی کا پتا دے رہی تھی' میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا' میرے سامنے عائشہ اور ابراہیم کھڑے تھے' خوش و خرم اور شاد باد' عذیر کی کی گئی باتوں کے نتیجے میں جو خدشات میرے دل میں جگہ بنا چکے تھے انہیں اپنے سامنے دیکھ کر ایک لمحہ میں ہی اڑن چھو ہو گئے' میں نے خوشی سے آگے بڑھ کر عائشہ کو گلے لگا لیا۔

"پہلے سوچا تمہیں فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دوں پھر خیال آیا تمہیں خود جا کر سرپرائز دینا چاہیے۔

میرے ساتھ چلتی وہ گھر کے اندر آ گئی اس کا لہجہ

اندر کی خوشی کا پتا دے رہا تھا' مجھے لگا عائشہ پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہے اس کے دونوں ہاتھ چوڑی اور مہندی سے سجے تھے عائشہ کے ہاتھ میں نے اپنی کئی سالہ دوستی میں پہلی بار دیکھے تھے 'سچ ہے عورت کو گھر کا سکون پیسے سے نہیں شوہر کی محبت سے ملتا ہے بشرطیکہ وہ محبت کسی لالچ سے پاک ہو اس بات کا یقین مجھے آج عائشہ کو دیکھ کر ہو گیا اور پھر شام تک ان دونوں نے ہمارے ساتھ ایک بھرپور دن گزارا۔ عائشہ نے مجھے بتایا کہ فاران کے گھر والوں نے اسے بہت عزت و احترام دیا' واپس آتے ہوئے سب نے نہایت محبت سے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازا اور دوبارہ آنے کا وعدہ بھی لیا۔

"سسرال کیا ہوتا ہے فائزہ! یہ احساس مجھے فاران نے دلایا ورنہ میں تو سمجھتی تھی کہ شاید شادی صرف دو لوگوں کے درمیان ہونے والا ایک رشتہ ہے جس کا تعلق کسی اور سے نہیں ہوتا۔"

وہ کیا کہنا چاہتی تھی' بنا وضاحت لیے میں جان گئی۔

"اللہ تمہاری خوشیاں سدا سلامت رکھے۔"

"آمین۔" میری دعا نے اس کے چہرے پر طمانیت کا گہرا احساس بھر دیا اور پھر وہ واپس جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ فاران کا فون آ گیا تھا وہ اسے لینے آ رہا تھا۔

"میرا ایک کام کرو گی فائزہ؟" جاتے جاتے وہ بیرونی دروازے کے قریب رک گئی۔

"میں چاہتی ہوں تم عذیر سے کہو کہ وہ ایک بار فاران سے مل لے' ابراہیم کے سرپرست کی حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ وہ جان سکے اس کا بیٹا کس شخص کے زیر کفالت رہ رہا ہے تاکہ کل کو وہ کوئی اعتراض نہ کر سکے۔"

"وہ واپس آ جائیں میں خود تم لوگوں کو اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کروں گی تاکہ فاران اور عذیر آپس میں ملاقات کر سکیں۔" اسے اچھی طرح تسلی دے کر رخصت کرتے ہوئے میں نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔

☆ ☆ ☆

میری دو دن سے طبیعت خراب تھی' جانے کیوں متلی سی محسوس ہو رہی تھی' یہاں تک کہ کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا پہلے سوچا علی سے کہوں مجھے اسپتال لے جائے مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ پچھلے دو چار دن سے اس کا موڈ آف تھا ایسے میں اس سے کوئی بات کرنا مجھے اچھا نہ لگا' جانے کیوں اس کے سر پر آج کل بزنس کا بھوت سوار تھا۔ جس کے لیے وہ میری جمع پونجی داؤ پر لگا دینے کو تیار بیٹھا تھا جبکہ میں ایسا نہیں کر سکتی تھی اور یہ ہی بات ہم دونوں کے درمیان وجہ اختلاف بن گئی تھی حالانکہ ایک ماہ قبل ڈگری ملنے کے بعد سے ہی علی کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ اپنی اچھی بھلی ملازمت چھوڑ کر ریڈی میڈ گارمنٹس کا کاروبار شروع کرنا چاہ رہا تھا جس میں اسے میری مالی مدد کی ضرورت تھی اگر میرے پاس اضافی رقم ہوتی تو میں اسے ضرور دے دیتی مگر اپنا گھر بیچ کر کاروبار شروع کرنا میرے نزدیک بیوقوفی تھی اور یہ ہی بات علی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' اس لیے اس کے خراب موڈ کے پیش نظر میں چاہ رہی تھی کہ رات سکون سے گزر جائے تو صبح آفس سے ہی کلینک چلی جاؤں گی مگر جانے کیوں رات بالکل اچانک مجھے الٹیاں شروع ہو گئیں اور ساتھ ہی چکر بھی' میری حالت نے علی کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے اور وہ مجھے لے کر ہسپتال بھاگا' جہاں فوراً" ہی مجھے ایمرجنسی میں پہنچا دیا گیا' پھر وہاں ہونے والے ٹیسٹ کے نتیجہ میں جو رپورٹ مجھے ملی اس نے جہاں مجھے حیران کر دیا وہاں علی کو پریشان کر دیا جس کا اندازہ اس کا چہرہ دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"تم پریگننٹ ہو؟" وہ رپورٹ ہاتھ میں لیے ہکا بکا کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا جبکہ یہ بات میں خود بھی نہ جانتی تھی' میں تو اپنی اس حالت کو فوڈ پوائزن کا نتیجہ سمجھ رہی تھی۔

"تمہاری طرح یہ بات مجھے بھی آج اور ابھی پتا چلی

ہے کہ میں.....“

”جھوٹ مت بولو عائشہ.....“ میرے جملے کو درمیان سے کاٹتا وہ تیزی سے بولا۔

”ایسا کس طرح ممکن ہے کہ اپنے جسم میں پیدا ہونے والی اس نئی تبدیلی کا علم تمہیں تین ماہ سے نہ ہوا ہو میں یہ بات نہیں مان سکتا۔“ ایک مکمل بے یقینی کا احساس اس کے چہرے پر چھایا ہوا تھا۔

”میرے پاس تمہاری بات کا کوئی جواب نہیں ہے لیکن سچ وہ ہی ہے، جو میں تمہیں پہلے بتا چکی ہوں۔“ علی کے رویے نے میرا موڈ خراب کر دیا اتنے سالوں بعد حاصل ہونے والی اپنی زندگی کی پہلی خوشی، جو ہم دونوں کی ہی پہلی خوشی تھی اس نے علی کو اس طرح پریشان کیا کہ میں اندر تک بجھ گئی۔

”جو بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ یہ وقت مناسب نہیں ہے ابھی ان حالات میں ہم مزید کوئی ذمہ داری افورڈ نہیں کر سکتے میری بات سمجھ رہی ہو نا تم۔“ اپنی بات درمیان میں روک کر اس نے میری جانب دیکھا اور اپنی گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

”میں بینکنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن جا رہا ہوں جس کے لیے میں نے ایک دو یونیورسٹیز میں اپلائی کر دیا ہے، ہو سکتا ہے کہ مجھے اسی ماہ جانا پڑے۔ ایسے میں سوچو ذرا تم یہ ذمہ داری اکیلی کیسے اٹھا پاؤ گی۔“

مجھے آج پہلی بار پتہ چلا کہ وہ مزید تعلیم کے لیے لندن جا رہا ہے وہ جو سارا دن کمپیوٹر اور فون مصروف تھا اس کا یقیناً ”یہ ہی سبب تھا مگر دکھ کی بات یہ کہ اس نے اتنی بڑی بات مجھے بتانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور بالا ہی بالا اپنے سارے کام بھی مکمل کر لیے، ایسے میں میں اسے کیا کہتی میرے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں، میری آنکھوں میں پانی بھر آیا، سچ ہے، جو بات ہم زبان سے بیان نہیں کر سکتے وہ ہماری آنکھیں عیاں کر دیتی ہیں۔ میری خاموشی نے علی کو فوراً ”میرے دل کی بات سمجھا دی۔

”عائشہ غلط مت سمجھنا میرا ارادہ تمہیں سرپرائز دینے کا تھا یہ ہی سبب تھا جو میں نے اپنے داخلے والی بات تمہیں نہیں بتائی۔“

میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے وہ وہیں بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر میرا ہاتھ نہایت پیار سے تھامتے ہوئے بولا۔

”تمہاری تنہائی کے خیال سے ہی کہہ رہا ہوں کہ ابھی فی الحال تم میری بات مان لو پھر جیسے ہی میں واپس آؤں تم جو کہو گی وہ ہی کروں گا، بلکہ میرا تو مشورہ ہے کہ اپنی جان چھڑوا کر تم بھی میرے ساتھ ہی چلو وہاں کی کسی یونیورسٹی سے ایک آدھ اور ایسی ڈگری لو جو تمہاری قابلیت میں اضافہ کر دے بچوں کا کیا ہے دو سال بعد جب ہم اچھی طرح سیٹل ہو جائیں گے پھر جتنے بچے چاہے پیدا کر لینا مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

میرے ہاتھ تھپتھپاتا وہ ہولے ہولے مسکراتا ہوا محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا شاید کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس کی بات مان جاتی مگر اب میرے اندر کی مامتا زور پکڑ چکی تھی ایسے میں، میں ایک عورت اور بیوی سے زیادہ ماں کے احساسات محسوس کر رہی تھی۔ یہ ہی سبب تھا جو میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا، مجھے ایسا لگا کہ اگر میں کچھ بولوں گی تو رو دوں گی یہ ہی سوچ کر میں بالکل خاموش رہی، میری خاموشی شاید اسے نیم رضامندی لگی جس کا اندازہ اس کے چہرے پر چھائی طمانیت نے مجھے فوراً ”دلا دیا اور ساتھ ہی اس کے الفاظ بھی۔

”گڈ گرل، مجھے امید تھی کہ تم کبھی بھی مجھے مایوس نہ کرو گی۔“ وہ ہولے ہولے میرے گال تھپتھپاتا ہوا بولا۔

”سوری علی، جو تم چاہ رہے ہو میں وہ نہیں کر سکتی اور میرا نہیں خیال کہ دنیا کی کوئی بھی ماں ایسا کر سکتی ہے اور خاص طور پر ایک مسلمان عورت ہونے کے ناتے میں کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی جس پر میرا اللہ مجھ سے ناخوش ہو۔“

”اس میں اللہ کہاں سے آ گیا اور یہ تم ہر بات میں اللہ دین اور اسلام کیوں لے آتی ہو۔“ وہ قدرے چڑتا

ہوا بولا۔

"اس لیے کہ میری زندگی کا محور یہی سب کچھ ہے میرا دین 'میرا اللہ میرا رسول اور میرا قرآن اور میرا خیال ہے کہ تم بھی قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر دیکھو جس میں صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو رزق کے ڈر سے قتل نہ کرو۔" میں نے اپنی بات مکمل کر کے اسے دیکھا جو ماتھے پر شکنیں لیے مجھے بری طرح گھور رہا تھا۔

"دیکھو عائشہ 'میں جانتا ہوں' بطور مسلمان دین اسلام ہمارے لیے جاننا بہت ضروری ہے مگر یاد رکھو اس زمانے میں ترقی کرنے کے لیے کئی ایسی باتیں اپنانی پڑتی ہیں جو دنیا کی ضرورت ہو 'اب دیکھو اللہ تعالیٰ ہماری مجبوری سمجھ رہا ہے جیسے ہی ہم اس کی دی گئی اس نعمت کو سنبھالنے کے قابل ہوئے ہم اس سے معافی مانگ لیں گے وہ رحیم و کریم ہے 'ہمیں ضرور معاف کر دے گا اس کو وہ بندہ بھی بہت پسند ہے جو استغفار کرتا ہے جو اس سے معافی طلب کرتا ہے ہم بھی اس کے ایسے ہی بندوں میں شامل ہو جائیں گے۔"

"بے شک وہ معافی پسند کرتا ہے مگر اس غلطی کی جو ناسمجھی میں کی گئی ہو لیکن سمجھ کر اور جان کر کیے گئے گناہ کی معافی نہیں ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب گناہ ہی معافی کی امید پر کیا جائے۔" علی کے خیالات نے میرے دل کو بہت ٹھیس پہنچائی۔

"علی! تم لندن جاؤ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر پلیز مجھ سے کوئی ایسی بات کا وعدہ مت لو جو میں نہیں کر سکتی 'جان جاؤ کہ میرا بچہ کبھی بھی مجھ پر بوجھ نہ ہو گا کیونکہ مجھے اپنے اللہ پر بھروسا ہے۔"

"بڑا شوق ہے تمہیں پکی مسلمان بننے کا 'مگر اس کے باوجود تم اپنے شوہر کی حکم عدولی کر رہی ہے۔" مذہب کے نام پر بلیک میلنگ کا اچھا ہتھکنڈا۔

"ایسا کوئی بھی حکم جو میرے اللہ کی حکم عدولی پر مجبور کر دے مجھے منظور نہیں۔" اسے جواب دے کر میں نے کروٹ بدل لی اب میرا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ میں اس سے مزید کوئی بات کروں 'اور پھر جلد ہی وہ کمرے سے باہر نکل گیا جس کا اندازہ مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز سے ہوا اور ساتھ ہی آنسو میری آنکھ کے کنارے توڑتے ہوئے باہر نکلے اور میرا پورا تکیہ بھگو گئے۔

☆ ☆ ☆

علی کا داخلہ لندن کی ایک اچھی یونیورسٹی میں ہو گیا جہاں اس کورس کی مدت صرف چھ ماہ تھی جو وہ کرنے جا رہا تھا کہنے کو صرف چھ ماہ 'مگر میں جانتی تھی کہ اس حالت میں یہ وقت تنہا نکالنا میرے لیے کس قدر مشکل تھا مگر پھر بھی علی کی خوشی کی خاطر میں خاموش رہی لیکن جانے کیوں ان دنوں مجھے جوہی دی، بہت یاد آ رہی تھیں 'جنہیں دیکھے ہوئے' ان سے ملے ہوئے کئی سال بیت گئے تھے انہیں یاد کرنے کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ میری طبیعت مسلسل خراب چل رہی تھی ایسے میں احساس ہوا کوئی اپنا بڑا قریب ضرور ہونا چاہیے لیکن بہر حال جو میرے رب کی مرضی میں اس کی رضا میں راضی 'ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ علی کا داخلہ ہو گیا وہ بے حد خوش تھا ساتھ ہی یہ احساس کہ آنے والا بچہ اس کے لیے خوش قسمت ثابت ہوا ہے مجھے تقویت بخش گیا 'دیر آید درست آید کے مترادف میرے لیے اتنا کافی تھا کہ بچے کے آنے کی خوشی اس کے دل نے بھی محسوس کر لی تھی مگر ان ہی دنوں جب ہم دونوں اپنی خوشیوں میں مگن تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور آزمائش کے لیے منتخب کر لیا 'جس صبح علی کی لندن روانگی تھی اسی رات اس کو بابا کو ہارٹ اٹیک کے ساتھ ساتھ فالج کا اٹیک بھی ہو گیا پاکستان سے ذکی آپا کے آنے والے فون نے علی کے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے وہ بری طرح رو رہی تھیں اور چاہتی تھیں کہ اکلوتا بیٹا ہونے کے ناتے علی فوراً" پاکستان پہنچ جائے' ان کی یہ خواہش کچھ ناجائز بھی نہ تھی بیٹا ہونے کے ناتے علی کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے باپ کی تیمارداری کے لیے جلد وہاں پہنچے 'ذکی آپا کے فون کے بعد سے ہی

علی کو ایک مسلسل چپ لگ گئی وہ کیا چاہ رہا تھا کیا سوچ رہا تھا اس نے کچھ بھی مجھے نہ بتایا' صبح اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنی لندن کی سیٹ کینسل کروائی اور پھر میرے پاس آ بیٹھا وہ بہت اپ سیٹ تھا۔

کیا بات ہے علی کیوں اتنے پریشان ہو' اللہ پر بھروسا رکھو وہ سب بہتر کرے گا۔" میں نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"ظاہر ہے اسی پر بھی بھروسا ہے اس کے سوا کون ہے بھروسا کے لائق اور یہ بات سمجھانے والی نہیں ہے میں بچپن سے جانتا ہوں۔"

"پاکستان کب جا رہے ہو۔" اس کا طنز نظرانداز کرتے ہوئے میں نے پھر ایک سوال کیا۔

"کیوں تم نہیں جا رہی میرے ساتھ۔" میرا سوال نظرانداز کرتا وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

"میں کیسے جا سکتی ہوں ایک تو میری طبیعت خراب دوسرا ان دنوں بینک کلوزنگ کا کام چل رہا ہے' چھٹیاں ملنا مشکل اور ویسے بھی میں تین ماہ تک میڈیکل لے رہی ہوں جس کی وجہ سے مجھے ان دنوں چھٹیاں نہیں مل سکتیں۔" میں نے ہر بات کی وضاحت کر دی۔

"دیکھو عائشہ میں اپنے گھر کا اکلوتا وارث ہوں' میرا باپ بیمار ہے اس حالت میں میرا گھر جانا' گھر والوں کے ساتھ رہنا بے حد ضروری ہے پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں وہاں ہی سیٹ ہو جاؤں دوبارہ واپس یہاں نہ آؤں تو ظاہر ہے اس پلاننگ کے تحت تمہارا میرے ساتھ جانا ضروری ہے۔" علی کی فراہم کردہ یہ اطلاع میرے لیے نئی تھی۔

"دیکھو علی! تم پاکستان جاؤ' وہاں جا کر سیٹ ہونے کی کوشش کرو' میں اس وقت تک یہاں رہ لیتی ہوں تاکہ بچے کی ڈلیوری یہاں ہو سکے اس صورت میں اس....."

"پلیز عائشہ....." اس نے میرا جملہ درمیان سے ہی کاٹ دیا۔

"یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے' ہمیں ہر حال میں اپنے وطن' اپنے لوگوں میں واپس جانا ہے' جس کے لیے تمہارے پاس پندرہ بیس دن کا ٹائم ہے' پہلی فرصت میں تم یہ مکان بیچو' کیونکہ وہاں سیٹ ہونے کے لیے ہمیں کافی رقم درکار ہو گی' میرے پاس جو پیسہ تھا وہ میں نے بابا کے علاج کے لیے بھیج دیا جبکہ ذکی آپا بھی ان کی کافی مدد کر رہی ہیں' رائمہ کا شوہر بھی بابا کے ساتھ کھڑا ہے ایک سوائے میرے جو اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود باپ کے پاس نہیں ہے۔"

"اور میری نوکری...؟" اس کی ساری بات سننے کے بعد میں نے مختصر سا سوال کیا۔

"فی الحال چھٹیاں لے لو' وہاں جا کر سیٹ ہو جاؤ پھر ریزائن کر دینا کیونکہ میرے خیال میں ریزائن کرنے کی صورت میں تمہیں بینک کچھ رقم ضرور دے گا آخر تم ان کی ایک پرانی آفیسر ہو۔"

"علی! تم پاکستان جاؤ وہاں بابا کو تمہاری ضرورت ہے' وہاں جا کر فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ بہتر ہے کہ وہاں کسی جاب کے لیے اپلائی کرواتے۔" دل کڑا کرتے ہوئے میں نے اسے مشورہ دیا۔

"اور تم...."

"میں فی الحال یہیں ہوں۔"

"دراصل تمہیں یہاں سے جانا ہی نہیں ہے۔ جانتی ہو عائشہ تمہارا پرابلم کیا ہے؟" وہ غصہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم احساس برتری کا شکار ایک کم تر عورت ہو تم سمجھتی ہو کہ میں تمہارے پیسے پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ تمہارا پیسہ میرے کسی کام آئے تو لعنت ہے ایسے پیسے پر' تم یہ مکان کسی ٹرسٹ کو دے دو' لعنت بھیجو جاب پر اور میرے ساتھ پاکستان چلو۔" منہ سے کف نکالتا وہ غصے سے مجھے گھور رہا تھا۔

"ابھی تم غصے میں ہو علی اور کوئی بھی ایسا فیصلہ جو حالت غصہ میں کیا جائے' درست نہیں ہوتا پہلے تم خود کو ریلیکس کرو پھر ہم بات کریں گے۔"

میں نے علی کا بازو تھام کر اسے ٹھنڈا کرنا چاہا مگر وہ شاید اپنے گھر کی پریشانی میں اتنا جذباتی ہو گیا تھا کہ میرے سمجھانے کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اگر تمہاری جاب میرے کسی کام نہ آئے تو پھر ضرورت نہیں ہے تمہیں جاب کرنے کی۔" اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر پرے کیا۔

"جب سے میں نے تم سے شادی کی ہے ہر طرف سے پریشانیوں میں گھر گیا ہوں، تمہیں میرا ذرا احساس نہیں تمہارا پیسہ، تمہارا گھر، تمہاری نوکری اور اب تمہارا بچہ یہاں تک کہ مذہب بھی صرف تمہارا ہو گیا، میرا تو کچھ رہا ہی نہیں۔

"پلیز علی! مت کرو اتنا غصہ۔" میں ایک بار پھر آگے بڑھی قبل اس کے کہ میں اس کے قریب جاتی اس نے مجھے دھکا دے کر پرے کیا یہ دیکھے بنا کہ میں کہاں جا کر گری ہوں اور مجھے کہیں لگ تو نہیں گئی وہ بولے جا رہا تھا۔

"اگر تم میرے ساتھ پاکستان جا کر رہ سکتی ہو، بالکل ویسے جیسے میری ماں میرے باپ کے ساتھ رہتی رہی ہے تو ٹھیک، ورنہ میں جانے سے پہلے تمہیں طلاق دے دوں گا۔" نہایت سفاکی سے یہ الفاظ کہتا وہ غصہ سے باہر نکل گیا جبکہ میں زمین پر بیٹھے بیٹھے ہی ساکت ہو گئی وہ مجھ سے پچاس سال پرانی توقعات رکھ رہا تھا۔ مجھ میں اپنی ماں دیکھنا چاہتا تھا ایسے وقت میں شاید وہ ذکی آپا کو بھول گیا اسے یاد نہیں رہا کہ اس کی بہن صبا ایک ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ خود مختار زندگی کی بھی عادی ہے، وہ اپنے آس پاس موجود ہر اس عورت کو بھول گیا جو اپنے پاؤں پر کھڑی تھی۔ اسے اگر یاد تھی تو صرف اپنی ماں کیونکہ وہ شروع سے ہی اپنے شوہر کے حکم کی باندی ایک محکوم عورت تھی اور مجھے یاد رہا تو صرف یہ کہ وقت ہر چہرے کو آپ کے سامنے نمایاں کر دیتا ہے، بالکل ایسے جیسے آہستہ آہستہ علی کا چہرہ میرے سامنے سریش کے روپ میں ڈھلتا جا رہا تھا علی اور سریش کا فرق ختم ہو کر اب وہاں صرف ایک مرد کھڑا تھا جو کچھ دیر قبل مجھے طلاق کی دھمکی دے کر جا چکا تھا۔ اب فیصلہ میرے ہاتھ میں تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور شاید میں وہ فیصلہ کرنے کی تیاری کر چکی تھی، ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ جو ہی وی ہمیشہ میرے لیے جذباتی لڑکی کا لقب کیوں استعمال کرتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

مجھے پاکستان آئے تقریباً ایک ہفتہ ہو چکا تھا اور میں اس ایک ہفتہ میں ہی بری طرح تھک چکا تھا فالج اٹیک کے ساتھ ہی بابا کا بائی پاس بھی تھا اور اس حالت میں بجائے اس کے کہ وہ کم بولیں کم غصہ کریں ان کی طبیعت مزید عصیلی ہو گئی، ہر وقت بلاوجہ ہی بولے جاتے اور میری صابر ماں خاموشی سے انہیں برداشت کیے جاتی، ذکی آپا روز شام میں آتیں، انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ شیراز بھائی آئیں یا نہ آئیں، رائمہ کا شوہر اعجاز، شیراز بھائی کی نسبت خاصا بہتر تھا، وہ دونوں میاں بیوی بھی عموماً شام میں گھر آ جاتے، بابا کے بائی پاس کے ساتھ ہی صبا کا نکاح بھی تھا جو نہایت سادگی سے طے پایا تھا۔ وجہ صبا کا شوہر عبید تھا جو نکاح کے بعد اس کے کاغذات اپنے ساتھ لندن لے جانا چاہتا تھا تاکہ صبا کو بھی جلد بلا لیا جائے جبکہ میں سارا دن مشین کی طرح یہاں وہاں پھرتا اور ایسے میں مجھے اپنے گھر کا سکون بے حد یاد آتا گھر کے ساتھ ہی عائشہ کی یاد بھی بے طرح آئی میں اس سے ناراض ہو کر پاکستان آ گیا تھا اب جو اسے فون کیا تو اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا وہ اسکائپ پر بھی آن لائن نہ تھی البتہ میرے اکاؤنٹ میں اس نے ایک معقول رقم ضرور ٹرانسفر کر دی تھی جو اس مشکل گھڑی میں میرے کافی کام آئی اور پھر میں بابا کے بائی پاس کے فوراً بعد واپس تھائی لینڈ آ گیا، اماں کو وجہ عائشہ کی طبیعت کی خرابی بتائی ورنہ وہ تو کسی بھی طرح مجھے واپس نہ جانے دے رہی تھیں مگر اس ایک ماہ میں ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ اب یہ شور شرابے والی زندگی میرا معیار نہیں رہی میں عائشہ کے ساتھ رہ کر ایک پرسکون ماحول کا عادی ہو چکا تھا اسی ماحول کی یاد دل میں بسائے جب میں نے تھائی لینڈ کی سرزمین پر قدم رکھا تو میرا دل عائشہ سے

ملنے کے لیے بے تاب تھا میں اس سے اپنی ہر غلطی کی معافی مانگنا چاہتا تھا' اس کی محبت میں سرشار میں گھر پہنچا تو بیرونی دروازے پر لگا تالا میرا منہ چڑا رہا تھا۔

"کہیں عائشہ یہ گھر چھوڑ تو نہیں گئی۔" اس سوچ کے ساتھ میں آگے بڑھا' دروازے پر لگی نیم پلیٹ پر ایک نظر ڈالی جہاں جلی حروف میں عذیر علی شیخ لکھا تھا۔ دل میں اطمینان کی ایک لہر سی اتر گئی' وہ شاید کہیں کام سے باہر گئی تھی' یہ سوچ کر میں سامنے بنے پارک میں آگیا اور ایک بار پھر سے عائشہ کا نمبر ملایا جو ابھی بھی آف جا رہا تھا میرا دل گھبرانے لگا' میں بمشکل دو گھنٹے پارک میں گزار کر واپس اپنے گھر کی جانب آیا جہاں دور سے ہی جلتی بتی دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا' مجھے اطمینان ہوا کہ عائشہ گھر واپس آچکی تھی اور پھر گھر کے پاس پہنچ کر میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی گھر کا کھلا دروازہ اس بات کی علامت تھا کہ مکین اپنے پورے اعزاز کے ساتھ گھر کے اندر موجود ہیں اور میرے لیے یہ یقین ہی کافی تھا میں نے اپنے گھر کی چوکھٹ کے اندر قدم رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

عذیر علی ایک بار پھر میرے پاس واپس آچکا تھا مگر اب اس کی واپسی میرے نزدیک کوئی معنی نہ رکھتی تھی۔ وہ شاید اپنی ضرورت کا بندہ تھا اور یہ بات میں اچھی طرح جان چکی تھی۔ میں آج بھی وہ شام نہ بھولی تھی جب وہ پاکستان واپس آگیا تھا اس شام کے ساتھ ہی اس کے الفاظ اپنی مکمل فرعونیت کے ساتھ مجھے اچھی طرح یاد تھے جب اس نے جاتے جاتے مجھے کہا تھا۔

"دیکھو عائشہ میری فیملی' میرے لیے بہت اہم ہے اور میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا اب یہ تم پر ہے اچھی طرح سوچ لو اگر میرے ساتھ جا کر پاکستان رہنا ہے تو ٹھیک ورنہ مجھے بتا دینا میں تمہیں طلاق بھیج دوں گا اور بے شک تم میری طرف سے آزاد ہو۔"

اس کے لہجہ کی سفاکی میں آج تک نہ بھولی تھی۔

اس کے جانے کے بعد' جانے کتنی راتیں میں نے جاگ کر گزاری تھیں جس کے باعث ایک رات میرا بلڈ پریشر اتنا ہائی ہو گیا کہ مجبوراً "مجھے جوہی دی کو فون کرنا پڑا اور میرے ایک فون پر میری بہن بھاگی ہوئی آئی اور مجھے اپنے ساتھ اسپتال لے گئی' اس دن مجھے اندازہ ہوا رشتوں کا تعلق مذہب سے نہیں ہے باوجود ہم دونوں کے دو الگ مذاہب سے تعلق رکھنے کے' ہمارے درمیان موجود رشتہ ختم نہ ہوا وہ آج بھی میری بہن تھی اور پھر علی کی غیر موجودگی میں اس نے میرا اس قدر خیال رکھا کہ میں دل سے اس کی محبتوں کی معترف ہو گئی' علی نے واپسی کا سفر طے ضرور کیا تھا مگر صرف اپنے گھر تک' کیونکہ میرے دل میں وہ اپنا مقام کھو چکا تھا اور کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنا بڑے کمال کا ہنر ہے جب کہ علی ایسے کسی بھی ہنر سے ناواقف تھا واپس آکر اس نے بڑے نارمل طریقہ سے مجھ سے معافی بھی مانگی' بظاہر وہ اپنے الفاظ پر شرمندہ بھی تھا مگر میں جانتی تھی کہ یہ صرف چند روزہ کہانی ہے' پھر ایسا ہی ہوا' اگلے ایک ماہ میں ہی اسے میرے گھر جوہی دی کا آنا کھٹکنے لگا اب وہ بات بات پر مجھ سے پھر الجھنے لگا اور اس دن تو حد ہی ہو گئی جب جوہی دی میرے گھر سے ڈنر کر کے واپس گئیں اور میں کھانے کی میز سے برتن سمیٹ رہی تھی علی ٹی وی بند کر کے میز کے پاس آن کھڑا ہوا۔

"یہ تم نے اپنی دی کو نئے ڈنر سیٹ میں کھانا سرو کر دیا جانتی ہو اگر کوئی غیر مسلم ہمارا برتن استعمال کرے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے مگر تم کیا جانو تمہیں کیا پتا ان سب باتوں کا۔" اتنا کہہ کر وہ طنزیہ مسکرایا۔

"تم تو خود نئی نئی ہمارے دین میں داخل ہوئی ہو۔" پتا نہیں وہ کس بات پر اتنا تپا ہوا تھا۔ اس کے الفاظ نے مجھے حیران ضرور کیا مگر پریشان نہیں کیونکہ میں اس کی ان تمام فضول باتوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی اس لیے خاموشی سے برتن اٹھائے کچن میں آگئی جب وہ میرے پیچھے ہی کچن کے دروازے پر آکر ایک بار پھر سے اپنے

لفظوں کا زہر میرے وجود میں اتارنے لگا۔

"جانتی ہو ہمارے گھر جو عورت کام کرتی ہے وہ غیر مسلم ہے' یہ ہی سبب ہے' جو کہ ساری زندگی ہم نے کبھی اسے اپنے گلاس میں بھی پانی نہیں پینے دیا' الگ برتن ہیں ہمارے گھر اس کے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو علی۔۔۔" برتن سنک میں رکھ کر میں اس کی جانب واپس پلٹی۔

"یہی کہ تم اپنی دی کے برتن الگ کرو' ورنہ میں ان برتنوں میں کھانا نہیں کھاؤں گا' مسلمان ہونے کے باوجود تم اب تک پاکی اور ناپاکی میں ہی تمیز نہیں کر سکیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا دوسرا آئیڈیا زیادہ اچھا ہے تم اپنے برتن الگ لے آؤ' ویسے بھی یہ ڈنر سیٹ میرا ہے اور میں جسے چاہوں اس میں کھانا سرو کروں' اس لیے دوبارہ مجھ سے اس بات پر اعتراض مت کرنا۔"

بے شک میرے الفاظ میرا رویہ غلط تھا لیکن یہ تو سچ ہے ناکہ ہمارا ردعمل سامنے والے شخص کے رویہ پر ہوتا ہے اور غالباً" میرے سخت الفاظ کے غلط رویہ کا ردعمل تھے اور کچھ میرے غصہ کی زیادتی یا شاید برداشت ختم ہو جانا' جو بھی تھا اب الفاظ زبان سے نکل کر بے قابو ہو چکے تھے اور ان پر میرا اختیار ختم ہو گیا تھا۔

"یہ ہی تو زعم ہے' تمہیں میرا گھر' میرا ملک' میرے برتن ـــــ سب کچھ میرا' صرف ایک میں ہی تمہارا نہ ہوا۔"

"کیونکہ تم نے کبھی کوشش ہی نہ کی۔" جواب دے کر میں نے کچن سے نکلنا چاہا جب وہ میرے سامنے آگیا۔

"تمہاری بدزبانی اور غرور کی وجہ سے ہی میں تم سے جان چھڑوانا چاہتا تھا مگر میری بے وقوفی دیکھو ایک بار پھر تمہارے جال میں آکر پھنس گیا' ویسے بھی تم جیسی عورتیں گھر بسانے کے لائق نہیں ہوتیں' پہلے میری خاطر بہن اور منگیتر چھوڑا اور اب ان دونوں کی خاطر مجھے چھوڑنے پر آمادہ ہو' میں سب جانتا ہوں۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری' میں نے اپنی بہن اور منگیتر کو تمہاری خاطر نہیں چھوڑا بلکہ اپنے رب کی رضا کے لیے چھوڑا کیونکہ ایک مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے نکاح نہیں کر سکتی' اگر سریش میری بات مان کر مسلمان ہو جاتا تو یقیناً" میں اپنے رب کا فیصلہ سمجھ کر اسے قبول کر لیتی۔"

"ہاں تو اب قبول کر لو' اب بھی تو تمہیں اپنے لوگوں سے دوبارہ محبت ہو گئی ہے اپنا لو انہیں اور چھوڑ دو مجھے' میری تو عقل پر پتھر پڑ گئے تھے اچھا بھلا اماں نے کہا تھا کہ رائمہ کی نند سے عقد ثانی کر لوں مگر میں ہی تھا جو تمہارے فراق میں یہاں بھاگا آیا۔"

"ایسا کرو تم واپس چلے جاؤ اور اپنی بہن کی نند سے نکاح کر لو یہ ہی تمہارے لیے بہتر ہو گا اور زیادہ اچھا ہو گا کہ تم ابھی اپنا سامان اٹھاؤ اور نکلو یہاں سے۔"

ایک تو میری طبیعت خراب' اوپر سے میں کتنی دیر سے کھڑی کام کر رہی تھی اس تکلیف کے احساس سے میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"چلا جاؤں گا لیکن اپنا بچہ لے کر' وہ میں تمہیں نہیں دوں گا جانے تم اس کی پرورش کیسے کرو' ہو سکتا ہے اسے پالنے کے لیے اپنی جو ہی دی کے حوالے ہی نہ کر دو اور وہ اسے ہندو بنا دے۔" تنگ دل اور تنگ نظر آدمی کی زبان ایسی ہی ہو سکتی ہے۔

"یہ بچہ تمہارا نہیں میرا ہے اور میں تمہیں کبھی بھی اپنا بچہ نہ دوں گی' اس سے بہتر یہ ہو گا کہ پیدا ہوتے ہی میں اس کا گلا دبا دوں۔" علی کو اپنے سامنے سے ہٹاتی میں اندر کمرے میں آگئی اور دروازہ بند کر لیا۔ وہ ساری رات میں نے رو رو کر گزاری۔ اندازہ ہوا ہر شخص چہرے پر ماسک لیے پھر رہا ہے' ہر چہرے کے اندر ایک نئی کہانی' دکھ اس بات کا تھا کہ شرافت محبت اور بڑے بڑے دعوے کرنے والے عذیر علی کا چہرہ ماسک اترتے ہی اتنا گھناؤنا ہو سکتا تھا' میرے لیے یقین کرنا مشکل تھا' صبح میں اس شخص کا سامنا کیسے کروں گی جسے دیکھنا بھی شاید میرے لیے اب مشکل ترین امر

بن گیا تھا۔ اسی شش و پنج میں مبتلا صبح جب میں باہر نکلی تو علی میرا گھر چھوڑ کر جا چکا تھا اب مجھے دکھ ہوا کہ میں نے رات اسے یہ سب کچھ کیوں کہا مگر ظاہر ہے اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ تھا جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور پھر میں نے ہر ممکن کوشش کی وہ یہاں جائے کم از کم گھر واپس آجائے میں نہیں چاہتی تھی کہ پیدا ہوتے ہی میرا بچہ ایک ٹوٹے ہوئے خاندان کا حصہ بن جائے میں اسے ایک مکمل گھر دینا چاہتی تھی مگر ناکام ہو گئی اور جس دن ابراہیم نے اس دنیا میں آنکھ کھولی میں اسپتال میں تنہا تھی جوہی دی نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ علی کو ڈھونڈ کر میری حالت سے آگاہ کر سکیں مگر افسوس اس کا فون بند تھا وہ اپنا بچہ اور اس کی ماں کو دیکھنے اسپتال بھی نہ آیا البتہ جیسے ہی میں گھر پہنچی' جانے کہاں سے علی میرے دروازے پر آن کھڑا ہوا بالکل ایک اجنبی چہرے کے ساتھ' سفاک لہجہ اور رعونیت بھرے خیالات کے ساتھ میرے سامنے کھڑا علی وہ نہ تھا جسے جاننے کا دعویٰ میں کرتی تھی۔

"میں لندن جا رہا ہوں تمہیں طلاق دے کر لیکن یاد رکھنا واپس آتے ہی میں اپنا بچہ تم سے لے جاؤں گا۔"

شاید وہ ایک مرد تھا اور میرے گھر سے نکالے جانے کی بے عزتی کبھی نہ بھول سکتا تھا' یہ ہی فرق ہوتا ہے عورت اور مرد میں۔ عورت جتنی بار بھی گھر سے نکالی جائے لوٹ کر آنے کے لیے بے تاب ہوتی ہے جہاں کوئی سندیسہ ملا' کوئی راستہ نظر آیا دوڑی چلی آتی جبکہ مرد اسی انا کے ساتھ ساری زندگی گزار دیتا ہے کہ عورت نے اسے اپنے گھر سے نکلنے کا کہہ دیا اور یہ ہی وہ انا تھی جو علی کو جھکنے نہ دے رہی تھی یہاں تک کہ وہ اپنا بچہ دیکھنے بھی اندر نہ آیا جس کا باپ ہونے کا دعویٰ وہ دروازے کے باہر ہی کھڑا کر رہا تھا۔

"تم اندر آؤ علی' اندر آکر بات کرو۔" جوہی دی نے اسے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر راستہ دیا' مگر وہ بنا کوئی جواب دیے دروازے سے ہی واپس چلا گیا اور شاید یہ واحد دن تھا' جب میں جوہی دی کے سامنے اتنا شرمندہ ہوئی کہ رو پڑی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم پچھتاؤ گی' یہ مرد ایسے ہی ہوتے ہیں خود غرض اور مفاد کی خاطر عورت کو قربان کرنے والے۔"

میں نے دیکھا اپنے دعوے کے سچ ثابت ہونے کا غرور ان کے چہرے پر فخر بن کر چھلک رہا تھا' مجھے افسوس ہوا میری سگی بہن میری ماں جائی اس بات پر خوش تھی کہ مجھے ایک مسلمان دھوکا دے گیا اسے شاید اس بات کا افسوس نہ تھا کہ اس دھوکے نے مجھے کتنا توڑا ہے۔ مطلب کہ میرا ان کے سامنے اس طرح رونا دھونا مجھے کمزور ثابت کر گیا میں نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور سیدھی ہو بیٹھی۔

"نہیں دی! مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے یہ میرا مقدر تھا جو میرے اللہ نے اسی طرح لکھا ہو گا اگر وہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا اور اگر ایسا ہوا ہے تو یقیناً" اس میں ضرور میری ہی کوئی بھلائی ہو گی۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" میرے جواب نے جوہی دی کو تپا دیا۔

اور پھر اس رات کے بعد میری زندگی میں آنے والی ایک لمبی جدوجہد' جس میں ابراہیم کی پرورش کے ساتھ ساتھ علی سے مقابلہ کرنا بھی شامل تھا کیونکہ ابراہیم کے حصول کے لیے وہ مجھے بہت عرصہ تک پریشان کرتا رہا میں چاہتی تو پولیس کی مدد سے اسے سیدھا کروا دیتی مگر میں نے ایسا نہ کیا مجھے آج بھی افسوس تھا کہ میں نے اس رات کیوں اسے گھر سے نکلنے کا کہہ دیا کاش میں ایسا نہ کہتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا مگر پھر یہ سوچ کر یہ سب میرے رب کی مرضی ہے خود کو تسلی دے لیتی۔

☆ ☆ ☆

عائشہ کے کہے گئے الفاظ اور یہ دعویٰ کہ گھر اس کا ہے مجھے اس طرح سلگا گئے کہ میں جل کر خاکستر ہو گیا۔ اپنے ہوش و خرد سب کھو بیٹھا اور پھر اسے نیچا دکھانے کی خاطر میں نے بہت محنت کی اور زندگی میں وہ سب

کچھ حاصل کیا جس نے مجھے معاشرے کا ایک معزز
شہری ہونے کا اعزاز بخش دیا لیکن اس جنگ میں میں
نے بہت کچھ کھو بھی دیا جن میں عائشہ اور پھر ابراہیم
بھی شامل تھے ابراہیم کے حصول کی خاطر کی جانے والی
میری ہر کوشش ناکام ہو گئی اور میں اندر ہی اندر ٹوٹ
گیا بظاہر دیکھنے میں میں ایک مضبوط اور کامیاب مرد
تھا مگر میرا اندر کوئی نہ جانتا تھا اور ان ہی دنوں جب میں
ٹوٹ کر بکھرنے ہی والا تھا میری ملاقات فائزہ سے ہو گئی
فائزہ ثناء کی چھوٹی بہن تھی جس سے ہونے والی
اتفاقیہ ملاقات دوستی میں کب تبدیل ہوئی پتا ہی نہ چلا
لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اس نے مجھے ہر مقام پر حوصلہ
بخشا' وہ میرے اندر کا دکھ جان گئی تھی سمجھ گئی تھی کہ
میں بھی مردوں کے اس قبیلے سے ہوں جو عورت کو
ترقی کرتا نہیں دیکھ سکتے خاص طور پر وہ عورت جسے ان
کی بیوی ہونے کا مقام حاصل ہو' میں نے پہلی بار اگر
کسی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھا تو وہ یقیناً" فائزہ
تھی میں نے اسے بتایا کہ مجھے عائشہ سے کس قدر
محبت تھی جو ایک مرد کی مردانگی کی نذر ہو گئی' اس نے
سب کچھ جان کر بھی مجھ سے شادی کی اور کبھی زندگی
میں مجھے عائشہ کا طعنہ نہ دیا اور پھر آہستہ آہستہ میری
زندگی ایک ایسے نہج پر آکر رک گئی جہاں ہر طرف
سکون ہی سکون تھا وہ خود عائشہ سے جاکر ملی' میری
طرف سے معافی مانگی اور اسی کی بدولت ایسا ممکن ہوا
کہ عائشہ ایک دوست کی حیثیت سے مجھ پر اعتبار
کرنے لگی اور اس نے ایک باپ کی حیثیت سے مجھے
ابراہیم سے بھی متعارف کروا دیا جو اب ہر ویک اینڈ
میرے ساتھ گزارتا ہے اور اس کے لیے میں بے حد
ممنون ہوں عائشہ اور فائزہ دو عورتوں کا جن کی دانش
مندی نے باپ بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے
دیا۔

☆ ☆ ☆

میں ہوں فائزہ! علی کی دوسری بیوی اور اس مثلث کا
تیسرا کونا' علی کی کہانی جاننے کے بعد مجھے ہمیشہ علی اور
عائشہ دونوں سے ہی ہمدردی رہی اور میرے خیال میں
اس گھر کے ٹوٹنے میں جہاں علی کا قصور تھا وہاں یقیناً"
عائشہ بھی جذباتیت کا شکار تھی اس وقت علی پر گھریلو
دباؤ بہت زیادہ تھا جس کے باعث یہ سب کچھ ہوا'
بہرحال اب سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ دونوں ہی ایک
دوسرے کی غلطیاں معاف کرکے ایک دوسرے کو کھلے
دل سے اپنا چکے تھے بظاہر ہر معاملہ سیٹ تھا مگر جانے
کیوں آج بھی عائشہ کو دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوتا کہ وہ
علی کی پہلی محبت کا اعزاز اپنے پاس رکھتی ہے اس وجہ
سے میں ایک معمولی سا حسد میرے دل کے کسی نہ
کسی کونے میں موجود مجھے ہمیشہ کلسلاتا رہا اس وقت
تک جب تک وہ فاران سے شادی کرکے عائشہ فاران
نہ بن گئی اور شاید یہ ہی ہم سب کے لیے بہتر تھا محبت
ہم تینوں کے دلوں میں آج بھی موجود تھی مگر اس کی
شکل تبدیل ہو چکی تھی عذیر' فاران سے ملنے کے بعد
کافی مطمئن تھا اور میں ہمیشہ یہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ
تعالیٰ عائشہ کو ایک خوشگوار ازدواجی زندگی عطا فرمائے
اور ہاں کبھی کبھی تو مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے
جب میں اسے خود سے اچھا مسلمان محسوس کرتی ہوں
تو مجھے اندازہ ہوتا ہے مذہب ورثہ نہیں کہ مسلمان کا
بچہ مسلمان ہو' کئی دفعہ عائشہ جیسے لوگوں کو بھی اللہ
تعالیٰ پسند فرما کر اپنے پسندیدہ دین میں داخل کر دیتا ہے
جو ہر آزمائش میں پورے اترتے ہیں' یہ ہی وجہ تھی کہ
علی کے بعد چھ سال تنہا زندگی گزار کر بھی عائشہ ثابت
قدم رہی اور ایک بار بھی مذہب کے معاملے میں تردد کا
شکار نہ ہوئی اور بے شک یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ
مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین انسان بھی
تھی۔

سنیعہ عمیر

فاصلہ طے کرنے کے لیے صحت کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ مسافت کا حقیقی دارومدار ہمت پر ہوتا ہے۔ ہمت ہو تو نیت ایک خودرو پودے کی طرح پروان چڑھ جاتی ہے۔ قبرستان کی طرف بڑھتے ہوئے عبدالقیوم کا ہر قدم اس فلسفے کی توثیق کر رہا تھا۔

پچاسی سالہ لاغر وجود انسولین کے ٹیکوں اور ضرورت سے زیادہ رواں خون کے باعث بے حد بوجھل ہو چکا تھا۔ عام دنوں میں بستر سے بیت الخلا یا باورچی خانے کا فاصلہ بھی ایسا تھکا دینے والا لگتا تھا کہ اس کو منٹوں پر ملتوی کرتے کرتے گھنٹے گزار دیتے۔ مگر جمعے کی نماز کے بعد کے یہ چند قدم جیسے ان کی تمام زندگی کا محور و مرکز تھے۔

ان کی ربڑ کی آرام دہ چپل انہیں پھسلن سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ چیں چیں جیسی آواز پیدا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ان کی لاٹھی کی ٹک ٹک کی آواز مل کر ان کے قدموں کی چاپ بنی ہوئی تھی۔ چیں ٹک چیں ٹک کی آواز تب تک فضا میں بلند ہوتی رہی جب تک وہ اپنی منزل تک پہنچ نہ گئے۔ پہلے انہوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑی شربت کی بوتل زمین پر رکھی، پھر خود بھی ایک پتھر پر براجمان ہو گئے۔

"اپنی زندگی میں میں نے یہی سیکھا ہے کہ انسان کی زندگی بانٹنے کے لیے ہی تخلیق ہوئی ہے۔" انہیں حیرت اس بات کی تھی کہ زندگی اس قدر گہری ہے کہ اتنے سالوں بعد بھی اس کے صفحوں سے کوئی نئی بات سیکھنے کو مل ہی جاتی ہے۔

"یہ بے شمار سانسیں، بے لگام پل اور بے حساب باتیں کسی فرد واحد کے لیے ہو بھی نہیں سکتی ہیں، یہ تو اجتماعی ہوتی ہیں کہ انہیں تقسیم کر کر کے جیا جائے۔ تنہائی تو انہیں کھوکھلا اور بے معنی کر کے جیسے زندگی کا سارا رس چوس لیتی ہے۔" وہ چند پل خاموش ہو کر گہرے سانس لینے لگے۔

تنہائی کا مفہوم زندگی نے انہیں کھول کھول کر سمجھا دیا تھا اور وہ درس اب تک جاری تھا۔ ہندوستان کے ایک پڑھے لکھے گھرانے میں پیدا ہوئے تو ان کی آمد کو گھر کے کھاتے پیتے رتبے کے عین مطابق منایا گیا تھا۔ مگر دودھ چھوٹنے سے پہلے ممتا کی آغوش چھن گئی۔

باپ کی دوسری شادی سے ماں کے وجود سے کسی حد تک شناسائی بھی ہوئی اور بہن کے ساتھ سے بچپن میں کئی اچھی یادیں بانٹنے کو ملیں۔ مگر یہ سلسلہ بھی زیادہ نہ چل سکا اور اس بار بھی موت نے ماں کے وجود کو آلیا۔ چند سال بعد جب گھر میں نئی مالکن کی آمد ہوئی تو وہ اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ اس سے ماں والا رشتہ نہ جوڑ سکے اور عمر میں اتنے ناپختہ تھے کہ دوستی کے تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف سے بھی اجنبیت کا راستہ طے کر کے شناسائی کی طرف بڑھنے کے لیے ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی تو نتیجتاً عبدالقیوم کا گھر ان کے لیے صرف ٹھکانا بننے لگا۔

تب زندگی ایک نئے درس کے ساتھ دروازے پر دستک دینے لگی اور ایک نئی سیکھ عبدالقیوم کے پلے سے بندھی کہ زندگی بانٹنے کے کئی ذرائع ہیں اور انہوں نے علم کے رستے کو چن لیا۔ ہر ایک کتاب کئی لوگوں کے مشاہدے اور تجزیے سموئے ان کے ہاتھوں میں کھلتی تو کئی نئے خیالات اور سوچیں دوستوں کی طرح ان کے اردگرد آبیٹھتیں، حقیقی اور سوتیلے رشتوں کے وہ تمام عمر اس لیے مشکور رہے کہ انہوں نے پڑھائی اور کتاب کے اس تعلق کو بڑھاوا نہیں دیا تو کبھی پابندی بھی نہ لگائی۔

عبدالقیوم سے ڈاکٹر عبدالقیوم ہونے کے چند ہی سال بعد انہیں انگریزوں کے دیس میں نوکری مل گئی۔ فرنگی سرکار تو رخصت ہو چکی تھی مگر ان کا رعب اور حکمرانی اب بھی لوگوں کے ذہن پر حاوی تھا۔ انہیں الوداع کہنے رشتہ داروں کے کئی ایسے ٹولے آئے جن کو انہوں نے زندگی میں پہلی اور آخری بار دیکھا اور سات سمندر پار کر گئے۔

اونچا قد گوری رنگت اور کام پر گرفت نے جلد ہی ان کے قدم جما دیے۔ مگر اجنبی دیس میں تنہائی کی جو بیڑی انہوں نے خوشی سے قدموں میں ڈالی تھی جلد ان کو کاٹنے لگی۔

"ہم ایک ہی اسپتال میں کام کرتے تھے مگر تم پر صحیح معنوں میں میں نے غور تب کیا تھا جب ڈاکٹر بیتھ نے میری توجہ تمہاری جانب مبذول کروائی۔" وہ ایک بار پھر کتبے سے گویا ہوئے جس پر نیلم قیوم درج تھا اور ایک بار پھر —— دل ہی دل میں واقعات دہرانے لگے کیونکہ انہیں یقین تھا۔ کہ ان کی مرحومہ بیگم ان کے دل کا ان کہا حال سن لے گی۔

"آپ دونوں ایک ملک سے ہیں، ایک پیشے سے ہیں مگر ہم زبان ہونے کے باوجود آپ ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہیں۔" ڈاکٹر بیتھ نے کہا تو عبدالقیوم کو لگا وہ ان کے ظاہری خدوخال کا موازنہ کر رہی ہیں، کیونکہ ڈاکٹر نیلم کا قد —— چھوٹا اور رنگت —— پکی تھی۔ مگر ڈاکٹر بیتھ ان کے مزاج کو پرکھ رہی تھیں۔

وہ ایک نسل پہلے سے لندن میں مقیم تھی اس لیے شاید اس ماحول میں رچی بسی تھی۔ خوش مزاجی سے ہر طرف چہکتی پھرتی تھی، جبکہ عبدالقیوم کا رویہ حد سے زیادہ پیشہ وارانہ ہونے کے باعث روکھا اور کھردرا لگتا تھا۔ نیلم میں بے باکی بھی تھی۔ وہ ایک روز بہت استحقاق سے کینٹین میں اپنی لنچ ٹرے اٹھائے عبدالقیوم کے ساتھ آبیٹھی۔

"آپ اس مہینے کے آخر میں میری دو دن ڈیوٹی دے سکتے ہیں؟" اس نے عجلت میں درخواست کی۔

"دراصل میں انڈیا جا رہی ہوں اور مجھے زیادہ چھٹی چاہیے۔ میرا ننھیال تو سارا ادھر ہی ہوتا ہے پر میری دادی انڈیا میں ہیں۔" پندرہ منٹ روانی سے اپنا شجرہ نسب سنا کر اسے خیال آیا کہ جواب تو اس نے دیا ہی نہیں کیا۔

"تو آپ میری ڈیوٹی دے دیں گے ناں؟"

"او کے۔" عبدالقیوم نے عادتاً "مختصر جواب دیا۔

* * *

وہ جیسے خوشی خوشی —— گئی ویسے ہی دمکتی ہوئی

واپس آئی اور آتے ہی عبدالقیوم سے کہہ دیا کہ اب وہ ان کی دو ڈیوٹیاں دے کر ان کے حسن سلوک کا بدلہ دینے کی خواہشمند ہے۔ مگر عبدالقیوم کا معاملہ اور تھا انہیں اپنے کام سے محبت تھی' وہ ان کی تفریح' ساتھی' غم گسار سب کچھ ہی تو تھا اس لیے انہوں نے ایسی کوئی ضرورت نہیں کہہ کر مسکراتے ہوئے پہلو تہی کرلی۔ مگر نیلم کی گردان روز بروز بڑھتی گئی اسے خالی پیلی شکریہ کہنا قبول نہ تھا تو عبدالقیوم نے بے حد سوچ کر نیلم سے بدلے میں گھر کے کھانے کی فرمائش کی۔

دو دن بعد ہی نیلم ٹفن میں دراڑوں والے کوفتے بے رنگ گاجر کا حلوہ لیے آئی تو عبدالقیوم کے لیے تاثرات چھپانا مشکل ہو گیا کہ وہ اسپتال میں جتنی قابل تھی گھریلو امور میں اتنی ہی اناڑی ہے۔

"اس کی صورت پر نہیں سیرت پر جائیں۔" اس نے اطمینان سے کہہ کر کھانا پلیٹ میں نکالا۔ اس کھانے کی سیرت واقعی میں بہت اچھی تھی اس لیے عبدالقیوم کے منہ سے ادا ہونے والا شکریہ سیدھا دل سے نکلا تھا۔

"پھر تم نے معمول ہی بنا لیا تھا۔ ہر مہینے یا پندرہ دن بعد کچھ گھر کا بنا کر لے آتیں۔ کس طرح غیر محسوس طریقے سے میں اپنے ____ خول سے نکلتا گیا۔ لوگوں کی موجودگی میں ہمیں یہ احساس ہی نہ رہتا کہ کب ہم انگریزی چھوڑ کر اپنی زبان میں بات کرنے لگتے اور کتنی دیر کرتے رہتے۔"

ضعیف عبدالقیوم اپنی لاٹھی کی طرح اپنی یادوں کو بھی مضبوطی سے تھامے بیٹھے تھے۔ "اب تو ان میں سے زیادہ تر چیزیں طب نے مجھ پر حرام کردی ہیں۔" انہوں نے بہت افسردگی سے کہا تھا۔

"تمہاری رفاقت کی گولڈن جوبلی حقیقتاً" زندگی کا سنہری دور تھا۔ کام کی مصروفیت' مریضوں کی دعائیں ایک دوسرے کا ساتھ۔ ہم نے خوشیاں بھی بانٹیں اور بے شمار لوگوں کے غم بھی تقسیم کیے' مگر میرے نصیب کی تنہائی کا یہ کیڑا بے اولادی کی صورت تمہاری زندگی کو بھی دیمک بن گیا۔ پھر بھی زندگی نے جتنی اجازت دی ہم خوش رہے۔" وہ ایک بار پھر ایسے مسکرائے جیسے ان کی بیگم ان کے سامنے بیٹھی ہیں اور زمین سے بیگم کی پسندیدہ شربت کی بوتل اٹھا کر لبوں سے لگا دی۔

نوکری سے ریٹائرمنٹ اکثر لوگوں کو زندگی سے فراغت کی طرح سوہان روح لگتی ہے۔ ان دونوں کی بھی تمام قابلیت کو ان کی صحت کے آگے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑے۔ نیلم نے تو گھر کے کاموں اور آس پاس رہنے والی عورتوں سے دوستی کرکے وقت گزاری کے اسباب ڈھونڈ لیے مگر عبدالقیوم گھر کے قیدی بن گئے۔ جس سے وہ نہایت چڑچڑے ہو گئے اور اپنی بے کار زندگی کا سارا غبار ایک روز اٹھ کر بیگم پر نکال دیا۔

"دو دن سے میں سو نہیں سکا۔ اپنا وزن کم کرو' خدا جانے اس عمر میں تم خراٹے کیوں لینے لگی ہو۔" انہوں نے غصے سے پرہیزی ناشتے کی پلیٹ سرکائی۔

"چلو اچھا ہے آپ کی خاموش زندگی میں کوئی تو موسیقی ہو۔" بیگم نے ہنس کر ٹالنا چاہا مگر وہ الٹا ان پر سیخ پا ہو گئے۔

پھر بیگم کی معذرتیں تسلیاں ان کے اکھڑے ہوئے مزاج کو ٹھنڈا کرنے کے بجائے مزید بھڑکا گئیں اور انہوں نے شوہر کے بدلے ہوئے تیور کو دیکھ سر پکڑ لیا۔ اس روز نماز جمعہ میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے جب خون کی گردش دماغ تک پہنچی تو عبدالقیوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور معذرت کے طور پر گھر جاتے ہوئے اپنی بیگم کا مرغوب مشروب لیتے گئے اور اس نیک بخت نے ہنس کر معاف کردیا۔

اگلے جمعے سکے کا دوسرا رخ دیکھنے کو ملا۔ اس بار عبدالقیوم جب نماز کے بعد گھر میں داخل ہوئے تو بیگم سیخ پا ملیں۔

"میرا شربت کہاں ہے؟" اس نے بھنویں چڑھائیں۔

"آج نہیں لایا۔" انہوں نے سالوں بعد اپنی بیگم کو بچوں کی طرح ضد کرتے دیکھا۔

"سانس چڑھ گیا ہے تھوڑا بیٹھ لوں شام میں لے

آؤں گا۔" عبدالقیوم نے اپنی عمر کے حساب سے تادیل پیش کی نگران کی بیگم نے ایک ننھی سی اور شربت کی ایک بوتل کو مسئلہ عظیم بنا کر شوہر کو گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ہانپتے ہوئے عبدالقیوم جب شربت لے کر گھر آئے تو یوں محسوس کر رہے تھے کہ پہاڑ کھود کر آئے ہیں' پھر بیگم کی مسکراہٹ دیکھ معاملہ جانچ گئے۔

وہ ایک حقیری فرمائش کو وجہ بنا کر ان کی بے معنی سی زندگی کو مقصد دے رہی تھیں اور ان کی یہ ترغیب کارگر ثابت ہوئی۔ عبدالقیوم کی ضعیفی جمعہ کے روز چاہ کر بھی ان کی لاچاری نہ بن سکتی کیونکہ تپتی دھوپ ہو یا برفیلی ہوا انہیں بیگم کے لیے شربت لانے جیسا اہم کام ہر صورت کرنا ہوتا تھا اور بیگم کے جانے کے بعد بھی وہ ہر جمعے اپنا وعدہ ضرور پورا کرتے تھے۔

"اب کوئی یادیں بانٹنے کو بھی میسر نہیں' تنہا ہی بیٹھا رات بھر گزرے وقت کے قصے کرید تا رہتا ہوں۔ اب تمہارے خراٹوں کے بغیر نیند جو نہیں آتی۔ تمہاری سہیلی کے بیٹے عارف کو ذمہ داری دی ہے کہ گھر بکوا کر مجھے اولڈ ہوم میں شفٹ کروا دے۔ پر وہ بہت مایوس لوٹا ہے کہتا ہے اولڈ ہوم میں موجود ہر بزرگ یوں لگتا ہے جیسے موت کا انتظار کر رہا ہو۔ آپ وہاں مت جائیں۔" یہ کہہ کر وہ ہنس پڑے۔

"اس کو لگتا ہے میری زندگی میں اس سے بہتر کوئی اور بھی کام ہے' مگر حقیقت ہے اب اتنے بڑے گھر میں تنہا نہیں رہا جاتا کسی ہم سفر کی خواہش نہیں' مگر چند پل بانٹنے والے کی ضرورت بھی ختم نہیں ہوئی۔"

ایک بھرپور زندگی کے خالی اختتام کی مثال بنے انہوں نے اپنی بیگم کو الوداع کہا اور پھر سے چیں ٹک چیں ٹک کی آواز فضا میں بلند ہونے لگی۔

بیرونی دروازے ——— پر پہنچ کر ان کی لاٹھی کے سرے پر لگا ربڑ اتر گیا اور ہر قدم پر لاٹھی سہارے سے زیادہ بوجھ لگنے لگی تو ان کا واپسی کا راستہ مزید طویل ہو گیا۔

"میں آپ کی مدد کر دوں۔" پشت پر ایک دبلا پتلا خستہ حال پاکستانی لڑکا آکھڑا ہوا۔ عبدالقیوم نے مڑ کر دیکھا اس نے ہاتھ میں وہی شربت کی بوتل تھام رکھی تھی جو کچھ دیر پہلے وہ اپنی بیگم کی قبر پر رکھ کر آئے تھے۔

"آج کل ہاتھ بہت تنگ ہے' ہر جمعے یہاں سے گزرتا ہوں تو کوئی میرے نصیب کا شربت چھوڑ جاتا ہے' میں گلا تر کرنا آنکھیں نم کرنے پر ترجیح دیتا ہوں' اس لیے غائبانہ شکریہ کہہ کر اٹھا لیتا ہوں۔" اس نے بوتل جیب میں اٹکائی اور عبدالقیوم کا لاٹھی والا ہاتھ اپنے کندھے پر رکھ کر انہیں سہارا دیا۔

"کیا کرتے ہو؟" عبدالقیوم کو لگا قسمت کچھ اشارہ کر رہی ہے۔

"آیا تو بہت بڑے خواب اور ارادے لے کر تھا' پر ابھی تو پیچھے رہ جانے والے والدین کا سہارا بننے کی تگ و دو ہی کر رہا ہوں' رہنے کا کوئی خاص ٹھکانہ تک نہیں۔"

"تو میرے ساتھ آجاؤ میں بہت عرصے سے تنہا ہوں۔" دل سے آہ جیسی درخواست نکلی۔

"آپ مجھے جانتے بھی نہیں' آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔" لڑکا حیرت زدہ تھا۔

"جو آگے لے کر جانا ہے وہ تو میں سمیٹ چکا ہوں جو ادھر ہی رہ جانا ہے اب اس کی پروا نہیں۔" انہیں واقعی قدم اٹھاتے ہوئے اس کا سہارا بہت غنیمت محسوس ہو رہا تھا۔

"میرے آنے سے آپ کا ناک میں دم ہو جائے گا' میں خراٹے بہت لیتا ہوں۔" اس کی بات پر عبدالقیوم کے قدم لحظ بھر کو رکے پھر سنبھل کر بولے۔

"چلو اچھا ہے' میری خاموش زندگی میں کوئی تو موسیقی ہو گی۔" وہ پھر سے آگے بڑھنے لگے اور اب اس لڑکے کے مردانہ جوتوں کی آواز ان کے قدموں کی چاپ سے مل کر چیں ٹپ چیں ٹپ کی آواز فضا میں بلند کرنے لگی۔

حرا قول

بوجھل آنکھوں اور سن ہوتے دماغ کے ساتھ ایک بار پھر اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ کمرے کے وسط میں رکھے بیڈ کے اوپر بے سدھ پڑی تھی اور وہ اب بھی چہرے پر مکروہ تاثر سجائے غلیظ اور حریص نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جیسے کوئی وحشی جانور اپنے شکار کو بے دم کر کے اس کا فاتحانہ نظروں سے جائزہ لیتا ہے۔ آخری جان لیوا حملہ کرنے سے پہلے۔ ایک بار پھر اس نے اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر اس کی رگوں میں دوڑتے خمار آلود زہر نے اس کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ اسے اس کی خود پر جمی نظروں سے گھن آ رہی تھی۔ وہ جو سمجھتی تھی کہ وہ اس کی دوست ہے، اس کی ہمراز، اس کی غمگسار.... مگر آج اسے اس کی حقیقت پتا چلی تھی۔ سب کو صرف اس کی ایک ہی چیز سے دلچسپی تھی.... "وجود" چاہے وہ اس کی دوست ہو یا اس کا پروفیسر یا پھر شوہر۔

"گھبراؤ نہیں بے بی....! آج رات میں صرف تمہاری چند تصاویر اتاروں گی پورٹ فولیو کے لیے.... سو پر سکون رہو سویٹی۔" اسے اس کی پیار سے بہلاتی

مکمل ناول

پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ بے ہوش ہونے سے پہلے جو آخری احساس تھا وہ اس لڑکی کے ہاتھوں کا اس کے لباس کی طرف بڑھنا تھا۔

☼ ☼ ☼

غصے میں گھر سے نکل کر اب وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اشتعال اور نفرت کا ایک الاؤ تھا جو اس کے دماغ میں جل رہا تھا "اس بدذات لڑکی کا تعلق اس کے ہوس زدہ دوستوں کے ساتھ تھا؟ شکل سے تو کتنی مسکین اور معصوم لگتی تھی وہ۔ نماز' روزے کی پابند... ملانیوں کی طرح ہر وقت بڑی سی چادر اوڑھے ہوئے... ہونہہ منافق...." اس نے تنفر سے سوچا۔ "اور میں جو اس کی طرف متوجہ ہونے لگا تھا شکر ہے کہ اس سے پہلے ہی اصلیت پتا چل گئی مجھے اس بدکردار لڑکی کی... کیسے سب کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی اچھائی کا ڈراما کر کے۔" اس نے زیر لب

اسے گالی دی۔ "مجھ سے بے وفائی کر رہی تھی نا اب دیکھے گی کیا حشر کرتا ہوں میں اس کا۔ کسی کے قابل نہیں چھوڑوں گا میں اسے... بیچ' بدذات..." اس کا دماغ اب تک سلگ رہا تھا۔

چند منٹ بعد اسے موبائل پر ایک کال موصول ہوئی جس میں اسے گھر چلنے کی اطلاع دی جا رہی تھی۔ آنسوؤں سے بھری' دکھ اور شکوے سے لبریز آنکھیں بے اختیار اس کے ذہن کے اسکرین پر ابھری تھیں۔ گاڑی کو گھر جانے والے راستے پر ڈالتے ہوئے وہ اس کے لیے پریشان ہوا تھا جس کو وہ چند منٹ قبل مزہ چکھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ نہیں جانتا تھا اس نے ایسا کیوں کیا؟ بس جب اس نے اسے سب بتایا تو وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔ اسے اتار کر وہ سیدھا یونی گیا تھا۔ وہاں شام تک اس کا انتظار کرنے کے بعد بالآخر جب وہ باہر آیا تو اس نے اس کی گاڑی کا تعاقب کیا اور ایک سنسان روڈ پر اسے روکنے کے بعد اندھا دھند اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اس کے ہاتھ کاٹ دے۔ جس ہاتھ سے اس نے اسے چھوا تھا۔ وہ آنکھیں نکال دے' جن سے اس نے غلیظ نظریں اس کے پاکیزہ وجود پر جمائی تھیں۔ وہ زبان جلا دے' جس سے اس نے وہ گھٹیا باتیں کی تھیں۔ ایک جنون سوار تھا اس کے سر پر... اور اسی جنون کے زیر اثر اس نے پہلے اس کے نیم مردہ وجود کو سڑک کے بائیں طرف بنی گہری کھائی میں پھینکا اور پھر اس کی گاڑی کو بھی گرا دیا' مگر یہ سب کر کے بھی اسے اپنا اشتعال کم ہوتا محسوس نہیں ہوا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ ہمیشہ اس کا سایا بن کر ساتھ ساتھ رہے گا۔

مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد دیکھنا چاہا' مگر کمرے میں پھیلی تیز روشنی اسے آنکھوں میں چبھتی محسوس ہوئی۔ اس نے سرعت سے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر چند لمحوں بعد دوبارہ آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں کو روشنی سے آشنا کرایا۔ اس کے سامنے کا منظر واضح ہوتا چلا گیا۔ وہاں پھول ہی پھول تھے۔ گلاب' آرچڈ' ٹیولپس' للی' ٹیوب روز' ڈیزی' بلوبیل اور بھی نجانے کون کون سے پھول جنہیں وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ مختلف گل دان اور اسٹینڈز پر دھنک رنگ پھول سجے تھے۔ وہ پورا کمرہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ جا بجا گیٹ ویل سون کے کارڈز بھی لگے تھے۔ وہ حیران ہوئی کہ اتنے کارڈز اور پھول اس کے لیے کون لایا ہے؟ جب کہ وہ اس شہر میں صرف چند لوگوں کو جانتی ہے۔ اسی وقت دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ ایک ڈاکٹر اور نرس اور ان کے پیچھے چلتا تھکا تھکا سا وہ شخص....

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" ڈاکٹر نے خوش مزاجی سے پوچھتے ہوئے اس کی نبض چیک کی۔

"ہوں۔" اس نے سر کے اشارے سے ٹھیک

ہونے کا بتایا۔

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ جلدی سے مکمل ٹھیک ہو جاؤ بہت خوار کروالیا تم نے اس بے چارے کو۔" مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک' دو اور اس کی کیفیت کے متعلق سوال پوچھے اور پھر نرس کو دوا کے متعلق مزید ہدایت دے کر کمرے سے باہر نکل گیا جب کہ نرس اس کی فائل کھول کر قدرے دور جا کر کھڑی ہو گئی۔ کچھ سوچ کر وہ تذبذب کے ساتھ آگے بڑھا۔ اسے نزدیک آتا دیکھ کر اس نے چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟" بات تو کہیں سے شروع کرنی ہی تھی پھر اس سے اچھا اور طریقہ کیا ہو سکتا تھا بھلا؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاں ایک آنسو بہت آہستگی سے اس کے گال پر سے پھسل کر تکیے میں جذب ہو گیا جو سامنے کھڑے شخص کی زیرک نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ لب بھینچے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زرد چہرہ لیے وہ بہت نڈھال لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد بڑے سیاہ حلقے بہت نمایاں تھے۔

نقاہت اور کمزوری صاف عیاں تھی چہرے سے۔

"یہ پھول خوب صورت ہیں نا؟ تمہاری صحت پر اچھا اثر پڑے اسی لیے میں نے اسپتال انتظامیہ کی ہزار منت کرنے کے بعد انہیں یہاں سجایا ہے۔" وہ اب بھی امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ ایک بار چاروں طرف نظریں دوڑا کر اس کی کوششوں کو سراہے.... مگر وہاں مکمل لاتعلقی اور گہری چپ تھی۔

نرس جو اپنا کام مکمل کر چکی تھی اب بہت غور سے بیڈ پر لیٹی لڑکی کا سپاٹ چہرہ اور سرد رویہ اور اس آدمی کا تھکا اور بکھرا ہوا انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔ اسے اس وقت وہ لڑکی بہت کٹھور اور سنگ دل لگی تھی۔ اسے افسوس ہوا تھا۔ اس شخص کی پریشانی اور ٹوٹی' بکھری حالت اس نے خود دیکھی تھی جب وہ اسے یہاں لایا تھا اور تب بھی جب وہ ہوش میں آتے ہی چیخنے لگتی۔ وہ گواہ تھی کہ کیسے اس نے ڈاکٹر اور انتظامیہ کی منتیں کر کے اس کے کمرے کو اتنے خوب صورت پھولوں سے مہکایا جن پر اس بے حس لڑکی نے ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری نظر ڈالنا گوارا نہیں کیا تھا۔ خوب صورتی نے اسے کچھ زیادہ ہی بد دماغ اور مغرور بنا دیا ہے۔ شاید... میرے لیے کوئی اتنے دل کش پھول لائے تو میں تو ایک لمحے میں اپنا سارا غصہ بھول جاؤں اور ایک یہ ہے بے وقوف لڑکی... اس نے گہری سانس لے کر سوچا اور فائل رکھ کر باہر چلی گئی۔

"پلیز کچھ تو بولو نا۔" بہت دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد اس نے دھیرے سے کہا۔ اس کے لہجے میں التجا تھی۔

چپ ٹوٹ گئی تھی۔ بالآخر قطعیت سے بولتے ہوئے اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ اس فیصلے نے سامنے کھڑے وجیہہ شخص کے دل کو مٹھی میں جکڑ کر مسلا تھا۔ اس نے کہا بھی تو کیا۔ اس کی اس بات پر وہ دکھ اور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت یو کے کے چوتھے مصروف ترین مانچسٹر

پیکاڈلی اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر بیٹھا آتی جاتی ٹرینوں اور ان میں سے نکلتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ لوگ خوش اور مطمئن تھے، کچھ تھکے ہوئے اور مضمحل اور کچھ ہاتھوں میں بندھی گھڑی کو دیکھتے ہوئے تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی منزل کی طرف گامزن.... اتنے رش کے باوجود وہ خود کو تنہا اور اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جو کبھی بہت سوشل ہوا کرتا تھا آج اس بھیڑ میں اداس اور اجنبی لگ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کسی نے ساری دنیا کو فاسٹ فارورڈ کر دیا ہو.... سب بہت تیزی سے اپنے آغاز سے اختتام کی طرف بڑھ رہے ہوں، مگر صرف اس کو اسٹاپ کہا.... اس کی زندگی، سوچوں اور خوشیوں کو.... اس کی زندگی بھی ان ٹرینوں کی طرح ہو گئی تھی۔ ایک مخصوص راستے پر چلتی ہوئی۔ بظاہر چلتی، پھرتی، سفر کرتی، مگر درحقیقت ایک ہی نقطے کے گرد چکر کاٹتی ہوئی اور شاید اس اسٹیشن کی طرح بھی جہاں پر روز ہزاروں ٹرین اور لوگ آتے جاتے ہیں، مگر یہ صدیوں سے یہیں، ایک ہی مقام پر ٹھہرا ہوا۔

"تو آج ایک ماہ، اکیس دن اور چودہ گھنٹے ہو گئے۔" اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور پھر ایک کے بعد ایک منظر اس کی نظروں کے سامنے آتا رہا جیسے اس کے دماغ نے "فلیش بیک" کا بٹن دبایا ہو۔

کہو وہ دشت کیسا تھا؟
جدھر سب کچھ لٹا آئے
جدھر آنکھیں گنوا آئے
کہا سیلاب جیسا تھا
بہت چاہا کہ بچ نکلیں، مگر سب کچھ بہا آئے....

☼ ☼ ☼

لاؤنج سے آتی بے شمار آوازیں بھی اس کے خوف اور ڈر کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ پچھلے چھ گھنٹوں سے وہ ٹانگوں کے گرد بازو پھیلائے، چہرہ گھٹنوں پر ٹکائے بے آواز رو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں شدتِ غم اور تھکن سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے اپنے ممی، ڈیڈی یاد آ رہے تھے۔ اپنا ہی گھر اسے اجنبی لگ رہا تھا، انجان لوگوں سے بھرا ہوا۔ وہ باہر بیٹھے چہروں میں سے اکثر کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ بہت سے لوگوں کو وہ نہیں پہچانتی تھی۔ وہ سب لوگ باہر بیٹھے اس کے مستقبل کا فیصلہ کر رہے تھے، اس کی مرضی پوچھے اور جانے بغیر.... جب انسان بھری دنیا میں تنہا رہ جاتا ہے.... بے سہارا.... تب ہی اجنبی لوگ آتے ہیں۔ بظاہر مخلص بن کر اور انسان کی زندگی کی ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ وہ بھی تو اکیلی تھی اس دنیا میں، دو ہفتے پہلے ہی اس کے ممی، ڈیڈی کی وفات ہو گئی تھی، ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں۔

"میں تو کہتا ہوں عظیم بھائی کی تجویز سب سے بہتر ہے۔ عدیل سے شادی کر دیتے ہیں اس کی۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے اور اس گھر کو بیچ کر جو رقم آئے گی، وہ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیں گے۔" یہ اس کے کسی دور پار کے چچا کی آواز تھی۔

"لیکن بھائی! عدیل تو پندرہ سال بڑا ہے اس سے، جب کہ نبیہا تو ابھی صرف سترہ سال کی ہے۔" اس کی سگی خالہ سلمیٰ نے اعتراض کیا۔

"تو کیا ہوا مرد کی عمر نہیں دیکھی جاتی بی بی۔ عدیل کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اسی بہانے اسے اولاد اور بچی کو سائبان مل جائے گا۔" ایک عمر رسیدہ خاتون نے تدبر سے کہا۔

"نہیں، لوگ کیا کہیں گے کہ بن ماں باپ کی بچی کو سر سے اتار پھینکا سب نے۔ میں تو کہتی ہوں، کوئی اپنے گھر لے جائے پڑھا لکھا کر رخصتی کر دے مناسب جگہ پر۔" سلمیٰ خالہ نے کہا۔

"ہاں تو بہن! خود لے جاؤ نا آخر کو سگی خالہ ہو۔" بڑی بی نے ہاتھ نچا کے کہا تو اس بات پر خالہ اور خالو دونوں نے پہلو بدلا۔

"میں نبیہا کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کر رہا ہوں میں ابھی اور اسی وقت۔" کب سے خاموش بیٹھے شہریار ماموں نے فیصلہ سنایا۔ ان کی اس بات پر سب حیرت اور تعجب سے انہیں

دیکھنے لگے۔

"شہریار میاں! سوچ لو۔ ساری زندگی کا معاملہ ہے یہ۔ تمہارا بیٹا مان جائے گا؟ بڑا ضدی اور اونچے دماغ والا ہے وہ تو۔" خالو نے پوچھا۔

"وہ میرا کام ہے، آپ بس نکاح کی تیاری کریں۔" شہریار نے مضبوط لہجے میں کہہ کر جیسے بات ہی ختم کردی۔

پھر اسی شام سادگی سے اس کا نکاح شاہ ویز حسن سے ہوگیا تھا۔ روتے، بلکتے، کانپتے ہاتھوں سے اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔ سسکیوں کے درمیان....

☆ ☆ ☆

نبیہا سلمان اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ سترہ سال تک اس نے ماں باپ کا بے تحاشا پیار سمیٹا اور ایک دن وہ منہ کے بل زمین پر گری تھی، جب اس کے ممی، ڈیڈی اسے تنہا چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے تھے۔ اس کے والد کے تو کوئی سگے بہن بھائی نہیں تھے صرف دور پار کے رشتے دار ہی تھے البتہ اس کی ممی کے ایک بھائی اور ایک بہن تھیں۔ سلمٰی خالہ لاہور میں ہی رہتی تھیں، مگر لمبی چوڑی سسرال کے باعث اسے ساتھ نہیں رکھ سکتی تھیں۔ شہریار ماموں سے وہ زندگی میں صرف چار یا پانچ مرتبہ ملی تھی کیوں کہ وہ بہت مصروف رہتے تھے اپنے بزنس کے سلسلے میں۔ ہاں، لیکن وہ جب بھی آتے تھے اس کے لیے بہت سے تحفے لاتے اور محبت سے اسے ساتھ بٹھا کر اس کی پڑھائی کے بارے میں دریافت کرتے۔ بس اس کا اپنے ماموں سے اتنا سا ہی رشتہ تھا۔

نکاح کے چند گھنٹوں کے بعد وہ شہریار کے ساتھ لاہور سے اسلام آباد آگئی تھی۔ سارا راستہ وہ روتی ہوئی آئی تھی۔ شہریار ماموں ہی اسے دلاسے اور تسلی دیتے رہے تھے اور کھانے پینے کا پوچھتے رہے تھے جب کہ شاہ ویز سنجیدگی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"آؤ بیٹے گھر آگیا ہے۔ گھبراؤ نہیں اب یہ آپ کا ہی گھر ہے۔" اپنی سوچوں میں گم وہ اس وقت چونکی جب ماموں نے اسے شفقت سے اترنے کو کہا۔ اسے اپنے سامنے ایک شان دار کوٹھی نظر آئی۔ سفید پتھروں سے بنی، شان اور غرور سے کھڑی پرشکوہ عمارت اسے اپنے قد اور اوقات سے بہت اونچی معلوم ہوئی تھی۔

"ڈیڈ! میں اپنے فرینڈز کے ساتھ جارہا ہوں۔" جیسے ہی وہ گاڑی سے باہر آئی اسے شاہ ویز کی سپاٹ آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ نہیں رہا تھا بلکہ باپ کو اطلاع دے رہا تھا۔

"مگر اندر تو آؤ۔ تھک گئے ہوگے اتنی لمبی ڈرائیو کرکے تھوڑا آرام کرلو پھر چلے جانا۔" شہریار کے لہجے میں نیم رضامندی تھی۔ وہ آج کی تاریخ میں اس سے مزید کوئی بات نہیں منوانا چاہتے تھے۔ اس لیے زیادہ اعتراض نہیں کیا۔ ان کے لیے یہی غنیمت تھا کہ وہ اب تک خاموش رہا تھا۔

"نہیں، سب ویٹ کررہے ہیں میرا۔ آپ نے ایمرجنسی میں بلالیا ورنہ مجھے دو گھنٹے پہلے وہاں پہنچنا تھا۔" سپاٹ لہجے میں بات کرتے آخر میں اس نے تلخی سے انہیں کچھ جتایا۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" انہوں نے گہری سانس لے کر کہا اور نبیہا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"شاہ ویز ولا" جس قدر باہر سے شاندار تھا اسی قدر اندر سے بھی خوب صورت تھا۔ قیمتی اور جدید فرنیچر، منفرد پینٹنگز اور نایاب ڈیکوریشن سے سجا لاؤنج مکینوں کے اعلا ذوق اور نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنا شاندار گھر نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ڈیڈ ایک نجی کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے اور ان کا ایک پوش علاقے میں ذاتی گھر بھی تھا، مگر اس دس مرلے کے گھر کا اس چار کنال کی کوٹھی سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

"میم کہاں ہیں؟" ایک ملازمہ کو آتے دیکھ کر انہوں نے صبیحہ بیگم کے متعلق پوچھا تھا۔

"سر! وہ تو پارٹی میں گئی ہیں۔ ان کا سیل مسلسل

آف ہے' اس لیے آپ کا مسیج انہیں نہیں پہنچ سکا۔"

"تم نے روم صاف کروایا دیا نا؟ چھوٹی بی بی کو روم میں لے جاؤ۔ بیٹے آپ تھک گئی ہوں گی۔ جاؤ شاباش۔ فریش ہولو پھر مل کے کھانا کھاتے ہیں۔"

ملازمہ سے بات کرتے ہوئے انہوں نے اسے یہ باور کروایا کہ ڈری' سہمی کھڑی لڑکی آج سے ان کی "چھوٹی بی بی" ہے۔

نبیہا کو ملازمہ کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ ماں کو بیٹے کے نکاح کی کوئی خبر نہیں۔۔۔ وہ نجانے کس طرح سے قبول کریں گی اس خبر کو۔۔۔ اور شاہ ویز بظاہر تو خاموش ہے' مگر یقیناً" اس کے اندر غصے کے طوفان اٹھ رہے ہوں گے۔ انہوں نے ایک تھکی ہوئی سانس لی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"نبیہا بیٹا! والدین کی کمی کوئی دوسرا رشتہ پورا نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں یہ دکھ بہت بڑا ہے' مگر بیٹے! اب آپ کو حوصلے اور صبر سے حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ سدرہ میری بہت پیاری بہن تھی۔ بس زندگی کے مسائل میں کھو کر مجھے بہت کم موقع ملا لاہور آنے کا۔"

شہریار حسن بہت دکھ سے بول رہے تھے۔ کئی پچھتاوے جھلک رہے تھے ان کے لہجے میں' جب کہ نبیہا آنسوؤں کو پلکوں پر روکتے ہوئے انہیں سن رہی تھی۔

"مگر اب ان شاء اللہ آپ کو کوئی تکلیف یا کمی نہیں ہوگی اس گھر میں' یہ اب آپ کا گھر ہے۔ آپ کا اس پر اتنا ہی حق ہے جتنا باقی سب لوگوں کا۔ میں نے اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کرلی ہے جلد ہی وہ گھر بیچ کر سارے پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائیں گے۔"

ان کی اس بات پر پھر اس کی آنکھیں اشک بار ہوئی تھیں اور وہ ایک بار پھر رونے لگی۔ اس کا وہ پیارا سا گھر جس میں ممی' ڈیڈی کی ان گنت یادیں تھیں اب اس کا نہیں رہے گا۔

"حوصلہ کرو بیٹا! ان دونوں کی اتنی ہی زندگی تھی۔ اللہ کی یہی منشا تھی۔ بیٹا میں آپ کو وہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہاں موجود کوئی ایک شخص بھی آپ سے مخلص نہیں تھا۔ ایک پندرہ سال بڑے شخص سے وہ نکاح پڑھوا رہے تھے آپ کا۔ میں چاہتا تو آپ کو بہو کے بجائے بھانجی کے رشتے سے بھی یہاں لا سکتا تھا' مگر میں جانتا ہوں ان لالچی لوگوں کی فطرت کو۔ آپ کے یہاں آنے کے بعد بھی وہ مجھ پر زور دیتے عدیل سے آپ کی شادی پر۔ اس لیے میں نے اپنی طرف سے آپ کے لیے ایک بہترین فیصلہ کرکے سب کے منہ بند کردیے ہیں۔ میرے لیے میرے بیٹے سے بڑھ کر کوئی قابل اعتبار اور مناسب نہیں تھا آپ کے لیے' لیکن یہ نکاح صرف ایک کاغذی کارروائی تک ہی محدود رہے گا جب تک آپ کی پڑھائی مکمل نہیں ہو جاتی۔ اس لیے اس رشتے کو لے کر پریشان نہ ہونا اور یہاں ایسے ہی رہنا ایک بیٹی بن کر جیسے لاہور میں اپنے ڈیڈی کے گھر رہتی تھیں۔ مجھ سے ویسے ہی فرمائشیں کرنا جیسے اپنے ڈیڈی سے کرتی تھیں۔ آج برسوں بعد میری ایک بیٹی کی خواہش پوری ہوئی ہے تو اب میرا فرض اور آپ کا حق ہے کہ باپ بیٹی کے رشتے کو اس کی پوری خوب صورتی سے نبھائیں؟ کیوں صحیح ہے نا؟" شہریار نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"جی ماموں۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"بھئی' مجھے تو بہت برا لگتا ہے جب کوئی پیاری سی بیٹی مجھے "ماموں" بلاتی ہے۔ ہاں "ڈیڈی" لفظ بڑا اچھا لگتا ہے۔"

"جی ماموں۔۔۔ اوہ سوری۔۔۔ ڈیڈی۔" ان کی مصنوعی گھوری پر نبیہا نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی تھی۔

"چلو اب آپ آرام کرو۔ رات کافی ہوگئی ہے اور

ہاں کل سے سوچنا شروع کردو کہ اے لیولز کا رزلٹ آنے کے بعد کس سبجیکٹ اور یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہے۔" اس کا سر تھپتھپا کر وہ کمرے سے نکل گئے تھے اور نبیہا ان کی باتوں کو ذہن میں دوبارہ دوہرا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نبیہا کے کمرے سے نکل کر جب وہ اپنے کمرے میں آئے تو صبیحہ بیگم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نظر آئی تھیں۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوب صورت تھیں جتنی ستائیس سال پہلے شادی کے وقت تھیں۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا۔ ان دونوں نے ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزاری تھی جو کہ سمجھوتوں سے پاک اور محبت، وفا اور اعتبار سے گندھی ہوئی تھی۔

"آپ نبیہا کے پاس تھے؟ کیسی ہے وہ اب؟ شاک سے باہر آگئی؟ میں بس فریش ہو کر آپ لوگوں کے پاس آنے ہی والی تھی۔" گویا انہیں ملازمہ سے نبیہا کے آنے کا پتا چل گیا تھا۔ چلو ایک مرحلہ تو طے ہوا۔ شہریار نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔ پہلے آپ چینج کرلیجیے، مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ وہ کیا بات ہے۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ نبیہا اب یہاں رہے گی ہمارے ساتھ؟ بالکل رہے، مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ اس کے ماموں کا گھر ہے۔" صبیحہ نے بہت سبھاؤ سے کہا۔

"ماموں کا نہیں یہ اب اس کا اپنا گھر ہے۔"

"ہاں ہاں بالکل۔ وہ یہاں رہے گی مستقل تو اب یہ اس کا بھی گھر ہوا نا۔" صبیحہ نے مسکراتے ہوئے شہریار حسن کی بات کی تائید کی۔

"نہیں، آپ میری بات سمجھ نہیں رہیں۔" شہریار نے کچھ لمحے ان کے چہرے کے اطمینان بھرے تاثرات دیکھے۔ کیا چند لمحوں بعد ان کا چہرہ ایسے ہی پرسکون نظر آئے گا؟

"وہاں حالات کچھ ایسے تھے کہ مجھے آپ کی رائے لیے بغیر ایک فیصلہ کرنا پڑا۔ آپ کا فون مسلسل بند تھا تو۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

"ہاں میں وہ این جی او کی سالانہ میٹنگ میں کافی مصروف رہی آج سارا دن۔" وہ اب شہریار کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے نبیہا کا نکاح شاہ ویز سے کردیا ہے۔" انہوں نے گہری سانس لے کر بتایا۔ صبیحہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے ان کے قریب آئیں۔

"نکاح؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کیسے ممکن ہے؟ مجھ سے پوچھے بغیر بلکہ اطلاع دیے بغیر آپ میرے اکلوتے بیٹے کا نکاح کیسے کرسکتے ہیں؟ اور شاہ ویز وہ کیسے مانا؟" ان کے لہجے میں بے یقینی اور تاسف تھا۔

"میں نے بتایا نا کہ حالات ہی ایسے تھے۔ اس کا نکاح پندرہ سال بڑے عدیل سے کیا جارہا تھا۔ اگر ایسے ہی بغیر نکاح کے میں اسے لے آتا تو تب بھی وہ لوگ اس کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ عدیل اور اس کے باپ کو اچھی طرح جانتا ہوں میں بہت لالچی لوگ ہیں وہ۔ ان کی نظر نبیہا کے گھر پر تھی۔"

"مگر پھر بھی!" وہ لب بھینچ کے انہیں دیکھنے لگیں۔ حیرت اور بے یقینی اتنی شدید تھی کہ ان سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ "کوئی اور راستہ بھی تو ہوگا اور شاہ ویز کیا وہ واقعی راضی تھا نکاح کے لیے؟" صبیحہ کی بات پر انہوں نے بے اختیار اپنی نظریں چرائی تھیں۔

"یعنی آپ نے زبردستی کی ہے اس کے ساتھ؟ شہریار! وہ کبھی قبول نہیں کرے گا اس زبردستی کے بندھن کو۔ آپ جانتے تو ہیں کہ وہ کتنا ضدی ہے، اپنی دھن کا پکا۔ جو بچپن میں بھی ہماری مرضی سے ایک کھلونا نہیں لیتا تھا وہ کیسے آپ کی مرضی کی لڑکی کو قبول کرے گا؟ مجھے شاید کوئی اعتراض نہ ہوتا اس نکاح پر اگر شاہ ویز دل سے راضی ہوتا۔ مجھے اپنے بیٹے کی خوشی اور مرضی ہمیشہ عزیز رہی ہے۔ مگر اب۔" صبیحہ بے یقینی سے اپنے قابل اور ذہین شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

انہیں شہریار کی جذباتیت پر افسوس ہو رہا تھا۔
"شاہ کی فطرت کو دیکھتے ہوئے میں نے کبھی اپنی پسند سے بھولانے کا نہیں سوچا ہمیشہ اس کی پسند کردہ لڑکی کو خوشی سے قبول کرنے کا سوچا ہے میں نے' چاہے وہ کوئی بھی ہو' مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا' کوئی بھی میں آپ کی بھانجی بھی شامل ہے۔ اس لیے میرا نبیہا سے رویہ شاہ ویز کی مرضی پر منحصر ہے۔" اپنی بات مکمل کرکے وہ شہریار کو سوچوں میں غرق چھوڑ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"شاہ ویز ولا" کا ماحول ویسا ہی تھا جیسے اپر کلاس کے گھر ہوا کرتے ہیں۔ اپنی اپنی زندگیوں میں مگن' آزاد' خود مختار لوگ۔

یہاں آنے کی اگلی صبح جب وہ ناشتے کی ٹیبل پر پہلی بار صبیحہ حسن سے ملی تو اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے بے عزت کریں گی اور اسی وقت اسے گھر سے نکال دیں گی مگر شاید وہ واقعی روایتی "مامی" کی طرح نہیں تھیں جو بیٹے کا بھانجی سے نکاح کروانے پر ماموں کو بے عزت اور بھانجی کو بے گھر کرتیں۔ انہوں نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس کے سلام کا جواب دیا تھا اور خیر خیریت پوچھنے کے بعد ممی' ڈیڈی کی تعزیت بھی کی تھی' اور اسے اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنے کی تاکید کی تھی۔ ان کے چہرے پر کہیں بھی غصہ یا نفرت نہیں تھی۔ اسے کافی حیرت ہوئی تھی ان کے رویہ پر' کیونکہ بچپن میں جب بھی وہ ان سے ملی تھی اسے وہ بہت مغرور لگی تھیں۔ ہاں مگر ان کی باوقار شخصیت' اور رکھ رکھاؤ سے ہمیشہ وہ متاثر ہوئی تھی۔

اسے یہاں آئے دس دن ہو گئے تھے۔ ان دس دنوں میں ہی وہ یہاں سے بے زار ہو چکی تھی۔ ہر وقت اسے اپنا گھر یاد آتا تھا۔ وہ زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھی ممی' ڈیڈی کو یاد کرتے ہوئے۔ دن میں گھر پر صرف وہ اور ملازم ہی ہوتے تھے۔ صبیحہ بیگم نے ایک ذمہ دار ہاؤس کیپر کو رکھا ہوا تھا گھر کا سارا انتظام سنبھالنے کے لیے۔ مسز اظہر نے واقعی پورے گھر کو بہت اچھے سے سنبھالا ہوا تھا۔ وہ اکثر سوچتی تھی کہ کیا گھروں کے نظام ایسے بھی چلتے ہیں؟ اس کی ممی ایک ہاؤس وائف تھیں۔ اس نے ہمیشہ انہیں گھر کے ہر مسئلے کے لیے پریشان ہوتے ہی دیکھا تھا۔ صفائی کے لیے ملازمہ تھی مگر کھانا ہمیشہ وہ خود پکاتی تھیں۔ جبکہ یہاں صفائی' کھانا' راشن اور ملازموں' سب کی ذمہ داری مسز اظہر پر تھی۔ اسے حیرت ہوتی کہ سگا رشتہ ہوتے ہوئے بھی ان کے اور ماموں کے طرز زندگی میں کتنا فرق تھا۔ ملازموں کو پتا نہیں اس کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا مگر وہ سب اس کو "نبیہا میم" کہہ کر ہی مخاطب کرتے اور اسے مالکوں کی ہی طرح عزت دیتے۔ اپنا یہ نیا نام اسے بہت عجیب لگتا تھا مگر اس نے کبھی ٹوکا نہیں۔

شاہ ویز کو اس نے آخری بار تب دیکھا تھا جب وہ لاہور سے آکر فوراً" دوستوں کی طرف چلا گیا تھا۔ یہاں آنے کے دو دن کے بعد اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ دوستوں کے ساتھ اسکردو چلا گیا ہے اپنی چھٹیاں انجوائے کرنے۔ دراصل وہ مانچسٹر میں پڑھتا تھا اور اسلام آباد چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔ یہ سب معلومات اسے نوکروں کی زبانی ملی تھیں جو آپس میں "شاہ سر" کو ڈسکس کر رہے تھے' ماموں یا مامی نے کبھی بھی شاہ ویز کا اس کے سامنے ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید ماموں نے ٹھیک کہا تھا کہ ان دونوں کا نکاح فی الوقت ایک کاغذی کارروائی ہے۔ اس نے خود بھی اب تک شاہ ویز اور اپنے رشتے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ ابھی اسے بہت وقت چاہیے تھا اپنے ماں باپ اور گھر سے بچھڑنے کے دکھ سے نکلنے میں۔

☼ ☼ ☼

"ڈیڈ! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔" وہ رات ہی آیا تھا اسکردو سے واپس اور اب باپ کے روبرو تھا' سراپا سوال بن کر۔
"بیٹھو۔" شہریار اور صبیحہ اب اس کی طرف سوالیہ

نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا ان کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"نکاح کے معاملے میں تو آپ نے مجھ سے زبردستی کرلی مگر اب میں چاہوں گا کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ میں اپنی زندگی کو اپنے انداز سے گزارنا چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ نکاح صرف ایک کاغذی کارروائی ہوگی۔" اس نے چند لمحوں کے لیے رک کر ان دونوں کے تاثرات دیکھے۔ "مگر میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ انگلینڈ لے جانا چاہتا ہوں جلد از جلد۔" اس نے دھماکا کیا۔ ان دونوں نے چونک کر بے یقینی سے پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ تو سمجھے تھے کہ وہ کبھی قبول نہیں کرے گا اس رشتے کو مگر۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شاہ ویز؟ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو؟ مگر بیٹا ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے۔ ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتی اور پھر ابھی اس کی پڑھائی بھی مکمل نہیں ہے۔" شہریار حسن نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

"ڈیڈ! یہ سب آپ کو نکاح سے پہلے سوچنا چاہیے تھا اب یہ جواز بالکل بے معنی ہے۔ میں شوہر ہوں اس کا اور حق رکھتا ہوں اسے اپنے ساتھ رکھنے کا' شادی کے بعد میاں بیوی ساتھ ہی رہتے ہیں۔ میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ اور رہا سوال اس کے پڑھنے کا تو وہ وہاں مانچسٹر میں بھی پڑھ سکتی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس نے بڑی مہارت سے ان کے دونوں عذر رد کردیے۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے بیٹا! مگر ابھی تو اس کے والدین کی وفات ہوئی ہے۔ اتنی جلدی وہ کیسے اس رشتے کو قبول کرے گی۔ ذہنی اور جذباتی لحاظ سے وہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہے۔ اسے ابھی ایک جذباتی سہارے کی ضرورت ہے جو اسے جینا سکھادے۔" شہریار حسن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے روکیں اسے رخصتی سے۔ اس کے چہرے پر جو تاثرات تھے ان کو پڑھ کے تو شہریار کو بھی لگا کہ وہ اب اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ ان کی بات سن کر شاہ ویز دھیرے سے مسکرایا کہ جیسے ان کے اس عذر کو بہت انجوائے کیا ہو اس نے۔

"ڈیڈ! اسے وہ جذباتی سہارا میں ہی فراہم کروں گا۔ آخر کو شوہر ہوں میں اس کا' ذمہ داری ہے وہ اب میری۔ آپ بے فکر رہیے بہت جلد وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس کی زندگی بدلے تب ہی وہ اس ٹراما سے باہر آسکے گی۔" اس نے بہت ہی سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ اسے لے جاؤ اپنے ساتھ مگر اس کی پڑھائی اب آپ کی ذمہ داری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس رشتے کو قبول کرلیا ہے۔" صبیحہ بیگم نے شاہ ویز کو اجازت دے دی۔ ان کی اس بات پر شاہ ویز نے خوشی سے جبکہ شہریار نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔

"مگر صبیحہ۔" شہریار کی بات کو صبیحہ بیگم نے کاٹا۔

"مگر کیا شہریار؟ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ وہ قبول کررہا ہے آپ کے اس جذباتی فیصلے کو۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے کہ اس کی کم عمری اور ادھوری تعلیم' یہ سب آپ کو پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ اب جبکہ وہ راضی ہے تو ہمیں بھی اس کی خواہش اور خوشی کو سمجھنا چاہیے جیسے اس نے آپ کی خواہش کا احترام کیا۔"

ماں کی حمایت نے اسے سرشار کردیا۔ شہریار کے پاس اب کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے تم واپس جاتے ہی اس کے پیپرز بننے دے دینا۔ اور ساتھ ہی اس کے ایڈمیشن کے لیے بھی اپلائی کردینا اپنی یونیورسٹی میں ہی۔" انہوں نے اپنی رضامندی دے ہی دی۔ "دیکھو بیٹا اب وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ میری تم سے ریکویسٹ ہے کہ اس کی طرف سے کبھی کوئی کوتاہی نہ کرنا وہ بہت معصوم ہے۔ ابھی وہ کم عمر ہے' اس سے نرمی اور محبت سے پیش آؤ گے تو وہ ہمیشہ تمہاری قدر کرے گی۔"

"آپ بے فکر رہیں ڈیڈ' سب ٹھیک ہوجائے گا۔" کھڑے ہوتے ہوئے اس نے انہیں تسلی دی اور

دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"شہریار! اپنے بیٹے پر یقین رکھیں۔ ان شاء اللہ وہ دونوں ایک اچھی زندگی گزاریں گے ہماری طرح۔ میں خود بات کروں گی نبیہا سے اور پھر ریسپشن کی بھی تو تیاری کرنی ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکریہ صبیحہ! تم نے کھلے دل سے قبول کرلیا میرے اس فیصلے کو، ورنہ اسے یہاں لاتے وقت بہت سے خدشات تھے مجھے۔" ان دونوں کی کامیاب زندگی کا یہی راز تھا۔ ایک دوسرے کی خواہش اور فیصلوں کا احترام۔

☼ ☼ ☼

جب سے اسے پتا چلا تھا کہ وہ واپس آچکا ہے تب سے وہ کمرے میں بند تھی۔ صرف ناشتے کے وقت نیچے جاتی تھی جس وقت وہ سو رہا ہوتا تھا اس لیے ان دونوں کا اب تک سامنا نہیں ہوسکا تھا۔ آج بھی وہ کمرے میں ہی تھی جب کسی نے اندر آنے کی اجازت مانگی تھی۔ اسے لگا کہ کوئی ملازم ہوگا مگر اپنے سامنے صبیحہ مامی کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اتنے دنوں میں آج وہ پہلی مرتبہ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا بیٹا؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"نہیں مامی۔" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں آکے بیٹھو میرے پاس۔ مجھے چند ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔"

"آپ نے مجھے بلالیا ہوتا مامی میں خود آجاتی آپ کے پاس۔" اس نے ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چلو اگلی بار سے ایسا ہی کروں گی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ یہاں دل لگ گیا تمہارا؟ کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟" انہوں نے جیسے تمہید باندھی۔ نبیہا نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"دیکھو بیٹا! میں زیادہ گھما پھرا کر بات کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ دراصل میں نے اور آپ کے ماموں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو شاہ ویز کے ساتھ مانچسٹر بھجوا دیا جائے۔ یہ شاہ ویز کی بھی خواہش ہے۔ آپ جتنی جلدی اپنی نئی زندگی میں قدم رکھو گی اتنی ہی جلدی اس صدمے سے باہر آسکو گی۔ ہم نے شاہ ویز سے بات کرلی ہے وہ آپ کا اپنی ہی یونی میں ایڈمیشن کروادے گا آپ کی مرضی کے کورس میں۔ وہ مانچسٹر میٹروپولیٹن یونیورسٹی سے ماسٹرز کررہا ہے فائن آرٹس میں۔ اس گھر میں لگی پینٹنگز اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ بچپن سے ہی اسے جنون تھا آرٹسٹ بننے کا۔"

ان کی تمام باتوں کو وہ سر جھکا کر سنتی رہی تھی۔ اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر جمی ہوئی تھیں اور پلکیں جھپک جھپک کر وہ آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی۔ ماموں نے تو کہا تھا کہ اس نکاح کو فی الحال بھول جاؤ پھر اب؟

"بیٹا! ہمیں پتا ہے کہ آپ کے لیے اتنی کم عمر میں یہ شادی قبول کرنا مشکل ہوگا مگر تقدیر سے تو کوئی نہیں لڑ سکتا نا۔" وہ صرف ایک بیٹے کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں۔ شاید اگر ان کی اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ نبیہا کے احساسات سمجھ سکتیں۔ مگر شاید نبیہا واقعی بدقسمت تھی جس کو سمجھنے والا کوئی ایک بھی اب ایسا دنیا میں نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

نکاح کے ایک سال اور دو ماہ کے بعد وہ مانچسٹر آہی گئی۔ وہ اس وقت مانچسٹر ایئرپورٹ کی کار پارکنگ میں پچھلے چالیس منٹ سے کھڑی لوگوں کو اپنے پیاروں سے ملتے دیکھ رہی تھی۔ ماموں نے اسے یہی بتایا تھا کہ شاہ ویز پارکنگ میں ہی اسے لینے آئے گا۔ ماموں نے شاہ ویز کا جو نمبر دیا تھا وہ مسلسل بند تھا، وہ پچھلے چالیس منٹ سے ایک ہی جگہ پر ساکت کھڑی تھی۔ پریشانی اور خوف صاف عیاں تھے اس کے چہرے پر۔ وہ اس قدر بے چین تھی کہ اسے اپنے قریب بنے بنچ پر بیٹھنے کا

بھی خیال نہیں آیا۔ بس ایک ہی سوچ تھی اس کے ذہن میں کہ اگر شاہ ویز نہیں آیا تو؟ کیا ہو گا اس کا؟ کیا کرے گی وہ؟ کہاں جائے گی؟

"تو تم یہاں ہو میں کب سے تمہیں دوسری پارکنگ میں ڈھونڈ رہا تھا۔" اسے اپنے دائیں جانب سے مانوس زبان میں اجنبی آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھنے پر اسے لگا کہ اسے سارے جہاں کی خوشیاں مل گئی ہیں۔ اجنبی چہروں کے درمیان جب کوئی شناسا چہرہ نظر آتا ہے تو انسان کے کچھ ایسے ہی تاثرات ہوتے ہیں۔

وہ بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھی تھی۔

"چلو۔" اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا واپسی کے لیے قدم بڑھا چکا تھا۔ نبیہا اپنی بے اختیاری پر تھوڑی خفیف سی ہو گئی۔ وہ بہت تیز تیز چل رہا تھا۔ سامان کی ٹرالی کے ساتھ اتنے رش میں اس کے لیے شاہ ویز کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ دس منٹ چلنے کے بعد بالآخر شاہ ویز ایک گاڑی کے نزدیک رک کر ڈگی کھولنے لگا۔ اور پھر اس کے قریب آنے پر بنا کچھ کہے سامان اندر رکھنے لگا تھا۔

"اب بیٹھو گی یا کوئی خاص انویٹیشن دینا پڑے گا؟" سامان رکھنے کے بعد جب اسے یوں ہی کھڑا دیکھا تو شاہ ویز نے تلخی سے کہا۔ وہ بیٹھنا چاہتی تھی مگر فرنٹ سیٹ پر ایک ماڈرن سی لڑکی کو دیکھ کر اس کے قدم وہیں جم گئے تھے۔ کچھ کہے بنا وہ آہستہ سے پچھلا دروازہ کھول کر سمٹ کر بیٹھ گئی جبکہ شاہ ویز اس سے پہلے ہی ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ چکا تھا یہ دیکھے بغیر کہ وہ بیٹھی بھی ہے یا نہیں۔

گاڑی اب ہوا سے باتیں کرتی ہوئی شہر کی مصروف ترین سڑکوں پر سے گزر رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں کسی دوسری زبان میں بات کر رہے تھے۔ ان کی باتیں تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں ہاں انداز سے ان کی بے تکلفی صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ نبیہا خاموشی سے شیشے کے اس پار بنی عمارتوں کو دھندلی نظروں سے دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وہ اب تک بے یقین تھی کہ کوئی اتنا بھی بے حس اور غیر ذمہ دار ہو سکتا ہے بھلا؟ مانچسٹر آنے کے چند ہی گھنٹوں بعد وہ اسے ایک شاندار بنگلے میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا صرف یہ بتا کر کہ وہ جا رہا ہے کسی کام سے۔ واپسی کا کوئی ذکر اس نے نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی نبیہا کو اس کے کمرے کے متعلق بتایا۔ اس کا سامان پہنچانے وہ اندر آیا تھا صرف پانچ منٹ کے لیے۔ اسے گئے ہوئے تین گھنٹے ہونے والے تھے اور اب تک وہ اسی حالت میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی گم صم۔ شدید بھوک کے باوجود بھی اسے کچھ کھانے کا خیال نہیں آیا۔

ایسی بے اعتنائی اور لاتعلقی کا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس کا یہ رویہ دیکھتے ہوئے وہ ماموں کی دی ہوئی تمام خوش فہمیوں کو بھول چکی تھی۔ انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ مرضی اور خوشی سے اسے اپنے پاس بلا رہا ہے؟ تو پھر یہ رویہ؟ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب تک جو بھی اس کی زندگی میں ہوا تھا وہ سب اتنا بھی برا نہیں تھا جتنا اب وہ شخص اس کے ساتھ کرنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

اندر داخل ہونے پر اندھیرے اور خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس نے بڑھ کر لاؤنج کی تمام لائٹس آن کیں۔ وہ اسے صوفے پر سوئی ہوئی نظر آئی تھی۔ اس کا سامان بھی اب تک ویسے ہی رکھا تھا جیسا وہ آٹھ گھنٹے پہلے رکھ کر گیا تھا۔ تیز روشنی نے اسے نیند سے جگایا تھا اور اب وہ ناسمجھی سے اپنے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی جیسے اسے پتا نہ ہو کہ وہ کہاں ہے پھر اس کی نگاہ شاہ ویز پر پڑی تھی اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے سب کچھ یاد آ گیا کہ وہ کہاں اور کیوں ہے؟

"یہ سامان اب تک یہاں کیا کر رہا ہے؟ مجھے اپنے گھر میں بے ترتیبی بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ اٹھاؤ اپنے بیگز اور کچن کے ساتھ والے روم میں رکھو۔"

اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"رکو' پہلے چند ضروری باتیں سن لو۔" ابھی وہ بیگز اٹھا ہی رہی تھی کہ اس نے روکا' سوالیہ نظروں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے اندر اگر ذرا سی بھی خوش فہمی ہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی مان کر یہاں بلایا ہے تو یہ تمہاری بھول ہے' مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے تم میں۔ یہاں صرف میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے تاکہ تمہیں پتا چلے کہ زبردستی کسی کی زندگی میں گھسنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اس کا انداز بہت ہی ہتک آمیز تھا' وہ چلا نہیں رہا تھا بلکہ نہایت پرسکون اور سرد لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"ویسے تو میرا تمہیں پڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر ڈیڈ سے وعدہ کرلیا تھا اور میں اپنے الفاظ سے پھرنے والا آدمی نہیں ہوں۔ میرے سامنے کم سے کم آنا کیونکہ تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے مجھے اور یہاں تم اپنے خرچے پر رہوگی۔ مجھ سے کوئی امید مت رکھنا۔ ڈیڈ نے بتایا تھا کہ تمہارے اکاؤنٹ میں انہوں نے اچھی خاصی رقم جمع کروادی ہے۔ اس لیے اپنی کسی بھی ضرورت کے لیے میری طرف مت دیکھنا اور آج سے اس گھر کا کام تمہیں ہی دیکھنا ہے۔ میڈ کو فارغ کرچکا ہوں میں۔ کھانا' صفائی' گروسری۔ لانڈری یہ سب اب تمہاری ذمہ داری ہے' آخر کو بیوی جو ہو۔"

اس نے "بیوی" پر زور دیتے ہوئے طنز کیا۔

"اور ہاں مجھے اپنی بات دوہرانے کی عادت نہیں ہے۔ میرے سامنے اپنی زبان بند رکھنا۔ میرے کہے پر چپ چاپ عمل کروگی تو یہ سزا تھوڑی آسان ہوگی تمہاری لیے۔ اب جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر چپ چاپ سنتی رہی اور چپ چاپ ہی اس کے بتائے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اسے یہاں آئے ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہوچکا تھا۔ اور ان دنوں میں اس نے نبیہا کی بے عزتی اور اس پر طنز کرنے کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی تھی۔

شاہ ویز حسن باہر سے جتنا ہینڈسم اور خوب صورت تھا اندر سے اتنا ہی بدصورت اور تلخ تھا۔ اپنی بے انتہا دولت' ذہانت اور شاندار پرسنالٹی کا اسے مکمل ادراک تھا اور وہ انہیں کیش کروانے کا فن بھی بخوبی جانتا تھا۔ جب پہلی بار وہ کسی لڑکی کو ساتھ گھر لایا تھا تو ان دونوں کو نشے کی حالت میں' لاؤنج میں بیٹھے ایک دوسرے میں گم دیکھ کر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھاگ جائے کہیں جہاں اسے یہ سب نہ دیکھنا پڑے۔ اس کی اصلیت جان کر نبیہا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔

ہر رات وہ کسی نئی لڑکی کو ساتھ لاتا تھا اور پھر جان بوجھ کر نبیہا کو اذیت دینے کے لیے اس سے کام کرواتا۔ اکثر اس کے گھٹیا دوست وہاں آجاتے تھے پارٹی کرنے کے لیے' اس وقت وہ اپنے کمرے میں بند رہتی صبح تک کیونکہ ان لوگوں کی نظروں سے اسے خوف آتا تھا۔ اس نے نبیہا کا تعارف اپنی کزن کی حیثیت سے کروایا تھا جو یہاں پڑھنے کی غرض سے آئی ہوئی تھی۔

یہاں آنے کے بعد اس نے اسے ماموں سے رابطہ کرنے سے منع کردیا تھا اور جب ایک بار اس کی غیر موجودگی میں اس نے پاکستان کال کی تو پتا چلنے پر اس نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ ایسی اذیت آمیز زندگی کا اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ وہ اٹھارہ سال کی نازک سی لڑکی اندر ہی اندر ٹوٹ رہی تھی۔ کئی کئی دن وہ اپنی ہی آواز سنے بغیر گزار دیتی تھی۔

اسے کھانا بنانا نہیں آتا تھا' مگر یہاں انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جب پہلی بار اس نے سالن کے ساتھ چپاتی بنائی تو سالن میں نمک تھوڑا زیادہ ہوگیا اور چپاتی کے عجیب و غریب نقشے بنے۔ پہلا ہی نوالہ لے کر شاہ ویز کا پارہ ہائی ہوگیا تھا اور اس نے بہت ڈانٹا تھا اسے یہ کہہ کر کہ رونے کے بجائے اگر تھوڑا دھیان پکانے پر دیا ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

پھر وہ روز اسے نئی نئی ڈشز بنانے کو کہتا اور وہ

انٹرنیٹ سے ریسیپی ڈھونڈ ڈھانڈ کر محنت سے تیار کرتی اور آخر میں وہ ''بکواس'' کہہ کر کھانے سے انکار کر دیتا۔

پچھلے ہفتے وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ پارٹی میں لے گیا تھا۔ نجانے کیوں؟ جانے سے پہلے وہ سوچتی رہی تھی اور وہاں پہنچ کر اسے اس کا مقصد سمجھ میں آگیا تھا۔ اسے اس کی اوقات بتانا......

وہ گھر اس وقت ڈانس کلب کا سا منظر پیش کر رہا تھا...... لاؤنج میں بجتا بے ہنگم راک میوزک...... جلتی، بجھتی ڈسکو لائٹس...... اور نشے میں چور، ناچتے گاتے لڑکے، لڑکیاں، صحیح اور غلط کا فرق بھولے ہوئے...... ہوش و خرد سے بے گانہ...... پورے گھر میں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا سوائے ایک کمرے کے جہاں اندھیرے میں کسی کی دبی دبی سسکیاں ابھر رہی تھیں......

وہ سر شام ہی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی کہ آج پھر شاہ ویز کے دوستوں نے آنا تھا۔ اپنے لیے کوئی مصروفیت تلاش کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی شاہ ویز نے اس کا نام پکارا تو چار و ناچار اسے کھولنا پڑا۔

''کیا کر رہی تھیں؟ اتنی دیر بعد کیوں دروازہ کھولا؟'' اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''کچھ...... کچھ نہیں۔'' اس کے ماتھے پر بل دیکھ کر نبیہا کی جان نکل جاتی تھی۔

''میرے دوست آچکے ہیں اور پارٹی شروع ہو چکی ہے اور تم اب تک یہاں ہو؟ میرے دوستوں کی میزبانی کون کرے گا؟ ہاں؟ شاید تمہیں یاد نہیں کہ میں نے کہا تھا کہ اب سارے گھر کی ذمہ داری تم پر ہے۔ چلو باہر آؤ اور سب کو اسنیکس اور ڈرنکس سرو کرو۔'' شاہ ویز نے اسے شاید اپنی میڈ ہی سمجھ لیا تھا۔ جو کام پہلے میڈ کرتی تھی وہ اب سب نبیہا کے ذمہ تھا۔

''اچھا آتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی...... میرے خدایہ کس آزمائش میں ڈال دیا ہے تو نے...... اس نے تھک کر سوچا اور اچھی طرح چادر اپنے گرد لپیٹ کر باہر آگئی۔ وہاں سب آپس میں مگن تھے کسی نے اس کے حلیے پر خاص توجہ نہیں دی کیوں کہ شاہ ویز کی اس ''مذہبی'' کزن سے سب ہی واقف تھے جو کہ ایک ''بنیاد پرست'' تھی......

''ہیلو بے بی!'' جب وہ ڈرنکس سرو کر رہی تھی تو ایک لڑکے نے آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا...... گلاس کی طرف بڑھتے ہاتھ کو اچانک اس نے نبیہا کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ٹرے اس کے ہاتھوں میں لرزی اور اگلے لمحے زمین بوس ہو گئی......

''احمق لڑکی!...... یہ کیا کیا ہے تم نے؟'' وہ ابھی سنبھلنے کی کوشش کر رہی تھی کہ پیچھے سے آکر اس کا بازو پکڑ کر ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا...... اس کا توازن بگڑا اور اگلے لمحے وہ فرش پر تھی...... درد کی ایک شدید لہر بجلی بن کر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

''ایک کام کہا تھا وہ بھی ڈھنگ سے نہیں ہو سکا تم سے۔ مہمانوں کے سامنے ذلیل کر دیا ہے تم نے مجھے۔'' ایک زبردست ٹھوکر لگی تھی اس کے بازو پر...... اب اسے کون بتا تا کہ کون کس کو ذلیل کر رہا تھا دنیا کے سامنے......

''اب یہ رونا دھونا شروع کر کے مزید برباد مت کرو پارٹی کو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' اب کی بار ٹھوکر ٹرے کو ماری گئی تھی جو اس کے سر پر آکر لگی تھی۔

پھر پتا نہیں کیسے وہ اپنے زخمی وجود اور زخمی روح کو گھسیٹ کر کمرے تک لائی تھی...... تب سے اب تک وہ گم صم بیٹھی تھی...... اسے اپنے ہاتھوں سے رستے خون اور سر سے اٹھتی ٹیسوں کی کوئی پروا نہیں تھی...... یہ زخم اس گھاؤ سے کم ہی تھے جو اس کی روح کو لگایا گیا تھا۔

''میرے اللہ مجھے موت دے دے...... اس اذیت بھری زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی اپنی بے بسی پر۔

☆ ☆ ☆

آج یونی میں اس کا پہلا دن تھا۔ پچھلے دو ہفتے اس

نے یہاں کے راستوں کو سمجھنے میں گزارے تھے اور ساتھ ساتھ یونی کے لیے ضروری چیزیں بھی خریدی تھیں۔ ان کا گھر پریسٹوچ ٹاؤن میں اور رچ ہل روڈ پر تھا اور یہاں سے مانچسٹر میٹروپولیٹن یونیورسٹی بیس منٹ کی ڈرائیو پر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شاہ ویز کبھی بھی اسے اپنے ساتھ گاڑی پر نہیں لے کر جائے گا اس لیے اس نے یہاں کے سب وے روٹس کو بھی ذہن نشین کر لیا تھا جس کے ذریعے اب اسے یونی جانا تھا۔ ایک بار وہ سب وے سے یونی بھی ہو آئی تھی اور اپنا ڈیپارٹمنٹ بھی دیکھ لیا تھا کہ پہلے دن اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔ اپنے لیے کپڑے، جوتے، کتابیں، لیپ ٹاپ وغیرہ خریدتے ہوئے اسے ممی، ڈیڈی یاد آئے تھے وہی پہلے اس کے لیے شاپنگ کیا کرتے تھے۔ اسے اپنے اوپر حیرت ہوتی کہ اتنا اعتماد اس میں کہاں سے آ گیا کہ وہ تنہا یہ سب کر رہی ہے، اتنے اعتماد سے ہر جگہ جا رہی ہے۔ وہ تو بہت ڈرپوک اور بزدل ہوا کرتی تھی پھر اب اتنا بدلاؤ کیسے؟ ہاں وقت بہت بڑا استاد ہے... سب سبق پڑھا دیتا ہے...

صبح یونی جانے سے پہلے اس نے شاہ ویز اور اپنے لیے ناشتا بنایا تھا۔ وہ اٹھ چکا تھا اور اب جاگنگ سے آ کر ریلیکس انداز میں کچن ٹیبل پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ٹائم کو دیکھتے ہوئے اس نے تیزی سے ناشتا کرنے کا سوچا۔ مگر دو چار نوالوں کے بعد مزید نہیں کھایا گیا اس سے... اچانک اسے اپنے کالج کا پہلا دن یاد آیا تھا جب ڈیڈی اسے چھوڑنے جا رہے تھے کالج اور ممی کو فکر تھی کہ وہ ناشتا تو ڈھنگ سے کر لے... اور آج یونی کے پہلے دن وہ کتنی تنہا تھی... اس کے گالوں پر آنسوؤں کی نمی کو شاہ ویز نے بڑے تعجب سے دیکھا تھا... ابھی چند لمحے پہلے تو ٹھیک تھی... اب کیا ہوا؟

"صبح صبح ہی رو کر نحوست پھیلا رہی ہو تم۔" اس کے ترش لہجے پر نبیہا نے گہرا سانس لے کر اپنے اندر کے غبار کو دبایا اور آنسو صاف کر کے سلائس ختم کرنے لگی۔

"جاؤ گی کیسے؟" شاہ ویز نے بے اختیار ہی سرسری لہجے میں پوچھا تھا۔

"سب وے سے۔" اس نے دھیمی آواز میں بتایا۔

"سب وے کا روٹ پتا ہے؟" کیا واقعی اسے پریشانی تھی کہ وہ کیسے پہنچے گی یونی؟

"جی ایک بار جا چکی ہوں میں۔" ناشتا ختم کرتے ہوئے اس نے بتایا اور بیگ اٹھا کر باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ سوچ رہا تھا کہ پہلے دن تو اسے ساتھ جانا چاہیے تھا۔ پتا نہیں ڈیپارٹمنٹ کا راستا پتا بھی ہے اسے یا نہیں... خیر میری بلا سے... جہنم میں جائے میرے سر سے تو بلا ٹلے گی... اپنی سوچ پر لعنت بھیجتے ہوئے وہ اگلے لمحے اس "بلا" کے ہاتھ کا بنایا ہوا ناشتا بڑی رغبت سے کھا رہا تھا جس کو جہنم میں بھیجنے کی خواہش تھی اسے...

☼ ☼ ☼

اس کی زندگی کا دائرہ گھر اور یونی کے گرد گھومتا تھا۔ شاہ ویز کا بھی فائنل سمسٹر تھا اس لیے وہ بھی بہت مصروف رہتا تھا اپنے پراجیکٹس اور پھر اس سے بچ جانے والے ٹائم میں گرل فرینڈز کے ساتھ۔ کئی بار ان دونوں کا یونی میں آتے جاتے سامنا بھی ہوا، مگر وہ اسے اگنور کر کے آگے بڑھ جاتا۔ وہ گرافکس ڈیزائن میں آنرز کر رہی تھی جبکہ شاہ ویز فائن آرٹس میں ماسٹرز کر رہا تھا۔ ان دونوں کے ڈیپارٹمنٹس الگ تھے، مگر یہ دونوں ڈیپارٹمنٹس، مانچسٹر اسکول آف آرٹس کے اندر ہی تھے۔ دونوں ڈیپارٹمنٹس کی بلڈنگز نزدیک ہی تھیں اس لیے دن میں ایک دو بار تو سامنا ہو ہی جاتا۔ وہ ہر دفعہ اسے کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ ہی نظر آیا تھا۔

وہ کافی حد تک وہاں ایڈجسٹ کر چکی تھی، مگر اب بھی اس کی کوئی دوست نہیں بن سکی تھی۔ دوست بنانا اسے ہمیشہ ہی بہت مشکل لگتا تھا۔ کسی نے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا تو ٹھیک، ورنہ وہ خود کبھی پہل نہیں کرتی تھی۔ اس لیے اب تک وہ تنہا ہی گھومتی تھی۔ کیفے میں اکیلے بیٹھ کر کھانا اسے بڑا عجیب لگتا تھا اس لیے وہ وہاں بھی کم ہی جاتی۔ اور گھر سے ہی کچھ نہ کچھ لے

آتی اپنے لیے۔ دن کے تمام لیکچرز لینے کے بعد وہ آل سینٹس پارک جو کہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کے نزدیک ہی تھا' میں بیٹھ کر تمام لیکچرز دہراتی تھی' اسائنمنٹس بناتی اور کوئز کی تیاری کرتی کیونکہ گھر جاکر اسے صفائی کے ساتھ ساتھ رات کا کھانا بنانا ہوتا تھا اس لیے گھر پر اسے بالکل وقت نہیں ملتا تھا پڑھنے کا۔ وہ بہت لگن اور محنت سے پڑھ رہی تھی تاکہ جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر اپنا خرچا خود اٹھائے۔ آخر ماموں کا دیا ہوا پیسہ اور مکان کو بیچ کر ملی رقم کب تک کام آنی تھی؟

اس کی شخصیت میں ایک اور واضح تبدیلی پردہ کرنا تھا۔ گھر پر بھی وہ ہمیشہ ایک بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ پہلے پہل حجاب اس نے شاہ ویز کے دوستوں کی نظروں سے بچنے کے لیے لینا شروع کیا تھا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی اتنی عادی ہو گئی کہ اب ہر وقت وہ چادر میں ہی نظر آتی۔ اس بات کی اسے خوشی تھی کہ شاہ ویز نے بھی اس کے پردے یا چادر لینے پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

☆ ☆ ☆
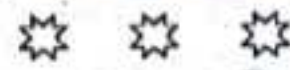
آج ویک اینڈ تھا سو وہ گھر پر بور ہو رہی تھی۔ شاہ ویز دوستوں کے ساتھ دو دن کے لیے "کہیں" گیا ہوا تھا.... اس لیے راوی نے چین ہی چین لکھا تھا۔ شام میں اس نے باہر جانے کا سوچا... ایسے موقعے اسے کم ہی ملتے تھے۔

موسم بدل رہا تھا اس لیے شامیں اب ٹھنڈی ہونے لگی تھیں۔ شال کو اچھی طرح سے اپنے گرد لپیٹ کر وہ گھر سے باہر آ گئی۔ کچھ دیر چہل قدمی کرنے کے بعد اس نے قریب واقع ہیٹن پارک جانے کا ارادہ کیا۔ پارک کی جو جگہ اسے سب سے زیادہ دلچسپ لگی وہ وہاں کی ہری بھری نرسریز اور خوب صورت باغات تھے۔ ہر رنگ و نسل کے نایاب پھولوں اور پودوں سے سجے باغات کو دیکھ کر اسے بے ساختہ "فیئری لینڈ" یاد آیا تھا۔ پارک میں موجود پرسکون جھیل کے کنارے رکھے بنچ پر بیٹھے ہوئے بطخوں اور کبوتروں کے غول کو دیکھتی رہی تھی۔ ایک لڑکی نے اس کے برابر بیٹھنے کی اجازت مانگی تھی۔

"میرا نام مارٹن ہے اور تمہارا؟" بیٹھتے ساتھ ہی اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"نبیہا۔"

"کافی دیر سے میں تمہیں یہاں تنہا بیٹھا دیکھ رہی تھی تو بس بے اختیار میرا دل چاہا تم سے بات کرنے کو۔" نبیہا نے کوئی جواب نہیں دیا بس مسکرا دی۔

"میں ریڈ کلف ٹاؤن میں رہتی ہوں۔ اکثر یہاں آتی رہتی ہوں۔ میں نے تمہیں پہلے یہاں نہیں دیکھا کبھی۔ تم ایشین ہو نا؟" وہ بہت ہی باتونی اور زندہ دل لڑکی لگ رہی تھی۔

"ہاں۔ میں کچھ ہی عرصہ پہلے پاکستان سے آئی ہوں مانچسٹر میٹروپولیٹن یونیورسٹی سے آنرز کی ڈگری لینے۔ یہاں پریسٹوچ ٹاؤن میں رہتی ہوں۔" نبیہا نے بھی اپنا تفصیلی تعارف کرایا۔

"آہاں مطلب یہاں اکیلی رہتی ہو؟" مارٹن کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ نجانے کیوں وہ شاہ ویز کا ذکر نہ کر سکی....

"تم بہت خوب صورت ہو۔" چند منٹ اسے غور سے دیکھنے کے بعد مارٹن بولی۔ اسے مارٹن کا لہجہ عجیب سا لگا... وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

چند ہی منٹ میں اس نے نبیہا سے دوستی اور دوبارہ پارک آنے کا وعدہ بھی لے لیا اور ساتھ ساتھ فون نمبر کا تبادلہ بھی ہو گیا تھا۔ اس نے چند ابتدائی باتوں کے بعد نبیہا کے بارے میں زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی بس سارا وقت اپنے متعلق ہی بات کرتی رہی تھی۔ یہ مارٹن سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اسائنمنٹ بنا رہی تھی۔ کل جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی اور اس نے اب تک اسائنمنٹ مکمل نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ کافی پریشان تھی' کیوں کہ بظاہر آسان لگنے والی چیز حقیقت

میں کافی مشکل ثابت ہو رہی تھی۔ وہ جلد از جلد کام مکمل کرنا چاہتی تھی کہ اب اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ ابھی وہ سر درد کی دوا کھا کر دوبارہ کام شروع کرنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے لاؤنج میں کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔ یقیناً ”شاہ ویز یا اس کی گرل فرینڈ نے نشے کی حالت میں کچن میں کچھ توڑا ہو گا کہ یہ روز کا ہی معمول تھا ان کا۔۔۔ اس لیے اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا‘ مگر جب کسی لڑکی کے زور زور سے بولنے کی آواز آئی تو اسے باہر جانا ہی پڑا۔ وہ لڑکی نشے میں دھت لاؤنج میں توڑ پھوڑ کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ شاہ ویز کو غلیظ گالیاں بھی دے رہی تھی۔

”وہ مر رہا ہے تمہارے لیے۔۔۔“

نبیہا کو دیکھ کر وہ کافی کچھ بڑبڑائی تھی‘ مگر شور کی وجہ سے اس کا بس یہی جملہ اس کی سمجھ میں آسکا تھا۔ پھر وہ دروازے کو زوردار دھماکے سے بند کر کے وہاں سے چلی گئی تھی۔ لاؤنج کی ابتر حالت دیکھ کر اسے بہت غصہ آیا تھا۔ اب یہ سب کچھ اسے ہی ٹھیک کرنا تھا اگر نہ کیا تو صبح شاہ ویز کی صلواتیں یقینی تھیں۔ ابھی اسائنمنٹ بھی مکمل کرنی ہے۔۔۔ اللہ میں کیا کروں۔۔۔

وہ پریشان ہوئی۔ پھر اسے خیال آیا کہ کیوں نہ شاہ ویز سے درخواست کی جائے کہ ابھی اسائنمنٹ بنالے‘ یہاں کی صفائی وہ صبح کر لے گی۔ کیوں کہ اگر ابھی وہ باہر آگیا تو بکھرے ہوئے لاؤنج کو دیکھ کر وہ اسے مارنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔۔۔ ہاں وہ ایسا ہی تھا۔۔۔ کبھی بھی کسی بھی بات پر اسے غصہ آجاتا تھا اور نبیہا میں اب حوصلہ نہیں تھا اس کے ہاتھوں پٹنے کا۔ بہت بار وہ اس کی عزت نفس کو کچل چکا تھا۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ صفائی کی غرض سے وہ بہت بار یہاں آچکی تھی‘ مگر ہمیشہ اس کی غیر موجودگی میں۔ وہ بیڈ پر آڑا ترچھا پڑا نیم غنودگی میں تھا۔ دو تین بار آواز دینے پر بھی جب وہ متوجہ نہیں ہوا تو نبیہا کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ ڈرتے ڈرتے وہ اس کے نزدیک آئی اور اس کا بازو ہلکا سا جھنجوڑا۔ اگر واقعی وہ سو رہا تھا تو اس طرح نیند سے جگانے پر نبیہا کی شامت پکی تھی۔

اسے اس کا بازو جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ بے اختیار اس نے شاہ ویز کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ بخار میں تپ رہا تھا۔ اور شاید شدید بخار کی وجہ سے ہی غنودگی طاری تھی اس پر۔ اسے اتنے تیز بخار میں جلتے دیکھ کر وہ پریشان ہوئی تھی۔

سب سے پہلے تو اس نے کھینچ کھانچ کر کسی طرح اسے سیدھا کیا تھا۔ پھر کمرے کی کھڑکیوں اور بالکنی کے دروازے کو بند کیا تھا جہاں سے اچھی خاصی ٹھنڈی ہوا آرہی تھی‘ یہ سب کرنے کے بعد وہ سوچ رہی تھی کہ اب اس کا بخار کیسے کم کیا جائے؟ ہمت کر کے اس نے اسے جگا کر دوا کھلانے کا فیصلہ کیا۔

”شاہ ویز پلیز اٹھیں‘ دوا کھالیں ورنہ صبح تک بخار اور بڑھ جائے گا۔“

”تم جاؤ یہاں سے‘ مجھے نہیں کھانی کوئی دوا۔ روز مجھے تنگ کرنے آجاتی ہو۔ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔“

نجانے کتنی آوازوں کے بعد اس نے جھنجلا کر تلخی سے کہا تھا۔ بخار کی حالت میں بھی اس نے غصہ نکالا۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کا جی چاہا کہ اس پر لعنت بھیجے اور چلی جائے‘ مگر پھر اس کے حساس دل نے اجازت نہیں دی۔

”پہلے آپ یہ دوا کھالیں میں پھر چلی جاؤں گی۔“ اس نے بھی دوا کھلانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ نجانے نبیہا کے لہجے میں ایسا کیا تھا کہ وہ سخت جھنجلایا ہوا اٹھ ہی گیا تھا۔

”لاؤ دو ورنہ ساری رات بیویوں کی طرح میرا دماغ کھاتی رہو گی۔“ وہ بڑبڑایا۔ دوا کھلانے کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی‘ جب شاہ ویز کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

”سنو پلیز‘ ابھی مت جاؤ۔ کیا تم میرا سر دبا دو گی؟ شدید تکلیف ہو رہی ہے۔“

اس کے دھیمے لہجے نے اسے چونکایا تھا۔ کیا بخار نے اس کے دماغ پر اثر کر دیا ہے؟ جو وہ نبیہا سے اتنے نرم لہجے میں بات کر رہا ہے؟ یا پھر غنودگی میں وہ اسے

اپنی گرل فرینڈ سمجھ رہا ہے؟ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔ وہ بخار کی شدت سے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے قریب بیٹھنے پر وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا اور وہ اپنے نرم اور گداز ہاتھوں سے اس کا سر دبانے لگی۔

اس کے نازک ہاتھوں کی نرمی شاہ ویز کو بہت سکون پہنچا رہی تھی۔ آج پہلی بار اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کتنی نازک اور ملائم ہیں۔ بہت دیر تک وہ عجیب سی خوشی اور سرور محسوس کرتا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ شاہ ویز کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ بلکہ آنکھیں بند کرکے زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ شاید کوئی دعا۔ اس نے نماز کے انداز میں دوپٹا لیا ہوا تھا۔ پھر چند منٹ بعد اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور شاہ ویز پر پھونکا تھا۔ اس کے دیکھنے سے پہلے ہی وہ سرعت سے اپنی آنکھیں بند کرگیا۔ دوسری طرف وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی عجیب لڑکی ہے یہ نبیہا بھی کہ جو شخص اس سے اتنا برا سلوک کرتا ہے وہ رات کے اس پہر اپنا آرام اور نیند برباد کرکے اس کی فکر میں گھل رہی ہے، اس پر دعائیں پڑھ کر پھونک رہی ہے۔ جب کہ نبیہا سوچ رہی تھی کہ شکل و صورت تو اچھی ہے اگر یہ ہر وقت غصے میں نہ ہو تو۔ اسے یہ بالکل بھول چکا تھا کہ اس نے صبح اسائنمنٹ جمع کرانی تھی۔

☼ ☼ ☼

فائنل سمسٹر نزدیک تھے اس لیے آج کل وہ بہت مصروف تھی پراجیکٹس اور پریزنٹیشنز میں۔ اس رات کے بعد شاہ ویز کا رویہ دوبارہ اس کے ساتھ ویسا ہی ہوگیا تھا۔ خشک اور سرد۔ آج اس کے سینئرز کی ہولڈن گیلری میں ایگزیبیشن تھی اسی لیے ان کی کلاس کو بھی تمام پروفیسرز نے وہاں جانے کی سخت تاکید کی تھی۔ وہ سب بے زار سے وہاں پہنچے تھے۔ نبیہا خود بھی سخت جھنجلائی ہوئی تھی اس حکم پر، مگر وہاں آکر اس کا مزاج یک دم اچھا ہوگیا۔ وہ ایگزیبیشن واقعی بہت زبردست تھی۔ وہاں گرافک ڈیزائننگ کے پراجیکٹس کے ساتھ ساتھ فیشن ڈیزائننگ، فائن آرٹس، انٹیریر ڈیزائننگ، آرکیٹیکچر، فوٹو گرافی اور انٹرایکٹو آرٹس کے پراجیکٹس بھی ڈسپلے تھے۔ اپنے کورس کے پراجیکٹس کو دیکھ کر اب وہ باقی ڈیپارٹمنٹ کے پراجیکٹس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس وقت وہ فائن آرٹس کے سیکشن میں تھی۔ وہاں بھی بہت منفرد اور دل چسپ پینٹنگز لگی تھیں۔

وہ اب جس آئل پینٹنگ کے سامنے کھڑی تھی اس میں رات کے صبح میں ڈھلنے کی منظر کشی کی گئی تھی۔ تاروں کی روشنی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں سورج کی مدھم کرنیں بھی جھلک رہی تھیں۔ اونچائی سے چند نقاب پوش ہیولے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آرہے تھے۔ سرپٹ بھاگنے کی وجہ سے وہ گھوڑے ہانپ رہے تھے۔ اور پتھریلے میدان میں بھاگتے ہوئے ان کی ٹاپوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں جنہیں اس نیم تاریکی میں بہت نمایاں کیا گیا تھا۔ ساتھ ساتھ ان کے بھاگنے سے گرد و غبار کے ذرات بھی فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ گھڑسوار خواب غفلت میں پڑے دشمنوں پر حملہ کرنے جارہے تھے۔ کسی نے قرآن کی آیت کے پس منظر میں یہ پینٹنگ بنائی تھی۔

کچھ دیر بہت غور سے اس نے اس پینٹنگ کو دیکھا۔ چند منٹ بعد اس کے چہرے پر پہلے بے یقینی حیرانی پھر خوشی اور پھر الجھن کے تاثرات ابھرے تھے۔

یہ منظر؟ ایسا کون ہے یہاں جو یہ منظر پینٹ کرسکتا ہے۔

ایک بار پھر اس نے اس پینٹنگ کا جائزہ لیا۔ اس پورے منظر کو بہت خوب صورتی سے پینٹ کیا گیا تھا۔ یقیناً "اس تصویر کا مصور اپنے فن میں ماہر تھا۔ اس تصویر پر "ناٹ فور سیل" کا ٹیگ لگا ہوا تھا۔ اس نے تصویر پر مصور کے دستخط تلاش کرنے چاہے۔ سیدھی طرف نیچے لکھے گئے الفاظ کو پڑھ کر وہ ساکت ہوگئی۔ اس دستخط کو وہ زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتی

تھی۔ مانچسٹر آتے ہوئے فلائٹ میں اس نے بہت بار اس دستخط کو اپنے نکاح نامے پر دیکھا تھا جو اسے ماموں نے اسلام آباد سے چلتے ہوئے دیا تھا۔ بلاشبہ یہ اس کے دستخط تھے۔

اس نے ہال میں نظریں دوڑائیں.... وہ اسے ہال کے آخر میں اپنے کچھ پروفیسرز کے ساتھ باتوں میں مشغول نظر آیا... وہ نبیہا ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظریں ملنے پر شاہ ویز نے سرعت سے اپنی نظریں پھیرلی تھیں۔

وہاں اس کی پانچ پینٹنگز ڈسپلے تھیں اور ہر تصویر کا خیال اور موضوع بہت منفرد اور دلچسپ تھے۔ رنگوں کو بہت خوب صورتی اور مہارت سے ایک دوسرے میں آمیزہ کیا گیا تھا۔

نبیہا کو آج سے پہلے کبھی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ وہ اتنا زبردست مصور ہے... اپنے اسٹوڈیو میں وہ اسے جانے کی اجازت ہی کب دیتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کا اسٹوڈیو لاک رہتا تھا اور اسلام آباد میں "شاہ ویز ولا" میں آویزاں اس کی بنائی ہوئی پینٹنگز پر اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ وہ حیران ہوئی تھی کہ وہ جس مزاج کا ہے کیا ایسا شخص ایک حساس مصور ہوسکتا ہے؟ کیا وہ قرآن کی کسی آیت کا پس منظر پینٹ کرسکتا ہے؟ چیزوں کو اتنی گہرائی میں جاکر جانچ سکتا ہے؟ وہ تو شاہ ویز کو بہت ہی سطحی سمجھتی تھی، مگر اس کی تخلیق کردہ پینٹنگز کچھ اور ظاہر کررہی تھیں۔ چند اور تصاویر دیکھنے کے بعد وہ فوٹو گرافی کے سیکشن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆
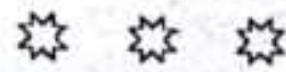
اس کا موڈ اب تک خراب تھا۔ سخت غصے میں جھنجلایا ہوا وہ واپس آیا تھا حالانکہ وہ ایگزیبیشن جس کی وہ پچھلے دو ماہ سے تیاری کررہا تھا وہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ کامیاب رہی تھی۔ بظاہر تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی پینٹنگز کو سراہا تھا۔ اس کے منفرد انداز اور اچھوتے آئیڈیاز کی دل کھول کر تعریف کی تھی اور اس نے بھی بہت حق کے ساتھ مسکراتے ہوئے داد وصول کی تھی۔ وہ بہت سرشار رہا تھا سارا وقت کیوں کہ لائم لائٹ میں رہنا اسے ہمیشہ سے پسند رہا تھا۔ اپنی پینٹنگ پر جمی نبیہا کی حیران اور بے یقین نظروں کو دیکھ کر اس نے بہت انجوائے کیا تھا۔

اس کا موڈ اس وقت سے خراب ہوا تھا جب وہ کچھ لوگوں کے ساتھ اپنی پینٹنگ کی طرف بڑھا جو اس کی پینٹنگ میں استعمال کیے گئے رنگوں کے متعلق جاننا چاہتے تھے۔ وہ ان سے بات کررہا تھا جب اسے اپنے پیچھے کھڑے لڑکوں کی آواز آئی۔

"بے چاری اکیلی ہی گھومتی رہتی ہے... معصوم پری۔"

"ہونہہ... وہ اکیلی اس لیے ہے کہ وہ بہت ضدی اور مغرور ہے۔"

ایک لڑکے نے فکر مندی سے کہا تو دوسرے نے نخوت سے جواب دیا۔

"نہیں۔ میرے خیال میں نبیہا تھوڑی تنہائی پسند اور خاموش ہے۔ مجھے تو بہت اچھی لگتی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں اسے آؤٹنگ پر ساتھ چلنے کی دعوت دوں بہت خوب صورت ہے وہ۔"

نبیہا کا نام سنتے ہی اس نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تھا۔ وہ نبیہا کی کلاس کے ہی لڑکے تھے جو اسے ڈسکس کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ نبیہا شاہ ویز کے وہاں آنے سے کچھ دیر پہلے ہی ہال سے جاچکی تھی۔ شاہ ویز کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ ان دونوں کو تھپڑ لگائے۔ نجانے کیوں... پھر بعد میں سارا وقت اس کا موڈ خراب رہا تھا اور اب وہ اسی موڈ کے ساتھ کمرے میں نجانے کیا تلاش کررہا تھا۔ چند ہی منٹ میں اس نے اپنے پورے کمرے کا حشر بگاڑ دیا تھا۔

"میں نے اپنا پینٹ برش اپنے روم کی ٹیبل پر رکھا تھا۔ اب وہ وہاں نہیں ہے۔ کہاں رکھا ہے تم نے؟" بہت ہی جارحانہ تیور کے ساتھ وہ کچن میں کھڑی نبیہا سے پوچھ رہا تھا۔

"مم..... مجھے نہیں پتا۔ میں نے نہیں اٹھایا۔" اس کے غصے سے وہ ہمیشہ سہم جاتی تھی۔

"کیسے نہیں پتا؟ میرے روم کی صفائی تم ہی کرتی ہو یا کوئی بھوت؟ سیدھی طرح سے بتاؤ کہاں رکھا ہے؟" ایک معمولی سے برش کے لیے وہ اس سے بہت ہتک آمیز لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"میں نے آج صفائی نہیں کی آپ کے روم کی اس لیے مجھے نہیں معلوم۔ شاید آپ کہیں اور رکھ کر بھول گئے ہوں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بات مکمل کی۔

"کیوں نہیں کی صفائی؟ ہاں؟ بولو؟ تمہاری ذمہ داری ہے پورے گھر کی صفائی کرنا۔ پھر کیوں نہیں کی؟ اور یہ اب تک تم صرف سبزیاں ہی کاٹ رہی ہو۔ کھانا کیوں نہیں بنا اب تک؟ بہت ہی سست' کاہل اور مفت خور ہو۔ مفت میں جو رہتی ہو یہاں... دینا پڑتا نا کرایہ تو لگ پتا جاتا۔"

شاہ ویز کی زبان سے شعلے نکل رہے تھے اور نبیہا بس سر جھکا کر خاموشی سے آنسو پیتی اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی' مگر "مفت خور" کے خطاب پر بہت تڑپ کر اس نے اسے دیکھا تھا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ آج صفائی کیوں نہیں کر سکی تھی وہ؟ اسے بہت تیز بخار کے ساتھ ساتھ جسم میں نقاہت اور سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ یونی سے آنے کے بعد اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی کام کرتی اس لیے سو گئی تھی۔ ابھی بھی سن ہوتی ٹانگوں کے باوجود بہت مشکل سے وہ اٹھی تھی کھانا بنانے۔ اسی وجہ سے آج اسے دیر ہو گئی تھی۔ ورنہ ہمیشہ وہ شاہ ویز کے آنے سے پہلے ہی تمام کام مکمل کر کے اپنے کمرے میں بند ہو جاتی تاکہ اس کے فضول دوستوں سے سامنا نہ ہو جن کی غلیظ نظریں اس کے پورے وجود کو چھلنی کرتی تھیں۔

"بس شروع ہو گیا تمہارا یہ میلو ڈرامہ' لیکن مجھ پر تمہاری اس معصوم شکل کا کچھ اثر نہیں ہو گا اور ہاں آج گیلری کیوں آئی تھیں تم؟ کیا ضرورت تھی وہاں آنے کی؟" تو اصل غصہ گیلری آنے پر تھا...

"میرے پروفیسرز نے کہا تھا تو....." وہ بات مکمل نہ کر سکی اور اپنے لب بھینچ گئی۔

"جو بھی ہے۔" شاہ ویز نے سر کو جھٹکا دیا۔ "جاؤ پہلے میرے لیے کافی بناؤ۔ سر میں درد ہو رہا ہے میرے اور روم میں دے کر جانا پانچ منٹ کے اندر اندر۔" حکم دے کر وہ چلا گیا جبکہ نبیہا نے بہت زخمی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اپنی بھڑاس نکال کر اب وہ بہت پُرسکون ہو گیا تھا اور آرام سے بیڈ پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ چند منٹ بعد نبیہا کافی کا مگ لے آئی تھی۔ مگ پکڑتے ہوئے بے دھیانی میں شاہ ویز کا ہاتھ نبیہا کے ہاتھ سے مس ہوا تھا۔ اسے لگا کہ اس نے جیسے کسی انگارے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ بہت چونک کر اس نے پہلے نبیہا کے ہاتھوں کو' پھر اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا ہوا ہے؟ تم اتنی گرم کیوں ہو رہی ہو؟" اس نے بے اختیار ہی پوچھا اپنی غیر متوقع فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر... اس کے مزاج کے پل پل بدلتے رنگوں کو سمجھنا نبیہا کے بس کی بات نہیں تھی۔

"کچھ نہیں' بس معمولی سا بخار ہے۔" مدھم آواز میں جواب دے کر اس نے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھا اور تیزی سے نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد بہت دیر تک شاہ ویز حیران' پریشان بیٹھا رہا تھا۔ اسے اب اس کی سستی کی وجہ سمجھ میں آئی تھی۔ وہ پشیمان ہوا اپنے سخت الفاظ پر... وہ سوچ رہا تھا کہ جب وہ بیمار ہوا تھا تو کتنا خیال رکھا تھا اس نے.... اور اب بھی وہ اتنی خراب طبیعت کے باوجود اس کے لیے کھانا بنا رہی تھی.... جب کہ اس نے کیا کیا اس کے ساتھ؟ طنز اور طعنے... پریشانی سے وہ کمرے سے باہر آیا تھا' مگر اسے وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ شاید وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور شاہ ویز خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ اس کے کمرے میں جاتا.... اور پھر ساری رات وہ ایک لمحے کے لیے بھی سو نہیں پایا تھا۔

اس کے بخار کو تو وہ شاید اتنی اہمیت نہ دیتا اگر اس کے ہاتھوں پر اس کی نظر نہ پڑی ہوتی.... اس ساری

رات نبیہا کے ہاتھوں میں پڑے کٹنے کے چھوٹے' بڑے نشانات بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آتے رہے تھے۔

اگلی صبح معمول کے مطابق اس نے دونوں کا ناشتا تیار کیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟ اور یہ تمہارے ہاتھ پر کٹس کیسے ہیں؟" ناشتا کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ وہ رات سے بے چین تھا یہ پوچھنے کے لیے....

"ٹھیک ہے۔" ایک نظر اس کے فکر مند چہرے پر ڈال کر اس نے پہلے سوال کا جواب دیا اور ناشتا مکمل کر کے اپنی چیزیں اٹھاتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"رکو مجھے بھی آج جلدی جانا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ ہی چلو اکیلی کیسے جاؤ گی۔"

اس بات پر نبیہا نے یک دم مڑ کر بہت حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا... تو آج اتنے مہینوں بعد اسے خیال آہی گیا کہ وہ اکیلی کیسے جاتی تھی...؟ اس کی آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ بہت آہستہ سے ایک آنسو اس کے دائیں گال پر پھسلا... پہلے تو کبھی اس نے ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔

بہت بار وہ دونوں آگے پیچھے گھر سے نکلے تھے۔ کئی بار اس نے روڈ کراس کرتے ہوئے سگنل پر اسے گاڑی میں بے نیاز سا بیٹھا دیکھا تھا۔

ایک بار شدید بارش میں اس کی گاڑی سگنل پر آکر رکی تھی ایک اجنبی اور لاتعلق سی نظر اس پر ڈال کر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ اسے امید تھی کہ وہ ہمدردی میں ہی سہی 'مگر اسے بلالے گا... مگر نہیں... وہ واقعی بہت پتھر دل تھا۔ شاید صرف نبیہا کے لیے... تو پھر آج ایسا کیا ہوا؟ وہ بھی وہی ہے اور میں بھی وہی ہوں...؟

"نہیں شکریہ 'میں چلی جاؤں گی سب وے سے... جیسے روز جاتی ہوں۔"

"مگر یہاں سے سب وے اسٹیشن کافی دور ہے پھر تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" وہ نجانے کیوں اتنا اصرار کر رہا تھا؟

"عادت ہے مجھے..." بہت ضبط سے کہتی وہ باہر نکل گئی تھی۔

سارا وقت وہ اس کے بدلے ہوئے لہجے کا سبب سوچتی رہی تھی۔ صبح اسے کیا ہوا تھا اچانک...؟ وہ تو اس کے کل رات والے رویے کی ہی عادی تھی۔ اس کے طنز میں ڈوبے لہجے کے بجائے اس کے نرم لہجے کو سننا اس کے لیے باعث حیرانی ہی تھا۔

اس کی حیرانی اس وقت پریشانی میں تبدیل ہوئی تھی جب اس نے شاہ ویز کو یونی سے واپسی پر سب وے میں اپنی سیٹ کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھتے دیکھا... کیا وہ پیچھا کر رہا تھا اس کا یہاں تک؟ مگر کیوں؟

"میری گاڑی خراب ہو گئی تھی سو میں نے سوچا' میں بھی تمہارے ساتھ سب وے سے چلا جاؤں۔" اس نے بلاضرورت وضاحت دی... ایک نظر اسے دیکھ کر وہ باہر دیکھنے لگی۔

"کیا یونی میں تمہاری کوئی دوست نہیں ہے؟ میں نے تمہیں ہر بار وہاں تنہا ہی دیکھا ہے۔" نجانے اسے اس کی تنہائی کا اچانک کہاں سے خیال آگیا تھا۔

"نہیں' میری کوئی دوست نہیں۔" اس نے مدہم آواز میں کہا۔

"لیکن کیوں؟ وہاں اکیلے بغیر کسی دوست کے تم کیسے سروائیو کرتی ہو؟" وہ حیران سے زیادہ پریشان لگا تھا اسے...

"جب میں اس پوری دنیا میں بغیر کسی سگے رشتے کے سروائیو کر سکتی ہوں تو یونی تو عام سی بات ہے۔" بہت ٹوٹے ہوئے لہجے میں اس نے نم آنکھوں سے باہر دیکھتے ہوئے کہا تھا... شاہ ویز کو پہلی بار شدت سے احساس ہوا تھا اس کی تنہائی کا...

کچھ دیر بعد آنسوؤں پر بند باندھنے پر اسے مارٹن یاد آئی تھی۔ گزرے دنوں میں ان کی کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ ٹیکسٹ پر ان کی روزانہ چیٹ ہو جاتی تھی۔ دو بار وہ اس سے ملنے پارک بھی گئی تھی۔ ان کی دوستی مارٹن کے دوستانہ اور بے تکلف رویہ کا نتیجہ تھی۔

"ہاں یونی میں تو نہیں' مگر ایک دوست ہے میری یہاں۔ مارتھن نام ہے اس کا اور وہ ریڈ کلف میں رہتی ہے بیٹن پارک میں ملی تھی مجھے۔ اچھی لڑکی ہے۔" نجانے کیوں اس نے اسے مارتھن کے بارے میں بتایا۔ شاید یہ جتانے کے لیے کہ وہ اتنی بھی تنہا نہیں.... شاہ ویز نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی سوچوں میں الجھا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنی نئی پینٹنگ پر بہت دل جمعی سے کام کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ پینٹنگ بھی باقی پینٹنگز کی طرح شاہکار ہوگی۔

"ہیلو شاہ' کیا ہو رہا ہے؟ کہاں غائب ہو صبح سے؟ کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی میں۔" اسٹیلی جو کہ اس کی کلاس فیلو تھی اور آج کل اس کی فیورٹ گرل فرینڈ کے درجے پر فائز تھی' نے بہت بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کے پوچھا تھا۔

"میں اسٹوڈیو میں تھا صبح سے۔ بس آج یہ پینٹنگ مکمل کرنی تھی اسی میں مصروف رہا۔ بتاؤ کیسی بنی ہے؟"

"بہت زبردست ہے پینٹنگ بھی اور پینٹنگ بنانے والا بھی۔" اسٹیلی ہنسی۔

"تم فلرٹ کرنا چاہ رہی ہو مجھ سے؟" شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کی یہی بولڈنیس تو پسند تھی شاہ ویز کو۔

"ہاں ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے میرا۔ اس لیے چھوڑو اس پینٹنگ کا پیچھا اور مجھے لانگ ڈرائیو پر لے کر چلو۔ بہت بور ہو رہی ہوں میں۔" اس نے شاہ ویز کے کندھے پر سر رکھ کر ادا سے کہا۔

"آج نہیں میں بہت مصروف ہوں آج۔ کل چلیں گے' ابھی مجھے اسے مکمل کرنا ہے۔" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"لیکن مجھے آج ہی جانا ہے۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"تو جاؤ تم' میرا دماغ کیوں چاٹنے آگئی ہو۔" شاہ ویز کے لہجے میں ناگواری تھی۔ وہ ایسا ہی تھا۔ اگر سر پر بٹھانے میں ماہر تھا تو پل بھر میں سر سے اتار پھینکنے کا فن بھی باخوبی جانتا تھا۔

"اچھا اچھا۔ ناراض کیوں ہو رہے ہو۔ ایک تو تمہیں غصہ بہت جلدی آجاتا ہے' پتا نہیں تمہاری بیوی کیسے برداشت کرے گی تمہیں۔" اسٹیلی اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے فوراً" ہلکے پھلکے انداز میں کہا جب کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ویسے تم اور تمہاری وہ بدھو کزن دونوں بڑے مشہور ہو۔ تم اپنی ذہانت' غصہ اور پرسنالٹی کی وجہ سے اور وہ اپنی تنہائی اور دنیا سے بے زاری کی وجہ سے۔ اس کے کلاس فیلوز کا تو خیال ہے کہ اسے کوئی ذہنی بیماری ہے۔ ابھی بھی میں دیکھ کر آرہی ہوں اسے۔ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ ویسے کیا وہ واقعی تنہائی پسند ہے یا کوئی ذہنی مسئلہ ہے اس کے ساتھ' جسے چھپانے کے لیے وہ الگ تھلگ رہتی ہے؟"

اس نے تجسس سے پوچھا تھا۔ جبکہ شاہ ویز نے جیسے اس کا سوال سنا ہی نہیں تھا۔ آنسو بہانے والی بات پر اس کا کینوس پر چلتا ہاتھ ساکت ہوا تھا' اور اس نے بہت چونک کر اسٹیلی کو دیکھا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ یوں اسے ناسمجھی سے دیکھتا رہا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس کے چہرے پر بے چینی نمودار ہوئی تھی۔

"کہاں۔ کہاں دیکھا تم نے اسے روتے ہوئے؟" بھرپور کوشش کے باوجود بھی وہ اپنا لہجہ سرسری نہ رکھ سکا۔

"وہی اس کی مخصوص جگہ آل سینٹس پارک اور کہاں۔" اس نے شاہ ویز کے غیر معمولی لہجے پر غور نہیں کیا۔

کافی دیر وہ وہاں مضطرب سا بیٹھا رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی اس کی سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر اپنی توجہ پینٹنگ پر دوبارہ مبذول کرنے کی مگر ہر بار ناکام

رہا؟ بالآخر جب وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک گیا تو اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

"تم کہاں جا رہے ہو پینٹنگ ادھوری چھوڑ کر؟" وہ جو اپنے کسی پراجیکٹ کی طرف متوجہ تھی شاہ ویز کو سامان سمیٹتے دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک ضروری کام آگیا ہے بس۔" اسے ٹالتا وہ تیزی سے باہر نکل گیا جبکہ وہ اس کے عجلت بھرے انداز کو دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

آل سینٹس پارک میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی وہ پچھلے دو گھنٹے سے بے آواز رو رہی تھی۔ ایسے جیسے کوئی اپنی کل متاع کھو کر شکست خوردہ سا بیٹھا ہو۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سوجی ہوئی تھیں۔

وہ جب وہاں پہنچا تو وہ اسے ایک بینچ پر بیٹھی روتی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ پہلے بھی بہت بار اسے یہاں تنہا بیٹھے اپنی پڑھائی میں گم دیکھ چکا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"نبیہا! کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟ سب ٹھیک ہے نا؟" پریشانی اس کے لہجے سے صاف عیاں تھی۔ وہ اب اس کے برابر بیٹھ گیا تھا اور اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر پہلے وہ چونکی، پھر حیران ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔" مدھم آواز میں کہتے ہوئے اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"جھوٹ مت بولو۔ کسی کلاس فیلو نے بدتمیزی تو نہیں کی تم سے؟" اسے اچانک گیلری والے لڑکے یاد آئے تھے اس لیے بے اختیار پوچھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" نفی میں جواب آیا۔

"پھر کیا ہوا؟" ایک بار پھر اس کے آنسو جاری ہوئے تھے۔

"وہ۔ وہ آج کسی نے سب وے میں میرے پیسے چرا لیے ہیں۔ میں روز کی طرح بیٹھی تھی کہ اچانک ایک لڑکی میرے نزدیک آکر گری۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا جو میرے کوٹ کے اوپر گر گیا۔ اس نے فوراً" سنبھلتے ہوئے مجھ سے معذرت کی اور اصرار کیا کہ میں واش روم جا کر اپنا کوٹ صاف کرلوں تب تک وہ حفاظت کرلے گی میری چیزوں کی۔ اس پر بھروسا کر کے میں چلی گئی اور واپسی پر مجھے وہ کہیں نظر نہیں آئی ہاں تمام چیزیں ویسے ہی رکھی تھیں جیسی میں چھوڑ کر گئی تھی مگر یونی آکر جب میں نے اپنا بیگ کھولا تو اس میں سے میرے پیسے غائب تھے۔"

اٹک اٹک کر، دھیمے، بوجھل لہجے میں اس نے اپنی بات مکمل کی تھی۔ اس کی پوری بات سن کر شاہ ویز نے گہری سانس لی تھی۔ کیا چیز تھی وہ؟ اسے آج سے پہلے کبھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ اتنی بے وقوف، کم عقل اور سیدھی تھی۔ دنیا پر اندھا بھروسا کرنے والی۔

"کتنے پیسے تھے اس میں؟"

"کافی زیادہ، میری فیس کے پیسے تھے اور اس مہینے کے خرچے کے بھی جو ابھی صبح اے ٹی ایم سے نکالے تھے میں نے کہ یونی جا کر فیس جمع کروادوں گی کیونکہ آج آخری تاریخ ہے۔ مگر اب۔" ایک بار پھر اس کے آنسوؤں میں روانی آئی۔

"تم اتنی بے وقوف ہو کہ کسی اجنبی پر بھروسا کر کے اسے اپنی چیزیں دے دیں تم نے۔ عقل نام کی کوئی چیز ہے تم میں کہ نہیں؟ تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اتنی جلدی کسی پر اعتبار نہیں کرتے؟"

اتنی زیادہ رقم کے بارے میں سن کر اسے حقیقتاً" غصہ آگیا تھا۔ وہ تو دو تین سو پاؤنڈز سمجھا تھا مگر یہاں بات بارہ سے چودہ ہزار پاؤنڈز کی تھی۔

"مجھے کیا پتا تھا کہ وہ ایسا کرے گی بشکل سے تو بہت معصوم لگ رہی تھی وہ۔" اس نے معصومیت کی حد کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اب کیا کروں۔ کہاں سے لاؤں فیس کے پیسے۔ آج لاسٹ ڈیٹ ہے اور پاکستان سے اتنی جلدی ٹرانسفر بھی نہیں ہوتے پیسے۔ پہلے تو ڈیڈی بھجوا دیتے تھے میرے اکاؤنٹ میں رقم مگر اب کچھ مہینوں سے۔"

بے اختیار اس نے اپنے ہونٹ بھینچے تھے۔ یہ کیا کردیا اس نے۔ ایک بار پہلے بھی وہ شہریار ماموں کو اس کے سامنے ڈیڈی بلا چکی تھی جس پر اسے خوب ڈانٹ پڑی تھی۔

"سوری وہ پریشانی میں نکل گیا منہ سے۔" ڈرتے ڈرتے اس نے وضاحت کی۔

پتا نہیں وہ اسے سن رہا تھا یا نہیں وہ بس بہت حیران نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی ڈیڈ نے اسے پیسے بھجوانا چھوڑ دیے ہیں؟ اسی نے انہیں منع کیا تھا کہ اب سے وہ خود اس کا خرچا اٹھائے گا۔ مگر اس نے کبھی اسے کوئی پیسے نہیں دیے تھے۔ دینا تو دور کبھی کسی ضرورت کے متعلق پوچھا تک نہیں تھا۔ یہاں تک کہ گھر کے خرچے کے لیے ایک پاؤنڈ بھی کبھی نہیں دیا۔ تو کیا اتنے مہینوں سے وہ اپنے پیسوں سے اس کے گھر کا سامان لا رہی تھی۔؟ کبھی اس نے پیسے مانگے کیوں نہیں؟ اسے اپنا چند دن پہلے مفت میں رہنے والا طعنہ یاد آیا۔ وہ بھی جواب میں اسے بہت کچھ سنا سکتی تھی۔ مگر وہ خاموش رہی۔ اسے پہلی بار اتنے مہینوں میں اس کے صبر سے خوف آیا تھا۔

شاہ ویز کو بہت دیر خاموش بیٹھے دیکھ کر وہ سمجھی تھی کہ اسے غصہ آچکا ہے اور اب یونی کی وجہ سے وہ اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ کو ان کا مجھے پیسے دینا اچھا نہیں لگا۔ واقعی میرا ان کے پیسوں پر کوئی حق بھی نہیں ہے۔ میرا یقین کیجیے کہ صرف ایک دو مرتبہ ہی انہوں نے پیسے ڈلوائے تھے میرے اکاؤنٹ میں مگر اب ایسا نہیں۔ اب میں اپنا اور گھر کا خرچا خود اپنے ڈیڈی والے پیسوں سے چلاتی ہوں۔ آپ نے کہا تھا نا کہ کھانا اور گروسری سب اب میری ذمہ داری ہے۔"

اس کا لہجہ جتاتا ہوا نہیں تھا۔ بس سادگی لیے ہوئے تھا۔ ایک بار پھر اس نے نبیہا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نبیہا کی نظروں میں اسے خوف اور ڈر نظر آیا تھا۔ اس کے غصے کا خوف اور اپنی بے عزتی کا ڈر۔ وہ اس وقت اسے کسی اور دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی جو غلطی سے یہاں آگئی ہو۔ اسے تیزی، چالاکی، مکاری کسی بھی چیز کا ادراک نہیں تھا۔ کب، کیسے کسی کو اس کا ہی جملہ لوٹایا جاتا ہے یا کیسے کسی کو شرمندہ کیا جاتا ہے، وہ اس سب سے نابلد تھی۔ اور وہ سب کو اپنے جیسا ہی سمجھتی تھی۔ سیدھا، مخلص اور معصوم۔ وہ یک دم پریشان ہوا تھا کہ اتنے عرصے تک وہ اس فطرت کے ساتھ کیسے گزارا کرتی رہی تھی۔ نجانے کتنی بار لوگ اس کی سادگی سے فائدہ اٹھا چکے ہوں گے۔

"آؤ میرے ساتھ۔" گہری سانس لے کر شاہ ویز نے اسے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔

"کہاں؟ مم۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔" نبیہا نے فوراً انکار کیا۔ "آپ کے ساتھ" اس نے صرف دل میں کہا تھا۔

"زیادہ سوال مت کرو چلو چپ چاپ۔" اب کی بار اس نے سختی سے کہا تو وہ پریشان ہوتی اٹھ گئی۔ نجانے اب وہ اسے کہاں لے جانے والا تھا۔

پھر شاہ ویز نے اس کی فیس جمع کروادی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ اسے روکنا چاہا تھا کہ وہ اس کا احسان نہیں لینا چاہتی مگر اس نے تیز نظروں سے اسے گھور کر خاموش کروا دیا تھا۔ شاہ ویز خود بھی حیران تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟ کیا شرمندگی کا احساس اس سے یہ سب کروا رہا ہے یا کوئی اور جذبہ۔؟ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

☆ ☆ ☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے اس وقت اور وہ اب تک شش و پنج میں تھی کہ اسے شاہ ویز کے پاس جانا چاہیے یا نہیں۔ وہ جانتی تھی ابھی وہ اپنے اسٹوڈیو میں ہی ہے۔ بہت ہمت کرکے اس نے جانے کا فیصلہ کرلیا اور میز پر رکھا ایک چھوٹا سا کاغذ بھی اٹھالیا۔ اس پتا تھا جب وہ اسٹوڈیو میں کام کر رہا ہوتا ہے تو کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کئی بار اس نے اپنی گرل فرینڈز کو بھی بے عزت کیا تھا اسے ڈسٹرب کرنے پر۔

پھر وہ تو کسی شمار میں آتی ہی نہیں تھی۔ ہلکی سی دستک دینے پر اندر سے "یس" کا جواب آیا تو وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی اندر داخل ہو گئی۔

وہ آج پہلی بار وہاں آئی تھی کیونکہ یہاں آنے کے اگلے ہی دن شاہ ویز نے اس کے لیے اپنے اسٹوڈیو کو "نوگوایریا" قرار دے دیا تھا۔

وہ جگہ ویسی ہی تھی جیسی وہ سوچ کر آئی تھی۔ نفاست اور ترتیب، جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی۔ وہ اس کے اسٹوڈیو سے بھی جھلک رہی تھی۔ دیواروں کو بھی بہت آرٹسٹک انداز میں پینٹ کیا گیا تھا۔ ایک دیوار پر سرسبز وادیوں کے پیچھے سے طلوع ہوتے سورج کو بہت خوب صورت رنگوں سے پینٹ کیا گیا تھا۔ دوسری دیوار پر پہاڑوں سے نکلتے چشمے کا منظر بنایا گیا تھا۔ اور کیا خوب بنایا گیا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی ٹھنڈے، میٹھے پانی کا شور، طاقت اور بلندی کا احساس ہوتا تھا۔ اور پھر ایک جگہ اس کی نظریں پلٹنا بھول گئیں۔ جھیل میں چودھویں کے چاند کے عکس کو بہت مہارت سے پینٹ کیا گیا تھا۔ وہ منظر اسے حقیقت لگا تھا۔ آنکھوں کو تازگی اور ٹھنڈک دیتا منظر۔ بلکہ ہر منظر پر ہی حقیقت کا گمان ہوا تھا اسے۔ جب بہت دیر کوئی آواز نہ آئی تو شاہ ویز نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تھا اور اسے اسٹوڈیو کے درمیان میں کھڑا پایا جو توصیفی نظروں سے چاروں جانب دیکھ رہی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیوں آئی ہو یہاں؟ منع کیا تھا میں نے تمہیں یہاں قدم رکھنے سے۔" اس کی تلخ آواز پر سارا سحر چھن سے ٹوٹا تھا۔

"وہ۔ وہ میں یہ دینے آئی تھی۔" وہ اپنے ازلی خوف زدہ لہجے میں بولی تھی۔ شاہ ویز نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں میں تھمے چیک کو دیکھا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ پیسے لوٹانے آئی ہے۔

"میں نے وہ رقم واپس لینے کے لیے نہیں دی تھی، رکھو اسے۔ میں جو چیز ایک بار دے دیتا ہوں پھر اسے واپس نہیں لیا کرتا۔" کیا شان تھی کیا تمکنت اور بے نیازی تھی۔

"مگر میں نے وہ رقم قرض سمجھ کر لی تھی اس وقت بھی۔ پلیز یہ لے لیں۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ یہ چند ہزار پاؤنڈز آپ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے مگر میرے لیے میری خودداری اور عزت نفس بہت اہم ہے۔ میں چاہے کتنی بھی بری ہوں مگر بے غیرت نہیں ہوں۔"

بہت ٹھہرے ہوئے متوازن لہجے میں، پہلی بار شاہ ویز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے کہا تھا۔ کچھ دیر اسے گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد اس نے چیک تھام لیا۔

"مگر یہ رقم تو اس سے زیادہ ہے جو میں نے دی تھی۔" چیک پر لکھی رقم پڑھ کر اس نے الجھن سے پوچھا تھا۔

"ہاں، وہ میں نے اس جگہ کے رینٹ ریٹس چیک کیے تھے نیٹ پر۔ اسی کے مطابق میں نے پچھلے تمام مہینوں کے رینٹ کی رقم بھی شامل کی ہے اس میں۔" اس نے مدھم آواز میں بتایا تو شاہ ویز نے چونک کر اسے دیکھا اور بہت دیر تک وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا تھا۔ وہ شرمندہ ہوا تھا اپنی اس دن کی بات پر۔ کتنی عجیب لڑکی تھی یہ۔ اس کی زندگی میں آنے والی لڑکیوں میں سب سے مختلف۔ اس نے سوچا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے تمہیں اس دن وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بس کسی اور چیز پر غصہ تھا مجھے جو تم پر اترا۔ آئندہ کے لیے یہ رینٹ والی بات کو بھول جاؤ اور یہ چیک بھی واپس لے لو، یہ سمجھ کر کہ یہ اس مہینے کے لیے گھر کا خرچا ہے۔ مجھے واقعی شرمندگی ہے کہ میں اتنے مہینے غافل رہا اس سب سے۔ آئندہ تمہیں پیسوں کے لیے پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ سوری ونس اگین۔"

اس کی آنکھوں میں نبیہا کو پشیمانی نظر آئی تو اس نے خاموشی سے چیک واپس لے لیا۔ وہ ایک بار پھر اس کے رویے سے حیران ہوئی تھی۔ وہ بدل رہا تھا۔ اس کا انداز بدل رہا تھا۔ اس کا لہجہ بدل رہا تھا۔ اور شاہ ویز کو اس کا ادراک بھی نہیں تھا اب تک۔

☼ ☼ ☼

وہ ابھی ابھی پروفیسر مارک کے آفس سے نکلا تھا جب اسے اپنی کلاس کے کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔ وہاں اس وقت بہت رش تھا۔ بہت سے لوگ بے تحاشا ہنستے ہوئے 'طنز اور تمسخر سے اشارہ کرتے ہوئے کسی کے گرد کھڑے تھے۔

"سنو حیف! پروفیسر مارک نے ایک اور حکم جاری کیا ہے۔" اپنے کلاس فیلو سے مخاطب ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

"یار! فی الحال تو تم یہ تماشا دیکھو۔" حیف نے ہنستے ہوئے اشارہ کیا تو اس نے دیکھا' اسے لگا کہ اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر اس نے اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔

وہ بلاشبہ وہی تھی۔ اس کے چہرے اور کپڑوں پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے اس کی آنکھوں سے۔ بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے اپنا سر جھکائے وہ اپنی چیزیں اکٹھی کر رہی تھی۔ اس کے پیر کے انگوٹھے سے خون نکل رہا تھا۔ شاہ ویز کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

"اوہ سویٹ روومیٹ۔ ماما نے تمہارا فیڈر کہاں رکھا ہے؟" اس کے قریب کھڑے لڑکے نے تمسخر سے کہا تو پورے مجمع میں ہنسی کے فوارے چھوٹے۔ جب نبیہا نے اس کے پیروں کے پاس گرا اپنا پین اٹھانا چاہا تو اس نے پین پر اپنا جوتا رکھ دیا۔

"ہمت ہے تو لے کر دکھاؤ اپنا پین!" اس کے چیلنج پر ایک بار پھر جاندار قہقہہ لگا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے نزدیک بیٹھ کر خاموشی سے اس کی باقی چیزیں اکٹھی کرنے لگا۔ نبیہا نے چند لمحوں کے لیے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں۔ شکوہ' دکھ' خوف' ذلت' بے بسی' رسوائی۔ اگلے لمحے بہت نرمی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے شاہ ویز نے اس کے دائیں گال سے آنسو چنے تھے اور اس کے چہرے سے مٹی صاف کی۔

شاہ ویز کو اس کی طرف بڑھتا دیکھ کر سب کی ہنسی کو بریک لگ گیا تھا۔ کیونکہ بہت سے لوگ اس سے اور اس کے غصے سے واقف تھے۔ شاہ ویز کی صرف ایک تیز نظر ہی کافی تھی جس پر اس لڑکے نے پین سے پیر ہٹا لیا۔

"تم سے تو اب کمپلین آفس میں ملاقات ہوتی ہے۔" سرد لہجے میں اس لڑکے سے کہہ کر اس نے نبیہا کا ہاتھ تھاما اور مضبوط قدموں اور پراعتماد انداز سے چلتا ہوا وہاں سے اسے نکال لایا۔ جبکہ نبیہا اب بھی ذلت میں گھری' روتے ہوئے کسی بے جان گڑیا کی طرح چل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پہلے اسے قریبی کلینک لے کر گیا تھا جہاں اس کے زخموں کی ڈریسنگ کروائی تھی۔ پھر ایک نسبتاً" سنسان جگہ پر اسے بینچ پر بٹھایا۔ بہت دیر تک وہ بازو سینے پر باندھے اسے گہری نظروں سے روتا ہوا دیکھتا رہا۔

"اس طرح رونے سے کیا ہوگا؟ غلطی تمہاری ہے۔ تمہیں بجائے رونے کے ان کاڈٹ کے مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ ایک کمزور اور ڈری سہمی لڑکی کے ساتھ تو یہی کرنا تھا انہوں نے۔" شاہ ویز نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔

"تو کیا کرتی میں' وہ سب اتنے زیادہ تھے اور میں اکیلی۔" اس نے بھیگی آواز میں کہا۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا پھر اس کے مقابل گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

اب اس کی نظریں اس کے چہرے کے بجائے اس کی ہتھیلیوں پر تھیں۔ زخم کے مندمل ہوتے نشان شاہ ویز کو بڑے نمایاں لگے۔

"یہ کلس گلاس کے کانچ چبھنے کی وجہ سے لگے ہیں۔"

نبیہا کی دھیمی آواز اس کے کانوں میں گونجی جو

ابھی کچھ دیر پہلے وہ نرس کے پوچھنے پر بتا رہی تھی۔ اس وقت اس کی بات پر شاہ ویز نے بہت اچنبھے سے نبیہا کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔ اور اب ان نشانات کو دوبارہ دیکھتے ہوئے اسے کچھ ماہ پہلے کا ایک منظر یاد آیا تھا۔ اسے افسوس ہوا تھا کہ اتنے خوب صورت ہاتھوں پر اس کی وجہ سے اتنے بدنما نشان پڑ گئے۔ اگلے لمحے خود پر اختیار کھوتے ہوئے اس نے نبیہا کی ہتھیلی پر اپنے لب رکھے۔ مگر نبیہا نے چونک کر تیزی سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

"آئی ایم سوری۔ میں نے اس رات بہت برا سلوک کیا تھا۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ کیا ایک سوری کہہ دینے سے اس کی عزت نفس واپس آسکے گی، جسے اس رات شاہ ویز نے اپنے قدموں تلے کچلا تھا۔؟

"اگر آج ان میں سے کسی ایک کو بھی تھپڑ لگا دیتیں تو کسی کی ہمت نہ ہوتی آگے سے کچھ بھی کرنے کی۔" اپنی کسی بھی بات، کسی بھی عمل کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر شاہ ویز اس بار زچ ہوا تھا۔ پل بھر میں اس کا لہجہ بدلا تھا۔

"ہاں، تھپڑ لگاتی تاکہ بعد میں وہ لوگ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے آئندہ نجانے کیا کرتے مجھے رسوا کرنے کے لیے۔ ایسی بہادری اس وقت دکھائی جاتی ہے مسٹر شاہ ویز حسن! جب انسان کو یقین ہو کہ اس کے پیچھے اپنے ہیں اس کا ساتھ دینے کو جبکہ میرے پاس کوئی بھی نہیں ہے۔" آج پہلی بار اس نے اتنی اونچی آواز میں بات کی تھی شاہ ویز سے۔

"اچھا اب پلیز رونا تو بند کرو۔ ویسے بھی آج تمہارا آخری پیپر تھا۔ اب جب چھٹیوں کے بعد نیا سمسٹر شروع ہو گا تو لوگ بھول چکے ہوں گے سب کچھ۔"

نجانے کیسے اس نے نبیہا کے اس لہجے کو ہضم کیا تھا۔ ابھی چند لمحے پہلے جس کیفیت میں اسے دیکھا تھا اس نے بے چین کر دیا تھا شاہ ویز کو۔ اپنی اس بے چینی کا مطلب اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج ایک بار پھر وہ اسے رونے میں مصروف نظر آئی تھی۔ رات کے دو بجے ٹیرس میں ریلنگ کے ساتھ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی ہوئی وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"تم سے کتنی بار کہا ہے کہ بھول جاؤ اس بات کو۔ چھٹیوں کے بعد جب دوبارہ تم یونی جاؤ گی تو کسی کو یاد بھی نہیں ہو گا اس روز کا واقعہ، کچھ تو اعتماد پیدا کرو خود میں۔" شاہ ویز ابھی ابھی آیا تھا گھر۔ اسے رو تا دیکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا۔ اسے قریب کھڑا دیکھ کر اس نے اپنے آنسو فوراً" صاف کیے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ اس کے برابر زمین پر ہی بیٹھ گیا۔

"ان لڑکوں کو وارننگ لیٹرز مل چکے ہیں کیونکہ پہلے بھی ان کی شکایات آ چکی ہیں۔ تم کہو گی تو میں انہیں مجبور کروں گا کہ وہ معافی مانگیں تم سے۔" شاہ ویز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اس دن کی وجہ سے نہیں رو رہی۔"

"تو پھر اب کیا ہوا؟" شاہ ویز نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"مجھے اپنے ممی، ڈیڈی یاد آ رہے ہیں آج ان کی برسی ہے۔" بات مکمل کرتے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی جبکہ شاہ ویز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے ہمدردی ہوئی تھی نبیہا سے۔ آج پہلی بار اسے اس کے دکھ کا احساس ہوا تھا۔ کیسے سہا ہو گا اس نے اس غم کو۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ بے گھر ہو گئی تھی۔ سب کچھ تو چھن گیا تھا اس کا۔ ماں باپ، گھر، رشتے، ملک۔ سب کچھ۔ تو پھر کیسے صبر آتا اسے؟ کیا اسے اس وقت کسی سہارے کی ضرورت نہیں؟ کسی کندھے کی جس پر سر رکھ کر وہ اپنا سارا غم آنکھوں کے رستے بہا سکے۔؟ "بس حوصلہ رکھو۔ یہی لکھا تھا قسمت میں۔"

شاہ ویز نے نرمی سے اس کے سر کو اپنے شانے پر ٹکایا اور اسے کھل کر رونے دیا۔ وہ بہت نرمی سے اس کے چادر سے ڈھکے سر کو سہلا رہا تھا۔ چند ہی منٹ میں اسے اپنی شرٹ بھیگی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"میں کیا کروں، کیسے رہوں ان کے بغیر؟" بہت

بے بسی سے اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔ نجانے کتنی دیر وہ اس کے کندھے سے لگی روتی رہی تھی۔ پھر جب رو کر تھوڑا سکون ملا تب اسے احساس ہوا اپنی اکورڈ پوزیشن کا۔۔۔

"آئی ایم سوری میری وجہ سے آپ کی شرٹ خراب ہو گئی۔" بہت غیر محسوس طریقے سے جھجک کر وہ اس سے علیحدہ ہوئی تھی، مگر اس کا جھجکنا شاہ ویز کو بہت محسوس ہوا تھا۔

یہاں دل خراب ہو رہا ہے اور محترمہ کو شرٹ کی پڑی ہے۔۔۔ اس نے اس کی سرخ آنکھوں اور خم دار بھیگی پلکوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ اسے بڑی شدت سے احساس ہوا تھا اس کی لمبی، خم دار پلکوں کی کشش کا۔۔۔

"وہ کل صبح میں خالہ کو فون کر لوں؟" اس نے پلکیں اٹھاتے ہوئے جھجک کر پوچھا۔ "ان سے کہنا تھا کہ وہ ممی ڈیڈی کی قبر پر چلی جائیں۔ میں تو یہاں ہوں۔ کوئی جاتا بھی نہیں ہو گا وہاں۔" اسے اپنی طرف گہری نظروں سے دیکھتا پا کر اس نے اپنی پلکیں دوبارہ گرا لیں۔

"کر لیتا بلکہ آج ہی کر لیتیں دن میں۔"

"وہ آپ نہیں تھے سارا دن گھر پر تو میں نے پوچھے بغیر فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" کیا چیز تھی یہ لڑکی۔ کس مٹی کی بنی ہوئی۔ وہ کبھی سمجھ نہیں پائے گا "اور وہ دن میں پامی کا فون بھی آیا تھا۔ وہ آپ کے لیے بہت پریشان تھیں۔ کہہ رہی تھیں کہ بہت دن سے آپ ان سے بات نہیں کر رہے۔"

وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"آپ پلیز ان سے بات کر لیجیے گا۔ ماں باپ کو ایسے ترسانا نہیں چاہیے۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کے والدین آپ کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔"

چہرا اٹھا کر اس نے شاہ ویز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے نرم لہجے نے حوصلہ دیا تھا نبیہا کو اتنی لمبی بات کرنے کا۔

"وہ انسان دنیا کا بد قسمت ترین انسان ہے، جس کے لیے اس پوری دنیا میں دو ہاتھ بھی موجود نہ ہوں دعا کرنے والے۔" اپنے آنسو ضبط کرنے کے لیے وہ ہونٹ کاٹنے لگی جب کہ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ کہاں سے سیکھیں اس نے اتنی چھوٹی عمر میں ایسی باتیں؟

"میں اندر جا رہی ہوں۔ بہت ٹھنڈ ہو گئی ہے۔" بولتی خاموشی اور شاہ ویز کی بے چین نظروں سے گھبرا کر نبیہا تیزی سے اٹھ کر چلی گئی اور شاہ ویز بہت دیر تک نہ ہوتے ہوئے بھی اس کی وہاں موجودگی کو محسوس کرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"میرا ناشتا؟" لنچ کے لیے ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا بنائے، جب اسے شاہ ویز کی آواز آئی۔ آج اتوار تھا اس لیے وہ دیر سے اٹھا تھا۔

"بناتی ہوں ابھی۔" نبیہا نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ اسپیشل بنانا۔" فوراً فرمائش آئی۔ ان کے رشتے میں ایسی فرمائشیں یک طرفہ ہی ہوتی تھیں۔۔۔ نبیہا کے نزدیک یہ فرمائش کم اور اس کا صبر آزمانے کے طریقے زیادہ تھے۔

"کیا کھانا ہے؟" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے پوچھا۔

"آلو کے پراٹھے کے ساتھ پودینے کا رائتہ۔" شاہ ویز نے لمحے کی تاخیر کیے بغیر بتایا۔ جیسے اسے پہلے سے ہی یقین تھا کہ وہ اس کی مرضی ضرور پوچھے گی اس لیے پہلے سے جواب سوچ کر رکھا تھا۔

"اچھا!" وہ بس اتنا کہہ کر نئی مہم پر لگ گئی۔ وہ ہمیشہ اس سے ایسے ہی دیسی کھانوں کی فرمائش کرتا تھا۔ نجانے کس نے اسے یہ کھانے کھلائے تھے۔ پہلی بار جب اس نے نبیہا کو نہاری بنانے کا کہا تو اسے بہت حیرت ہوئی تھی۔ وہ جس ماحول میں رہا تھا وہاں یہ کھانے تو نہیں کھائے جاتے۔۔۔ اسلام آباد میں وہ جتنا عرصہ رہی تھی وہاں اسے صرف چائنیز، اٹالین، ترکش اور نجانے کون کون سی سیکھانے ہی کھانے کو ملے

تھے۔ اسے اس وقت لگا تھا کہ اس نے جان بوجھ کر نیٹ سے "مشکل پاکستانی کھانوں کی تراکیب" ڈھونڈ کر نکالی ہیں اور اسے بنانے کا حکم دیا ہے، ورنہ اس نے "نہاری" چکھی تو کیا دیکھی تک نہیں ہوگی، مگر اس کا یہ خیال اس وقت غلط ثابت ہوا جب پہلا نوالہ کھانے کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے طنز کیا تھا۔

"یہ کیا بدذائقہ ملغوبہ بنایا ہے تم نے؟ کس اینگل سے یہ تمہیں نہاری لگ رہی ہے؟ تمہیں کیا لگا کہ میں نے کبھی نہاری کھائی نہیں اور یوں ہی تمہیں نہاری بنانے کو کہہ دیا؟ اس لیے تم جو بھی چیز بنا کر کھلا وگی میں اسے نہاری سمجھ کر کھالوں گا؟ محترمہ غلط فہمی ہے آپ کی۔"

تقریباً" چالیس منٹ کی محنت کے بعد اس نے گرم گرم، خستہ پراٹھے اس کے سامنے رکھے تھے۔ ان کی خوشبو بتا رہی تھی کہ بہت ہی لذیذ بنے ہیں۔ اس کے پہلا نوالہ لینے پر نبیہا نے بہت ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا تھا۔ اگر پسند نہ آیا تو ساری محنت ضائع جائے گی اور بے عزتی الگ..... اور اگلے لمحے اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"بہت اچھے بنے ہیں۔" نکاح کے دو سال میں پہلی مرتبہ اس نے تعریف کی تھی اس کے بنائے کھانے کی..... وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی تھی۔ "تمہارے ہاتھ میں واقعی بہت ذائقہ ہے یقیناً" تمہاری مدر بھی اچھی کوکنگ کرتی ہوں گی۔" آج پہلی بار اس نے نبیہا کے والدین میں سے کسی کا ذکر کیا تھا۔ وہ کیسے نہ حیران ہوتی۔

"انعام میں آج رات کا ڈنر باہر کرواتا ہوں تمہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے نبیہا کو دیکھا۔ وہ شاید آج نبیہا کو حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ڈنر؟ اس کے ساتھ؟

"اور کون کون جائے گا وہاں؟" اسے ڈر تھا کہ کہیں اسے وہ دوبارہ کسی فضول سی پارٹی میں لے کر جانے والا ہے۔

"کوئی نہیں بس میں اور تم۔" شاہ ویز نے اس کے چہرے پر خوف زدہ تاثرات کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بتایا۔ "مجھے ابھی اپنی ایک پینٹنگ مکمل کرنی ہے، جو کہ دو گھنٹے تک ہو جائے گی۔ تم تیار رہنا پانچ بجے تک۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ اسٹوڈیو میں چلا گیا تھا جب کہ نبیہا کافی دیر وہاں بیٹھ کر سوچتی رہی کہ آخر آج وہ کیا کرنے والا ہے اس کے ساتھ..... کیا اسے جانا چاہیے؟ کیا اس پر دوبارہ بھروسا کرنا چاہیے؟۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں اس وقت سلفورڈ قیس (Quays Salford) میں واقع " The Lowry " آرٹ گیلری کے شاندار تھیٹر میں بیٹھے ہوئے شیڈو (Shadow) ڈانس پرفارمنس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

اس ڈانس پرفارمنس میں دو دلوں کی کہانی پیش کی گئی تھی..... دو دل جو ایک ساتھ دھڑکتے تھے..... جنہوں نے ایک ساتھ دھڑکنے کا عہد باندھا تھا..... جو رسم وفا نبھانا چاہتے تھے..... جو محبت کی وادی میں ہم قدم ہو کر چاہتوں کا سفر کرنا چاہتے تھے..... جو پھولوں کے دیس میں بسنا چاہتے تھے..... دو دل جو ایک دوسرے کی خوشی اور دکھ، درد بانٹنا چاہتے تھے، مگر بے رحم وقت اور حالات نے انہیں ایک دوسرے سے جدا ہونے پر مجبور کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے پس منظر پر بنی وہ پرفارمنس حقیقتاً" اتنی شان دار اور بھرپور تھی کہ شاہ ویز بھی چند لمحوں کے لیے کھو گیا تھا اس پرفارمنس کے سحر میں..... پرفارمنس کے اختتام پر پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا..... اس نے نبیہا کی طرف دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرایا تھا۔

وہ اب تک اسی محویت سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ شو ختم ہو چکا ہے۔ آنسوؤں کی لڑی سے اس کا چہرہ نم تھا۔ آج شاہ ویز کو اس کا رونا برا نہیں لگا تھا بلکہ وہ اسے کسی معصوم سے ہرن کی طرح لگی تھی۔ بے یقینی اور دکھ سے اسکرین کو دیکھتی ہوئی۔

"چلو نبیہا شو ختم ہو چکا ہے۔" اس نے اپنے ہونٹوں کے کنارے پر مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ دونوں جدا کیوں ہو گئے... اتنی محبت کرتے تھے وہ ایک دوسرے سے... اتنے وعدے کیے تھے... پھر بھی..." انتہا کا دکھ اور حسرت تھی اس کے لہجے میں...

"یار تم اتنا پچی کیوں ہو رہی ہو؟ یہ بس ایک پرفارمنس تھی... حقیقت نہیں۔"

"لیکن پھر بھی وہ اگر وعدہ کر کے گیا تھا تو اسے واپس آنا چاہیے تھا... وہ مر کیوں گیا جنگ میں؟ اب وہ لڑکی کیا کرے گی؟" اسے یہی دکھ کھائے جا رہا تھا۔

"اب وہ لڑکی بیک اسٹیج پر جا کر مزے سے کھانا کھا رہی ہو گی اس لیے چلو ہم بھی کچھ کھا لیں۔" شاہ ویز نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اٹھ گیا۔

باہر ٹھنڈی یخ ہوا نے ان کا استقبال کیا۔ گزرے دو دن کی بارشوں نے ٹھنڈ کی شدت میں کئی گنا اضافہ کیا تھا۔

"پہلے کچھ کھانا ہے یا شاپنگ کرنی ہے؟" وہ اس سے ایسے پوچھ رہا تھا کہ جیسے اب تک وہی سارے پلان بناتی رہی تھی۔

"مرضی آپ کی۔" وہ اب تک اداس تھی۔

"چلو پہلے شاپنگ کر لیتے ہیں۔ سنا ہے لڑکیوں کا موڈ شاپنگ سے ہی ٹھیک ہوتا ہے۔" اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ کتنی بھلی لگتی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ... نبیہا نے بے اختیار سوچا...

شاپنگ کے لیے وہ قریب ہی بنے مال میں آ گئے تھے۔ نبیہا کو لگا تھا کہ وہ اپنے لیے شاپنگ کرنے آیا ہے، مگر جب وہ ایک دکان کے خواتین کے حصے کی طرف بڑھا تو اسے حیرت ہوئی۔ شاید کسی گرل فرینڈ کے لیے کچھ لینا ہو۔ وہ مطمئن ہو گئی... مگر...

"آپ کی فرینڈ کیا مجھ جیسی ہے جو آپ مجھے ٹرائی کرنے کا کہہ رہے ہیں؟" جب شاہ ویز نے اسے ایک گرم اونی کوٹ پکڑاتے ہوئے ٹرائی کرنے کو کہا تو اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ یہ میں اپنی فرینڈ کے لیے لے رہا ہوں؟ تم نے اسے پہننا ہے تو تمہیں ہی ٹرائی کرنے کو کہوں گا نا اگر فرینڈ کے لیے لینا ہوتا تو اسے ساتھ لاتا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ میں نہ کسی دوسرے سے گفٹ لیتا ہوں اور نہ دینا پسند کرتا ہوں۔ سخت چڑ ہے مجھے ان فضول حرکتوں سے۔"

"تو پھر آپ مجھے یہ کیوں دلا رہے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیوں کہ مجھے اپنا کوٹ واپس چاہیے۔" جتاتے ہوئے لہجے میں بے مروتی سے جواب آیا تو وہ بے انتہا شرمندہ ہو گئی۔ اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ شاہ ویز کا کوٹ پہنے ہوئے ہے۔ جب وہ گھر سے نکلنے لگے تھے تو شاہ ویز نے حیرت سے اسے باریک سی جرسی اور شال پہنے دیکھا تھا۔

"تم ایسے جاؤ گی؟ باہر اتنی ٹھنڈ ہے بے وقوف لڑکی! جاؤ کوئی گرم کوٹ پہن کر آؤ اور ساتھ میں ٹوپی یا مفلر بھی۔" اس کی ناقص عقل کو کوس رہا تھا وہ۔

"نہیں، ایسے ہی ٹھیک ہے۔ مجھے زیادہ ٹھنڈ نہیں

لگتی۔"اس نے دھیمی آواز میں انکار کیا۔اب وہ اسے کیا بتاتی کہ۔۔۔

"دیکھو میرا موڈ برباد مت کرو۔جو کہا ہے وہ کرو۔ پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنی بات دوہرانے کی عادت نہیں ہے۔"اب کی بار اس نے سختی سے کہا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ میرے پاس فی الحال کوئی کوٹ نہیں ہے۔ اس مہینے اتنا بجٹ نہیں تھا۔اگلے منتھ جب پیسے آئیں گے تب لوں گی گرم کپڑے۔"اس نے جھجکتے ہوئے اپنا مسئلہ بتایا تھا۔اس قدر سہما ہوا انداز تھا اس کا کہ جیسے پیسے نہ ہونا اس کا جرم ہو اور اب اسے سزا کی توقع ہو۔"میں ویسے بھی باہر جا کر کیا کروں گی۔آپ چلے جائیں۔مجھے کوئی شوق نہیں آؤٹنگ کا۔"عجیب تاثرات لیے خاموش کھڑے شاہ ویز کو دیکھ کر اس نے سر جھکا کر شرمندہ لہجے میں مزید کہا۔

پھر بعد میں اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی اس نے زبردستی اسے اپنا کوٹ دے دیا تھا۔اور اب مال میں اسے شرمندہ کرنے لے آیا تھا۔بہت ہی عجیب متضاد شخصیت کا مالک تھا۔وہ۔۔۔پل میں تولہ پل میں ماشہ والا حساب تھا اس کے ساتھ۔۔۔کب کس وقت موڈ بدل جائے کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔

"اب کس مراقبے میں چلی گئی ہو میڈم؟"شاہ ویز کی جھنجلائی ہوئی آواز اسے واپس مال میں کھینچ لائی۔

"میں۔۔۔میں کچھ اور دیکھ لیتی ہوں اپنے لیے۔ایسا اسٹائلش کوٹ مجھے پسند نہیں۔"اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تو شاہ ویز نے کندھے اچکا کر اپنی رضامندی دے دی۔۔۔پھر وہ مختلف شاپس پر گئے' لیکن اسے کچھ پسند نہ آیا۔مسئلہ اس کی پسند ناپسند کا نہیں تھا۔مسئلہ اس کی جیب کا تھا۔آتے ہوئے اپنے ساتھ جو رقم لے کر آئی تھی وہ ناکافی تھی اس مہنگے ترین مال میں شاپنگ کے لیے جہاں ہر چیز برانڈڈ تھی۔

"آخر تمہیں کس طرح کے کپڑے پسند ہیں؟ہمیشہ سادہ سے لباس میں ہی نظر آئی ہو تم مجھے۔"بالآخر تنگ آکر اس نے غصے سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔یہاں سب بہت مہنگا ہے اور میں نے بتایا نا کہ ابھی میرے پاس اتنے پیسے۔۔۔"

"واٹ ربش؟"اس نے غصے سے نبیہا کی بات کاٹی۔"پیسے؟تم سے کس نے کہا کہ تم پے کرو گی؟میں لایا ہوں یہاں تو میں ہی پے کروں گا نا۔۔۔اوہ گاڈ!پتا نہیں کس عقل"بند"سے پالا پڑا ہے میرا۔"

شدید طیش میں وہ چلایا تھا اردگرد کی پروا کیے بغیر۔۔۔سارا موڈ غارت ہو گیا تھا اس کا۔۔۔پھر بعد میں وہ بہت خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی جب کہ وہ اس کی رائے لیے بغیر اس کے لیے نجانے کیا کیا خریدتا رہا تھا۔۔۔شرٹس' ہائی نیکس' جینز' مفلر' کوٹ' جیکٹس' جاگرز' ہینڈ بیگز اور بھی نجانے کیا کیا۔۔۔وہ قیمت کی پروا کیے بغیر سب کچھ لیتا چلا گیا تھا اور وہ سوچتی رہی کہ اگر اسے گفٹس دینا پسند نہیں تو پھر یہ سب کیا ہے۔۔۔!

☆ ☆ ☆

شاپنگ کے بعد دو سو سال قدیم برج واٹر کنال کے کنارے کی گئی واک نے ان دونوں کے موڈ کو خوش گوار بنا دیا تھا۔ایک طرف ٹھہرا پانی' فضا کی خنکی اور سرسبز نظارے تو دوسری طرف وکٹورین دور کے بنے پرانے طرز کے مکانات۔۔۔کاسل فیلڈ اربن ہیریٹیج (heritage) پارک کے رومن فورٹ میں دبی یادیں' لیور پول روڈ پر جدید اور قدیم طرز تعمیر کے بنے مالز' کیفے' بارز اور ریسٹورنٹس اور ان دونوں کے ساتھ ساتھ چلتی بولتی خاموشی۔۔۔یہ برطانیہ کا پہلا اربن ہیریٹیج پارک جو تاریخ اور صنعتی انقلاب کا دلفریب سنگم ہے۔

نبیہا نے ایک نظر اسے دیکھا وہ غائب دماغی سے چل رہا تھا۔کسی بہت گہری سوچ میں غرق۔۔۔ابھی تک شاہ ویز نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔چلتے چلتے ایک دو جگہ جب وہ چکنی سڑک کی وجہ سے گرنے لگی تو تب شاہ ویز نے اس کا ہاتھ تھام کر سنبھالا تھا اور تب سے اب تک بہت بار وہ غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر چکی تھی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"یہ جگہ کتنی خوب صورت ہے نا؟ پرسکون اور خاموش۔۔۔" نبیہا نے اسے متوجہ کرنا چاہا۔

"ہاں بہت۔ رومن ہسٹری سے بھری اس جگہ پر آکر انسان خود بھی اپنے ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب تک تم مانچسٹر میں کس کس جگہ پر جاچکی ہو؟"

"کہیں خاص نہیں۔ بس گھر کے قریب بنے ایک دو مالز' ہیٹن پارک گئی تھی دو تین بار مارٹن سے ملنے' باقی شہر سب وے کی گلاس ونڈو سے ہی دیکھا ہے۔ اکیلی اس لیے کہیں نہیں نکلی کہ کہیں اس "گریٹر مانچسٹر" میں کھو گئی تو واپس کیسے آؤں گی۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو کیا تمہیں آؤٹنگ کا بالکل بھی شوق نہیں ہے؟"

"نہیں' شوق تو بہت ہے۔ پتا ہے ڈیڈی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب میری اسٹڈیز مکمل ہو جائیں گی تو وہ مجھے ورلڈ ٹور پر بھیجیں گے۔" نبیہا نے اداسی سے بتایا۔

"اچھا کہاں کہاں اور کس کے ساتھ؟" اس کی اداسی دور کرنے کی غرض سے شاہ ویز نے اسے باتوں میں الجھانا چاہا۔

"وہ کہتے تھے کہ کہاں کہاں جانا ہے اس کا فیصلہ تم کرنا اور تمہیں کس کے حوالے کرنا ہے اس کا فیصلہ وہ خود کریں گے اور اس بات پر ممی ڈیڈی نجانے کیوں بے ساختہ مسکرانے لگتے تھے۔" اس نے معصومیت سے بتایا تو شاہ ویز ان کے مسکرانے کی "وجہ" سمجھ کر خود بھی مسکرا دیا۔ معصومیت اور سادگی ختم ہے اس پر۔۔۔ شاہ ویز نے بے اختیار تجزیہ کیا۔

"تمہیں نہیں پتا' وہ کس کے ساتھ بھیجنے والے تھے تمہیں؟ اور ان کے مسکرانے کی وجہ کیا تھی؟" مصنوعی سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

"نہیں' مجھے کبھی انہوں نے نہیں بتایا۔ کیوں کیا آپ کو پتا ہے؟" ازلی سادگی سے جواب آیا۔

"تم واقعی بہت زیادہ بے وقوف ہو۔ ان کی بات کا

مطلب یہ تھا کہ وہ پڑھائی کے بعد تمہاری "شادی" کرکے "ہنی مون ٹرپ" پر بھیجیں گے تمہیں تمہارے "شوہر" کے ساتھ..." اس نے شادی، ہنی مون اور شوہر پر زور دیتے ہوئے ہنستے ہوئے بتایا تو وہ جو اسے غور سے دیکھتے ہوئے سن رہی تھی، اس کی بات سمجھ کر شرم سے سرخ ہو گئی۔

"آؤ یہاں بیٹھتے ہیں۔ یہاں کا کھانا بہت زبردست ہے۔ اپنے دیسی کھانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔" اس نے اوپن ایر انڈین ریسٹورنٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آئی ہوپ کہ تمہارا آج کا دن بہت اچھا گزرا ہو گا۔" کھانے کے بعد شاہ ویز نے سنجیدگی سے کہا۔ "سیکنڈ اینورسری منانے کا اس سے بہتر آئیڈیا میرے پاس نہیں تھا۔" شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

آج ان کی شادی کی دوسری سالگرہ تھی؟ کیا اسے یاد رہا؟ کیا وہ قبول کر چکا ہے ان کے رشتے کو؟ یعنی وہ اینورسری سیلیبریٹ کرنے آئے تھے یہاں؟ شاہ ویز ابھی تک اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا جب کہ وہ اسے حیرت اور بے یقینی سے دیکھ رہی تھی... پوری آنکھیں کھولے... وہ اس کے تاثرات کو انجوائے کر رہا تھا... مگر... ایک آنسو بہت آہستہ سے اس کے گال پر سے پھسلتا چلا گیا... اب حیران ہونے کی باری شاہ ویز کی تھی...

"آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟"

بہت دیر تک ان کے بیچ خاموشی چھائی رہی تو نبیہا نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی کہ اس سب کا مقصد کیا ہے؟ آپ کی بڑھتی ہوئی عنایتوں کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ سب ترس اور ہمدردی ہے؟ میری بیماری میں فکر کرنا... پھر یونی کی فیس دینا اور پھر سب کے بیچ میری مدد کو بڑھنا... ممی، ڈیڈی کی برسی پر مجھے دلاسا دینا... اس سب کو میں اگر ترس کا نام دے بھی دوں تو آج کی اس عنایت کو کیا کہوں؟ اس ڈھیر ساری، مہنگی ترین شاپنگ کو کیا نام دوں؟ میں جانتی ہوں کہ یہ سب رحم یا ہمدردی میں نہیں ہے..."

وہ چند پل کے لیے رکی۔

"اور محبت کی گنجائش ہمارے بیچ کبھی نکل نہیں سکتی کیونکہ میں واقعی آپ کے قابل نہیں... میں جانتی ہوں کہ میں بہت بے وقوف اور کم عقل ہوں پہننے اوڑھنے کا مجھے کوئی خاص سینس نہیں ہے جبکہ آپ کو بہت باوقار پر اعتماد اور ذہین لڑکیاں اٹریکٹ کرتی ہیں... آپ کی تمام گرل فرینڈز میں، میں نے یہی خوبیاں نوٹ کی ہیں۔ اس لیے آپ کی پسند جاننے کے بعد میں نے آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دیے تھے... مجھے اپنی حیثیت اور اوقات کا اچھی طرح پتا ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ میں جلد از جلد اپنی پڑھائی مکمل کر کے کوئی جاب تلاش کرلوں اور آپ کے گھر سے چلی جاؤں۔ اب واپس پاکستان جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہاں بھی اکیلے رہنا ہے تو یہاں پر ہی میں سیٹل ہو جاؤں گی۔"

پہلی بار اس نے شاہ ویز کے سامنے اتنے متوازن لہجے میں بات کی تھی اور پہلی بار وہ اس کے سامنے لاجواب ہوا تھا... وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ جب بہت دیر تک وہ کچھ نہ بولا تو اس نے مزید کہا۔

"بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں آئی تو کیا آپ..."

وہ جھجک کر رک گئی... نجانے وہ کیا بات کرنے والی تھی...؟

"کیا یہ سب قیمت ہے میری...؟ میرے وجود کو... حاصل کرنے کا معاوضہ؟ لیکن... میں بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ ہمارے بیچ جو رشتہ ہے اس کے بعد بھلا میں کیا مزاحمت کروں گی آپ کے سامنے... اس لیے میری... آپ سے بس ایک ہی ریکویسٹ ہے کہ خوابوں سے نکل کر، بغیر سہاروں کے رہنا میں نے بہت... مشکل سے سیکھا ہے... اس لیے میرے لیے یہ سب... مت کریں کہ میں پھر سے امیدیں باندھ لوں آپ سے... بہت محنت سے میں نے اپنی ذات کی کرچیاں سمیٹی ہیں... اب کی بار اگر میں بکھری تو شاید پھر ممکن نہیں ہو گا خود کو سمیٹنا... آپ کی طلب اس

سب کے.... بغیر بھی پوری ہو سکتی ہے.... مجھے گرائے، جھکائے اور توڑے بغیر بھی...."

بہت دھیمے لہجے میں 'اٹک اٹک کر اس نے شاہ ویز کی سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا تھا۔

"چلو واپس چلیں۔" بہت دیر تک ساکت بیٹھنے کے بعد اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ نبیہا نے اس کے چہرے پر اپنی باتوں کا اثر تلاشنا چاہا، مگر اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

☆ ☆ ☆
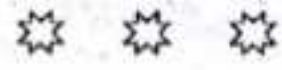
پچھلے چار گھنٹوں سے وہ بیڈ پر چت لیٹا، ہاتھوں کو سر کے پیچھے رکھے چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور ماتھے پر سوچوں کی بے شمار لکیریں تھیں۔ بار بار اس کے ذہن میں اس کے چند گھنٹے قبل کے الفاظ ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے، جس سے ہر بار نئے سرے سے اس کی اذیت میں اضافہ ہو جاتا.... آج اس لڑکی نے اسے آئینہ دکھایا تھا جس میں اپنی مکروہ شکل دیکھنے کے بعد اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل لگ رہا تھا۔

وہ شاہ ویز حسن تھا۔ اپنے ماں باپ کا لاڈلا، اکلوتا بیٹا.... ایک بگڑا ہوا رئیس زادہ.... غصہ اور ضد اس کی فطرت میں تھے۔ اپنی مرضی کے بغیر ایک کام بھی وہ قبول نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بچپن میں اگر اپنے کسی کھلونے کو وہ ایک بار ناپسند کر دیتا تو اٹھا کر باہر پھینک آتا اور پھر اگر اسے وہ اپنے پلے روم میں نظر آتا تو وہ اس کھلونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اپنی دانست میں اس کھلونے کو دوبارہ نظر آنے کی سزا دیتا تھا۔

شہریار حسن نے اسے عاق کرنے کی دھمکی نہ دی ہوتی تو وہ کبھی اس نکاح کے لیے راضی نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی عیاشی وہ باپ کے پیسوں پر کرتا ہے خود سے اتنے پیسے کمانے کے لیے ابھی اسے بہت سال درکار تھے اس لیے اس نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ لاہور سے واپسی پر سارا راستہ وہ بس یہ سوچتا رہا کہ کیسے اس لڑکی سے پیچھا چھڑایا جائے؟ کچھ ایسا کیا جائے کہ وہ خود سے طلاق کی بات کرے.... پھر اسکروو میں اس کے دوستوں نے حل بتا ہی دیا کہ وہ اسے اپنے ساتھ انگلینڈ لے جائے اور وہاں ایسا سلوک کرے اس کے ساتھ کہ ایک دن تنگ آ کر وہ خود اسے چھوڑ جائے۔ اس طرح وہ بچ جائے گا ڈیڈ کے غصے اور عاق والی تلوار سے....

پھر اس نے ایسا ہی کیا.... سب سے پہلے تو اس نے ماں باپ کو کسی طرح منا ہی لیا ریسپشن کی تقریب ملتوی کرنے کے لیے۔ اس کا خیال تھا کہ جب ایک رشتہ نبھانا ہی نہیں تو اعلان کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اسے یہاں بلانے کے بعد اس سے جتنا برا سلوک وہ کر سکتا تھا اس نے کیا.... گھر کے کام کروانا، مارنا پیٹنا، گالم گلوچ، طنز کرنا، یہ سب اس کے پلان کا حصہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے اتنی اذیت دے گا کہ وہ واپس جانے پر مجبور ہو جائے گی.... مگر.... ہر رات بے عزتی کروانے کے بعد اگلی صبح وہ اسی سکون اور صبر کے ساتھ کام کر رہی ہوتی.... نبیہا کے اس سکون سے اسے چڑ ہوتی تھی۔ اسی لیے اگلی بار وہ اس کے ساتھ اور بھی زیادہ برا کرنے کا فیصلہ کرتا.... مگر وہ ہر وار کے بعد اسے پرسکون جھیل کی مانند ہی لگتی تھی۔ جس میں جتنے بھی پتھر پھینک دیے جائیں وہ اندر جمع ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر اوپر سکوت ہی رہتا ہے۔ صرف چند لمحوں کے لیے پانی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی کچھ گھنٹے روتی، تململتی اور پھر ٹھیک ہو جاتی۔ اسے اس کے رونے سے بہت سکون پہنچتا تھا کہ چلو چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی کچھ تو تڑپ رہی ہے وہ....

ایک چیز جو اس کے پلان میں شامل نہیں تھی وہ شاہ ویز کا اس کے حصول کی خواہش رکھنا تھا.... یہ خواہش کم ہونے کے بجائے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ روز اپنے ساتھ کسی نئی لڑکی کو لاتا تھا کہ شاید وہ کامیاب ہو سکے اس خواہش کو دبانے میں.... ان گرل فرینڈز کا مقصد نبیہا کو جتانے سے زیادہ خود کو یہ سمجھانا تھا کہ وہ ان بے باک لڑکیوں کے

پاسنگ بھی نہیں ہے۔ ان کے سامنے صفر ہے... مگر ایک لڑکی جو دن رات آنکھوں کے سامنے رہتی ہو، جس پر پورا پورا حق بھی ہو... اس سے نگاہیں چرانا شاہ ویز جیسے مردوں کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

جس رات وہ بخار میں تپ رہا تھا اس رات بھی ایشاء کے ساتھ اس کی لڑائی کی وجہ وہی تھی... نجانے کیسے اس کے منہ سے ایشاء کے بجائے "بیا" نکلا تھا اور اس کا اگلا جملہ ایشا کے ساتھ ساتھ اسے خود بھی ساکت کر گیا تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا کہ کیا کہا تھا اس نے ایشاء کو مخاطب کر کے... "بیا مجھے یقین تھا کہ تمہارے بال بھی تمہاری طرح حسین ہوں گے اور آج میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی ہے۔ تمہیں آخر کار دیکھ ہی لیا بنا چادر کے..."

اس کا جملہ سن کر ایشاء اسے گالیاں دیتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تھی جب کہ وہ حیران پریشان لیٹا سوچتا رہا کہ یہ کیا بول گیا آج وہ؟ ایسا کیسے ممکن تھا؟ کیا وہ اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی؟ کیا واقعی اس کی شدت سے خواہش تھی اسے کھلے سر دیکھنا؟ مگر کیوں؟ لاکھوں لڑکیاں اس کے اردگرد بے حجاب گھومتی تھیں پھر وہ اس عام سی لڑکی میں کیوں دلچسپی لے رہا تھا...؟

وہ ان سارے سوالوں کے جواب ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ آگئی وہاں اس کی فکر میں گھلتی ہوئی... اسے بے ساختہ غصہ آیا تھا اس پر... اس کی وجہ سے ایشاء ناراض ہو کر چلی گئی تھی۔ وہ لڑکی اسے گرانا چاہتی تھی۔ اسے ہرانا چاہتی تھی۔ اور وہ مرد ہو کر کیسے برداشت کرتا اپنی ہار؟ کیسے جھکتا وہ ایک عام سی لڑکی کے آگے؟

اسی لیے اس نے غصے سے اسے فوراً "کمرے سے چلے جانے کو کہا تھا اس ڈر سے کہ کہیں وہ اپنے منہ زور جذبوں کے آگے مجبور ہو کر اس کے سامنے جھک نہ جائے... مگر وہ بھی اس دن شاید پکا ارادہ کر چکی تھی اسے دوا کھلانے کا... اس کے تاثرات جاننے کے لیے ہی جان بوجھ کر اس نے "بیوی" کا لفظ استعمال کیا تھا۔

نجانے کیوں وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ کس جذبے کے زیر اثر اس کی اتنی فکر کر رہی ہے... مگر وہاں ہمیشہ کی طرح سادگی ہی نظر آئی تھی اسے... اور پھر جب دوا کھلانے کے بعد وہ جانے لگی تو بے ساختہ اس نے اسے رکنے کا کہا اور اس کی محبت کی ننھی سی کونپل پھوٹی تھی اور وہ اس انہونی سے انجان اس کی نرم انگلیوں کے لمس سے سرشار ہوتا رہا تھا۔

اور پھر ایک دن اس کے سکون اور صبر کی وجہ سمجھ میں آ ہی گئی تھی اسے... توکل، خاموشی اور اللہ کا ذکر... وہ گھر واپس آیا تھا جب وہ اسے لاؤنج میں بیٹھی جذب سے کسی کتاب کو پڑھتی نظر آئی تھی... اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اور وہ اتنی مگن تھی کہ اسے اس کے آنے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا... اس کی سحر زدہ آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے... وہ مدھم آواز میں ایک سطر کو دہرا رہی تھی... بار بار... اس کے اندر کے مصور نے اس منظر کو اپنے ذہن کے کینوس پر اتارا تھا... جب گیلری میں اس پینٹنگ کو ڈسپلے کیا گیا تو اس کے پروفیسر نے اس پینٹنگ کی بے انتہا تعریف کی تھی... اور اسے ایک "ماسٹر پیس" قرار دیا تھا اور ساتھ ساتھ وہ پینٹنگ اس سے خریدنے کی بات بھی کی تھی... نجانے کیوں اس نے اسی لمحے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ یہ پینٹنگ کسی کو بیچنا نہیں چاہتا... کیوں؟ وہ خود بھی اپنی کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ پھر اسی رات جب ان لڑکوں کا غصہ اس پر نکالا تو ساری رات وہ بے چین رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کٹنے کے نشان دیکھ کر وہ حقیقتاً "پریشان ہوا تھا۔ اس وقت تو وہ نہیں سمجھا تھا ان نشانات کی وجہ، مگر جب کلینک میں نبیہا نے وجہ بتائی تو شرمندگی کے زیر اثر اس نے اپنے ہی دیے زخموں پر اپنے لبوں سے مرہم رکھنا چاہا تھا۔

بہت غیر محسوس انداز میں وہ اسے گھر اور یونی میں نوٹ کرنے لگا تھا۔ یونی میں وہ ہمیشہ اسے خاموش اور تنہا ہی نظر آئی تھی۔ جب پہلی بار اس نے لوگوں کے منہ سے نبیہا کے لیے "سائیکو" کا لفظ سنا تھا تو اس کا دل چاہا تھا کہ وہ سب کی زبانیں کاٹ دے... لیکن

فیس کے پیسے کھونے پر اسے وہ واقعی پاگل اور بے وقوفی کی حد تک سادہ لگی تھی۔ اس دن ایک بار پھر اس نے اپنے آپ کو سرزنش کی تھی جب اس نے اسے شرمندگی کے زیر اثر سوری بولا تھا۔ اپنے تلخ رویوں کے لیے... اپنے سوری پر نبیہا کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی حیران اور پریشان تھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا اسے.... جب وہ اس کے غصے پر سہم جاتی تھی تو بہت عجیب سے احساسات ہوتے تھے اس کے جنہیں وہ کبھی کوئی نام نہ دے پایا تھا۔

اور جب وہ بالکنی میں اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی اپنے ممی ڈیڈی کو تو ایک بار پھر اس کا شدت سے دل چاہا تھا اس کے بالوں کو دیکھنے کا.... محرم رشتہ ہونے کے باوجود بھی آج تک اس نے اسے کھلے سر نہیں دیکھا تھا کبھی.... وہ حیران ہوا تھا اور پھر پتا نہیں کتنے جتن کر کے اس نے اپنی اس خواہش کو دبایا تھا دوبارہ۔ اور شادی کی سالگرہ منانے کا پلان بھی اس نے اسی وقت بنا لیا تھا۔ اور اس وقت اس کے ضمیر نے اسے ہزار گالیاں دی تھیں جب اسے پتا چلا تھا کہ وہ اس کے گھر میں رہتے ہوئے، بے شمار دولت اور آسائشوں کے باوجود اتنی محدود زندگی گزار رہی تھی۔ یہاں تک کہ گرم کپڑے لینے کے لیے بھی اسے اگلے ماہ کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا.... اس وقت اس کا واقعی دل چاہا کہ وہ خود کو ختم کر لے.... شرمندگی کے احساس کو کم کرنے کے لیے ہی اس نے اسے شاپنگ کروائی تھی، مگر پانی کے کنارے بیٹھے ہوئے اس نے جو باتیں اس سے کی تھیں وہ اسے پانی پانی کر گئیں، اگر وہ اس کو وہ سب نہ کہتی تو کچھ لمحوں بعد وہ اس سے اس صدی کی سب سے بڑی انہونی کا اعتراف کرنے والا تھا.... اپنی محبت کا.... اپنے جذبوں کا اظہار، مگر اس کی سب باتیں سن کر شاہ ویز کو یہی لگا کہ وہ کبھی اس کا اعتبار نہیں کرے گی اور وہ اس کی آنکھوں میں بے اعتباری نہیں دیکھ سکتا تھا.... وہ سب سننے کے بعد اپنی بے باک اور نڈر فطرت کے باوجود اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے جذبوں کا اظہار کرتا۔

ہاں شاید وہ ٹھیک ہی سوچ رہی ہے میرے بارے میں۔ اس نے دکھتی کنپٹی کو دباتے ہوئے سوچا۔ جیسا میں ہوں، جیسا میں نے اپنے آپ کو شو کروایا ہے اس کے سامنے، وہ بالکل ویسا ہی سمجھتی ہے مجھے۔ لکس کا غلام۔ جس کا پسندیدہ مشغلہ عورتوں کے جذبات سے کھیلنا ہے۔ مگر میں کیسے اسے یقین دلا پاؤں گا کہ میرے دل... میں اس کے لیے کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ صرف سچا جذبہ ہے۔ محبت کا جذبہ۔ عزت کا جذبہ۔ اتنے مہینوں سے میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے بھاگتا رہا۔ اپنے ہی دل کو برا بھلا کہتا رہا۔ مگر اب تھک چکا ہوں میں خود کو جھٹلاتے جھٹلاتے۔

اس نے تھکی تھکی سانس لی۔

کیسے میں اس کی اس غلط فہمی کو دور کروں کہ مجھے اس کی محبت چاہیے۔ اس کی روح۔ نہ کہ اس کا وجود۔ اسے کیسے یقین دلاؤں کہ میں اسے گرانے، جھکانے یا توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں تو خود جھک چکا ہوں۔ گھٹنے ٹیک چکا ہوں اس کے صبر اور خاموشی کے آگے۔ اسے بکھرا ہوا دیکھنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ مگر شاید وہ کبھی میرا اعتبار نہیں کرے گی۔ کبھی بھی نہیں۔ بہت مشکل ہے یہ۔ بلکہ ناممکن۔ کیونکہ وہ جانا چاہتی ہے مجھے چھوڑ کر۔ میری زندگی سے بہت دور۔ کیا میں اسے روک پاؤں گا؟ کیا اب اس کے بغیر رہ سکتا ہوں میں؟ کتنا عادی بنا چکی ہے مجھے وہ اپنا۔ اس کا عادی ہو چکا ہوں۔ کسی ڈرگ کی طرح۔ جو بہت آہستہ آہستہ عادی بناتی ہے انسان کو اپنا۔ نہیں یہ اب ممکن نہیں ہے میرے لیے کہ میں اس کی محبت کی طلب سے دستبردار ہو جاؤں۔ شاہ ویز حسن کو اس ڈر نے ساری رات بے چین کیے رکھا کہ اگر وہ اسے چھوڑ گئی تو۔؟

☼ ☼ ☼

نیا سمسٹر شروع ہوا تو وہ دوبارہ یونی میں مصروف ہو گئی۔ شاہ ویز نے اس دن کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا تو وہ مزید الجھ گئی کہ آخر وہ چاہتا کیا تھا؟ شاہ ویز کے

معمولات بدل چکے تھے۔ اب زیادہ تر وہ خاموش رہتا' بہت بار نبیہا کو وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا محسوس ہوا تھا۔ جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا ہو۔ اس کی گرل فرینڈز کی آمد بھی نہ ہونے کے برابر ہو چکی تھی۔ کئی مرتبہ نبیہا نے اسے فون پر لوگوں کو بہانے سے ٹالتے سنا تھا۔

نبیہا کو اپنے Typography کے پروفیسر ولیمز نے بہت متاثر کیا تھا۔ ساٹھ سال کے شفیق' مہربان اور قابل پروفیسر ولیمز کلاس میں ہر اسٹوڈنٹ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کے دیے ہوئے اعتماد کا نتیجہ تھا کہ نبیہا جو باقی لیکچرز کے دوران خاموش رہتی تھی' ان کے لیکچر میں اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کرتی۔ وہ بھی اس کے بتائے ہوئے پوائنٹس کو بہت سراہتے تھے۔ انہوں نے پوری کلاس کو کہہ رکھا تھا کہ اگر ان کے سبجیکٹ میں کسی کو کوئی بھی مسئلہ ہو تو وہ بلا جھجک ان کے آفس میں آکر ان سے ڈسکس کر سکتا ہے۔ ان کی دی ہوئی اسائنمنٹ کے متعلق ایک دو پوائنٹس پوچھنے کے لیے آج اس نے ان کے آفس میں جانے کا سوچا' کیوں کہ لیکچر کے بعد پوری کلاس اپنے مسئلے لے کر بیٹھ جاتی اور اسے موقع نہ ملتا بات کرنے کا۔ پہلے تو وہ تذبذب کا شکار ہوئی کہ ان کے آفس جائے یا نہیں؟ مگر پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ وہ بہت اچھے اور اسٹوڈنٹ کے ساتھ تعاون کرنے والے ہیں۔ ہمت کر کے وہ آ ہی گئی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ آج کے بعد وہ کسی پر اعتبار کرنے کے قابل نہیں رہے گی۔

''یس!'' دستک دینے پر اجازت ملی تو وہ اندر داخل ہوئی۔ پر اعتماد قدموں سے چلتی ہوئی وہ کمرے میں رکھی ٹیبل کے نزدیک چلی آئی۔

''سر! مجھے اسائنمنٹ کے بارے میں ڈسکس کرنا تھا۔'' ان کے اشارے پر کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے آنے کا مقصد بتایا پھر اس نے اعتماد سے اپنی ساری الجھنوں کو ان کے سامنے بیان کر دیا۔ اس عرصے میں وہ خاموش رہے تھے اور غور سے اس کی بات سنتے رہے۔

''او ہو ڈیئر! تم تو بہت پریشان لگ رہی ہو اس چھوٹی سے بات کو لے کر۔ جسٹ ریلیکس۔'' اس کی پوری بات سننے کے بعد انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ کافی پیو گی یا چائے؟ ان کی پیشکش پر نبیہا نے فوراً'' انکار کیا تھا مگر انہوں نے ایک بھی بات سنے بغیر کافی منگوالی۔

''آؤ وہاں صوفے پر آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' کافی آنے پر انہوں نے کمرے کے کونے پر رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ اسے سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا مگر وہ اتنے سینئر پروفیسر کو انکار بھی نہیں کر سکتی تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھی اور سنگل صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ وہ ڈبل صوفہ سنبھال چکے تھے۔ ان کے اصرار کرنے پر اس نے کپ اٹھالیا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ وہ بھی کافی پیتے ہوئے بہت غور سے اس کو دیکھتے رہے۔

''سر پلیز اب ڈسکس کر لیں' میری کلاس شروع ہونے والی ہے۔'' جب بہت دیر تک وہ کچھ نہ بولے تو اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ اسے اب ماحول کی خاموشی سے وحشت ہونے لگی تھی۔

''ہاں ہاں بالکل ویسے ایک بات ہے کہ تمہاری آنکھوں میں بہت کشش ہے۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ نجانے ان کے لہجے میں کیا تھا کہ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اگلے لمحے اسے احساس ہوا کہ اس نے یہاں اکیلے آکر سنگین غلطی کی ہے۔ فوری طور پر اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''آئی تھنک آئی شڈ گو ناؤ۔'' وہ تیزی سے اٹھی تھی مگر اس کے ہاتھ مضبوطی سے جکڑے گئے تھے شکاری کے جال میں۔

نبیہا کو اپنے ہوش گم ہوتے محسوس ہوئے۔ مگر اگلے لمحے اس نے ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ کیا اور اپنا پورا زور لگا کر اس نے اس بوڑھے بھیڑیے کو خود سے دور دھکیلا اور اگلے ہی لمحے گرم گرم کافی اس کے منہ پر الٹ دی۔ وہ چیخ کر دور ہٹا تھا۔ اس ایک لمحے کو نجات کا

آخری ذریعہ جان کر اس نے تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ لگادی تھی۔ شکر ہے اس وقت کاریڈور خالی تھا اسے کسی نے اس حالت میں نہیں دیکھا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے دنوں ہونے والی برف باری نے بیشتر لوگوں کو اپنے گھروں میں محصور کردیا تھا۔ مگر اتنی شدید ٹھنڈ کے باوجود اس کا گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ اس وقت ہلٹن پارک میں ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے ٹھنڈ کا کچھ بھی احساس نہیں تھا۔

بہت دیر تنہا بیٹھنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ اذیت تنہا نہیں سہہ سکتی۔ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اسے کسی کندھے کی ضرورت ہے۔

"پلیز جلدی پارک آجاؤ' مجھے تمہاری آج بہت ضرورت ہے۔" اس شہر میں وہ صرف چند ہی لوگوں کو جانتی تھی۔ اس جاننے میں بھی زیادہ قریب شاہ ویز اور مارٹن ہی تھے۔ شاہ ویز اس وقت شہر سے باہر تھا۔ وہ اگر وہاں ہوتا تب بھی وہ اس پر بھروسا نہ کرتی۔ اس لیے اس نے مارٹن کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ آج کے دن کی دوسری سنگین غلطی کرنے جارہی ہے۔

"نبیہا کیا ہوا اتنی ایمرجنسی میں تم نے کیوں بلایا ہے مجھے؟ اور تم رو کیوں رہی ہو؟" پندرہ منٹ بعد وہ وہاں موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی نبیہا اس کے گلے لگ کر سب بتاتی چلی گئی۔ مارٹن اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی سوائے اس کے وہ یہاں پڑھنے آئی ہے اور اپنے کزن کے ساتھ رہتی ہے۔ بلا سوچے سمجھے اس نے مارٹن کو تمام حقیقت سے آگاہ کردیا۔ ممی ڈیڈی کی ڈیتھ' شاہ ویز سے نکاح' پھر اس کا سلوک اور نفرت۔ اور آج کا سانحہ بھی۔

"پلیز بس کردو نبیہا! رونے سے کیا ہوگا؟ شکر کرو تمہاری عزت بچ گئی ورنہ۔" اس کی تمام باتیں سننے کے بعد آخر میں اس نے دکھ سے کہا تھا وہ بڑی بہن کی طرح اسے سنبھال رہی تھی۔ دلاسا دے رہی تھی۔

"میں کیا کروں مارٹن؟ مجھے لگ رہا ہے کہ میں ناپاک ہوچکی ہوں۔ مجھے گھن آرہی ہے خود سے۔ میں کتنی بے وقوف ہوں۔ مجھے ان کی آنکھوں میں چھپی حرص کیوں نظر نہیں آئی؟ تم ہی بتاؤ لوگ مجھے ہی کیوں ہر بار دھوکا دیتے ہیں؟ کیا میں اتنی بری ہوں؟" کسی بچے کی طرح روتے ہوئے اس نے اپنے سوالوں کے جواب مانگے۔

مارٹن بس بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ یہ دنیا سب کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہے۔

"نہیں' تم تو بہت اچھی ہو اور یہ دنیا بری۔ اب بس کردو۔ مزید کتنے آنسو بہاؤ گی اس کمینے پروفیسر اور اپنے بے غیرت شوہر کی وجہ سے؟ مرد اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے لیے اتنی قیمتی چیز ضائع کی جائے۔" مارٹن نے اسے سمجھاتے ہوئے تدبر سے کہا۔ "چلو اب اٹھو اور میرے گھر چلو' میں اچھا سا کھانا کھلاتی ہوں تمہیں۔" اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں اسے چلنے کو کہا۔

"نہیں بس اب میں گھر جاؤں گی اپنے۔ اگر شاہ ویز آگئے تو مجھے نہ پاکر نجانے کیا سوچیں۔" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔

"تمہیں اب بھی اس خود غرض شخص کی پروا ہے جس نے تمہارے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا؟ تم اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟ وہ تمہیں ڈیزرو نہیں کرتا۔" مارٹن نے اسے اچھا خاصا لتاڑا۔

"چھوڑ دوں گی جب اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کے قابل ہوجاؤں گی۔ فی الحال ایک چھت تو ہے میرے سر پر۔"

"ہاں بھیڑیوں سے بھری ہوئی چھت۔" مارٹن نے طنز کیا۔

"میں چلتی ہوں۔" گہری سانس لے کر وہ اٹھی اور تیز تیز قدموں سے وہاں سے نکل گئی جبکہ مارٹن سوچتی ہوئی نظروں سے اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

آج ایک ہفتے بعد بالآخر وہ دوبارہ یونی میں موجود تھی

پروفیسر کے کمرے سے صحیح سلامت نکل آنے پر اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ دوبارہ یونی نہیں جائے گی مگر جب وہ جذباتی کیفیت سے باہر نکلی تو اس نے حالات کا حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا۔

"اگر میں یونی نہ جاؤں تو کیا ہو گا؟ سب سے پہلے تو میرا کیریئر تباہ ہو جائے گا اور پھر میں کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکوں گی اور ساری زندگی سہاروں کی تلاش رہے گی مجھے۔ شاید پھر شاہ ویز کو چھوڑنا میرے لیے ممکن نہ ہو۔ کیا میں ہمیشہ کے لیے اس ماحول میں رہ سکتی ہوں؟ فقط مجھے متاثر کرنے کے لیے انہوں نے اپنے دوستوں کو یہاں بلانا چھوڑ دیا ہے۔ مگر کیا یہ سب ہمیشہ ایسا رہے گا۔؟ کبھی نہیں۔ جب میں شکست مان لوں گی اپنی تو پھر سے سب ویسا ہو جائے گا۔

اپنے اسی فیصلے کے پیش نظر وہ آج یونی آئی تھی۔ شاہ ویز جو لندن گیا ہوا تھا۔ تین دن پہلے ہی لوٹا تھا اور تب تک وہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی اس لیے وہ اس پر گزری قیامت کے آثار اس کے چہرے پر نہ دیکھ پایا۔ لندن سے وہ اس کے لیے کچھ چیزیں بھی لایا تھا جو اس نے بہت خاموشی سے رکھ لی تھیں۔ چیزیں رکھنے پر شاہ ویز کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تو نبیہا نے نظریں چرالیں۔ کسی کو تحفے نہ دینے والا آج اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس پر ہزاروں پاؤنڈز لٹا رہا تھا۔ نفس پرست انسان۔ اس نے تنفر سے سوچا۔

اسے یونی نہ جاتے دیکھ کر اس نے پوچھا ضرور تھا۔ مگر اس نے جھوٹ سچ ملا کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔ نجانے اس نے یقین کیا بھی تھا یا نہیں مگر وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی کھوجتی نظروں سے بچنے کے لیے بھی وہ گھر سے فرار چاہتی تھی جو یونی جانے کی صورت میں ممکن نہ تھا۔ کاش وہ جان سکتی کہ آج ایک بار پھر اس کا اس پروفیسر سے سامنا ہونے والا تھا تو وہ کبھی وہاں دوبارہ قدم نہ رکھتی۔

کلاس کے بعد وہ بلڈنگ کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ بلڈنگ کا یہ حصہ زیادہ سنسان رہتا تھا بہت کم لوگ اسے استعمال کرتے تھے جبکہ نبیہا کو رش سے الجھن ہوتی تھی اس لیے وہ زیادہ تر یہی راستہ استعمال کرتی۔ بلڈنگ سے نکل کر اب وہ سر جھکائے' سوچوں میں گم' تین بلڈنگز کے درمیان بنی سڑک پر چل رہی تھی جب اسے پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"اپنی چیزیں تو آکر لے جاؤ میرے آفس سے ڈیئر۔" کرنٹ کھا کر اس نے پیچھے دیکھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا کمینگی سے مسکرا رہا تھا۔ ایک بار پھر اسے سامنے دیکھ کر اس کے وجود پر لرزہ طاری ہوا تھا۔ خوف اور دہشت سے اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اپنے اور اس جانور کے درمیان فاصلہ بڑھانے کے لیے اس نے اگلے لمحے بھاگنا شروع کر دیا۔ جبکہ پیچھے سے اس کا مکروہ قہقہہ سنائی دیا۔

وہ آنسوؤں کی بہتی لڑیوں سمیت اندھادھند بھاگ رہی تھی جب وہ دوسری بلڈنگ سے نکلتے شخص سے بری طرح ٹکرائی تھی۔ وہ اگر نبیہا کو تھام نہ لیتا تو اب تک وہ منہ کے بل گر چکی ہوتی۔

"نبیہا کیا ہوا؟ تم کس سے بھاگ رہی ہو اور اتنا ڈری ہوئی کیوں ہو؟ اس کے سفید پڑتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شاہ ویز نے تشویش سے پوچھا۔ اس کے کانپتے وجود' سرخ ہوتی آنکھوں' اور خوف زدہ چہرے کو دیکھ کر اسے کچھ بہت غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ "کیا ہوا ہے پلیز بتاؤ مجھے۔" شاہ ویز نے اس کے بازوؤں کو جھنجوڑتے ہوئے اب کی بار تیز آواز میں پوچھا۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"مم۔ مجھے۔ ابھی گھر جانا ہے۔" کپکپاتے ہونٹوں سے اس نے بمشکل بتایا۔

"آؤ چلو۔" کچھ سوچ کر شاہ ویز نے مزید پوچھنے کا ارادہ ترک کیا اور اس کے آنسو اپنی پوروں پر چنتے ہوئے اسے چلنے کو کہا۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے نبیہا نے بہت مضبوطی سے اس کے بازو کو جکڑا ہوا تھا جیسے اسے کھو جانے کا خوف ہو اور وہ بار بار پیچھے مڑ کر نجانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ گاڑی کے نزدیک پہنچ کر

شاہ ویز نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تو وہ تیزی سے اس میں بیٹھ گئی۔ شاہ ویز کو اس کا انداز بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ اب تک کسی خوف کے زیر اثر تھی۔

گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔ وہ گاہے بگاہے سڑک سے نظریں ہٹا کر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتا تھا اور وہ مسلسل چہرہ شیشے کی طرف موڑے، لب بھینچے بیٹھی تھی کہ۔ ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اسے گاڑی رکنے کا احساس ہوا۔ مگر یہ ان کا گھر نہیں تھا۔ اس نے بے ساختہ شاہ ویز کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا آنکھوں میں تشویش اور بے شمار سوال لیے۔ چند لمحوں تک وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر۔ نبیہا کا ضبط جواب دے گیا۔ اب کی بار وہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے میں ناکام رہی تھی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا تمہیں مجھ پر ذرا سا بھی اعتبار نہیں؟ پلیز بتاؤ نا کیا ہوا؟" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"وہ۔ وہ پروفیسر ولیمز۔" اور پھر دل گرفتہ لہجے میں اسے سب بتا دیا جو اس پر گزری تھی۔ اس کی بات سن کر تاریک سا سایہ لہرایا تھا شاہ ویز کے چہرے پر۔ بات مکمل ہونے پر اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچے تھے۔ وہ اب سامنے سڑک پر دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں۔ نبیہا کو خوف آیا تھا اس کی لال انگارہ آنکھوں سے۔ اپنا دکھ بھول بھال کر وہ خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی مگر شاہ ویز اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ چند لمحوں بعد اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور انتہائی تیز رفتاری سے گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اتنی تیز ڈرائیو کر رہا تھا کہ کئی بار ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا مگر اس نے اپنی رفتار کم نہیں کی۔ نبیہا نے بہت بار چاہا کہ اسے آہستہ چلانے کو کہے مگر اس کے چہرے کے پتھریلے تاثرات دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ پھر اسے گھر کے سامنے اتار کر وہ زن سے گاڑی اڑا کر لے گیا۔

اگلے دن نوٹس بورڈ پر پروفیسر ولیمز کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے کا نوٹس لگا ہوا تھا۔ تفصیلات میں لکھا تھا کہ ان کی گاڑی پولیس کو ایک گہری کھائی میں گری ملی تھی۔

☼ ☼ ☼

نوٹس بورڈ پڑھ کر اسے بے ساختہ شاہ ویز کے پتھریلے تاثرات یاد آئے تھے۔ نجانے کیوں اسے پورا یقین تھا کہ یہ ایکسیڈنٹ نہیں تھا بلکہ اسے ایکسیڈنٹ کی طرح پیش کیا گیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ضرور شاہ ویز نے ہی اسے زخمی کیا ہے۔ بے ساختہ اس نے جھرجھری لی تھی۔ کیا واقعی وہ اتنا شدت پسند ہے کہ ایک پروفیسر کو قتل کر دے، محض نبیہا کا بدلہ لینے کے لیے؟ اس دن اسے چھوڑ کر نجانے وہ کہاں گیا تھا اور پھر رات بہت دیر سے لوٹا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اگلی صبح معمول کے مطابق بہت نارمل لہجے میں اس نے بات کی تھی۔ بظاہر تو وہ بہت پرسکون دکھائی دیا تھا نبیہا کو۔

پھر ناشتے کے دوران ہی اس نے بہت دو ٹوک لہجے میں اسے بتایا تھا کہ آج سے وہی اسے یونی لے کر جائے گا اور واپسی بھی اسی کے ساتھ ہوا کرے گی اور جب نبیہا نے انکار کرنا چاہا تو بہت سرد لہجے میں مجھے اپنی بات دوہرانے کی عادت نہیں کہہ کر بات ہی ختم کر دی۔

اب وہ پچھلے ایک ہفتے سے اسی کے ساتھ ہی آتی اور جاتی تھی۔ شاہ ویز کا یونی میں اب کوئی کام نہیں تھا مگر پھر بھی اسے چھوڑ کر واپس جانے کے بجائے اکثر وہ وہیں رہتا تھا۔ اور جب کبھی اسے کسی کام سے جانا پڑتا تو ہر تھوڑی دیر کے بعد وہ اسے ٹیکسٹ یا کالز کر کے اس کی خیریت ضرور پوچھتا۔

"تم ابھی تک یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ سوچوں میں گم تھی جب اسے شاہ ویز کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔ آپ یہاں؟" اسے سامنے دیکھ کر وہ بوکھلاہٹ سے کھڑی ہوگئی۔

"ہاں۔ میں لیکچر ہال کے باہر انتظار کر رہا تھا تمہارا۔ لیکچر ختم ہوئے بیس منٹ ہوچکے ہیں۔ تم اکیلی بیٹھی یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بس آ ہی رہی تھی۔ چلیں؟" اپنی چیزیں سمیٹ کر اس نے چلنے کو کہا۔

"چلو کیفے چلتے ہیں۔ بہت شدید بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" بلڈنگ سے باہر آکر شاہ ویز نے کہا تو گہری سانس لے کر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"آج شام مانچسٹر آرٹ گیلری میں بہت زبردست ایگزیبیشن ہے۔ شام میں تیار رہنا' میں نے دو پاسز لیے ہیں۔" اپنا پسندیدہ برگر کھاتے ہوئے اس نے اطلاع دی۔

"نہیں، مجھے نہیں جانا۔ کام ہے بہت۔" نبیہا نے دھیمے لہجے میں انکار کیا۔

"کل ویک اینڈ ہے' کل کرلینا۔" اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اس کے انکار کو۔

"نہیں' بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔ آپ کسی اور کے ساتھ چلے جائیں۔" آج کل ویسے بھی وہ پریشان تھی اور اسے تفریح سوجھ رہی تھی۔

"میں نے مشورہ نہیں مانگا۔" فوراً" سرد لہجے میں جتایا گیا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے؟" اس نے بے بسی سے ہونٹ چبائے۔

"تو تم سمجھا دو۔" بے نیازی سے برگر کا لقمہ لیتے ہوئے جواب دیا گیا۔

"پروفیسر ولیمز کو آپ نے مارا ہے نا؟" نتائج کی پروا کیے بغیر اس نے آخر کار ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"نہیں۔" بہت دیر اسے سنجیدگی سے دیکھنے کے بعد شاہ ویز نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس دن مجھے ڈراپ کرنے کے بعد آپ اسے مارنے ہی گئے تھے ہے نا؟" نبیہا نے پریقین لہجے میں کہا۔

"تم نے پولیس کو اندھا سمجھ رکھا ہے نا؟ میڈم یہ مانچسٹر کی پولیس ہے' نبیہا سلمان نہیں جسے آسانی سے بے وقوف بنالیا جائے۔" وہ پرسکون سا بیٹھا ہوا برگر کھا رہا تھا کہ جیسے اس سے ضروری کوئی کام نہیں۔

"اگر انہیں میرے خلاف ثبوت ملتا تو اس وقت میں جیل میں ہوتا' یہاں تمہارے ساتھ بیٹھا یہ برگر انجوائے نہ کر رہا ہوتا۔ اس نے طنزیہ لہجے میں بات مکمل کی۔

شاہ ویز کا مطمئن چہرہ دیکھ کر اسے لگا کہ شاید وہ سچ بول رہا ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی نارمل شخص ایک انسان کو قتل کر کے اتنا پرسکون نہیں نظر آسکتا۔ مگر ایک بار پھر وہ دھوکہ کھا گئی تھی۔ اسے چہروں پر لگے نقاب کے پیچھے اصل کہانی پڑھنا کبھی بھی نہیں آسکتا تھا۔ اور شاہ ویز اسی لیے مطمئن تھا کہ اس کے سامنے بیٹھی لڑکی کم از کم چہرہ شناس نہیں تھی۔

"اب اگر تفتیش مکمل ہوگئی ہو تو کوئی اور بات کرلیں؟" اسے خاموش دیکھ کر شاہ ویز نے جتایا تو وہ بھی منفی سوچوں کو جھٹک کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

اسے یونی میں شاہ ویز کا میسج ملا تھا کہ آج وہ سب وے سے گھر چلی جائے وہ کہیں مصروف ہے۔ پچھلے دو مہینے میں یہ پہلی بار ہوا تھا اس لیے اتنے دنوں بعد اکیلے جانا اسے عجیب لگا۔ گھر کے اندر داخل ہو کر اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی۔

"او تو جناب آگئے واپس اپنی اصلیت پر۔" لاؤنج میں رکھی میز پر موجود بوتل کو دیکھ کر اس نے تمسخر سے سوچا۔ آج بہت عرصے بعد اس نے اس مشروب کی نجس بو ایک بار پھر گھر میں محسوس کی تھی۔ ورنہ پچھلے کئی مہینوں سے شاہ ویز کے دوستوں کے ساتھ ساتھ اس مشروب کا گھر میں پایا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک بار پھر وہی سب شروع ہوجائے گا اب اس نے افسردگی سے سوچا اور شاور لینے کے لیے اپنے کمرے کی

طرف بڑھ گئی۔ فریش ہونے کے بعد اس نے پہلے کھانا بنانے کا سوچا اور یوں ہی گیلے بالوں کو کھلا چھوڑ کر کمرے سے باہر آگئی۔ کچن میں کام کرتے ہوئے آہٹ کا احساس ہونے پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہیں ساکت ہو گئی۔

وہ جو کوئی بھی تھا بہت فرصت سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی خمار آلود' سرخ آنکھیں اس کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔

"کک۔ کون ہو تم؟ اور اندر۔ اندر کیسے آئے؟" اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات سامنے کھڑے مرد نے دلچسپی اور حیرانی سے دیکھے تھے۔

اس نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"شاہ۔ شاہ ویز ابھی گھر پر نہیں ہیں۔ آپ پلیز بعد میں آجائیے گا۔"

"وہ نہیں ہے تو کیا ہوا۔ تم تو ہو مجھے کمپنی دینے کے لیے۔ فکر نہ کرو' وہ ناراض نہیں ہو گا۔ ہم نے بہت بار بہت کچھ شیئر کیا ہے۔" اس نے معنی خیزی سے کہا تو اس کی بات سمجھ کر وہ غصے سے سرخ ہو گئی۔

"آپ جو سمجھ رہے ہیں میں وہ نہیں۔ راستہ چھوڑیں میرا۔" غصے سے کہتی ہوئی اسے سائیڈ پر دھکیل کر وہ کچن سے باہر نکلی تھی۔

اس نے اس کا بازو تھام کر روکا۔ اس جرات پر طیش میں آکر نبیہا نے بے اختیار اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا۔

"تمہاری یہ ہمت؟ اب دیکھتا ہوں کیسے بھاگتی ہو مجھ سے۔" تھپڑ کھا کر ایک لمحے کو تو وہ ساکت ہو گیا مگر اگلے لمحے اس نے سختی سے اس کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ خود کو آزاد کرانے کے لیے اس نے مکیش کی گردن کو دونوں ہاتھ رکھ کر دبانا چاہا۔ اس لمحے شاہ ویز گھر میں داخل ہوا تھا اور لاؤنج کا منظر دیکھ کر اسے اپنا وجود آتش فشاں پہاڑ کی مانند پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ اسے کسی مرد کی پشت نظر آئی اور ساتھ ہی نبیہا کے ہاتھ بھی۔ کوئی بھی دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ وہ ایک دوسرے میں گم ہیں۔

"یو باسٹرڈ۔" کھولتے دماغ کے ساتھ وہ آگے بڑھا اور مکیش کو جھٹکے سے نبیہا سے علیحدہ کیا۔ ان دونوں کی سانسیں بے تحاشا پھولی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی نبیہا روتے ہوئے تیزی سے شاہ ویز کے پیچھے جاکر کھڑی ہو گئی تھی جیسے وہ اس کی ڈھال ہو۔ جبکہ مکیش بپھرے ہوئے شاہ ویز کو دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

شاہ ویز نے اسے کالر سے پکڑا اور اسے دو' چار گھونسے لگائے۔ نشے میں ہونے کی وجہ سے مکیش جوابی کارروائی کرنے سے قاصر تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔ آئندہ اپنی شکل مت دکھانا مجھے۔" غصے سے اسے دروازے کی طرف گھسیٹتے ہوئے شاہ ویز چلایا تھا۔ پھر اسے دروازے کے باہر پھینک کر وہ واپس پلٹا۔

"شاہ ویز۔" نبیہا تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس کے آنسو صاف کرے گا۔ مگر یہ کیا۔ شاہ ویز نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا۔

"کتنی بڑی ایکٹر ہو تم۔ کتنی آسانی سے میری آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھیں۔ کب سے چل رہا ہے یہ چکر؟" شاہ ویز نے تلخی سے کہا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"شاہ ویز۔ یہ۔ یہ آپ کک۔ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرا یقین کیجیے میں نہیں جانتی اسے۔ آپ جیسا سمجھ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں۔" تڑپ ہی تو گئی تھی وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شک دیکھ کر۔ مگر اگلے لمحے پڑنے والے تھپڑ نے اسے خاموش کروا دیا۔

"شٹ اپ۔" وہ دھاڑا۔ "بڑی نمازن اور پردے دار بنی پھرتی ہو نا؟ میرے سامنے کھلے سر نہیں آسکتیں مگر اپنے یار کے سامنے بغیر چادر کے موجود تھیں کتنے مزے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر تم کھڑی ہوئی تھیں؟ میں تمہیں کیا سمجھنے لگا تھا؟ لعنت ہو مجھ پر

جو میں تمہاری طرف متوجہ ہوا۔ تم تو ان لڑکیوں سے بھی گئی گزری ہو جو روز میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ کم از کم منافق نہیں ہوتیں تمہاری طرح۔ اتنی معصوم شکل کے پیچھے اتنا گرا ہوا کردار ہوگا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دکھادی نا تم نے اپنی اوقات؟ مجھے دھوکا دے رہی تھیں نا؟ اب دیکھنا کیا کرتا ہوں تمہارے ساتھ۔

شاہ ویز کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے زندہ دفن کردے۔ جبکہ نبیہا اب بالکل خاموش تھی اور گم صم سی اسے دیکھے جارہی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک دھماکے کے ساتھ دروازہ بند ہوا اور وہ شکستگی سے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

✡ ✡ ✡

پولیس کی اطلاع ملتے ہی وہ فوراً گھر واپس آیا تھا۔ وہاں پولیس اور فائر بریگیڈ کی بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ شان دار بنگلہ اس وقت آگ کی لپیٹ میں تھا۔ وہ تیزی سے مین دروازے کی طرف بڑھا جب ایک پولیس افسر نے اسے آگے جانے سے روک دیا۔

"مجھے اندر جانا ہے' میری بیوی ہے اندر....." وہ بے تابی سے چلایا۔

"جب تک آگ پر مکمل طور پر قابو نہیں پالیا جاتا' تم اندر نہیں جاسکتے' انتظار کرو۔"

"یہ میرا گھر ہے' مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں اندر جانے کے لیے۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہے' وہ اکیلی ہے اندر....." اس بار اس نے بے بسی سے کہا مگر مقابل نے سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ایک بے چین اور مضطرب نظر سامنے جلتی عمارت پر ڈال کر وہ شکستہ قدموں سے چلتا ہوا واپس پلٹ گیا۔ اس پولیس افسر کو اس کی حالت پر بے اختیار ترس آیا تھا۔ مگر وہ اس کے لیے اس وقت کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا' سوائے دعا کے..... تقریباً" ایک گھنٹے بعد جب آگ پر قابو پالیا گیا تو وہ کچھ افسران کی معیت میں اندر کی طرف بھاگا۔ ووڈن فلور اور فنیشنگ ہونے کے باعث پورا گھر جل چکا تھا۔ نبیہا کو پکارتے ہوئے وہ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا تھا مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا سوائے جلی ہوئی چیزوں کے.....

"ہم نے پورا گھر دیکھ لیا ہے' یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ باہر چلی گئی ہوں آگ لگتے ہی۔ تم اسے کال کرو' پریشانی میں اس طرف تو اس کا دھیان گیا ہی نہیں۔ موبائل نکال کر اس نے نبیہا کے نمبر پر کال ملائی مگر وہ بند تھا۔ کافی بار کوشش کرنے کے بعد بھی اس کا نمبر بند ملا تھا۔"

"بند جارہا ہے۔" اس نے بے بسی سے ہونٹ چبائے۔

"کوشش کرتے رہو۔ ہوجائے گی بات۔ گھر میں کوئی ہوتا تو ڈیڈ باڈی تو مل جاتی۔"

افسر نے پیشہ ورانہ لہجے میں کہا تو شاہ ویز نے ایک سلگتی ہوئی نظر پر ڈالی۔

"یہ آگ حادثے کے بجائے سوچا سمجھا پلان بھی ہوسکتی ہے۔ ہم پوچھ گچھ کررہے ہیں آس پاس لوگوں سے..... تمہیں کسی پر شک ہے۔"

"نہیں....." مختصر جواب آیا۔

"ٹھیک ہے' ہم اب چلتے ہیں۔ اگر تمہاری بیوی واپس نہ آئی صبح تک تو ہمیں بتانا' ہم تلاش شروع کردیں گے۔"

ان کے جانے کے بعد پھر اس نے نبیہا کے نمبر پر کال ملانا شروع کردی مگر وہ مسلسل بند تھا۔ وہ ایک بار پھر نبیہا کے کمرے میں داخل ہوا۔ فضا میں جلنے کی بو پھیلی ہوئی تھی مگر اسے کسی بھی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ وہ اس کے زیر استعمال ایک ایک چیز کو چھو کر ان میں اس کا لمس تلاش کرتا رہا..... اس کی جلی ہوئی ٹیبل اور کرسی پر..... اس کے بستر پر..... یہاں تک کہ الماری میں رکھے اس کے جلے ہوئے کپڑوں پر بھی..... بالآخر تھک کر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور بے آواز رونے لگا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ اور پچھتاوا تھا..... اسے چند گھنٹے پہلے گزرا واقعہ بھول چکا تھا..... یاد تھا تو بس اتنا کہ نبیہا اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

"میرے اللہ اس کی حفاظت فرما۔ اسے اپنے امان میں رکھنا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو جلد سے جلد واپس آجائے۔ صحیح سلامت۔ میں وعدہ کرتا ہوں تجھ سے اب اسے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ کبھی بھی اس پر شک نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں وہ بہت پاک اور معصوم ہے۔ کبھی بھی کچھ غلط نہیں کر سکتی۔ اللہ مجھے اپنی غلطیوں کی اتنی کڑی سزا مت دینا۔ اسے مجھے لوٹا دے میرے مالک۔۔۔

اور پھر زندگی میں شاید پہلی بار اس کی پیشانی رب کے سامنے سجدے میں جھکی تھی۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اس کی سلامتی اور واپسی کی دعا مانگ رہا تھا۔ خوش نصیب ہوتی ہے وہ عورت جسے پانے کے لیے مرد سجدوں میں التجا کرتا ہے اپنے رب سے۔۔۔ اور نبیہا بلاشبہ ایک خوش نصیب عورت تھی۔

بالآخر اس کا اضطراب کچھ کم ہوا تو وہ گھر سے باہر آگیا اور فرنٹ لائن کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ رات کے دو بج چکے تھے۔ تقریباً" آٹھ بجے کے قریب وہ گھر سے نکلا تھا۔ پچھلے چھ گھنٹوں سے وہ لاپتا تھی۔۔۔ نہ جانے کہاں چلی گئی تھی وہ۔

"تم چاہو تو میرے گھر آسکتے ہو۔ یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔" آواز پر چونک کر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے بنے گھر میں رہنے والی ساٹھ سالہ مسز آسٹن کھڑی نظر آئیں۔

"نہیں شکریہ۔۔۔" آنکھوں کی نمی کو صاف کرتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں یہاں اپنی بیوی کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ آئی تو مجھے نہ پا کر پریشان ہو جائے گی۔"

"آجائے گی وہ۔۔۔ تم پریشان نہ ہو۔ بہت اچھی لڑکی ہے وہ۔ آتے جاتے پوچھتی رہتی ہے میرا حال چال۔۔۔ ہو سکتا ہے آگ کی وجہ سے گھبرا کر اس نے اپنی دوست کو فون کیا ہو۔"

انہوں نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی اس کی تعریف بھی کی مگر شاہ ویز ان کی آخری بات پر چونک گیا۔

"دوست۔۔۔" اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

"ہاں میں نے اسے اپنے گھر کی کھڑکی سے ایک لڑکی کے ساتھ گاڑی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"لڑکی۔۔۔ کون تھی وہ؟" اس کے لہجے میں بے تابی تھی۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔ تم اسے فون کر لو۔" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی مشورہ بھی دے دیا اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے حسرت اور امید لیے اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ وہاں نبیہا کے نام کے ساتھ ساتھ اس کا نمبر بھی لکھا نظر آرہا تھا۔ نمبر کو بغور دیکھتے اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا۔

تیزی سے کال کاٹ کر اس نے اپنی فون بک سے اپنے ایک دوست کا نمبر نکالا اور اسے کال کرنے لگا۔ وہ موبائل نیٹ ورک کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ اس کے ذریعے سے وہ نبیہا کا نمبر ٹریس کروا سکتا تھا کہ بند ہونے سے پہلے نمبر کس جگہ پر تھا۔ اس نے شاہ ویز کو کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا۔ شکر ہے کہ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اسے اپنے دوست کا ٹیکسٹ ملا تو وہ سرعت سے گاڑی کی طرف بڑھا۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھوں میں سناٹا تھا۔ موت کا سا سناٹا۔ لٹھے کی مانند سفید پڑتے چہرے اور قبر کی سی ویران آنکھیں دیکھ کر کوئی بھی اسے زندہ تصور نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں وہ ایک لاش کی مانند بے حس و حرکت پڑی تھی۔۔۔ اسے اب بھی شاہ ویز کی خود پر گڑی بے اعتبار نظریں بے چین کر رہی تھیں۔

وہ اس وقت مارٹن کے گھر پر تھی۔ شاہ ویز کے گھر سے نکلتے ہی پہلے تو بہت دیر وہ اپنی سیاہ قسمت اور بے بسی پر روتی رہی اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب اس گھر میں نہیں رہے گی۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی مگر اپنے کردار پر انگلی برداشت نہیں کر سکتی تھی

اور نہ ہی شاہ ویز کی نظروں میں بے اعتباری دیکھ سکتی تھی۔

"بس کردو اور کتنا رونا ہے؟" اسے غمگین حالت میں بیٹھا دیکھ کر مارٹن نے اکتا کر پوچھا۔ "چھوڑ تو آئی ہو اس کا گھر؟ بس اب مت یاد کرو اس بے حس شخص کو..."

"کتنے آرام سے اس نے مجھے بدکردار کہہ دیا؟" وہ ٹرانس کی کیفیت میں بول رہی تھی۔ "جیسے وہ مجھے جانتا ہی نہیں۔ اتنے ماہ سے میں اس کے ساتھ رہ رہی ہوں، پھر بھی اسے پتا نہیں چل سکا کہ میرا کردار کیا ہے؟" آج تک اس کے ساتھ روا رکھے گئے کسی بھی برے سلوک نے نبیہا کو اس طرح اذیت نہیں دی جتنی آج اس کی بے اعتباری نے دی تھی۔

"اچھا اب پلیز بھول جاؤ سب اور کچھ کھالو، پھر میں تمہیں سکون آور دوا دے دوں گی، تاکہ تم سکون سے سو سکو۔ ورنہ ساری رات یوں ہی بے چین رہو گی۔"

"شکریہ مارٹ... آج تم نے میری بہت مدد کی۔ تم نہ ہوتیں تو میں نہ جانے کہاں جاتی۔" نبیہا نے شکر گزاری سے کہا۔ مارٹن کی شکل میں اسے ایک مخلص دوست ملی تھی۔

"دوستی کی ہے تو نبھانی بھی تو ہے۔ بس اب سب فکریں چھوڑو اور آرام سے یہاں رہو۔ وہ تمہیں یہاں کبھی ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ تم نے اسے میرے بارے میں تو نہیں بتایا ہوا نا؟" مارٹن کے چہرے پر تشویش تھی۔

"نہیں..." اس نے پریقین لہجے میں نفی کی۔

☆ ☆ ☆

مارٹن جوزف نے نبیہا سلمان کو پہلی بار ہیٹن پارک میں جھیل کے کنارے بنے بینچ پر دیکھا تھا۔ جہاں وہ دنیا سے بے خبر نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس کی معصومیت، خوب صورتی اور چہرے پر لکھی تنہائی کو دیکھتے ہی مارٹن کو احساس ہوا کہ اسے اپنا نیا شکار مل چکا ہے۔ وہ ایک بین الاقوامی تنظیم کی ممبر تھی جو یورپ کے مختلف ممالک سے لڑکیاں اغوا کر کے انہیں ہائی پروفائل شخصیات کو خوش کرنے کے لیے استعمال کرتی تھی اور بدلے میں ان سے مراعات لیا کرتی تھی۔

نبیہا جیسی سیدھی اور بے وقوف لڑکی کو شیشے میں اتارنا اس جیسی شاطر لڑکی کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس نے دوستی کرلی تھی۔ شروع شروع میں اس نے نبیہا کو بالکل نہیں کریدا۔ زیادہ تر وہ اپنے ہی متعلق جھوٹی کہانیاں سنایا کرتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے مارٹن پر اعتماد کرنا شروع کردیا اور بالآخر ایک دن خود ہی اس نے اپنے بارے میں سب بتا دیا۔ اس کے شادی شدہ ہونے کا سن کر اسے افسوس ہوا تھا کہ اتنے مہینے اس پر ضائع کیے، کیونکہ ان کی تنظیم کا اصول تھا کہ ایسی لڑکی کو استعمال کیا جائے جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو مگر پھر شاہ ویز کی نبیہا کے لیے نفرت اور بے زاری کا سن کر اسے تھوڑا حوصلہ ہوا کہ اگر وہ نبیہا کو اغوا کرلے تو شاہ ویز کبھی اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ خوش ہی ہو گا۔

بہت بار اس نے نبیہا کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تھی مگر اس نے ہر بار انکار کردیا مگر پھر قسمت اس پر مہربان ہو ہی گئی اور آج خود نبیہا نے اسے فون کر کے اپنے گھر بلایا تھا۔ جب وہ اس کے گھر پہنچی تو اس نے سارا قصہ اسے سنا دیا۔ مارٹن کو سنہری موقع مل گیا تھا اسے اپنے ساتھ لے جانے کا۔ اسی نے نبیہا کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے منظر سے ہٹ جائے اور بغیر بتائے اس کے ساتھ چلے، تاکہ شاہ ویز کو احساس ہو اپنی غلطی کا اور اس بے وقوف لڑکی نے آنکھیں بند کر کے اس کی بات مان لی تھی۔

جب نبیہا اندر کمرے میں ضروری سامان لینے گئی تو بہت ہوشیاری سے اس نے گیس برنر آن کردیا اور باہر نکلتے ہوئے اس نے نبیہا سے چھپا کر اپنے ہاتھوں میں جلتا سگریٹ کچن کی طرف اچھال دیا۔ ایسا اس نے اس سوچ کے ساتھ کیا تھا کہ جب شاہ ویز کو آگ کا پتا چلے تو وہ یہی سوچے کہ اشتعال میں نبیہا اس کے گھر کو

آگ لگا کر گھر سے چلی گئی ہے اور نتیجتاً" وہ بھی غصے میں اسے نہ ڈھونڈے۔ گھر آکر اس نے بہت آسانی سے اس کا موبائل آف کر دیا اور یہیں اس سے غلطی ہوئی تھی۔ وہاں آگ لگانے والے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں وہ اتنی مصروف تھی کہ نبیہا کے فون کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا۔ ورنہ وہ وہیں شاہ ویز کے گھر پر ہی اس کا فون پھینک آتی اور نبیہا کو کچھ خبر نہ ہوتی' کیونکہ نبیہا کو اس وقت کسی بھی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ اب وہ اسے کافی میں بے ہوشی کی دوا ڈال کر دے رہی تھی' تاکہ اگلے مرحلے کی طرف بڑھ سکے۔

☼ ☼ ☼

نبیہا مکمل طور پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس لیے اب وہ اپنا کام سکون سے کر سکتی تھی۔ ابھی اس نے ایک دو تصاویر ہی لی تھیں کہ ڈور بیل بجی۔ اسے لگا کہ منصوبے کے مطابق جیک آیا ہوگا' تاکہ نبیہا کو راتوں رات ہی یہاں سے کہیں اور منتقل کیا جا سکے۔ کیمرہ بیڈ پر رکھ کر وہ کمرے سے باہر آئی اور بنا پوچھے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا۔

"نبیہا کہاں ہے؟" شاہ ویز نے بے تابی سے پوچھا۔

"ک۔ کک۔۔۔ کون نبیہا؟ میں کسی نبیہا کو نہیں جانتی۔ جاؤ تم۔۔۔" اس نے تیزی سے دروازہ بند کرنا چاہا مگر شاہ ویز نے اپنی ٹانگ پھنسا کر مارٹن کو زور سے پیچھے کی طرف دھکیلا تو وہ ساتھ رکھی ٹیبل سے ٹکرا کر نیچے گری۔

"نبیہا۔۔۔ نبیہا کہاں ہو تم؟" وہ اب اونچی آواز میں اسے پکار رہا تھا۔

"یہاں کوئی نہیں' کہا نا میں نے۔۔۔" ٹانگوں سے اٹھتی ٹیسوں کو نظر انداز کر کے وہ دوبارہ اٹھی تھی' کیونکہ وہ اپنی اتنے مہینوں کی محنت کو ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔ سیدھی طرح سے بتاؤ' وہ کہاں ہے؟ تمہارے گھر کا پتا معلوم کرتے کرتے میں اتنا تو جان ہی چکا ہوں کہ تم کس قسم کی شہرت رکھتی ہو اس علاقے میں۔۔۔" شاہ ویز نے غرا کر کہا۔

"اب اگر تم جان ہی چکے ہو تو سن لو کہ میں اسے آگے بیچ چکی ہوں۔" اب کے اس نے مسکرا کر پر سکون لہجے میں کہا تھا۔

"یو بچ۔۔۔ ہاؤ ڈیر یو۔۔۔" اس کے انکشاف پر شاہ ویز غصے سے آؤٹ ہوتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور اسے بالوں سے پکڑ لیا۔ "بتاؤ مجھے کہاں ہے وہ۔ بتاؤ۔۔۔ ورنہ ابھی اور اسی وقت میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ پہلے بھی اس کے لیے میں نے اس کے پروفیسر کو مارا تھا۔ وہ خوش قسمت تھا۔ زندہ بچ گیا۔ پر تم نہیں بچو گی۔" نہ جانے اس کے زہر خند لہجے میں ایسا کیا تھا کہ مارٹن کو اس کی آنکھوں کی سرخی سے بے پناہ خوف آیا۔

"ب۔ بتاتی ہوں۔۔۔ وہ اندر ہے کمرے میں۔۔۔" بپھرے ہوئے اس شیر کی آنکھوں میں انتقام کے شعلے جلتے دیکھ کر وہ منمنائی۔ ایک جھٹکے سے شاہ ویز نے اسے فرش پر پٹخا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی طرف بڑھا۔ جبکہ ٹیبل پر سر لگنے کی وجہ سے گرم' سرخ سیال اس کی پیشانی کو خون آلود کر رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ اسے بیڈ پر بے ہوش پڑی نظر آ گئی اور کس حال میں نظر آئی۔ اسے اگر یہ معلوم ہوتا کہ اسے بنا حجاب دیکھنے کی خواہش اس طرح اور اس جگہ پوری ہوگی تو وہ مر کر بھی یہ خواہش نہ کرتا۔۔۔ شاہ ویز کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ ایک معصوم اور سات پردوں میں رہنے والی لڑکی کو وہ کس دلدل میں پہنچا چکا تھا۔۔۔ لب بھینچے وہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ یہیں بیٹھ کر وہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ بہت ہمت اور ضبط کے ساتھ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور اس کے وجود کو ڈھانپنے کے بعد اسے متاعِ حیات کی طرح اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ جاتے جاتے اس

کی نظر بیڈ پر رکھے کیمرے پر پڑی۔ کچھ سوچ کر اس نے کیمرہ بھی اٹھالیا اور مارٹن پر ایک آخری نظر ڈالتا تیزی سے باہر نکلا۔

☆ ☆ ☆

پچھلے بائیس گھنٹوں سے سکون آور انجکشن کے زیر اثر وہ اسپتال میں بے سدھ پڑی تھی۔ شاہ ویز اسے سیدھا اسپتال لایا تھا۔ ایڈمٹ ہونے کے چند گھنٹوں بعد فوری ٹریٹمنٹ کی وجہ سے اسے ہوش بھی آچکا تھا مگر ہوش میں آتے ہی خوف زدہ ہو کر وہ دیوانہ وار رونے اور چیخنے لگتی تھی۔ اسی لیے ڈاکٹرز نے اسے مسلسل ٹرینکولائزر کے زیر اثر رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق شدید ذہنی دباؤ اور اذیت کی وجہ سے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اسے اس حال میں دیکھ کر اضطراب اور پچھتاووں میں کئی گنا اضافہ ہوا تھا۔ وہ ویٹنگ روم میں داخل ہوا اور گہری گہری سانسیں لے کر خود کو پرسکون کیا۔ اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ہر ہر لمحے اس کے لبوں سے نبیہا ہی کی صحت یابی کی دعا نکل رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتی نرس نے اچنبھے سے اس شان دار سے مرد کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے ہوئے جذب سے دعا مانگ رہا تھا۔ اسے بے اختیار روم نمبر 105 کی لڑکی کی قسمت پر رشک آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد دیکھنا چاہا مگر کمرے میں پھیلی تیز روشنی اسے آنکھوں میں چبھتی محسوس ہوئی۔ اس نے سرعت سے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر چند لحوں بعد دوبارہ آنکھیں کھولیں اور پلکیں جھپک جھپک کر آنکھوں کو روشنی سے آشنا کرایا۔ اس کے سامنے کا منظر واضح ہوتا چلا گیا۔ وہاں پھول ہی پھول تھے۔ گلاب، آرچڈ، ٹیولپس، للی، ٹیوب روز، ڈیزی، بلوبیل اور بھی نجانے کون کون سے پھول جنہیں وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

مختلف گل دان اور اسٹینڈز پر دھنک رنگ پھول سجے تھے۔ وہ پورا کمرہ پھولوں سے مہک رہا تھا۔ جابجا گیٹ ویل سون کے کارڈز بھی لگے تھے۔ وہ حیران ہوئی کہ اتنے کارڈز اور پھول اس کے لیے کون لایا ہے؟ اسی وقت دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ ایک ڈاکٹر اور نرس اور ان کے پیچھے کھڑا تھکا تھکا سا شاہ ویز۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔" ڈاکٹر نے خوش مزاجی سے پوچھتے ہوئے اس کے نبض چیک کی۔

"ہوں۔" اس نے سر کے اشارے سے ٹھیک ہونے کا بتایا۔

"چلو یہ تو اچھی بات ہے جلدی سے مکمل ٹھیک ہو جاؤ بہت خوار کروالیا تم نے اپنے بے چارے شوہر کو۔" مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے اس نے ایک دو اور اس کی کیفیت کے متعلق سوال پوچھے اور پھر نرس کو دوا کے متعلق مزید ہدایت دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ نرس اس کی فائل کھول کر قدرے دور جا کر کھڑی ہوگئی۔ کچھ سوچ کر شاہ ویز تذبذب کے ساتھ آگے بڑھا۔ اسے نزدیک آتا دیکھ کر نبیہا نے چہرہ دوسری جانب موڑلیا۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم؟" نبیہا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ہنوز دوسری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ ہاں ایک آنسو بہت آہستگی سے اس کے گال پر سے پھسل کر تکیے میں جذب ہوگیا جو شاہ ویز کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ وہ لب بھینچے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زرد چہرہ لیے وہ بہت نڈھال لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے بہت نمایاں تھے۔ نقاہت اور کمزوری صاف عیاں تھی چہرے سے۔

یہ پھول خوب صورت ہیں نا؟ تمہاری صحت پر اچھا اثر پڑے اسی لیے میں نے اسپتال انتظامیہ کی ہزار منت کرنے کے بعد انہیں یہاں سجایا۔" وہ اب بھی امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ شاید وہ ایک بار چاروں طرف نظریں دوڑا کر اس کی کوششوں کو سراہے۔ مگر وہاں مکمل لاتعلقی اور گہری چپ تھی۔

نرس جو اپنا کام مکمل کرچکی تھی اب بہت غور سے

نبیہا کا سپاٹ چہرہ اور سرد رویہ اور شاہ ویز کا تھکا اور بکھرا ہوا انداز ملاحظہ کر رہی تھی۔ اسے اس وقت نبیہا بہت کٹھور اور سنگ دل لگی تھی۔ خوب صورتی نے اسے کچھ زیادہ ہی بد دماغ اور مغرور بنا دیا ہے۔ میرے لیے دلکش پھول لائے تو میں تو ایک لمحے میں اپنا سارا غصہ بھول جاؤں۔ اور ایک یہ ہے۔ بے وقوف لڑکی۔ اس نے گہری سانس لے کر سوچا اور فائل رکھ کر باہر چلی گئی۔

"پلیز کچھ تو بولو نا۔" بہت دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد اس نے دھیرے سے کہا "پلیز۔" اس کے لہجے میں التجا تھی۔

"مجھے پاکستان واپس جانا ہے۔" چپ ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے کہا بھی تو کیا۔ اس کی بات پر شاہ ویز نے دکھ اور بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب کیسے جا سکتی تھی اس سے دور؟

"پلیز یہ مت کہو کہ تم مجھے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔ ایک بار مجھے اور موقع دو۔" شاہ ویز نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما جسے نبیہا نے کرنٹ کھا کر ایک جھٹکے سے چھڑایا تھا اگلے ہی لمحے۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے، دور رہو مجھ سے۔" وہ طیش میں آ کر چلائی۔ میں تو بد کردار ہوں با کردار شریف انسان! ہمارا کوئی جوڑ نہیں اس لیے واپس جانا ہے مجھے اب۔ میں مزید تمہارے ساتھ اس جہنم میں نہیں رہ سکتی۔"

"پلیز یوں مت جاؤ۔" کیا یہ وہی شاہ ویز تھا جو نبیہا کو لایا ہی اسی مقصد سے تھا کہ وہ اسے اتنا زچ کرے کہ نبیہا خود اسے چھوڑنے کی بات کرے؟ اور آج ایسا ہو رہا تھا تو اسے تکلیف کیوں ہو رہی تھی اس کے الفاظ سے؟ اس کے دور جانے کا خیال اسے زندہ در گور کیوں کر رہا تھا؟ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خود چھوڑ جائے اسے۔ پھر اب وہ کیوں روک رہا تھا؟

"اور اب تو میرا وجود ناپاک ہو چکا ہے۔ نہ جانے میرے ساتھ کیا ہو چکا ہے؟ اب تک تو میری تصویریں پورے شہر میں پھیل چکی ہوں گی۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ کر بڑبڑائی۔

"نہیں ایسے مت کہو۔" وہ تڑپ ہی تو گیا تھا اس کی بات سن کر مگر نبیہا نے جیسے سنا ہی نہیں۔۔۔۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت یو کے کے چوتھے مصروف ترین اسٹیشن کے ایک پلیٹ فارم پر بیٹھا آتی جاتی ٹرینوں اور ان میں سے نکلتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے رش کے باوجود وہ خود کو تنہا اور اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جو کبھی بہت سوشل ہوا کرتا تھا آج اس بھیڑ میں اداس اور اجنبی لگ رہا تھا۔

"تو آج اسے گئے ہوئے ایک ماہ، اکیس دن اور چودہ گھنٹے ہو گئے۔ اس نے آنکھیں موند کر بینچ کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے سوچا۔ اس کے ذہن میں شہریار اور صبیحہ کے بولے گئے الفاظ گونجنے لگے۔ جو نبیہا کے پاکستان پہنچتے ہی انہوں نے فون پر کہے تھے۔"

"تم نے بہت مایوس کیا ہے شاہ ویز۔" شہریار نے کہا تھا۔ "تم پر بھروسا کر کے میں نے بہت بڑی غلطی کی۔ اپنی مری ہوئی بہن کے سامنے مجھے شرمندہ کروا دیا۔ کیا بن کے وہ یہاں سے گئی تھی اور کیا بنا کے تم نے اسے واپس بھیجا؟" وہ چلا نہیں رہے تھے۔ بس دکھی لہجے میں بول رہے تھے۔ شکستہ اور مایوس کن۔۔۔۔ میں نے تو یہ سوچ کر تمہارے کہنے پر اس سے رابطہ ختم کیا تھا کہ تم چاہتے ہو کہ یہاں کے لوگوں کو بھول کر وہ وہاں کے ماحول اور لوگوں میں آسانی سے ایڈجسٹ کر جائے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس سے بد ترین سلوک کرنے والے ہو، ورنہ کبھی اس کو وہاں نہ بھجواتا۔"

"شاہ ویز۔۔۔۔! بہت دیر تک صبیحہ خاموش رہی تھیں۔ "کیا حال کر کے بھیجا ہے تم نے اس کا؟" شہریار کے برعکس وہ کافی غصے سے بول رہی تھیں، پہلی بار۔۔۔۔

"وہ ناپسند تھی تو مت لے کر جاتے اسے۔ یہیں رہنے دیتے۔ تم نے تو اس میں سے زندگی کی خواہش

ہی ختم کردی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے ہمیں ابھی بھی پوری بات نہیں بتائی ہے۔"

وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ نبیہا نے وہاں جاکر کیا کیا بتایا تھا؟ اتنا تو اسے یقین تھا کہ وہ کبھی بھی تمام حقیقت نہیں بتائے گی، کیونکہ وہ دنیا کو اپنے زخم دکھانے کی عادی نہیں تھی۔

"نہ جانے کب... کیسے وہ میرے دل میں اندر تک بس گئی کہ اب اس کے بغیر پوری دنیا خالی لگ رہی ہے۔" اس نے آنکھیں کھول کر پورے اسٹیشن پر نظر دوڑاتے ہوئے سوچا مگر اس کا جانا بھی تو ضروری تھا کہ مارٹن اور اس کا گینگ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔

ایک کے بعد ایک منظر اس کے ذہن کی اسکرین پر ابھر رہا تھا۔ نبیہا کا مانچسٹر ایئرپورٹ پر اسے دیکھ کر خوشی سے بے اختیار ہوکر اس کی طرف بڑھنا اور اس کا سرد رویہ... دوستوں کے سامنے اس کی بے عزتی کرنا... روح کو چھلنی کرتے طنز... الزام تراشی اور کردار کشی... اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اس کا بے بسی سے رونا... شکوہ کناں آنکھیں اور پھر وہ تکلیف دہ منظر... وہ کیمرہ... جسے اسپتال آنے کے چند گھنٹوں بعد اس نے پوری قوت سے روڈ پر پھینکا تھا اور پھر ایک لوہے کی راڈ سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے تھے اور جانے سے پہلے نبیہا کا سرد اور سپاٹ انداز...

"مجھے ایک بار تو اس کے پاس جانا ہے... اسے منانے کی کوشش کرنی ہے۔ اسے واپس لانا ہے..." اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا... اسے یہ یقین دلانا ہے کہ وہ میرے لیے جنت کے پھول کی طرح پاکیزہ ہے۔ ہاں بس جلد از جلد مجھے اس کے پاس پلٹنا ہے۔

کہو وہ دشت کیسا تھا
جدھر سب کچھ لٹا آئے
جدھر آنکھیں گنوا آئے
کہا سیلاب جیسا تھا
بہت چاہا کہ بچ نکلیں مگر سب کچھ بہا آئے
کہو وہ ہجر کیسا تھا
کبھی چھو کر اسے دیکھا تو تم نے کیا بھلا پایا؟
کہا بس آگ جیسا تھا
اسے چھو کر تو اپنی روح یہ تن من جلا آئے
کہو وہ وصل کیسا تھا
تمہیں جب چھو لیا اس نے تو کیا احساس جاگا تھا
کہا اک راستے جیسا
جدھر سے بس گزرنا تھا، مکان لیکن بنا آئے
کہو وہ چاند کیسا تھا
فلک سے جو اتر آیا تمہاری آنکھ میں بسنے
کہا بس خواب جیسا تھا
نہیں تعبیر تھی جس کی، اسے اک شب سلا آئے
کہو وہ عشق کیسا تھا بنا پرکھے کیا تم نے
کہا تتلی کے رنگ جیسا
بہت کچا انوکھا سا، جبھی اس کو بھلا آئے
کہو وہ نام کیسا تھا
جسے صحراؤں اور چنچل ہواؤں پہ لکھا تم نے
کہا بس موسموں جیسا
نہ جانے کس گھڑی، کس پل، کس رو میں مٹا آئے

☼ ☼ ☼

رات کے دو بج چکے تھے مگر نیند اس پر اب تک مہربان نہیں ہوئی تھی۔ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے اس کی نظریں کھڑکی سے نظر آتے سیاہ آسمان پر تھیں۔ چاند اور تارے، سیاہ بادلوں میں چھپے ہوئے تھے جیسے آج کی رات آسمان کو ویران رکھنے کا ارادہ ہو... اس کی زندگی بھی اس آسمان کی طرح تھی... سیاہ... ویران اور تنہا تو پہلے بھی تھی مگر اب ناامیدی کی سیاہی حد سے سوا تھی۔

اسپتال سے گھر آتے ہی اس نے پاکستان آنے کی تیاری شروع کردی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاہ ویز اسے زبردستی روک لے گا مگر اس نے ایک دوبار کے بعد چپ سادھ لی اور بہت خاموشی سے اس کے جانے کا بندوبست کردیا۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر اسے شہریار

لینے آئے تھے اور ایک عرصے بعد انہیں دیکھتے ہی اس نے اپنا ضبط کھو دیا۔ گھر آتے آتے وہ رو' رو کر نڈھال ہو چکی تھی۔ گھر پہنچ کر بہت مشکل سے شہریار نے صبیحہ کے ساتھ مل کر اسے سنبھالا تھا اور پھر ان کے پوچھنے پر وہ سب بتاتی چلی گئی۔ ایک ایک بات.... ہر ہر لمحہ اذیت کا.... شاہ ویز کا وحشیانہ سلوک.... اور پھر اس کے کردار پر الزام تراشی.... ہاں بس اغوا ہونے والی بات وہ نہ بتا سکی۔ اجڑے' اجڑے.... امیدوں' خوابوں' خواہشوں اور خوشیوں سے خالی دن.... وہ صبح اٹھتی' شہریار اور صبیحہ کے ساتھ ناشتا کرتی اور بس اپنے کمرے میں بند ہو جاتی۔ شہریار نے بہت کوشش کی کہ وہ بولے۔ بات کرے مگر اس نے اپنے گرد بے حسی کی فصیل کھڑی کر لی تھی۔ صبیحہ نے بہت بار کوشش کی کہ وہ ان کے ساتھ باہر آئے جائے' گھومے' پھرے مگر وہ ہر بار انکار کر دیتی۔ شہریار نے اسے یہاں کی کسی یونی ورسٹی میں داخلے کے لیے بھی قائل کرنا چاہا مگر نتیجہ وہی.... انکار....

☼ ☼ ☼

نبیہا اس وقت ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی شہریار اور صبیحہ کے ساتھ خاموشی سے ناشتا کر رہی تھی۔

"بیٹا! کن سوچوں میں گم ہو؟ ناشتا کرو اور یہ آملیٹ تو تم نے لیا ہی نہیں۔ اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں رکھتی ہو تم۔" صبیحہ نے پیار سے اسے ڈانٹتے ہوئے اس کی پلیٹ میں آملیٹ رکھا۔

"ممی پلیز میں کھا چکی۔" نبیہا نے انہیں روکا۔

چہرہ دیکھو اپنا' کتنا ڈل ہو رہا ہے۔ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہو۔ کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ کھاؤ فوراً"۔" جب سے وہ واپس آئی تھی صبیحہ بیگم اس کا اسی طرح خیال رکھنے لگی تھیں۔ ان دونوں کی بے پناہ محبت اور توجہ کا ہی اثر تھا کہ اس نے ایک بار پھر خود کو سنبھال لیا تھا۔

"گڈ مارننگ گائز.... آئی ہوپ میں لیٹ نہیں ہوا۔" اپنی سوچوں میں گم نبیہا نے ٹھٹک کر ڈائننگ روم کے دروازے کی طرف دیکھا اور اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے سے آتے فریش اور خوشبوؤں میں مہکتے شخص کو دیکھ رہی تھی جو اب مسکراتے ہوئے صبیحہ کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ شہریار اور صبیحہ نے عام سے لہجے میں اسے وش کیا۔ یعنی وہ مل چکے تھے اس سے.... نہ جانے وہ کب آیا تھا؟ شاید رات میں کسی پہر....

"کیسی ہو؟" وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے عرصے بعد بے تکلف دوست ملنے پر ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے ہیں۔

"ٹھیک...." اب ماں' ماموں کے سامنے وہ خاموش تو نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لیے مختصر جواب دے کر تیزی سے ناشتا ختم کرنے لگی۔ تین ماہ بعد اسے اپنے سامنے فریش اور مطمئن دیکھ کر نبیہا ایک بار پھر اسی کیفیت میں چلی گئی جس سے بمشکل چھٹکارا حاصل کر پائی تھی۔ اسے اتنی اذیت میں مبتلا کر کے وہ اتنا پر سکون کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے معلوم تھا کہ ایک دن وہ واپس اپنے گھر آئے گا مگر ان کا سامنا اتنی جلدی ہو گا' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

اسلام آباد آ کر کچھ وقت گزرنے کے بعد جب وہ سنبھلی تو دماغ نے کہا کہ تم یہاں ساری زندگی کیسے رہ سکتی ہو؟ آج نہیں تو کل شاہ ویز کو واپس آنا ہی ہے.... اب اس کی پڑھائی بھی ختم ہو چکی ہے۔ کب تک اس کے ماں باپ تمہاری خاطر اس سے ناراض رہیں گے؟ ایک دن تو وہ لوٹے گا ہی.... تب تمہیں جانا ہی ہو گا' مگر دل راضی نہ ہوا۔ ایک بار وہ گھر سے نکلنے کا انجام دیکھ چکی تھی۔ اب دوبارہ اس میں ہمت نہیں تھی یہاں سے جانے کی اور تنہا زندگی بسر کرنے کی.... جو بھی تھا وہ اس گھر میں محفوظ تھی۔

"ہاں تو صاحب زادے! اب کیا ارادے ہیں آپ کے؟" شہریار ناشتا ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بس ریسٹ کرنا ہے اور کچھ آدھے ادھورے کام مکمل کرنے ہیں۔" کن اکھیوں سے نبیہا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اب تھوڑے سنجیدہ ہو جاؤ زندگی میں...'' شہریار بولے۔

''جی بالکل ڈیڈ... میں تو کب کا سنجیدہ ہو چکا ہوں۔ تب ہی تو یہاں آیا ہوں۔'' ایک بار پھر نبیہا کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اس نے ذو معنی بات کی۔ وہ گاہے بگاہے اس پر ایک بھرپور نظر ڈال لیتا تھا۔

''شاہ ویز...'' اس کی نظروں کی چوری پکڑتے ہوئے صبیحہ تنبیہی لہجے میں بولیں۔

''جی حکم مما!'' ادب سے کہتے ہوئے اس نے انہیں آنکھ ماری گویا وہ ان کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ اس ساری گفتگو کے دوران نبیہا اپنا ناشتا مکمل کر چکی تھی۔

''ڈیڈی میں اجازت چاہتی ہوں' مجھے کچھ کام ہے۔'' کرسی دھکیلتے ہوئے وہ تیزی سے اٹھی اور کسی کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر باہر نکل گئی۔

''بہت ہی بدتمیز ہو تم۔ اس بے چاری کو ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کرنے دیا۔ شاہ ویز! سدھر جاؤ۔ پہلے ہی بہت کچھ غلط کر چکے ہو تم اس کے ساتھ...'' صبیحہ نے اس طرح اس کے اٹھ کے جانے پر افسوس کے ساتھ کہا۔ شاہ ویز نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس مسکرا کر کافی کا مگ لبوں سے لگالیا۔

''دیکھو شاہ ویز! ہم چاہتے ہیں اس بار جو بھی فیصلہ ہو' وہ تم دونوں کی دلی رضامندی سے ہو۔ خاص کر نبیہا کی۔ میں اس کے ساتھ کسی قسم کی زبردستی برداشت نہیں کروں گا۔ بہت مشکل سے وہ دوبارہ سنبھلی ہے۔ تم ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو کہ کیا چاہتے ہو۔'' شہریار نے سنجیدگی سے اسے اپنی سوچ سے آگاہ کیا۔ شاہ ویز کل رات ہی پہنچا تھا۔

''ڈیڈ! میں اچھی طرح سوچنے کے بعد آیا ہوں یہاں۔ بلکہ ہماری دوسری انیورسری پر ہی میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اب مجھے اسی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ میں اس سے شدید محبت کرتا ہوں۔ بس اسے یہ بتانے کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ یہاں چلی آئی۔'' شاہ ویز نے اپنے ازلی اعتماد سے متوازن لہجے میں کہا۔

''ہاں تو جب تم اس کی کردار کشی کرو گے تو وہ کیسے وہاں رکتی؟'' صبیحہ شکایتی انداز میں بولیں۔

''مما آپ اس کی کچھ زیادہ ہی سائڈ نہیں لے رہیں بات بات پر... ورنہ پہلے تو آپ صرف مجھے ہی سپورٹ کرتی تھیں۔ یہ تین مہینوں میں اتنی کایا پلٹ کیسے...؟'' شاہ ویز مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

''ہاں تو کیوں نہ لوں میں اس کی سائڈ؟ تمہاری بے جا سپورٹ نے ہی تو تمہیں اتنا خود سر بنایا ہے اور ایک بات میری اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھالو' ہم کبھی بھی اسے منانے یا کونیس کرنے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے۔ سب گڑبڑ تم نے ہی کی ہے تو اب سب کچھ تم خود ہی ٹھیک کرو گے۔'' صبیحہ نے گویا سارا بار اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔

''مما...'' وہ احتجاجاً بولا۔

''اور اس بار اس بات کا دھیان رکھنا کہ تمہارے کسی بھی عمل سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے اور آخری بات۔ جو بھی کرنا اپنی حد میں رہتے ہوئے... وہ تمہاری بیوی' تمہاری عزت ہے... کوئی غلط حرکت مت کرنا...''

شہریار میز سے اٹھتے ہوئے بولے اور دروازے کے نزدیک پہنچ کر کچھ سوچ کر مڑے ''اور جلدی سے ہمیں خوش خبری سنانا تاکہ ہم ریسپشن کی تیاری شروع کریں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے بات مکمل کی۔

''آپ ریسپشن کی تیاری شروع کردیجئے ڈیڈ۔'' شاہ ویز نے پریقین لہجے میں مسکرا کر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

شاہ ویز کو واپس آئے دو ہفتے ہو چکے تھے اور آتے ساتھ ہی وہ اپنی مہم پر دل جمعی سے مصروف ہو گیا تھا۔ نبیہا کو زچ کرنے کی مہم... دن بھر چونکہ صرف وہی دونوں ہوتے گھر پر تو وہ بہانے بہانے سے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ حالانکہ اسے سامنے دیکھ کر نبیہا نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے اگنور کرے گی۔ اس کا سامنا کم سے کم کرنے کی کوشش کرے گی مگر ایسا

ہو نہیں رہا تھا۔ وہ بھی ڈائننگ ٹیبل پر اسے مخاطب کرتا۔

"نبیہا پلیز، یہ چاول کی ڈش پاس کر دو۔"

"کبھی کہتا۔" نبیہا! ذرا یہ سلاد تو دینا۔"

حالانکہ وہ نبیہا کے بجائے اکثر اس کے اپنے یا صبیحہ کے قریب رکھی ہوتی مگر کسی اور کو مخاطب کرنا گویا حرام تھا۔

"یہ ہمارے کک کو افغانی پلاؤ بالکل بنانا نہیں آتا۔ شاید اس نے کبھی تمہارے ہاتھ کا پکا افغانی پلاؤ کھایا نہیں ہے۔ پلیز نبیہا کسی دن اس کے سامنے بناؤ پلاؤ تاکہ اسے کچھ عقل آئے۔"

وہ اتنے پرسکون لہجے میں کہتا کہ نبیہا کو کبھی کبھی حیرت ہوتی کہ مانچسٹر میں اس کے بنائے ہوئے کھانوں میں یہی شخص کیڑے نکالتا تھا یا وہ کوئی اور ہی شاہ ویز تھا؟ ایک دو بار ممی نے شاہ ویز کی ان بے تکی فرمائشوں پر سرزنش بھی کی تو جواباً" وہ بہت اطمینان سے بولا۔

"ممی! آپ نے ابھی اپنی بہو کے ہاتھوں کا ذائقہ چکھا نہیں ہے" اس لیے آپ ایسا بول رہی ہیں۔"

اور "بہو" لفظ پر اس کا دل چاہا تھا کہ سامنے رکھا پانی کا جگ اس پر الٹ دے۔

وہ اپنے لیے کافی بنا رہی تھی، جب وہ کچن میں داخل ہوا۔ لودیتی نظریں اس پر مرکوز کیے اس نے غیر محسوس انداز میں کچن میں موجود نوکروں کو کام کے بہانے ادھر ادھر کر دیا اور پھر نان اسٹاپ شروع ہو گیا۔

"اوہ! تم کافی بنا رہی ہو؟ واؤ تمہیں میرے بن کہے ہی میری ضرورت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ شدید طلب ہو رہی تھی مجھے کافی کی۔" بے تکلفی سے کچن ٹیبل پر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔

"یہ میں نے اپنے لیے بنائی ہے۔" نبیہا نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے جتایا۔

"اچھا تو پھر میرے لیے بھی بنا دو۔" اس نے متاثر ہوئے بغیر جواب دیا۔

"آپ کسی ملازم سے کہہ دیں۔" نبیہا نے سپاٹ لہجے میں انکار کیا اور کپ ٹیبل پر رکھ کر کوکیز کھانے لگی۔

"چلو پھر یہی شیئر کر لیتے ہیں۔" اگلے لمحے ہی اس نے مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ نبیہا نے بے یقین نظروں سے اس کی جرات ملاحظہ کی۔

"یہ میری جھوٹی کافی تھی۔" وہ تنک کر بولی۔

"تو...؟" بے نیازی سے ابرو اچکا کر پوچھا گیا۔

"آپ میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" بہت دیر خاموش نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد بالآخر وہ تھک کر بولی۔

"یہ ممکن نہیں... کوئی اور فرمائش ہو تو بتاؤ۔" واہ... کس شان سے اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری تھی۔

"یار بیا! اور کب تک ناراض رہو گی؟ پلیز آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ۔" شاہ ویز نے مدھم لہجے میں معذرت کی۔

"نبیہا... نبیہا نام ہے میرا! مجھے اسی نام سے سب پکارتے ہیں۔" اب کی بار اس نے شاہ ویز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اس کا لہجہ تلخ اور جتلاتا ہوا تھا۔

"میں... سب... نہیں... ہوں... بیا۔" شاہ ویز ٹھہر ٹھہر کر... ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "بیا" بول کر گویا اپنے الفاظ پر یقین کی مہر ثبت کر دی اس کی بات پر نبیہا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور کرسی دھکیلتی تیزی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

صبیحہ کی بھانجی کی شادی تھی۔ نبیہا کے لاکھ بہانوں کے باوجود صبیحہ اسے زبردستی ساتھ لے جا رہی تھیں۔ آج مہندی کا فنکشن تھا۔ اس نے ان ہی کا لایا ہوا ڈریس زیب تن کیا تھا۔ فیروزی رنگ کی کلیوں والی فراک تھی جس پر رائل بلو اور سلور نگینوں سے نازک سا کام ہوا تھا۔ دوپٹے کو اس نے جدید طریقے سے سیٹ کرتے ہوئے سر پر اسکارف کی مانند لے لیا تھا۔ جس سے اس کی شخصیت مزید پروقار نظر آ رہی

تھی۔ میک اپ کے نام پر صرف کاجل اور لائٹ پنک گلوس لگا کر وہ روم سے باہر آگئی اور لاؤنج میں بیٹھ کر سب کا انتظار کرنے لگی۔ آستینوں کے کف بند کرتے ہوئے شاہ ویز تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا جب آخری سیڑھی پر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ ہونٹوں کو سیٹی بجانے والے انداز میں سکیڑتے ہوئے چند منٹ اسے دیکھا اور دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا۔

"تم ہو گئیں تیار؟" نرم گرم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

"جی... بس ممی ڈیڈی کا انتظار ہے۔" آہستہ سے جواب دیتی وہ اس سے قدرے دور جانے لگی جب اس نے پکار لیا۔

"سنو..."

"جی..." اس نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم... تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ بہت ایلیگنٹ... ان فیکٹ آج سے پہلے مجھے نہیں پتا تھا کہ کوئی لڑکی حجاب میں اتنی زیادہ باوقار بھی لگ سکتی ہے۔ آئی ایم امیزڈ..."

شاہ ویز نے مسکراتے ہوئے اس کی دل سے تعریف کی۔ نہ جانے اس کی نظروں میں ایسا کیا تھا کہ نبیہا کی نظریں بے اختیار جھکتی چلی گئیں۔ لمحے کے لیے اس کی پلکوں پر لرزش سی آئی مگر اگلے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور لمحوں کے اس کھیل نے شاہ ویز کو ایک بار پھر مبہوت کر دیا۔

"شکریہ..." نہ جانے کیوں وہ چاہتے ہوئے بھی اس سے کوئی سخت بات نہ کہہ سکی... یہ ڈر اور خوف نہیں تھا جیسا کہ ہمیشہ شاہ ویز سے بات کرتے ہوئے اسے محسوس ہوتا۔ آج کچھ اور احساس جاگا تھا اس کے اندر جسے وہ کوئی نام نہ دے پائی۔ اس سے پہلے کہ ان میں مزید کوئی گفتگو ہوتی شہریار اور صبیحہ سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے۔

"تم دونوں ہو گئے تیار؟ چلو کافی دیر ہو چکی ہے ہمیں۔" صبیحہ نے عجلت میں کہا۔

"ہاں چلیں... ویسے ڈیڈ آپ اور ممی بہت شان دار لگ رہے ہیں ہمیشہ کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے... پرفیکٹ کپل..." شاہ ویز نے ایک آنکھ دباتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ دونوں مسکرا دیے۔

صبیحہ نبیہا کو لے کر آگے بڑھ گئیں۔ جبکہ شہریار دانستہ اس کے ساتھ رک گئے۔

"اور تم دونوں بھی..." وہ مسکرا دیے۔ "میری دعا ہے کہ آج سے تیس سال بعد تمہارا بیٹا بھی تم دونوں کو یہی کہے۔" شہریار نے دل سے دعا دی... ان کی بات پر شاہ ویز بے اختیار ہنستا چلا گیا تھا۔

"ڈیڈ! آپ کا بھی جواب نہیں۔ یہاں تو شادی کے لالے پڑے ہیں اور آپ تیس سال بعد کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ آہ... پتا نہیں کب وہ دن آئے گا۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "ویسے اگر یہ بات آپ اپنی بہو کے سامنے کہتے تو مجھے اس کا لال ٹماٹر چہرہ دیکھنے کو مل جاتا۔" شاہ ویز نے شوخی سے کہا تو وہ دونوں مسکراتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

مہندی کا وہی ماحول تھا جو کہ اکثر ایلیٹ کلاس کے فنکشن میں ہوا کرتا ہے۔ رنگ و بو کا سیلاب... ہنستے بے فکر چہرے... بے باک اور شوخ مرد... فیشن کے نام پر نیم برہنہ عورتیں... کھلکھلاہٹیں... مسکراہٹیں... ہلا گلا کرتی نوجوان نسل... اپنے لیے ایک الگ تھلگ میز تلاش کر کے وہ وہاں بیٹھ گئی اور فنکشن ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

کھانے کے بعد پھر ڈانس اور میوزک کا ہنگامہ جاگ اٹھا۔ صبیحہ نے اسے اپنی بھتیجی ثمن کے حوالے کیا کہ وہ اسے اپنے ساتھ ساتھ رکھے۔ ثمن کی شکل سے بے زاری ٹپکنے لگی تھی اس حکم پر بحالت مجبوری پھوپھو سے ہامی بھرنا پڑی... اس کی شکل دیکھ کر نبیہا کو خفت محسوس ہوئی مگر وہ بھی صبیحہ کو انکار نہ کر سکی اور اسٹیج کے پاس سب کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ پہلے لڑکے والوں نے اپنے ڈانس کے جوہر دکھائے... پھر لڑکی والوں نے اپنی مہارت پر داد وصول کی... شاہ ویز بھی ان ہی سب کے ساتھ بیٹھا انجوائے کر رہا تھا جب ثمن

نے اسے مخاطب کیا۔

"شاہ ویز بھائی! اب آپ بھی تو کچھ سنائیں ہمیں۔ ڈانس سے تو آپ نے انکار کر دیا۔ دیکھیں لڑکے کے دوست نے کتنا اچھا گایا ہے۔ اب ہماری عزت کا معاملہ ہے۔"

پہلے تو اس نے انکار کیا مگر سب کے بے حد اصرار پر اسے ماننتے ہی بنی۔ دراصل اس نے اب نیبہا کو ان سب میں بیٹھے دیکھا تھا۔ ایک بھرپور نظر اس کے لاتعلق سراپے پر ڈال کر وہ اٹھا اور اسٹیج پر جا کر گٹار سنبھال لیا۔

"دس سونگ از فور سم ون ویری اسپیشل ٹو می۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب نے کورس میں معنی خیزی سے "او" کیا۔

تو مجھے سوچ کبھی یہی چاہت ہے میری
میں تجھے جان کہوں یہی حسرت ہے میری
میں تیرے پیار کا ارمان لیے بیٹھا ہوں
تو کسی اور کو چاہے، کبھی خدا نہ کرے
تو کسی اور کو چاہے کبھی خدا نہ کرے

بہت خوب صورتی سے اس نے گانے کا آغاز کیا تھا۔ اس کی آواز بہت زبردست تھی اور وہ کسی منجھے ہوئے گلوکار کی طرح ہی گا رہا تھا۔ سر اور تال کا مکمل ادراک لیے ہوئے.... گٹار کو مہارت سے بجاتا ہوا وہ اس وقت وہاں موجود تمام لڑکیوں کے دلوں کی دھڑکن بڑھا رہا تھا۔ سوائے ایک لڑکی کے.... جس کا پارہ چڑھ رہا تھا۔

گانا ختم ہوا تو سب ہی نے تالیاں اور سیٹیاں بجا کر اسے داد دی۔ وہ اعتماد سے مسکراتا ہوا اسٹیج سے اترا اور بڑے حق کے ساتھ داد وصول کرتا رہا۔

"شاہ ویز بھائی! سچ سچ بتائیں وہ "سم ون اسپیشل" یہیں ہے نا اس فنکشن میں؟" سمن نے آنکھیں گھما کر معنی خیز مسکراہٹ سے پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل۔" اس نے بھی اطمینان سے کہتے ہوئے نیبہا کا اطمینان غائب کیا تھا۔ اسے لگا کہ اب وہ اس کا نام لے دے گا۔ کیونکہ وہ شوخ ہونے کے ساتھ ساتھ نڈر بھی تھا۔ اس کے اقرار پر آس پاس کھڑی تمام لڑکیوں کے دل ایک بار پھر زور سے دھڑکے تھے۔ شاہ ویز کے اعتراف پر ان لڑکیوں کے دمکتے چہرے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کتنی بے وقوف ہیں یہ سب.... کوئی مجھ سے پوچھے اس بظاہر ڈیسنٹ شخص کی حقیقت....

"آپ لوگوں کو کیسا لگا میرا گانا؟ اچھا گایا نا؟" واپسی پر ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے سب ہی کو مخاطب کیا تھا۔

"ہاں بہت...." شہریار اور صبیحہ نے مسکراتے ہوئے تائید کی، جبکہ وہ جس کی رائے لینا چاہ رہا تھا وہ خاموشی سے باہر دیکھتی رہی۔

"اور تمہیں بیا؟" اب کے اس نے براہ راست سوال پوچھا۔

"بس ٹھیک تھا۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ورنہ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا کہ وہ ایک اچھا سنگر ہے۔

"ٹھیک؟ اوکے.... اس کا مطلب ہے کہ تم نے گانا توجہ سے سنا ہے۔"

بہت نارمل لہجے میں کہتے ہوئے وہ نیبہا کو ابنارمل لگا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر "بس ٹھیک" کہا تھا۔ تاکہ اسے حیرانی اور دکھ ہو کہ جس کے لیے اس نے گایا اسے ہی پسند نہیں آیا مگر وہاں تو اطمینان سے وہ اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر چکا تھا اور بڑا سرشار نظر آ رہا تھا۔ شاہ ویز کی بات پر صبیحہ اور شہریار دونوں بے ساختہ مسکرائے تھے۔ دوسری جانب نیبہا اسے گھور کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

مارچ کی رنگین اور پرسکون شام میں وہ لان میں کافی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد جب واپس اپنے کمرے میں لوٹی تو ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی۔ اپنے بستر پر جوتوں سمیت، پرسکون انداز میں لیٹے شاہ ویز کو وہ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔ وہ مزے سے اس کے بستر پر چت لیٹا آئی پیڈ پر موسیقی سن رہا تھا۔

آنکھوں کے پنوں پہ میں نے لکھا تھا سو دفعہ
لفظوں میں جو عشق تھا ہوا نہ ہونٹوں سے بیاں
خود سے ناراض ہوں کیوں بے آواز ہوں
میری خاموشیاں ہیں سزا.....

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" دونوں بازو سینے پر باندھے وہ کڑے تیور لیے پوچھ رہی تھی۔

"میں ہوں ہیرو تیرا....."

اس نے جان بوجھ کر وقفہ دیا۔ "سن رہا ہوں۔" پُرسکون انداز میں جواب آیا تھا۔

"میری موجودگی اور اجازت کے بغیر آپ یہاں کیوں آئے؟ یہ میرا روم ہے۔" اس نے جتایا.....

"ہاں مجھے پتا ہے..... تب ہی تو میں یہاں آیا ہوں۔ میں نے سوچا کہ تم تو میرے روم میں آؤ گی نہیں میں ہی آجاتا ہوں....." وہ ابھی بھی بے فکری سے لیٹا پاؤں ہلاتے ہوئے گانا انجوائے کر رہا تھا۔

تیری وجہ سے ہیں ملی جینے کی سب ہی خواہشیں
پالوں تیرے دل میں جگہ ہیں یہ میری کوششیں
میں بس تیرا ہوں بن تیرے نہ رہوں
میں نے تو مانگی ہے یہ دعا
میں ہوں ہیرو تیرا.....

"آپ یہ چھچھورا گانا بند کرنے کی زحمت کریں گے؟"

اب کے وہ زچ ہو کر تیز لہجے میں بولی.....

"اوہ سوری..... مجھے دھیان نہیں رہا۔ ویسے اتنا بھی برا نہیں سونگ اگر تم الفاظ پر غور کرو تو....." معذرت خواہ لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں وہ معنی خیزی سے بولا۔

"میں اس بات پر غور کیوں نہ کروں کہ آپ میرے روم میں کیوں ہیں؟"

"میں تو بات کرنے آیا تھا تم سے..... تم تھیں نہیں تو سوچا یہیں لیٹ کر تھوڑا میوزک ہی سن لوں اور ساتھ ساتھ تمہارا انتظار بھی....." اس نے اطمینان سے وضاحت کی۔

نبیہا کو محسوس ہوا کہ وہ اپنی بات کیے بغیر یہاں سے ملے گا بھی نہیں۔

"کیا بات کرنے آئے تھے آپ؟" بالآخر اس نے جان چھڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"بس ایسے ہی بور ہو رہا تھا تو سوچا کہ تم سے تھوڑی باتیں ہی ہو جائیں۔" نبیہا کے اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے پر اس نے بے ساختہ امڈنے والی مسکراہٹ کو بمشکل روکا۔

"کیوں آپ کی گرل فرینڈز جو کہ مجھ سے کردار میں بہتر ہیں وہ کہاں گئیں؟" اب کے اس کے ترش لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

"بیا پلیز یوں مت کہو۔" وہ کرنٹ کھا کر بستر سے اٹھا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا اطمینان اور شوخی یکسر غائب تھی۔ جو بھی میں نے کہا تھا پلیز اسے بھول جاؤ۔ تمہارا اور ان کا کوئی موازنہ نہیں۔ میں کب کا سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ میرا یقین کرو پلیز۔"

التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ اس کے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔ نبیہا نے..... "اونہہ....." کہہ کر نظریں پھیر لیں۔

"تم کسی اور بات کا یقین کرو نہ کرو بس اس ایک بات کا یقین کر لو کہ میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں بیا۔"

"ہاں تب ہی اس طرح میرے کمرے میں آئے ہیں آپ..... ابھی کوئی نوکر آپ کو میرے روم میں دیکھ لے تو کیا سوچے گا وہ؟ تب کیا عزت رہ جائے گی میری ان کی نظروں میں....." اس نے بھیگے لہجے میں بات مکمل کی۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہاں کے سب ہی ملازم واقف ہیں ہمارے رشتے سے..... نہ بھی ہوتے تو مجھے پروا نہیں تھی۔

عزت والی بات پر پل بھر میں اس کا موڈ اور لہجہ بدلا تھا اور دوسری بات یہ کہ کس میں اتنی ہمت ہے کہ تم سے کوئی سوال کر سکے؟ نام بتاؤ اس کا میں ابھی فارغ کرتا ہوں اسے۔"

اٹل لہجے میں بولتا وہ سنجیدگی سے اس کے جواب کا

منتظر تھا۔ نبیہا سر جھکائے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔

"پلیز۔۔۔ اب تو میرا پیچھا چھوڑ دیں؟ مجھے مت مجبور کریں کہ میں دوبارہ گھر چھوڑ دوں۔ کہاں جاؤں گی؟ کوئی گھر نہیں میرا۔۔۔ بہت چاہا میں نے کہ آپ کے گھر سے دور چلی جاؤں مگر اب کسی مارٹن اور ولیمز سے دھوکا کھانے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ میں تو آپ کو کچھ کہتی بھی نہیں۔ پھر کیوں آپ میرا پیچھا نہیں چھوڑ دیتے؟ میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے آگے۔" بے بسی سے روتے ہوئے اس نے آخر میں واقعی ہاتھ جوڑ لیے تھے یہ انتہا تھی اس کے صبر کی۔ ثبوت تھا اس کی ذہنی اذیت اور جذباتی توڑ پھوڑ کا۔

"بیا پلیز، یہ کیا کر رہی ہو۔" اس کے اس عمل سے شاہ ویز یک دم بوکھلا گیا تھا اور تیزی سے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ تھامے۔ "پلیز ریلیکس ہو جاؤ میں جا رہا ہوں یہاں سے۔ میں تو بس یہ پوچھنے آیا تھا کہ کیا تم میرے ساتھ آئس کریم کھانے چلو گی؟" شاہ ویز کو افسوس ہوا کہ اس نے بلاوجہ ہی اتنی چھوٹی سی بات پوچھنے کے لیے اسے باتوں میں الجھایا اور رلا دیا۔

"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا آپ کے ساتھ۔ مجھے اعتبار نہیں آپ پر۔۔۔"

نبیہا نے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرائے اور ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے۔ اس کے لہجے میں موجود بدگمانی اور بے اعتباری کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا شاہ ویز نے۔۔۔ اس کے دل میں سناٹا اترتا چلا گیا۔

"آپ کا کیا بھروسا کہ اپنے کسی دوست کو ایک رات کے لیے تحفتاً دے دیں مجھے پھر۔۔۔"

ابھی اس کے پہلے وار پر وہ نہیں سنبھل پایا تھا کہ اس کے اگلے جملے نے شاہ ویز کو پوری قوت سے اندھے کنویں میں دھکیل دیا۔ اسے کسی چابک کی طرح ہی لگا تھا نبیہا کا طنزیہ جملہ۔۔۔ "نبیہا۔۔۔" خشک لبوں سے بمشکل بولا تھا۔ وہ بس بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ بدگمانی کی سب سے آخری سیڑھی پر وہ اسے کھڑی نظر آئی۔ خود سے ہزاروں سال کی مسافت پر۔۔۔ ناقابل رسائی۔۔۔ شاہ ویز کو آج بھی اس کا وہ زخمی لہجہ یاد تھا جب اس نے کہا تھا کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔

"مم۔۔۔ میں۔۔۔" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ نبیہا کی غلط فہمی کیسے دور کرے؟ شاہ ویز کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ وہ سب کچھ کہہ دینے والا نڈر اور منہ پھٹ انسان آج بے بسی اور سلے ہونٹوں کے ساتھ سامنے کھڑی لڑکی کو بس تکے جا رہا تھا۔ پھر خود پر قابو پا کر وہ تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ کب سے شیشے کے اس پار نبیہا کو پچھلے گارڈن میں مشروم اسٹول پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ وہ جو اس گھر میں اس کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔۔۔ پرسکون اور خاموش گوشہ۔۔۔ سارا گھر شہریار نے ماہر آرکیٹیکچرز اور انٹیریئر ڈیزائنرز سے ڈیزائن کروایا تھا سوائے اس حصے کے جسے شاہ ویز نے خود پہلے کینوس پر رنگوں کی مدد سے تخلیق کیا تھا اور پھر حقیقت میں تعمیر کروایا۔ چند لمحے شاہ ویز نے کچھ سوچا اور پھر فیصلہ کن انداز میں نبیہا کی طرف بڑھا۔

"بیا! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے نزدیک کھڑے ہوتے ہوئے شاہ ویز بولا۔ وہ اپنے خیالوں میں اتنی گم تھی کہ یک دم چونک کر شاہ ویز کی سمت دیکھنے لگی۔

"میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ میرا نام نبیہا ہے، بیا نہیں۔" وہ جانتی تھی کہ اس ڈھیٹ آدمی پر کچھ اثر نہیں ہوگا مگر پھر بھی اپنے الفاظ گنوائے۔

"پلیز۔۔۔ میں بہت سنجیدہ بات کرنے آیا ہوں۔" میں تو جیسے بے کار بات کر رہی تھی۔ نبیہا نے جل کے سوچا۔

"اب کیا بات کرنی رہ گئی ہے؟ میں ڈیڈی سے

فائنل بات کرنے کا سوچ رہی ہوں ڈائیورس کے متعلق... اوہ سوری میرا مطلب ہے ماموں سے...'' اس نے اپنے لہجے کو حتی المقدور سرسری رکھا تھا۔ شاہ ویز نے تڑپ کر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا۔

''کیا یہ وہی لڑکی تھی جو محض ایک پرفارمنس میں دو دلوں کے بچھڑنے پر رو رہی تھی... اور آج خود ہی علیحدگی کی بات کر رہی ہے... کتنا کچھ تبدیل ہو چکا تھا... تاثر اور لہجے وہی تھے مگر چہرے اور زبان بدل چکے تھے... کبھی وہ یوں ہی تڑپتی تھی اس کی باتوں پر اور آج وہ تڑپ رہا تھا اس کے سرد اور سپاٹ انداز دیکھ کر...

''تم کہہ سکتی ہو... تمہیں حق ہے انہیں ڈیڈی کہنے کا... بلکہ صرف تمہیں ہی حق ہے... میں نے تو بیٹا ہونے کا فرض کبھی نہیں نبھایا۔ پلیز بار بار میرے سامنے انہیں ماموں بول کر میرا احساس جرم مت بڑھاؤ۔'' اس کا انداز التجائیہ تھا۔

''تمہارے بیچ اب اس لفظ کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا۔'' اگلے لمحے بے دردی سے اس کی التجا رد کی گئی جس پر شاہ ویز ضبط سے لب بھینچے اسے تکتا رہا... جبکہ وہ مصنوعی آبشار سے گرتے پانی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی... تھکے تھکے انداز میں وہ دوسرے مشروم اسٹول پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے پر نبیہا تیزی سے جانے کے لیے اٹھی تھی مگر شاہ ویز نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا۔

''میری چند باتیں سن لو، پھر چلی جانا۔'' وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتی دوبارہ بیٹھ گئی۔

''میرا تعلق جس کلاس سے ہے وہاں مجھ جیسے لڑکے ہمیشہ آزادی، من مانی، عیاشی اور ہٹ دھرمی کا ہی سبق پڑھتے ہیں۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''تم سے نکاح میں نے صرف ڈیڈی کے مجبور کرنے پر ہی کیا تھا۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ میں کسی بھی طرح اس نکاح کو ختم کردوں گا۔ اسی لیے میں نے تمہارے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہی مگر میں نہیں جانتا تھا کہ...''

وہ چند منٹ کے لیے رکا۔

''مجھے نہیں معلوم تم مجھے پہلی بار کب اچھی لگیں... شاید اس وقت جب تم میرے روم میں... میرے برابر بیٹھی میرا سر دبا رہی تھیں اور مجھ پر دعائیں پڑھ کر دم کر رہی تھیں... یا پھر شاید اس وقت جب تم جذب کے عالم میں تلاوت کر رہی تھیں...''

اس کی اس بات پر نبیہا نے بے ساختہ اسے دیکھا تھا... ''میں نے اس پینٹنگ کا آئیڈیا تم سے ہی لیا تھا... جب میرے پروفیسر نے وہ پینٹنگ خریدنے کے لیے کہا تو اسی لمحے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں وہ پینٹنگ کسی کو نہیں بیچوں گا... کیوں... یہ میں خود بھی نہیں جانتا تھا۔''

''اب ان سب باتوں کا کیا مقصد؟'' نبیہا نے استہزائیہ کہا۔

''میں جانتا ہوں، تم مجھے بہت برا، بہت کرپٹ سمجھتی ہو۔ انیورسری کے دن ڈنر کے بعد تمہاری ساری بات سن کر میں نے یہی جانا تھا۔ میں اپنے آپ کو اچھا ثابت بھی نہیں کر رہا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ میں صرف ان لڑکیوں کی طرف بڑھتا تھا جو پہلے اپنا انٹرسٹ ظاہر کرتی تھیں مجھ میں... کبھی کسی لڑکی کے ساتھ زبردستی نہیں کی میں نے... نہ ہی کسی کو مجبور کیا... وہ تمام لڑکیاں میری شخصیت، ذہانت اور بے تحاشہ دولت سے متاثر ہو کر میری طرف بڑھتی تھیں... میں چاہے کتنا کرپٹ سہی مگر نفس کا غلام اور ہوس زدہ نہیں ہوں اور تمہارے لیے تو کبھی نہیں... تم خود بتاؤ کیا کبھی تم نے میری آنکھوں میں یا میرے کسی بھی انداز میں اپنے لیے ہوس محسوس کی؟ کبھی تمہارے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی میں نے؟ تم تنہا رہتی تھیں میرے ساتھ... میں چاہتا تو بہت آسانی سے تمہیں حاصل کرسکتا تھا مگر میں نے کبھی نشے کی حالت میں بھی تمہاری طرف گندی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔''

وہ سچ بول رہا تھا اور یہ بات وہ خود بھی جانتی تھی کہ شاہ ویز نے کبھی اسے بری نظروں سے نہیں دیکھا تھا نہ

ہی کبھی اس سے زبردستی کی کوشش کی۔۔۔ "ہاں ایک بات کا اعتراف ضرور کرنا چاہوں گا کہ تمہیں دیکھنے کی خواہش بہت شدت سے ابھرتی تھی میرے اندر۔۔۔ لیکن وہ بس ایک خواہش۔۔۔ ایک آرزو تھی۔۔۔ ہوس نہیں۔۔۔ اور شاید اسی آرزو کو دبانے کے لیے میں دوسری لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔۔۔ اس بات کا اعتراف خود سے کرنے میں، بہت دیر کردی میں نے۔۔۔ اپنے ہی دل کے خلاف محاذ کھول لیا تھا۔۔۔ مگر تمہارے صبر اور خاموشی نے مجھے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر ہی دیا۔"

"مجھے زبردستی حاصل کرنے کی کوشش اس لیے نہیں کی آپ نے کہ آپ کو مجھ سے نفرت جو تھی۔۔۔ شدید ترین نفرت۔۔۔" نبیہا نے تند لہجے میں کہا۔

"نیہا! ایک مرد اس عورت کی عزت سے کھیلتا ہے جس سے نفرت کرتا ہو۔۔۔ جسے برباد کرنا چاہتا ہو۔۔۔ تم سے بدلہ لینے کا اس سے بہترین موقع اور کیا ہو سکتا تھا کہ میں چند ماہ تمہیں ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرتا اور پھر پھینک دیتا؟ مگر کبھی بھولے سے بھی میں نے ایسا نہیں سوچا۔۔۔ تم نے پوچھا تھا نا اس رات بھی کہ میں تم پر اتنی عنایتیں کیوں کر رہا ہوں؟ تم صحیح تھیں وہ سب ترس اور ہمدردی میں نہیں تھا مگر تمہارا اگلا تجزیہ بالکل غلط تھا۔۔۔ تم نے کہا تھا ہمارے بیچ محبت کی گنجائش نہیں ہے؟ تم نے غلط کہا تھا۔۔۔ وہ محبت ہی تھی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ محبت ہی ہے۔۔۔ تم اگر اس رات وہ قیمت اور معاوضے والی بات نہ کرتیں تو چند منٹ بعد میں تم سے اظہار محبت کر دیتا۔۔۔ اپنی شدتیں تم پر عیاں کر دیتا مگر پھر تمہاری اگلی باتوں نے مجھے منہ کے بل زمین پر پٹخا تھا۔۔۔ تم سمجھتی ہو کہ میں تمہیں گرانا اور توڑنا چاہتا تھا۔۔۔ مگر تم شاید یہ نہیں جانتیں کہ اس رات میں تم سے اپنی محبت کا اعتراف کرنے والا تھا۔"

وہ بہت دکھ سے بول رہا تھا۔۔۔ چہرے پر پھیلا کرب اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ اسے ان قیمتی لمحوں کے بے ثمر گزر جانے کا بے پناہ صدمہ ہے۔

"وہ جگہ اور وہ دن میں نے خاص اسی مقصد کے لیے منتخب کیے تھے۔ مجھے لگا جب وہ پرفارمنس دیکھنے کے بعد میں تمہیں اپنے دل کا حال سناؤں گا تو تم میرا یقین ضرور کروگی مگر پھر یہ جاننے کے بعد کہ تم میری محبت کا اعتبار نہیں کروگی اور یہی سمجھوگی کہ میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے محبت کا جھوٹ بول رہا ہوں۔۔۔ مجھے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔۔۔ میں تمہاری آنکھوں میں بے اعتباری نہیں دیکھ سکتا تھا اپنے لیے۔۔۔ اپنی تمام تر بہادری کے باوجود اپنے سچے جذبات کو یوں بے مول ہوتا دیکھنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔۔۔ اتنے مہینے میں نے جتنا بھی تم پر ظلم کیا تھا اور جتنی تمہیں اذیت ہوئی تھی ان سب کا بدلہ تم نے اپنے اس ایک جملے سے اتار ا تھا کہ میں معاوضہ۔۔۔"

وہ لب بھینچ گیا۔۔۔ نبیہا گم صم سی سر جھکائے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور پھر ہمارے بیچ سب غلط ہوتا چلا گیا۔۔۔ پہلے وہ پروفیسر ولیمز والا واقعہ۔۔۔ تم سے ساری بات جان کر مجھے ایسا لگا تھا کہ جیسے کسی نے مجھے انگاروں پر چلا دیا ہو۔۔۔ میں اس وقت تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ کر تمہیں پوری دنیا کی غلیظ نظروں سے اوجھل کرنا چاہتا تھا مگر ایسا کر نہیں سکا۔۔۔ ہاں یونی میں تمہاری پہرے داری شروع کردی مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرے گھر پر بھی تم محفوظ نہیں ہو۔" اب اس کے لہجے میں شکستگی اور پچھتاوے بول رہے تھے۔ "کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو اس روز کے لیے؟ مکی کو وہاں تمہارے اتنے نزدیک کھڑا دیکھ کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ میں۔۔۔ میں نہ جانے کیا کیا بولتا چلا گیا تمہیں مگر۔۔۔"

اس کے چہرے پر اذیت رقم تھی۔۔۔

"ہاں اس سارے سین کا بس ایک ہی مطلب نکلتا تھا کہ میں اس کے ساتھ رنگین وقت گزار رہی تھی؟" وہ زخمی شیرنی کی طرح بولی۔ "کتنے مان اور امید سے میں آپ کی طرف بڑھی تھی مگر آپ نے نفرت اور بے اعتباری سے خود سے الگ کر دیا۔۔۔ آپ نے مجھے طوائف کہا تھا اور۔۔۔ اور قسمت کی ستم ظریفی دیکھیں اس نے مجھے اگلے چند گھنٹوں میں وہ بنا بھی دیا۔" وہ

خود ہی اپنے آپ پر ہنسی... بڑی اذیت' بڑا کرب پوشیدہ تھا اس کی ہنسی میں...

"نبیہا پلیز یہ لفظ استعمال نہ کرو اپنے لیے... مجھے معاف کردو... غصے نے مجھے اندھا کردیا تھا... میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا... ورنہ مجھے تم پر خود سے بھی بڑھ کر بھروسا ہے... تم اتنی معصوم... اتنی پاکیزہ ہو کہ کبھی کوئی غلط سوچ بھی تمہارے ذہن میں نہیں آسکتی۔" بہت بے اختیار سی کیفیت میں شاہ ویز تڑپ کر بولا تھا اور وہ اب سسک رہی تھی۔

"لیکن نہ جانے کتنے لوگ میری وہ تصویریں دیکھ..." وہ بھیگے لہجے میں بولی تو شاہ ویز نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں... ہرگز نہیں... جب میں وہاں پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کیمرے کو میں کب کا توڑ چکا ہوں... پلیز ایسا مت سوچو..." وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں کو آنکھوں کے رستے بہا رہے تھے۔

"جب میں تمہیں اس پارٹی میں لے کر گیا تھا تو تب مجھے اپنے اور تمہارے رشتے کا احساس نہیں تھا۔ پرسوں تم نے کہا تھا ناکہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں اس لیے تم میرے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی... لیکن میرا یقین کرو نبیہا کہ میں تمہاری دل سے عزت کرتا ہوں۔ تمہیں دنیا میں بے مول کرنے کا میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' بہت چاہنے لگا ہوں میں تمہیں... جب تم بنا بتائے چلی گئی تھیں تو مجھے لگا کہ میری دنیا سے روشنی' خوشی' سکون سب کچھ ختم ہوگیا ہے... جلتے ہوئے گھر میں تمہارے تنہا ہونے کا احساس بہت اذیت ناک تھا... ان چند لمحوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ تم میرے لیے کیا ہو... اس وقت بے ساختہ ہی اللہ سے پہلی بار پورے دل سے دعا مانگی تھی میں نے... تمہارے لیے... تمہاری سلامتی اور صحت کے لیے... یہ چند ماہ جو میں نے تمہارے بغیر گزارے ہیں' یہ کسی آزمائش کی طرح تھے میرے لیے۔"

دھیمے لہجے میں بولتا ہوا وہ سر جھکائے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا... بالآخر اس انا پرست اور ضدی شخص نے اظہار محبت کردیا تھا۔

"پلیز بس کردیں..." وہ چیخ کر بولی... "کبھی یہ سب سننے کی کتنی حسرت تھی اس کے دل میں مگر آج جب خواب حقیقت میں بدل چکا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح قبول کرے شاہ ویز کے اقرار کو... اتنا سب ہونے کے بعد بھی؟ مانچسٹر جانے سے پہلے وہ شاہ ویز کو پسند ضرور کرتی تھی مگر وہاں جو کچھ وہ اس کے ساتھ کرچکا تھا اس سب کے بعد نبیہا نے کبھی بھی اپنے قدموں کو محبت کی راہوں میں بھٹکنے نہیں دیا۔

"پلیز ایک اور موقع دے دو مجھے... میں سب کچھ چھوڑ چکا ہوں... ہر بری عادت ترک کرچکا ہوں... ان تین مہینوں میں... اپنی بے چینی اور بے قراری کے باوجود نہ میں کسی غلط کام کے قریب بھی نہیں گیا... تمہیں اپنے ممی ڈیڈی کا واسطہ ہے پلیز مجھے تنہا مت چھوڑنا ورنہ میں جی نہیں پاؤں گا۔"

پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا کہ وہ نبیہا کا ہاتھ پکڑے اس کی منت کرتا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا تھا اور نبیہا بہت اچنبھے سے اس اکھڑ اور خود سر "اسٹون مین" کو یوں بکھرا ہوا دیکھ رہی تھی... اس کے دل کو بے اختیار کچھ ہوا... نہ جانے کیوں مگر اسے شاہ ویز کا ٹوٹا ہوا... شکستہ رویہ تکلیف دے رہا تھا... وہ تذبذب کا شکار تھی کہ کیا کرے... کیا نہ کرے... کس کی مانے... دل کی یا دماغ کی...

اگر تم اعتبار کروگی اس کی بات کا تب بھی... اور اگر تم اس سے علیحدگی اختیار کروگی تب بھی... پہلی صورت میں کون جانے وہ بدلے نہ بدلے؟ کسے پتا کہ وہ کتنا سچا ہے اپنے دعووں میں کہ وہ سب چھوڑ چکا ہے؟ جبکہ دوسری صورت میں شاہ ویز کبھی نہ کبھی کسی اور لڑکی سے شادی ضرور کرے گا... کیونکہ وہ محبت میں جوگ لینے والوں میں سے نہیں تھا۔ اس صورت میں جب اس کی بیوی یہاں آئے گی تو تمہارا وجود کبھی بھی اس گھر میں برداشت نہیں کرے گی... تب تمہیں یہاں سے جانا ہی ہوگا... مگر اکیلے دنیا کا سامنا

کرنے کی تم میں ہمت نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی تمہیں کسی دوسرے کا ہاتھ تھامنا ہی پڑے گا۔ جب اعتبار کرنا ہی ہے تو شاہ ویز کا کیوں نہیں؟ اس کی ہر برائی کا تمہیں ادراک ہے.... وہ کھلا ہوا باب ہے تمہارے لیے.... تمہیں کیا پتا وہ دوسرا آنے والا شخص تم سے کیا سلوک کرے؟ کیا.... کیا چھپائے اپنی ذات کے متعلق.... کم از کم شاہ ویز کی ساری کمزوریاں تمہارے سامنے تو ہیں....“ اور بالآخر اس نے دل کو فوقیت دیتے ہوئے دماغ کی نہ ماننے کا فیصلہ کیا۔

استخارہ کہتا ہے کنارہ کرلے
دل کہتا ہے پھر سے استخارہ کرلے

”ٹھیک ہے میں نے کیا آپ کا اعتبار.... میں ساتھ دوں گی آپ کا....“ وہ بالآخر دھیرے سے بولی.... اس کی بات سنتے ہی شاہ ویز نے سرعت سے بھیگا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا....

”تھینک یو نبیہا.... تھینکس الاٹ.... تم بہت اچھی ہو.... آئی لو یو سو مچ بیا....“ خوشی اور سرشاری اس کے ہر ہر انداز سے جھلک رہی تھی....

نبیہا نے بالآخر بروقت صحیح اور عقل مندی کا فیصلہ کرنا سیکھ ہی لیا تھا۔ اب دیکھنا تھا کہ زندگی آگے چل کر اسے کیا دینے والی تھی.... شاہ ویز اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اتنی محبت، اتنی عزت دے گا کہ وہ اس سے محبت کرنے پر خود کو مجبور پائے گی.... کیونکہ وہ بہت حساس اور محبتوں سے گندھی لڑکی تھی.... وہ جانتا تھا کہ عزت عورت کو دیے جانے والے تحفوں میں سب سے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے اور اتنا انمول تحفہ دینا ہر مرد کے بس کی بات نہیں اور اب اسے ثابت کرکے دکھانا تھا کہ وہ عام سا مرد نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

دانیال کے ساتھ جم کا سیشن مکمل کرکے وہ پارکنگ میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تب ہی اسے شہریار حسن کی گاڑی کھڑی نظر آئی.... کیوں نہ آج ڈیڈ سے دو دو ہاتھ گالف کے ہی ہو جائیں اور پھر اپنی جیت کا جشن مناتے ہوئے میں انہیں گڈ نیوز بھی سنا دوں گا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا اور گالف کورس کی سمت بڑھ گیا۔ شہریار کو جنون کی حد تک گالف کھیلنے کا شوق تھا اور اپنا یہ شوق انہوں نے شاہ ویز میں بھی بدرجہ اتم منتقل کیا تھا۔ وہ چلتا ہوا پٹنگ گرین کے نزدیک پہنچا جہاں ہول سے کچھ فاصلے پر اسے شہریار کے ساتھ نبیہا بھی نظر آئی۔ گالف کلب ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامے اسٹروک لگانے کے لیے بالکل ریڈی.... اس کے کھڑے ہونے کا انداز ملاحظہ کرتے ہی شاہ ویز کے چہرے پر مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی۔ وہ اس قدر جھجکی کھڑی تھی جیسے کوئی چھوٹا بچہ پہلی بار کرکٹ بیٹ پکڑے کھڑا ہوتا ہے۔ بالآخر اس نے زوردار اسٹروک لگا ہی دیا مگر بال ہول کے نزدیک سے تیزی سے گزر کر کافی دور جا رکی تھی۔

”میرے خیال میں یہ ہول غلط جگہ بنا ہے.... ورنہ اسے تو وہاں ہونا چاہیے تھا جہاں بال رکی ہے۔ میں ابھی انتظامیہ سے شکایت کرتا ہوں۔“ ان کے نزدیک پہنچتے ہی وہ شرارت سے بولا۔ نبیہا جو کہ بال کو افسوس سے گھور رہی تھی چونک کر مڑی۔ اسے مزے سے مسکراتا دیکھ کر نبیہا کا مزید منہ بن گیا۔

”ڈیڈ میں تو سوچ کر آیا تھا کہ آج ایک بار پھر جیت کر اپنے استاد کا نام روشن کروں گا مگر یہاں تو آپ کا نیا شاگرد آپ کا نام ڈبونے کے چکر میں ہے۔“ اس نے نیا شاگرد اور نام ڈبونے پر زور دیتے ہوئے مصنوعی تشویش سے کہا۔

”دیکھنا چند دنوں میں تم سے بھی اچھی گالف کھیلنے لگے گی یہ اور پھر تمہیں بھی ہرا دے گی۔“ شاہ ویز کی بات پر نبیہا کا بجھا چہرہ دیکھتے ہوئے انہوں نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔

نبیہا ایک تیکھی نظر اس پر ڈال کر اسٹروک لگانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ شاہ ویز کی رگ شرارت پھر پھڑکی۔

”لگتا ہے، آج گالف کی تاریخ کا ایک سنہری باب

رقم کیا جانے والا ہے۔" چند لمحوں بعد اس نے اسٹروک لگا دیا مگر اس بار بال رینگتے ہوئے ہول سے کافی پہلے رک چکی تھی۔۔۔ اس بار اس نے اتنی ہلکی طاقت لگائی تھی کہ بال ہول تک پہنچ ہی نہ سکی۔۔۔ شاہ ویز دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے' نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے متبسم نگاہوں سے اس کی رونی صورت دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا! کوئی نہیں' شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" شہریار نے اسے تسلی دی۔

"کوئی نہیں' یہ مجھے کنفیوز کر رہے تھے۔" اس نے شاہ ویز پر تمام الزام دھر دیا۔

"لیکن بیٹا۔۔۔"

"ڈیڈ! میں اسے سکھاتا ہوں پلیز۔۔۔" اس نے شہریار کی بات کاٹی اور پراعتماد قدموں سے آگے بڑھا۔

"لاؤ دو مجھے پٹر۔" اس نے کلب کی طرف اشارہ کیا۔

"گالف از گیم آف اسٹریٹجی۔۔۔ ٹائمنگ پاور اینڈ کانفیڈنس۔۔۔ جبکہ تمہارے اندر یہ سب ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا۔ میں اگر کنفیوز کر بھی رہا تھا تو تمہیں چاہیے تھا کہ میری باتوں کا نوٹس ہی نہ لیتیں۔۔۔" اور پھر وہ کسی ماہر انسٹرکٹر کی طرح سنجیدگی سے اسے اس کی غلطیاں بتاتا رہا تھا۔ گرپ اور جگہ کے متعلق۔۔۔

وہ بتانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اسے سمجھا رہا تھا۔۔۔ جبکہ نبیہا پورے دھیان سے اس کی بات سن رہی تھی۔۔۔ شہریار نے ان دونوں کو اس دوستانہ انداز میں کھڑا دیکھا تو سب اچھا ہونے کا خود بخود اندازہ ہو گیا۔۔۔

"چلو اب شاٹ لگاؤ اور جو جو میں نے سمجھایا ہے اسے دھیان میں رکھنا۔" شاہ ویز نے اسے پٹر پکڑاتے ہوئے کہا۔ شاہ ویز کے بتائے ہوئے انداز کے مطابق کھڑا ہو کر اس نے فاصلے کا تعین کیا اور متفکر چہرے سمیت ایک اور شاٹ لگایا۔ اگلے لمحے وہ جوش سے اچھلی تھی' کیونکہ بال ہول میں جا چکی تھی۔ ہول کے قریب لگا فلیگ اس کی فتح کا نشان تھا۔ وہ بچوں کی طرح کھلکھلاتے ہوئے اچھل رہی تھی۔ ان دونوں نے تالیاں بجا کر اسے داد دی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی خوشی کی انتہا دیکھتے ہوئے مسکرا بھی رہے تھے۔

"وٹ آ کلاسک شاٹ دیا۔" شاہ ویز نے اس کی سچے دل سے تعریف کی۔

"ویل ڈن بیٹا۔۔۔" شہریار نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی تو وہ خوشی سے بے قابو ہوتی ان کے سینے سے لگ گئی۔ "مجھے اب تک یقین نہیں آرہا ڈیڈی۔۔۔" اس کی روشن آنکھیں بے یقینی سے ہول پر جمی ہوئی تھیں۔

"ویسے اس ہٹ کا حق دار میں تھا' نہیں؟" شاہ ویز نے معنی خیز لہجے میں نبیہا کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ جھٹ سے علیحدہ ہوئی۔

پھر شہریار اور شاہ ویز کے بیچ پار فائیو ہول کا ایک مقابلہ ہوا۔ نبیہا نے شہریار کا ساتھ دینے کا باآواز بلند اعلان کیا تھا۔ ان کے ہر شاٹ پر وہ بے انتہا خوش ہو کر انہیں داد دیتی اور ساتھ میں جیت کا یقین بھی دلاتی۔۔۔ جبکہ شاہ ویز' نبیہا کی مخالفت پر بس دانت پیس کر رہ گیا۔ مقابلہ شروع ہونے تک تو وہ یہی سمجھتا رہا کہ نبیہا اسی کا ساتھ دے گی مگر نہیں' اسے اپنے جان سے پیارے ڈیڈی کو سپورٹ کرنا تھا۔ وہ جھنجلا کر سوچ رہا تھا کہ مجھے جان سے پیارا بننے کے لیے ابھی کافی وقت درکار ہے۔ اسی جھنجلاہٹ میں اس سے شاٹس بھی ٹھیک نہیں لگے۔ اس کی ہر فضول شاٹ پر نبیہا کہتی "گالف از آل اباؤٹ کانفیڈنس۔۔۔ تو کبھی کمنٹ پاس کرتی' لگتا ہے کلب میں ہی کوئی خرابی ہے یا شاید گھاس اچھی کوالٹی کی نہیں۔۔۔ میں ابھی شکایت کرتی ہوں انتظامیہ سے۔۔۔ اس کی بات پر وہ حیرت اور بے انتہا خوشی سے سوچ رہا تھا کہ وہ لوگوں کو بروقت ان کا جملہ لوٹانا سیکھ چکی تھی اور یہ ان تینوں کی بے پناہ محبتوں اور اعتماد کا ہی اعجاز تھا اور پھر نتیجتاً" وہ ہار گیا۔ اتنا افسوس اسے ہار کا نہیں ہوا جتنا افسوس اسے نبیہا کی طوطا چشمی پر ہوا تھا۔ یعنی کہ حد ہی ہو گئی۔۔۔ شوہر کو چھوڑ کر وہ محترمہ ماموں صاحب کی سپورٹر بن گئیں۔۔۔

پھر اسے جلد ہی موقع مل گیا نبیہا کو تپانے کا۔۔۔ پنالٹی کے طور پر وہ شاہ ویز کی جانب سے "جھروکہ کافی شاپ" میں بیٹھے کافی پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے، جب کوئی قریب سے گزرا اور پھر مڑ کر ان کی ٹیبل کے پاس آ کر رکا۔

"ہیلو شاہ ویز؟ کب آئے؟ اور اپنے آنے کا بتایا ہی نہیں۔" وہ جو کوئی بھی تھی، بہت بے تکلفی سے شاہ ویز سے مخاطب ہوئی تھی۔ ان تینوں نے چونک کر سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ اس کی ڈریسنگ دیکھ کر نبیہا کو نہ جانے کیوں شرم محسوس ہوئی تھی، شاہ ویز اور شہریار سے۔۔۔ اس نے اسکنی جینز کے اوپر سلیولیس ٹاپ پہنا ہوا تھا اور اس ٹاپ پر بہت ہی بے ہودہ جملہ لکھا ہوا تھا۔

"ہائے ناز؟ میں نے نہیں بتایا یا تم ہی کہیں غائب تھیں؟" وہ بھی اسی بے تکلفی سے بولا تو نبیہا نے ناگوار نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔ ابھی کل تو موصوف فرما رہے تھے کہ سب چھوڑ چکا ہوں، پھر یہ حسینہ کون تھی؟

"تم بغیر بتائے مانچسٹر جا سکتے ہو تو میں بھی بغیر بتائے دبئی کی سیر کر سکتی ہوں۔" اس نے شوخی سے جتایا۔
"میرا تعارف تو کراؤ بھئی۔۔۔" ناز صاحبہ بڑی پکی سہیلی معلوم ہو رہی تھیں۔

"یہ میرے ڈیڈ ہیں اور ڈیڈ! یہ ناز ہے میری کالج فرینڈ۔" شہریار سے ہیلو ہائے کرنے کے بعد اس نے نبیہا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نبیہا کے غصیلے چہرے کو دیکھتے ہوئے شاہ ویز نے چند لمحوں میں ہی اسے چڑانے کا فیصلہ کیا۔

"یہ میری کزن ہے نبیہا۔۔۔ میری پھپھو کی بیٹی۔۔۔" شاہ ویز نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے سرسری سا بتایا۔۔۔ اس کا جواب سن کر نبیہا نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں کزن ہوں۔۔۔ پھر بے مروتی سے اس نے ناز کو ہیلو کہا تھا۔۔۔ چند منٹ بعد وہ وہاں سے رخصت ہو چکی تھی مگر نبیہا کو جیسے آگ ہی لگ گئی تھی شاہ ویز کے تعارف پر۔۔۔

"اچھا جی تو میں صرف آپ کی کزن ہوں نا۔۔۔" اس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں طنز کیا۔ کل کیسے محبت کے بڑے بڑے دعوے کر رہا تھا اور آج جب امتحان آیا تو پہلے ہی سوال میں زیرو مارکس لیے۔۔۔"

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے؟" شاہ ویز نے محظوظ انداز میں مسکراتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔
"ڈیڈی! دیکھا آپ نے یہ لوگوں کو حقیقت بھی نہیں بتا سکتے۔" وہ منہ پھلا کر شکایتی لہجے میں بولی۔
"ہاں شاہ ویز! یہ تو بہت غلط بات ہے۔ تمہیں اصل تعارف کروانا چاہیے تھا۔"
وہ شہریار کے ہونٹوں پر دبی دبی ہنسی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے کوئی بھی جواب دیے بغیر مسکراتے ہوئے کافی کا کپ اٹھا لیا۔
کافی پینے کے بعد جب وہ باہر کی جانب بڑھ رہے تھے تو شہریار کو اپنا کوئی دوست مل گیا تھا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر بات کرنے لگے۔ نبیہا کو اپنے ساتھ لے کر جانے کا بتا کر وہ اسے باہر پارکنگ میں لے آیا۔ وہ اداس اداس سی خاموشی سے اس سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہی تھی۔
"کیا ہوا اتنی اداس کیوں ہو؟" وہ ایڑیوں کے بل گھوما تو وہ جو سر جھکائے چل رہی تھی اس سے ٹکرانے سے بمشکل بچی۔
"مجھے پتا تھا یہی سب ہوگا۔ اسی لیے آپ کی زندگی سے جانا چاہتی تھی۔۔۔ آپ کو شرم آتی ہے نا اس حلیے میں میرا تعارف اپنی ماڈرن اور اپ ٹو ڈیٹ فرینڈز سے کرواتے ہوئے؟ ایک بات کلیئر کرنا بہت ضروری ہے کہ میں حجاب نہیں اتاروں گی زندگی بھر۔۔۔ آپ کے کہنے پر بھی نہیں۔۔۔ اس لیے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیں تو کر لیجیے بعد میں تاکہ مسائل پیدا نہ ہوں۔"
وہ قطعیت سے بولی۔۔۔
"نبیا تم۔۔۔" وہ ابھی کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اسے پکارا۔

"شاہ ویز، حسن صاحب کہاں مصروف ہوتے ہیں آپ آج کل جو مجھے تک فراموش کردیا؟" ایک اسٹائلش اور طرح دار لڑکی شاہ ویز کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھے اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ شاہ ویز مڑا۔

"اوہ... زینیا تم یہاں؟" شاہ ویز سنبھل کر گویا ہوا۔ اس کی یادداشت واقعی غضب کی تھی... ہر گرل فرینڈ کا نام کیسے فٹ سے بولتا ہے... نبیہا نے سلگتی ہوئی نظروں سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"ہاں... میں یہاں مگر تم کہاں؟ اور یہ کون ہے؟ کیا درس لے رہے ہو اس سے آج کل؟" اس نے نبیہا کے حجاب پر چوٹ کی تو وہ توہین کے مارے سرخ پڑ گئی۔

"یہ نبیہا شاہ ویز حسن ہے۔ مائی لو، مائی لائف..." وہ دانستہ رکا اور نبیہا کے گرد بازو حمائل کر کے اسے دھیرے سے ساتھ لگایا۔ "اینڈ مائی پریشس وائف" بڑے ٹھہرے ہوئے اور گمبھیر لہجے میں اس نے تعارف کروایا تھا اور اس سے "درس" ہی تو لے رہا ہوں میں محبت، خوشی اور سکون کا... اب کے اس کا لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ اس کی بات پر دونوں لڑکیوں کو جھٹکا لگا۔ ایک کو حیرت اور بے یقینی کا جبکہ دوسری کو دکھ اور صدمے کا۔

"تت... تم نے شادی کرلی؟ کک... کب؟" اس نے لڑکھڑاتے ہوئے بے ساختہ پوچھا۔

"دو سال اور سات ماہ ہو چکے ہیں مجھے شاہ ویز کی زندگی میں آئے۔" شاہ ویز کے بجائے نبیہا نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں مسکراتے ہوئے اطلاع دی تھی۔ ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ شاہ ویز کے اقرار پر وہ یک دم شانت ہو چکی تھی۔ ساری اداسی اور پریشانی پل بھر میں فنا ہو گئی تھی۔ اب وہ دونوں جتاتی نظروں سے سامنے سرخ چہرہ لیے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو ہونٹ چباتے ہوئے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی، پھر تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

"آئی لائک اٹ... " شاہ ویز نے ستائشی لہجے میں معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کی ہنسی فضا میں بکھرتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ تیاری کے آخری مراحل میں تھی جب اس کے فون پر شاہ ویز کی کال آنے لگی۔ بیوٹیشن اس کا اسکارف سیٹ کرنے کے بعد اب مہارت سے دوپٹا سیٹ کر رہی تھی، اس لیے وہ اپنی جگہ سے ہلنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ چند منٹ بعد فون بند ہو گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری ہو گی جب سمن میک اپ روم میں داخل ہوئی۔

"بھابھی! شاویز بھائی کی کال آئی ہے وہ باہر آ چکے ہیں۔ آپ ریڈی ہوں اتنے میں سامان گاڑی میں رکھواتی ہوں۔"

تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہ سمن کا ہاتھ تھامے پارلر سے باہر آئی۔ بلیک ٹکسیڈو پہنے وہ پورچ میں کھڑی اپنی سلور ہونڈا اکارڈ سے ٹیک لگائے مطمئن سا کھڑا بہت شان دار لگ رہا تھا۔ صرف لمحے بھر کے لیے ہی اس نے شاہ ویز کی بولتی نظروں میں دیکھا تھا اور پھر جھجک کر نظریں جھکالی تھیں۔ دوسری طرف شاہ ویز اسے باہر آتا دیکھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور ایک بھرپور نظر اس کے پور پور سجے سراپے پر ڈالی... فرش کو چھوتی آف وائٹ میکسی اسٹائل فراک جس پر کندن کا نفیس سا کام ہوا تھا۔ سفید موتیوں سے بجی مغلیہ طرز کی مالا پہنے، روایتی انداز کے میک اپ میں تمکنت سے چلتی ہوئی وہ مغلیہ سلطنت کی حسین اور نازک شہزادی ہی لگ رہی تھی۔

"لیجیے پرنس چارمنگ سنبھالیے اپنی سنڈریلا کو..." اس کے نزدیک پہنچ کر سمن نے شوخی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ شاہ ویز کے ہاتھ میں تھمایا تو مدھم سی ہنسی دونوں کے لبوں کو چھو گئی۔

"سنڈریلا نہیں راج کماری نبیہا..." شاہ ویز نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے تصحیح کی تو وہ جو شاہ ویز کی شرٹ کے بٹن کے ڈیزائن پر غور و فکر کر رہی تھی، جھینپ کر چہرہ مزید جھکا گئی۔

"ویسے بھائی! مجھے زارا آپی کی مہندی والے دن ہی پتا چل گیا تھا" "سم ون اسپیشل" کیسی ہیں۔" سمن نے آنکھیں مٹکا کر شرارت سے کہا تو اس کے انداز پر وہ دل کشی سے مسکرا دیا۔

"اچھا وہ کیسے؟" شاہ ویز نے محظوظ سی مسکراہٹ سے پوچھا تھا۔

وہ ایسے کہ ارشاد کیا ہے۔

الفت کا راز کھل گیا محفل میں ناگہاں

وہ دیکھتا تو میری طرف بار بار تھا

سمن کے اسٹائل سے شعر پڑھنے پر شاہ ویز کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا اور نبیہا نے بھی سٹپٹا کر سمن کو دیکھا تھا۔

"واہ واہ بڑی سمجھ دار ہو تم تو' کیسے میرے دل کا راز جان لیا' آئی ایم امپریسڈ۔" شاہ ویز نے اس کی بات سے حظ اٹھایا۔

"ہاں نا گانا گاتے ہوئے آپ کا بار بار بھابھی کو شوخ نظروں سے دیکھنا میں نے اسی وقت نوٹ کر لیا تھا اور بس آپ کے دل کا راز پا لیا۔" سمن بڑی خوش نظر آ رہی تھی اپنے درست اندازے پر۔۔۔ "چلیں اب بھابھی کو بٹھائیں گاڑی میں۔۔۔ پنسل ہیلز میں کھڑے ہوئے تھک گئیں بے چاری۔۔۔ پھر شاہ ویز نے بہت احتیاط سے اسے اگلی نشست پر بٹھایا۔

"تھینکس سمن! نبیہا کے ساتھ پارلر آنے کا۔ تمہارا نیک ڈیو رہا اور ہاں ایک اور کام کہا تھا میں نے تمہیں اس کا کیا ہوا؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے سمن کو مخاطب کیا۔

"آدھا کام ہو چکا ہے۔۔۔ آدھا فنکشن کے بعد۔۔۔ ڈونٹ وری۔ میں نے سب سوچ لیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا اور دوسری گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"تم ہر بار پہلے سے بڑھ کر خوب صورت اور حسین لگتی ہو مجھے۔۔۔ لگتا ہے' مجھے پاگل کر کے ہی چھوڑو گی۔" گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے وہ شوخ لہجے میں گویا ہوا۔ اس کا دھیان سڑک پر کم اور نبیہا کے سجے سراپے پر زیادہ تھا۔۔۔ نبیہا نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔۔۔ آج اس کے ہونٹوں سے نہ مسکراہٹ جدا ہو رہی تھی' نہ ہی آنکھوں سے چمک۔۔۔ وہ بہت مطمئن اور سرشار دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ سب پا لینے کی خوشی اس کے ہر ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"تمہاری ستائشی نظروں نے یقین دلا دیا مجھے کہ میں واقعی بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں' ورنہ ڈیڈی اور دوستوں کی بات کا کچھ خاص اعتبار نہیں کیا تھا میں نے۔" اس کی نظروں کی چوری پکڑتے ہوئے شاہ ویز نے نبیہا کی طرف جھک کر شرارت سے کہا۔ اس کی بات پر نبیہا دھیرے سے مسکرا کر رخ موڑ گئی۔ "یار میرا تو موڈ ہو رہا ہے کہ ہال جانے کے بجائے میں اپنی دلہن کو کہیں بھگا کر لے جاؤں۔" وہ پھر شوخ ہوا۔

"جی ناں کہ ممی ڈیڈی سے ڈانٹ پڑے بعد میں۔۔۔ لوگ کیا کہیں گے کہ دولہا دلہن بھاگ گئے' وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہی۔۔۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

"اچھا ہے نا ایک نئی تاریخ رقم کریں گے ہم۔۔۔ اچھا ایڈونچر ہو گا۔" شاہ ویز اپنے ارادوں میں سنجیدہ لگ رہا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ خاموش ہو گئی کہ اپنے دلہناپے کا احساس بھی تھا۔۔۔ جبکہ وہ سارا راستہ یوں ہی بے تکی باتیں کرتا رہا تھا۔

ہال پہنچنے پر ان دونوں کا پرتپاک استقبال ہوا تھا۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ آج شاہ ویز کے سب رشتے دار اس سے بہت اپنائیت اور محبت سے مل رہے تھے جو کہ زارا کی مہندی والے دن مفقود تھی۔۔۔ شہریار کی بھانجی کو انہوں نے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی مگر اب وہ شاہ ویز حسن کی بیوی تھی۔۔۔ سو اسی حیثیت سے اسے پروٹوکول بھی مل رہا تھا۔ بہت استحقاق کے ساتھ وہ شاہ ویز کا ہاتھ تھامے اس کے پہلو میں کھڑی تھی کہ یہ حق اس کے رب کا عطا کردہ تھا۔ غرور اور تکبر سے سر اٹھانے کے بجائے وہ ان سب محبتوں پر نہال ہوتی تشکر سے اپنے رب کی احسان مند تھی۔

☆ ☆ ☆

فنکشن کے اختتام پر جب سمن اسے شاہ ویز کے روم تک لائی تو بیڈ پر لے جانے کے بجائے اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے اسٹول پر لا بٹھایا۔ وہ الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بھابی آپ کو مکمل کیل کانٹوں سے لیس دکھنا چاہیے' تاکہ بھائی فوراً" اپنا دل آپ کے قدموں میں رکھ دیں۔۔۔ اور یہ کام آپ کے حسین روپ سمیت آپ کے لمبے بال بخوبی کر سکتے ہیں۔۔۔" سمن نے شوخی سے کہا تو حیا کی لالی بکھرتی چلی گئی اس کے چہرے پر۔۔۔

"ویسے بھی آج تو ان کا حق بنتا ہے ہر بات منوانے کا۔ شاہ ویز بھائی نے فرمائش کی تھی کہ کمرے میں لانے کے بعد آپ کا اسکارف اتار دوں اور اچھے سے آپ کے بال سیٹ کردوں تو بس دو منٹ لگیں گے۔" اس کے بال سیٹ کر کے سمن اسے بیڈ پر بٹھا کر باہر نکل گئی۔ چند منٹ سر جھکائے رکھنے کے بعد اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ پر تعیش بیڈ روم شاہ ویز کے شاہانہ مزاج کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ڈل گولڈ بیڈ پر بچھی ریشمی چادر سے لے کر کشن کورز' پردوں اور صوفوں میں بھی ڈل گولڈن' مہرون اور آف وائٹ کلر اسکیم کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا۔ آف وائٹ ماربل کا چمکتا فرش مکین کی نفیس طبیعت کا اعلان کر رہا تھا۔

جب وہ دھیرے سے دروازہ کھول کر پھولوں سے مہکتے روم میں داخل ہوا تو نظر بیڈ کے وسط پر سر جھکائے بیٹھی **نبیہا** پر ٹھہر گئی۔ ایک طمانیت بھری سانس خارج کر کے وہ سرشار قدموں سے آگے بڑھا۔

"تو آخر کار میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گیا۔" اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے شاہ ویز مدھم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولا۔۔۔ "کتنا انتظار کروایا ہے تم نے مجھے۔۔۔" اس نے ہولے سے اس کے سیاہ ریشمی بالوں کو چھوا تھا جو اس کے دائیں کندھے سے ہوتے ہوئے اس کی گود میں رکھے ہاتھوں کو چھو رہے تھے۔ وہ مبہوت سا اس کے بالوں کو نرمی سے چھو رہا تھا جیسے ان کی ملائمت اپنی انگلیوں کی پوروں میں منتقل کرنا چاہتا ہو۔۔۔ "کتنی شدت سے خواہش تھی میری کہ تمہیں اس روپ میں دیکھوں۔۔۔ تمہارے ہاتھوں کے عشق میں۔۔۔ میں اس دن گرفتار ہوا جب تم اپنے نرم ہاتھوں سے میرا سر دبا رہی تھیں۔" وہ اس کے ٹھنڈے پڑتے کانپتے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامتا ہوا گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔ "پھر تمہاری آنکھوں کا اس دن اسیر ہوا جب تم اپنے ممی ڈیڈی کی برسی والے دن میرے بہت نزدیک تھیں۔۔۔ اتنی کہ میں نے تمہاری پلکوں کا خم بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔"

اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ "اور آج۔۔۔ آج میں حقیقتاً" تمہاری زلفوں کا اسیر ہو گیا ہوں۔" وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا جبکہ **نبیہا** نے اس کی باتوں سے گھبرا کر سر جھکایا ہوا تھا۔

"مگر مجھے اپنا یہ اسیر ہونا دل و جان سے عزیز ہے۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ہر آنے والے دن میں گزرے دن کی نسبت زیادہ چاہوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لیے عزت' محبت سے ایک قدم آگے ہے' اس لیے میری پوری کوشش ہو گی کہ دنیا بھر کی عزت کو تمہارے دامن میں سمیٹ دوں۔" اس کے لہجے کی سچائی کو محسوس کرتے ہوئے **نبیہا** نے جھکی پلکوں کو اٹھا کر شاہ ویز کے وجیہہ چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ لو دیتی آنکھوں سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ جھینپ کر نظریں جھکا گئی۔۔۔ بالآخر ان دونوں نے محبت کی منزلوں کو پالیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج مانچسٹر آرٹ گیلری میں اس کی **پینٹنگز** کی سولو **ایگزیبیشن** تھی۔۔۔ شاہ ویز سے زیادہ وہ **ایگزیبیشن** کے لیے پرجوش تھی۔۔۔ وجہ وہاں نمائش کے لیے پیش کی گئی بہت سی دیگر **پینٹنگز** کے ساتھ قرآنی آیات کی منظر کشی کرتی اس کی سات **پینٹنگز** تھیں جن پر ناٹ فار سیل کا ٹیگ لگا ہوا تھا اور **نبیہا** پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ اسے وہ **پینٹنگز** گھر میں کہاں کہاں لگانی

تھیں۔

نبیہا نے ایک نظر بیٹی پر ڈال کر دور کھڑے شاہ ویز کو دیکھا جو سنجیدگی اور متانت سے لوگوں کے سوالات کا جواب دے رہا تھا ان پانچ سالوں میں وہ بہت بدل چکا تھا۔ بالخصوص عنایہ کی پیدائش کے بعد اس میں واضح تبدیلیاں آئی تھیں۔ وہ ایک اچھا شوہر اور اچھا باپ ثابت ہوا تھا اور سب سے بڑھ کر ایک انسان۔۔۔ یہ احساس ہی بڑا طمانیت بھرا تھا کہ نبیہا کا بھی حصہ تھا شاہ ویز کی اس تبدیلی میں، ورنہ کوئی مرد کسی عورت کے لیے صحیح طور پر بدل جائے ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

وہ نبیہا جسے ہر طرح کی اذیت دی تھی اور اب وہ بھولے سے بھی اونچی آواز میں اسے مخاطب نہیں کرتا تھا۔ ہاں اب بھی کبھی کبھی اس کی غیر متوقع اور غیر یقینی فطرت کسی کسی معاملے میں جھلک ہی جاتی تھی مگر نبیہا نے اس کی اس فطرت کو ہینڈل کرنا سیکھ لیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی پریشانیاں جب وہ شاہ ویز سے ڈسکس کرتی تو ہر بار وہ افسوس سے سر ہلا کر کہتا۔

"بیا! تم کبھی نہیں سدھرو گی۔۔۔ تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔ یو آر امپوسبل۔" اور وہ بس اعتماد سے مسکرا دیتی جیسے اسے بہت فخر ہو اپنی حرکتوں پر۔

یہ اعتماد بھی شاہ ویز کا ہی دیا ہوا تھا۔ شادی کے شروع میں وہ جھجکتی تھی اس کے ساتھ باہر جانے میں کہ لوگ شان دار سے شاہ ویز کے ساتھ حجاب میں چلتی نبیہا کو دیکھ کر عجیب نظروں سے اسے دیکھتے تھے۔ جیسے انہیں شاہ ویز کی بے وقوفی پر افسوس ہو رہا ہو اور وہ بہت غیر محسوس طریقے سے اسے یہ باور کروا دیتا تھا کہ اسے لوگوں کی نظروں کی کوئی پروا نہیں ہے۔۔۔ چونکہ وہ کوئی عام مرد نہیں تھا۔ وہ شاہ ویز حسن تھا۔ اپنے ارادوں میں اٹل اور مضبوط۔ دنیا کی باتوں کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھنے والا۔۔۔ سکون و سرشاری بھری سانس خارج کر کے وہ شاہ ویز کی طرف بڑھی، تاکہ عنایہ کو اس کی گود سے لے سکے جو باپ سے اپنی توتلی زبان میں گفتگو فرما رہی تھی اور اگر کوئی اس کے اور اس کے باپ کی باتوں میں مخل ہوتا تو اس پر ایک تیز نظر ڈالی جاتی۔۔۔

"شاہ ویز! اسے مجھے دے دیں، ورنہ یہ آپ کو لوگوں سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کرنے دے گی اور یہاں آنے والے آپ کے مداح آپ کو اور آپ کی بیٹی کو مغرور اور بدتمیز سمجھیں گے۔"

ان دونوں کے قریب پہنچ کر وہ شرارت سے گویا ہوئی۔ ماں کے بڑھے ہاتھوں کو دیکھ کر وہ اور زور زور سے باپ سے لپٹ گئی اور زور زور سے نفی میں سر ہلا کر نو۔۔۔ نو۔۔۔ بولنے لگی۔

"رہنے دو۔۔۔ ان مداحوں سے زیادہ مجھے اپنی اینجل کی خوشی عزیز ہے۔" اس نے فرط جذبات سے عنایہ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو نبیہا بھی طمانیت سے مسکرا دی۔۔۔ بالآخر ان دونوں نے اپنی منزل محبت کو پا لیا تھا۔

☆

فرحت جبیں

خوشبو میری ساتھی

زندگی کی خار زار راہوں میں کتنے بے تحاشا خار تھے یہ کوئی اس سے پوچھتا جس کے ساتھ زندگی بچپن سے صرف دکھوں کی آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ کبھی ایک درد چھپ جاتا تھا دوسرا ظاہر ہو جاتا۔

وہ صرف تین مہینے کی تھی جب ماں اسے چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی اور جب تھوڑی بڑی ہوئی تو باپ کا پر شفقت سایہ بھی ساتھ چھوڑ گیا تب سے سر پر ایسی دھوپ آکر ٹھہر گئی تھی کہ کہیں سایہ نہ مل سکا۔ چچا اور چچی نے پرورش کی مگر ہر موڑ پر اس نے اپنی پرورش کی قیمت ادا کی کہ اس کی موجودگی میں چاچی کو کبھی کام والی کی ضرورت پیش نہ آئی۔ صبح منہ اندھیرے اس کے کام شروع ہوتے اور رات گئے تک کمر سیدھی کرنے کا موقع نہ ملتا۔ یہ بڑا سا حویلی نما گھر اور ہر وقت کے مہمانوں کے آمد و رفت، پھر ان کی آؤ بھگت۔ اوپر سے اپنی زمینیں، ان پر اگنے والی طرح طرح کی فصلیں اور پھر ان فصلوں کو ٹھکانے لگانا۔ گھر کے سارے کام وہ دیکھتی اور ساتھ میں پرانے وقتوں کی ایک وفادار ملازمہ سعیدہ خالہ۔ جس کی ہڈیوں میں اب وہ دم خم نہیں تھا، بس نمک کا حق ادا کرنے کو کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ ہاں زمینوں کی ساری دیکھ بھال کرم علی کرتا تھا۔

کرم علی، چاچا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس سے پندرہ سال چھوٹا احمد علی اور سب سے چھوٹی طیبہ جو ابھی پانچویں میں تھی۔ کرم علی بڑا ہی خود پسند اور بے نیاز قسم کا بندہ تھا۔ سجیلہ کو آج تک اس کے مزاج کا پتا نہ چل سکا۔ اپنے دھیان میں گم رہتا۔ اس کا زیادہ وقت زمینوں پر اور یار دوستوں کے ساتھ ڈیرے پر گزرتا۔

چاچی ہر آئے گئے کے سامنے اپنی رحمدل طبیعت کے قصے لے کر بیٹھ جاتیں۔

”بھئی یہ ہم ہی تھے جس نے اس یتیم بچی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ نہ اس کے ننھیال میں سے کوئی آیا اور نہ مراد بھائی (بڑے تایا) نے اس کی کفالت کا ذمہ اٹھایا۔ حالانکہ شہر میں رہتے ہیں۔ چاہتے تو اسے وہیں رکھتے، اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہو جاتی مگر بھابھی زہرہ نے کہاں اسے لے جانا تھا۔ ماشاء اللہ ان کے تین بیٹے آگے پیچھے کے جوان گبھرو، انہوں نے اس لڑکی کو وہاں رکھ کے کوئی سیاپا تھوڑی پالنا تھا اپنے لیے۔ یہ تو کرم علی کے ابا کا دل اچھا ہے جو بھائی کی طرف نہیں دیکھا خود یہ ذمہ داری اٹھائی۔ بس اللہ ہی اجر دے۔“

چولہے میں جلتی لکڑیوں کی آگ بجھ گئی تھی۔ اب وہاں صرف دھواں سا اٹھ رہا تھا اور توے پر پڑی روٹی سوکھ رہی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں کھو گئی تھی۔ اس نے پاس پڑے لوہے کے چھوٹے سے پائپ کے ذریعے لکڑیوں میں دوبارہ پھونک پھونک کر آگ جلانے کی کوشش کی مگر دھواں بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ آنکھیں بھی لال سرخ ہو رہی تھیں۔ پتا نہیں یہ لکڑیوں کا دھواں تھا یا دل کے اندر جلتی بجھتی آگ کا دھواں تھا۔

پھر چاچا کو بھتیجی کی شادی کا خیال آیا اور ساتھ ہی اس کی وہ جائیداد جو اس کے باپ کے نام تھی۔ انہیں یہ کہاں گوارا تھا کہ اتنی بڑی جائیداد باہر جائے سو فوراً کرم علی سے اس کی شادی طے کر دی گئی۔

چاچی کا دل یہ رشتہ ماننے کو تیار نہ تھا مگر زمینوں کا لالچ بھی دامن گیر تھا۔ سو مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق راضی ہونا پڑا۔ ہاں کرم نے بہت کوشش کی یہ رشتہ نہ ہو مگر ماں باپ کی ضد کے آگے ہار مان لی۔ نہ جانے کیوں سجیلہ میں آج تک اسے کوئی دلچسپی محسوس ہو سکی تھی۔ اس چپ چپ اور سادہ سی لڑکی میں کچھ بھی تو ایسا نہیں تھا جو اسے کبھی اس کی طرف متوجہ کرتا یا شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ سارا بچپن اور جوانی

ایک ساتھ گزارنے کی وجہ سے اسے سجیلہ میں کچھ نیاپن نظر نہ آتا تھا۔ ہر وقت بڑے سے دوپٹے کی بکل مارے ایک کام ختم کرتی، دوسرے کی طرف لپک جاتی، نہ کوئی سکھی نہ سہیلی، عجیب روکھی سی زندگی گزار رہی تھی۔

ہاں سجیلہ کی زندگی میں کچھ ہلچل سی ہوئی تھی۔ اسے یہ لاپروا اور بے نیاز سا کزن اچھا لگتا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی پہنچ میں نہیں ہے۔ اس نے تو آج تک اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی چاچی اسے کبھی اپنے اس گبھرو جوان بیٹے کی دلہن نہیں بنائے گی، وہ تو نہ جانے کب کے بدلے اس سے لے رہی تھی۔ جو آج تک اسے پیار سے پکارا تک نہ تھا۔ پھر اس کے لیے تو یہ انہونی ہی تھی کہ کرم علی پورا کا پورا اس کا ہو جائے۔ یہ تو کبھی اس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ ان دنوں وہ سارا دن دھیمے دھیمے کچھ گنگناتی رہتی اور کام کی زیادتی بھی اسے تھکاتی نہ تھی۔ رات کو بستر پر لیٹتی تو انگ انگ دکھ رہا ہوتا مگر آنکھیں سنہری خوابوں سے بوجھل ہو رہی ہوتیں اور یہ ہی سنہرے خواب اسے دور کہیں پیار کی وادیوں میں گھماتے رہتے، صبح اٹھتی تو جسم جیسے ہلکا پھلکا سا ہوتا۔ آخر کار چاچاجی کو میرا خیال آ ہی گیا۔ آخر ہوں تو اس کا خون، آخر کب تک وہ مجھے نظر انداز کرتا۔ اس کی یہ خوش فہمی کچھ ہی دنوں میں دور ہو گئی، جب وہ رات کو چاچی کے کمرے میں دودھ لے کر جا رہی تھی۔ ادھ کھلے دروازے میں سے ساری آوازیں باہر آ رہی تھیں۔

"بس کرم علی کے ابا! میں نے کہہ دیا ہے یہ شادی بھلے تم اپنی خوشی سے کرو، میں نے اپنے کرم علی کی شادی اپنی مرضی سے کروانی ہے۔ میں اس لڑکی کو دیکھتی ہوں تو مجھے ہو بہو زینب دکھتی ہے۔ وہ تو مر گئی مگر اس کو دیکھتی ہوں تو وہ دوبارہ جیسے زندہ ہو جاتی ہے۔ کیسے میرے جوان بھائی کو کھا گئی ڈائن اور اب یہ میرے بیٹے کے لیے بیاہ کر آئے، میرا دل گوارا نہیں کرتا۔"

"ارے جنت بی بی! تم یہ روز روز کون سا قصہ لے کر بیٹھ جاتی ہو۔ تمہارے بھائی کو اگر زینب اچھی لگتی تھی تو اس میں بے چاری زینب کا کیا قصور تھا۔ دوسرا وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ فیاض کی منگ ہے، پھر اس نے ایسا خیال کیوں دل میں رکھا اور یہ بات تو آج تک کسی کو پتا نہیں چلی کہ اس نے زینب کی شادی ہو جانے کی وجہ سے خودکشی کی ہے۔ وہ نہر کے پاس مردہ حالت میں ملا تھا۔ اس کے بہت سے سجن، دشمن بھی تھے۔ کیا پتا کسی نے اسے زہر دیا تھا یا اس نے خود زہر کھایا، اس بات کا تو صرف خدا کو ہی پتا ہے۔ بلاوجہ سجیلہ سے بیر باندھ رکھا ہے تم نے سجیلہ اپنے باپ کی اکلوتی وارث ہے۔ یہ تو شکر ہے کہ مراد بھائی نے دست سوال دراز نہیں کیا، ورنہ پہلا حق تو ان کا ہی

تھا' پھر یہ سب زمینیں جو فیاض کے حصے کی ہیں' مراد بھائی نے ہتھیالینی تھیں۔ ہمیں کیا ملتا' ساری عمر ہاتھ ملتے رہتے۔"

اور باہر کھڑی سجیلہ کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس گرتے گرتے بچا' دل کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا تھا۔ تو یہ وجہ ہے چاچی کی نفرت کی اور چاچا جی انہوں نے اگر اسے کبھی پیار نہیں کیا تھا تو ڈانٹا بھی کبھی نہیں تھا اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا خیال بھی کرتے تھے۔ ان کے دل میں اتنا لالچ بھرا ہو گا' اس نے آنکھوں تک آئے آنسو پینے کی کوشش کی اور بنا آہٹ واپس ہولی۔

"سعیدہ خالہ" اس نے کچن میں سے نکلتی سعیدہ خالہ کو آواز لگائی۔ "یہ ذرا دودھ اندر چاچا جی کے کمرے میں لے جائیں۔" اس نے دودھ کا گلاس ان کے حوالے کیا اور خود کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح چلتی ہوئی پچھلے برآمدے میں آگئی۔ جہاں ہر سو چودھویں کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ وہیں برآمدے کے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی' پھر تو ضبط کے دریا پر باندھے ہوئے سارے بند ٹوٹ گئے اور آج پھر اس نے اپنے آپ سے اپنے سارے دکھ کہہ ڈالے۔ بچپن سے لے کر آج تک اس نے جو کچھ سہا سب کہہ دیا۔ کسی نے کچھ نہیں سنا سوائے وہاں موجود چھوٹے سے باغیچے میں کھلے موتیا اور گلاب اور چنبیلی کے یا آسمان پر چمکتے چاند نے' جگمگ کرتے تاروں نے۔ ان سب نے سنا اور جیسے اس کے سنگ سنگ وہ بھی بھیگتے رہے۔

☼ ☼ ☼

زندگی میں بہت بڑی تبدیلی آئی تھی یا اسے لگ رہا تھا' ورنہ تو سب کچھ ویسا کا ویسا ہی تھا۔ وہ اب سجیلہ کرم علی بن گئی تھی۔ کرم علی بھی ان دنوں بہت خوش رہنے لگا تھا۔ شاید اس کے لیے بھی یہ نیا پن تھا۔ سجیلہ اس کا پہلے سے بھی بڑھ کر خیال رکھتی۔ زندگی میں کچھ ٹھہراؤ سا آگیا تھا' کچھ سکون سا' طمانیت بھرا۔

"کرم علی! میں دیکھ رہی ہوں ان دنوں تو بہت لاپروا ہوتا جا رہا ہے۔ تجھے پتا ہے تیرا باپ اکیلا زمینوں پر گیا ہوا ہے۔ تو ابھی تک گھر میں پڑا اینٹھ رہا ہے۔ کہاں تو تو منہ اندھیرے گھر سے نکلتا تھا اور رات گئے گھر میں گھستا تھا' آج کل تیرا دل ہی نہیں لگتا کام میں' یہ زنانی ہے تیری' کہیں نہیں بھاگ رہی۔ ادھر ہی تھی اور ادھر ہی رہے گی۔ جا کر باپ کے ساتھ ہاتھ بٹا۔ نکما ویلا بیٹھا ہے۔"

کرم علی چارپائی پر بیٹھا پراٹھے اور مکھن کے ساتھ ناشتا کر رہا تھا۔ پاس ہی بیٹھی سجیلہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ دور بیٹھی لسی بناتی چاچی کو تو پتنگے لگ گئے۔

"اچھا اماں! جا رہا ہوں' مجھے پتا ہے مجھے کیا کام کرنا ہے' تو کیوں اتاؤلی ہو رہی ہے۔" اس نے ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

سجیلہ اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ نہ وہ اتنے زور سے ہنستی' نہ چاچی کو غصہ آتا۔ وہ جلدی سے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی' یہ دو چار مہینے سجیلہ کی زندگی کے اب تک کے خوب صورت ترین دن تھے۔ اسے نہیں پتا تھا' چاچی دھیرے دھیرے کرم علی کو اس سے بدظن کر رہی ہے۔ وہ تو خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہی تھی' ہوش تب آیا جب کرم علی اس کے ہر کام میں مین میخ نکالنے لگا۔

"یہ روٹی کیسی پکائی ہے تو نے۔ کتنی سخت ہے' چبائی نہیں جا رہی۔"

سجیلہ نے تندور کی نرم گرم روٹی کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ تو کہیں سے سخت نہیں لگ رہی تھی۔

"اتنی نرم تو ہے' سخت تو نہیں ہے' ہمیشہ ایسے ہی تو پکاتی ہوں۔"

سجیلہ کی اتنی سی بات کرنا غضب ہو گیا' کرم علی لال بھبھوکا ہو گیا۔

"جاہل عورت! زبان چلاتی ہے' تجھے نہیں پتا مجازی خدا کے آگے بحث نہیں کرتے' نہ جانے کس گناہ کی سزا پائی ہے۔ جو تجھ جیسی عورت سے میری تقدیر جڑ گئی' جاہل گنوار۔"

اس نے راستے میں آئی کرسی کو ٹھوکر سے پرے کیا۔ سجیلہ سہم سی گئی، کیا پھر سے زرد موسم نے ڈیرے جمانے شروع کر دیے ہیں۔ میرے لیے بہار کا موسم اتنا مختصر تھا، گالوں سے آنسو لڑھک کر اس کا گریبان بھگونے لگے۔ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی چاچی کے دل پر نرم نرم سی پھوار پڑنے لگی۔

"نہونہہ... بہت مزے کر لیے سجیلہ بی بی تونے، میرا بیٹا قابو کرنے چلی تھی۔ تجھے اور تیری ماں کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گی۔"

دو دن کرم علی منہ پھلائے پھرتا رہا، وہ اپنا قصور پوچھ پوچھ کر تھک گئی مگر وہاں کوئی جواب ہوتا تو ملتا۔ پھر واقعی سجیلہ کی زندگی میں زرد موسم ٹھہر سا گیا، کرم علی وہ کرم رہا ہی نہیں، شادی کو چار مہینے نہیں ہوئے۔ چاچی نے بچہ نہیں ہوا کا شور مچانا شروع کر دیا۔ وہ کیا کر سکتی تھی صرف آنسو بہانے کے علاوہ۔

"ماں صدقے میری دھی رانی، ادھر آپنکھے کے نیچے بیٹھ۔ اتنی گرمی اور لو ہے، آج بیگ رکھ جوتے اتار جلدی سے۔"

طیبہ ابھی ابھی اسکول سے واپس آئی تھی۔

"سجیلہ! طیبہ کے لیے جلدی سے سکنجبین بنا کر لا۔" اوقت اسے اپنا وقت یاد آ جاتا وہ جب اسکول سے واپس آتی۔ سلام کا جواب دیتے ہی چاچی کا پہلا آرڈر آتا "چل جلدی سے کپڑے بدل کر اور تندور پر روٹی لگا۔ کم بخت پتا نہیں کیا کرتی رہتی ہے، چھٹی ہوئے بھی کتنی دیر ہو گئی، مہارانی اب گھر میں داخل ہو رہی ہے۔"

اپنے خیالوں کھوئی ہوئی وہ طیبہ کے لیے لیموں کا شربت بنا کر لائی۔ طیبہ ایسے بیٹھی تھی جیسے ساری دنیا فتح کر کے آئی ہو۔

"چار روٹی لا، میری بچی بھوکی ہو گی، بس یہ ذرا سا ناشتا کر کے گئی تھی۔"

اور سجیلہ کی آنکھوں کے آگے ذرا سا ناشتا گھوم گیا۔ ڈیڑھ پراٹھا، مکھن اور شہد کے ساتھ، ساتھ میں بادام والے دودھ کا بھرا گلاس۔ اس کے علاوہ اسکول جاتے ہوئی جیب خرچی الگ۔

"چل جا کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے۔"

سجیلہ جلدی سے باورچی خانے کی سمت بڑھی، مبادا بات گالیوں اور کوسنوں تک نہ پہنچ جائے۔

✡ ✡ ✡

"صبح سے اسے ہلکے ہلکے چکر سے آ رہے تھے اور جی بھی متلا رہا تھا۔ اس نے یوں ہی سعیدہ خالہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فٹ سے اس کا منہ چوم لیا۔ ارے میری دھی... اللہ تجھے یہ خوشی نصیب کرے، اللہ تیرے بھاگ کھولے۔"

وہ سعیدہ خالہ کو حیرت سے تکے جا رہی تھی۔

"ارے منہ کیا دیکھ رہی ہے میرا، تیرے گھر خوشی آنے والی ہے۔ جب ہی میں کہوں ان دنوں تیرا رنگ کیوں پھیکا پھیکا سا لگ رہا ہے۔ مجھے کچھ شک سا پڑا تھا مگر دیکھو میرا اندازہ صحیح ہی نکلا۔ ارے اور کچھ نہیں تو یہ چینی، چٹکی کھلا کر منہ میٹھا کروا دے۔" سعیدہ خالہ نے چینی کا ڈبا کھول کر اس کے آگے رکھا اور اس نے ان کا منہ میٹھا کر دیا۔

دل کو ایک سکون سا ملا تھا۔ اندر کہیں خوشی ابل ابل پڑ رہی تھی۔ اس نے فوراً" اندر جا کر شکرانے کے نفل ادا کیے۔ باہر آئی تو چاچی کو اپنی طرف غور سے دیکھتے پایا۔ سمجھ گئی سعیدہ خالہ نے بتا دیا ہو گا مگر مجال ہے جو چاچی نے نوٹس لیا ہو۔

گھر میں باقی تمام افراد کو اس خبر سے کافی خوشی ہوئی تھی۔ کرم علی بھی ان دنوں اس کا کچھ خیال رکھنے لگا تھا۔ چاچی کی زبان بھی ان دنوں کچھ خاموش سی تھی۔ آٹھ ماہ خیریت سے گزر گئے۔ پھر ایک دن اچانک ہی وہ درد سے بلبلا اٹھی۔ پاس ہی دائی اماں کا گھر تھا۔ انہیں بلایا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

"لڑکی بہت کمزور ہے اور وقت بھی پورا نہیں ہوا، میری مانو تو اسے شہر پہنچاؤ، ورنہ زچہ بچہ دونوں کو خطرہ ہو سکتا ہے۔"

چاچی نے سن کر فوراً" کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا' اسے ہم شہر کہاں لے کر لور لور پھرتے رہیں گے۔ ہمارے سارے بچے اللہ نے گھر پر خیر خیریت سے دیے ہیں' یہ کوئی دنیا سے نرالی ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر اپنا کام کریں۔"

دائی ماں نے ایک نظر درد سے تڑپتی سجیلہ کو دیکھا اور دوسری نظر اس کی ساس کو' اسے یقین تھا وہ اسے کبھی اسپتال نہیں لے کر جائے گی۔ بھلے وہ درد سے تڑپتی ہوئی مرجائے' سو اس نے اللہ پر توکل کرکے اپنا کام شروع کردیا اور پھر اس نے ایک مردہ بیٹی کو جنم دیا۔ خود وہ بھی بڑی مشکل سے موت کو شکست دینے میں کامیاب ہوئی تھی۔

صبح سب کے منہ ایسے سوجے ہوئے تھے جیسے خدانخواستہ سجیلہ نے خود اپنی بچی کو ختم کردیا ہو۔ وہ سارا دن اس کا روتے روتے گزرا۔ تب سعیدہ خالہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ "بیٹا ایسی حالت میں زیادہ رونا آنکھوں کی بینائی پر اثر ڈالتا ہے۔ صبر کرو اللہ کو یہ ہی منظور تھا۔ اللہ میری بیٹی کو چاند سا بیٹا دے گا۔ چل شاباش میری دھی' آنسو صاف کر اور یہ کھانا کھا۔ بھوکا رہنے سے ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہونے کا' بس دعا کر اللہ ان بے ہدایتوں کو ہدایت دے۔ چل شاباش۔"

کاش تھوڑے سے تسلی کے الفاظ کرم علی کے منہ سے بھی سن لیتی تو دل کتنا مطمئن سا ہوجاتا مگر اطمینان قلب تو قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ میرے جیسے لوگ تو اس خوشی سے نا آشنا ہی ہوتے ہیں' یہ سوچ کر اس کی آنکھیں پھر سے آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ اپنی سونی گود دیکھ کر تو جیسے اس کے دکھ سوا ہوگئے تھے۔

اور پھر نہ جانے قدرت کو اس سے کون سا حساب لینا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو بچیاں اسی طرح مردہ پیدا ہوئیں۔ اب تو سجیلہ کی آنکھوں کا سونا پن مزید بڑھ گیا۔ ساس کے کوسنے اور کرم علی کی لاپروائیاں اپنے عروج پر تھیں۔ آج پھر ماسی فضلیت آئی بیٹھی تھی۔ وہ رشتے کروانے والی ماسی تھی۔ دونوں میں جانے کیا کھسر پھسر چل رہی تھی۔ سجیلہ برآمدے میں بیٹھی گندم صاف کررہی تھی' پھر اس گندم کو بوری میں ڈال کر چکی پر بھجوانا تھا۔ ساتھ میں سعیدہ خالہ بھی لگی ہوئی تھیں۔ وہ گندم تو صاف کررہی تھی مگر اس کا سارا دھیان باہر صحن میں نیم کے درخت کے نیچے بیٹھی ان دونوں عورتوں میں لگا ہوا تھا۔ پھر چاچی اندر گئیں اور اپنی سفید چادر اوڑھ کر دونوں آگے پیچھے بیرونی دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

چاچی کا جوش دیدنی تھا۔ سجیلہ کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ کئی بار دبے لفظوں میں چاچی نے اشارہ دیا تھا کہ وہ کرم علی کا دوسرا بیاہ کرنے والی ہے۔ یہ سوچ جیسے اسے اندر سے چھید رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ کرم علی! تو' تو میرا ساتھ نہ چھوڑ' میرا اک تو ہی تو سہارا ہے۔ مجھے یوں بے آسرا نہ کر' دیکھ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

سجیلہ کے لبوں سے یہ فقرے آنسوؤں اور ہچکیوں میں ادا ہوئے۔

"میں کیا کروں' مجھے بتا۔ میں کیا کروں؟ ماں کی سنوں یا تیری اور تو نے کون سی خوشی دی ہے اب تک مجھے' مجھے بھی تو اپنا والی وارث چاہیے' اتنی بڑی جائیداد ہے ہماری۔ سو وارث بھی تو چاہیے ناکہ نہیں۔"

کرم علی نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ پر رکھا اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔

"کرم علی تو اتنی جلدی اپنے رب سے مایوس ہوگیا ہے۔ ابھی تو ہماری شادی کو صرف چھ سال ہوئے ہیں۔ لوگ تو کتنے کتنے سال انتظار کرلیتے ہیں۔"

"تو جانتی ہے نا ہمارے یہاں اتنا انتظار کبھی نہیں کیا جاتا' میں تو پھر کچھ عرصہ دیکھتا رہا مگر اب اماں اور ابا دونوں میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اب میں بھی مزید انتظار نہیں کرسکتا۔"

یہ کہہ کر وہ رکا نہیں اور سجیلہ جیسے دکھ کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی رہی۔ "میرے رب میں تیری رحمت

سے ابھی بھی مایوس نہیں' تیرے گھر دیر ہے' اندھیر نہیں تو ضرور میری دعا قبول کرے گا۔" یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

چاچی نے لڑکی پسند کرلی تھی۔ دوسرے گاؤں کی لڑکی تھی۔ شادی کی تیاری اپنے عروج پر تھی۔ سارا سارا دن وہ کام میں مصروف رہتی اور رات کو جب کرم علی اس کی طرف سے منہ موڑ کر کروٹ لے کر سو جاتا تو اس کی تھکن سوا ہی جاتی۔ نہ جانے قسمت کو اور کون کون سے امتحان لینے تھے۔

"سجیلہ! میرے لیے روٹی لا۔" کرم علی ابھی زمینوں سے آیا تھا۔

"جی... اچھا لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی۔ چاچی پاس ہی بیٹھی تسبیح رول رہی تھی۔ کرم علی بھی ہاتھ منہ دھو کر ادھر چارپائی پر ماں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"جلدی لا... کیا آٹا گوندھ کر روٹی پکانی ہے۔" کرم علی اتاؤلا ہو رہا تھا۔

سجیلہ بھاگ کر آئی مگر نہ جانے اچانک سے کیا ہوا' آنکھوں کے آگے اندھیرے ناچنے لگے' پھر اسے کچھ پتا نہیں کیا ہوا' ہوش آیا تو وہ اپنے کمرے میں تھی۔ پاس ہی ایک نئی ڈسپنسری بنی تھی۔ وہاں سے ایک نرس نے آکر اسے ٹریٹمنٹ دی تھی اور پھر بہت جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اب پھر امید سے تھی مگر اب کی بار بھی ہمیشہ کی طرح یہاں ایک جامد چپ سی تھی سب کے رویوں میں بلکہ اب کی بار تو جیسے سب پتھر بن گئے تھے' کرم علی سمیت۔ چاچی کے دوسرے گاؤں کے پھیرے بڑھ گئے تھے اور شاید تاریخ وغیرہ رکھوائی جا رہی تھی۔

سجیلہ دن بدن بہت کمزور ہوتی جا رہی تھی اور خیال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

طیبہ ماں کے ہاتھوں سر میں تیل ڈلوا رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹی دھیرے دھیرے ہنس بول رہی تھیں۔ سجیلہ صحن میں جھاڑو لگا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ کن اکھیوں سے انہیں بھی دیکھ رہی تھی۔ دل میں اک ہوک سی اٹھی' کاش میری بھی ماں ہوتی جو میرے دکھڑے سنتی' میرے زخموں پر مرہم رکھتی' میرے آنسو چنتی یا باپ ہی ہوتا' اس کا پر شفقت سایہ کڑی دھوپ میں تھوڑی دیر کو ہی سہی' سکون تو دیتا۔ میں کتنی حماں نصیب ہوں۔ ہلکی سی سسکی اس کے لبوں کو چھو کر گزر گئی اور آنسوؤں کا گولا سا گلے میں اٹک گیا۔

وہ جلدی سے جھاڑو چھوڑ کر اپنے کمرے میں ہولی' اس کے آنسو دیکھ کر چاچی طعنوں اور کوسنوں سے اس کا جگر چھلنی کرنا شروع کر دیتیں۔

"کرم علی!" سجیلہ نے موم بتی کی ٹمٹماتی لو پر نظر رکھے رکھے کسی گہری سوچ میں سے جیسے اسے پکارا تھا۔ کرم جو آنکھیں موندے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بے زاری سے اسے دیکھے گیا۔ وہ بہت کمزور اور لاغر لگ رہی تھی۔ موم بتی کی دھیمی روشنی میں اسے دیکھ کر کسی مردے کا گمان ہو رہا تھا۔ کرم علی نے جھرجھری سی لی مگر بے حسی اتنی کہ ذرا سا بھی شرمندہ ہوا نہ کہ وہ بھی تو ایک جیتا جاگتا وجود ہے۔ جو سب گھر والوں کی بے حسی کا عذاب سہہ رہی ہے اور ایک ننھے سے وجود کی بھی آبیاری کر رہی ہے۔

"تمہیں اگر میری چاہ نہ تھی تو مجھ سے شادی ہی نہ کرتے۔ بھلے میری ساری جائیداد اپنے نام کروالیتے' میں تو دل ہی دل میں تم پر مرتی تھی۔ تم کہہ کر تو دیکھتے' میں اپنا سب کچھ تمہارے نام کر دیتی اور بدلے میں تم سے کچھ بھی نہ مانگتی' بس اس گھر کے ایک کونے میں پڑی رہتی۔" سجیلہ کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ "یوں مجھے برباد تو نہ کرتے' اب تو تم اتنے قریب ہو کر بھی اتنے دور ہو کہ جیسے ہمارے درمیان میلوں پھیلی ہوئی مسافتیں ہوں۔ جن پر میں اکیلی ہی چلی جا رہی ہوں اور ہر گزرتا دن ان فاصلوں کو بڑھا رہا ہے۔"

"یہ تم کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہی ہو جن کا نہ سر ہے' نہ پیر۔ میری قسمت میں تم لکھی تھیں' سو ہم مل گئے اور مجھے تمہاری دولت جائیداد کی کوئی ہوس نہ

ہے اور نہ تھی۔ یہ فیصلہ بڑوں کا تھا سو ہمیں ماننا تو تھا۔"

کرم علی نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم تو مرد تھے کرم علی' انکار کر سکتے تھے۔ میں اس طرح زندگی تو نہ گزار رہی ہوتی۔ تمہیں بھی اپنی مرضی کا جیون ساتھی مل جاتا' میرا کیا ہے۔ زندگی پہلے کون سی حسین تھی یا اب بہت خوب صورت ہے۔ میرے لیے تو ایسے گزرے یا ویسے' سارے راستے ایک جیسے عذابوں سے بھرے ہیں' ہر طرف صحرا ہے' ہر طرف یہاں وہاں آگے پیچھے۔ میری وجہ سے آج تک تم نے بھی خوشی کا کوئی لمحہ نہیں دیکھا۔ ہم سفر اچھا لگے تو سفر آسان لگتا ہے اور ہم سفر من پسند نہ ہو تو ہر راہ کوہ گراں بن جاتی ہے۔ تم ذرا سی بھی دل میں گنجائش نکالتے تو شاید میرے لیے بھی کہیں کوئی سکھ کا موسم ہوتا مگر تم نے تو کبھی مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ شریک حیات تو دور کی بات ایک چچازاد کی ہی حیثیت دے دیتے۔" کرم علی میں کل جہاں سے چلی تھی میں آج بھی وہیں ہوں۔ میں نے سوچا تھا شاید تقدیر مجھ پر مہربان ہو گئی ہے۔ مجھے تمہارا ساتھ دے دیا ہے۔ میرے لیے اب کوئی پریشانی یا دکھ' کسی اذیت کا باعث نہیں بنے گا مگر تمہیں پا کر شاید میں زیادہ دکھی ہو گئی ہوں کیونکہ میں تمہیں پا کر بھی تمہیں نہ پا سکی۔ تم آج بھی میرے لیے اتنے ہی اجنبی ہو جتنے شادی سے پہلے تھے۔"

وہ لائٹ آگئی تھی۔ موم بتی پنکھا چلتے ہی خود بخود بجھ گئی تھی۔ اب اس میں سے دھواں سا اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی کمرے میں کرم علی کے خراٹے گونج رہے تھے۔"

☆ ☆ ☆

شادی بالکل سر پر تھی کہ اچانک لڑکی کے بھائی کو زمینوں کے جھگڑے میں گولی لگ گئی۔ پورا ایک مہینہ وہ کومہ میں رہا اور آخر کار چل بسا۔ سو شادی کی تاریخ آگے چلی گئی۔ چاچی اب بھی زہر میں بجھے تیر برسانے سے باز نہیں آتی تھیں۔ اچانک ان ہی دنوں تایا جان کی آمد ہوئی۔ شہر جانے کے بعد وہ لوگ کبھی برسوں بعد چکر لگاتے تھے۔ تائی بھی ساتھ تھیں۔

سجیلہ کی حالت دیکھ کر تائی نے چاچی کو اچھا خاصا لتاڑا اور اپنے ڈاکٹر بیٹے سے مشورہ کر کے طاقت کے ٹانک وغیرہ منگوا کر سجیلہ کو دیے اور سعیدہ کو اس کا خاص خیال رکھنے کو کہا۔ چاچی کو اچھا تو نہیں لگا مگر مہمان تھیں۔ انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔

"اے جنتے' رب سوہنے نے خیر کی تو اس دفعہ اللہ تیرے آنگن میں دو پھول کھلائے گا۔"

تائی نے سجیلہ کے سراپے کو غور سے دیکھا۔

چاچی کو زور سے ہنسی آئی۔ (طنزیہ)

"ارے اب تک تو ایک بھی نہ بچا۔ اب کی دفعہ اگر دو ہوئے اور وہ بھی....."

"خوف خدا کرو جنت' اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے اور تم آج کل جن چکروں میں پڑی ہو یہ تمہیں زیب نہیں دیتے۔ تمہاری بھی ایک بیٹی ہے۔ کل کو تم نے اسے بھی بیاہنا ہے۔ جو تم آج اس غریب کے ساتھ کر رہی ہو کل کو وہ سب تمہاری بیٹی کے ساتھ ہو تو تمہیں کیسا لگے گا؟؟"

جنت کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ دل چاہا کوئی کھرا سا جواب دے مگر نماز کے بہانے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ مبادا کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نہ نکل جائے۔

تایا اور تائی ایک مہینہ رہ کر چلے گئے مگر اس ایک مہینے میں سجیلہ کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ تایا جی نے شاید کرم علی کو بھی اچھا برا سمجھایا تھا' وہ بھی اس کے لیے پھل اور دوائیں وغیرہ باقاعدگی سے لا رہا تھا۔ ہاں مگر رویے میں ویسی ہی سرد مہری تھی۔ سجیلہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اب اس کا خیال رکھ رہا تھا۔

چاچی کو تو اس بات سے بھی بہت تکلیف ہوتی تھی مگر وہ اس بات پر خوش تھی کہ اس کا بیٹا اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور اس کی رضا میں راضی ہے۔ ویسے بھی چند دنوں کی بات ہے' پھر تو سجیلہ اس گھر کے کونے میں پڑے کاٹھ کباڑ سے زیادہ اہم نہ ہو گی' یہ سوچ انہیں دلی طور پر مسرور اور مطمئن کر دیتی تھی۔ سو وہ

جب پکڑ لیتی تھیں۔ ان دنوں سجیلہ کا اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ پھر بھی چاچی ہر کام کے لیے اسے ہی آواز دیتیں' چاہے چھوٹا سے چھوٹا کام ہوتا یا بڑے سے بڑا' کچھ کام تو ایسے ہوتے جو طیبہ آسانی سے کر سکتی تھی مگر مجال ہے' جو چاچی اسے کسی کام کا کہتی ہو۔

☆ ☆ ☆

اس دن بھی اتنی تیز بارش ہو رہی تھی۔ چاچی اسے کبھی کسی کام کے لیے کہنے لگیں' کبھی کسی کام کے لیے۔ دو دفعہ اس کا پاؤں ہلکا سا پھسلا کہ وہ گرتے گرتے بچی۔ پاس ہی طیبہ اور احمد علی بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ چاچی کو تو صرف سجیلہ ہی ویلی بیٹھی بری لگتی تھی۔ کبھی کبھی سجیلہ سوچتی عورت کی سب سے بڑی دشمن تو صرف اور صرف عورت ہے' اب جس حالت میں سجیلہ تھی اس کی پریشانی یا مشکل چاچی سے بہتر کون جان سکتا تھا کیونکہ وہ خود بھی ان تکلیف دہ مراحل کو عبور کر چکی تھی مگر وہ جنت بی بی ہی کیا جو سجیلہ پر ترس کھا لیتی۔ مگر سجیلہ ان دنوں صرف اور صرف رب سے اپنے بچے کی زندگی کے لیے دعا گو تھی۔ اس کا رواں رواں اپنے رب سے اپنے بچے کی زندگی کا طلب گار تھا۔ اسے ان دنوں کوئی رویہ دکھ نہ دیتا تھا' وہ اپنی سوچوں میں اس قدر غلطاں ہوتی کہ بہت کچھ نظر انداز کر دیتی اور اس کے علاوہ اس کے پاس چارہ بھی کیا تھا۔ آج تک وہ کسی کا کیا بگاڑ سکی تھی جو اب وہ کوئی قدم اٹھاتی۔ اس نے سب کچھ اپنے رب کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ ہر دعا میں اس سے اپنے لیے صبر اور ہمت مانگتی تھی۔ جب ہی تو اس نے آج تک کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا۔

کرم علی کی نئی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ بقول چاچی کے اس کے تو چار بیٹے بھی ہو جائیں' تب بھی اپنے کرم کی دلہن لاؤں گی۔ یہ تو کرم علی کے باپ کا فیصلہ تھا' نہ مجھے کل سجیلہ اپنی بہو کے روپ میں قبول تھی اور نہ آج ہے۔ اس میں ہے ہی کیا پھیکا شلجم' اگر یہ اتنے گنوں والی ہوتی تو کم سے کم اپنے شوہر کے دل میں ہی تھوڑی سی جگہ بنالی ہوتی۔

واقعی! کہتی تو وہ ٹھیک ہی تھی۔ سجیلہ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس کے نزدیک زندگی کا نام کام تھا صبح سے لے کر شام تک۔ اس نے کبھی آئینے میں خود کو جی بھر کے نہیں دیکھا تھا۔ ایک دن اس نے چھپ کر چاچی کی کریم منہ پر لگالی تھی۔ چاچی نے غصے میں آکر کریم کی شیشی بھی توڑ ڈالی اور سجیلہ کی بھی خوب پھینٹی لگائی۔ اس کے بعد کبھی اس نے منہ پر کچھ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں جب نئی نئی شادی ہوئی تو پڑوس کی فائزہ آکر اسے تھوڑا سا سجا سنوار دیتی' ایک دن اسے بھی چاچی نے آڑے ہاتھوں لیا۔ پھر وہ اس ارادے سے بھی ادھر نہ آئی اور مہندی تو شاید اس نے وہی شادی کے بعد پہلی عید پر خوب ہاتھ بھر بھر کے لگائی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں بھی پہنی تھیں۔ تب کرم علی اس پر مہربان ہوا تھا۔

جب سے کرم علی کی نگاہیں بدلی تھیں تب سے اس نے خود کو سجانا سنوارنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ جب کوئی نگاہ بھر کے دیکھنے والا ہی نہ ہو تو پھر سجنے سنورنے کا فائدہ بھی تو کوئی نہیں ہوتا۔ سجیلہ کو اس زندگی نے اس قدر تھکا دیا تھا کہ کرم علی کے رویے میں جب تبدیلی آیا تو اس کے وجود پر اس قدر تھکن طاری ہو چکی تھی کہ اس نے سب کچھ تقدیر پر چھوڑ کر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

وہ جانتی تھی۔ چاچی کی شاطرانہ چالوں کے آگے وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکے گی' اگر وہ زیادہ کوشش کرتی تو شاید چاچی اسے اس گھر سے ہی بڑے طریقے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بے دخل کر سکتی تھی۔ اسے گھر سے بے گھر ہونا تو منظور تھا مگر وہ کرم علی اور چاچا جی کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتی تھی اور جس گری ہوئی سطحی ذہن کی عورت جنت تھی' اس سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ سو سجیلہ کا صبر اور خاموشی چاچی کو کسی انتہائی قدم اٹھانے سے روکتی تھی۔ کرم علی کی شادی کی تاریخ اس کی ڈلیوری کے ایک ہفتے بعد کی رکھی گئی۔ چاچی کو تو خبر بھی نہیں تھی

کہ اس کا کون سا مہینہ چل رہا تھا یا اس کی ڈلیوری کب ہونی تھی۔ جس دن اس کی طبیعت خراب ہوئی' اس سے اگلے دن اتفاق سے تایا مراد اور تائی اماں آگئے۔ دراصل انہیں اپنی کچھ زمینیں بیچنی تھیں۔ اسی وجہ سے یہ سال میں ان کا دوسرا چکر تھا ورنہ وہ تو سالوں یہاں نہ آتے تھے۔

سجیلہ کی طبیعت بہت خراب تھی۔ دائی اماں نے کیس لینے سے انکار کردیا۔ "اس کے بچے بھی دو ہیں اور یہ کمزور بھی بہت ہے' یہاں اس کی زندگی کو خطرے میں مت ڈالو۔ میں تو کہتی ہوں اسے شہر لے جاؤ۔ پچھلی دفعہ بھی میں نے آپ سے بولا تھا۔ اگر اسے شہر میں کہیں اچھی جگہ لے جاتے تو اس کے بچے بچ جاتے۔ یہاں ایسی کوئی سہولتیں نہیں' ہر بار ضد کرکے آپ اپنا نقصان پہ نقصان کررہی ہیں۔" دائی ماں نے بہت سلجھے ہوئے طریقے سے جنت بی بی کو سمجھایا۔

جنت بی بی کے تو تلووں سے لگی سر پر بجھی۔

"تو کیا ہمارے تمہارے بچے گھروں پر نہیں ہوئے' یہ کیا دنیا سے نرالی ماں ہے۔ اردگرد آج بھی کتنی عورتیں ہیں' کیا سب شہر جاتی ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے جنت بہن' آج کل طرح طرح کی بیماریاں ہیں' جتنے جدید طریقے ہیں۔ اتنے ہی مرض بھی جدید ہوتے جارہے ہیں۔ تمہارا ہمارا دور الگ تھا۔ اب زمانہ اور ہے۔ بار بار اس بے چاری کی جان کو خطرے میں مت ڈالو۔ پچھلی دفعہ تو بچیاں ہی گئی تھیں۔ اس دفعہ تو خود سجیلہ کی جان کو بھی شدید خطرہ ہے۔ اس میں خون کی شدید کمی ہے۔ خدانخواستہ معاملہ بگڑ گیا تو ماں اور بچہ دونوں نہ رہیں گے اور میں یہ ظلم نہیں کرسکتی۔ آپ نے پچھلی تینوں دفعہ بھی میری ایک نہ سنی تو بمشکل مجھے کیس ہاتھ میں لینا پڑا' مگر میں بار بار اس معصوم کی زندگی سے نہیں کھیل سکتی۔"

یہ کہہ کر دائی اماں چلی گئیں۔ تائی اماں کے بھرپور اصرار پر سجیلہ کو شہر لے جایا گیا۔ تایا جی کی گاڑی میں اسے شہر پہنچایا گیا۔ چاچی بہانہ کرکے رک گئیں۔ "میں چلی گئی تو گھر کو کون دیکھے گا۔ بھابی آپ ساتھ ہیں نا۔ آپ سے بڑھ کر کون خیال کرے گا اس کا۔"

کرم علی دو دن کے لیے فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ تائی اور تایا جان اور ساتھ میں سعیدہ خالہ تھیں۔ تایا زاد بھائی فیصل کی وجہ سے انہیں ایک اچھی اسپتال میں آسانی سے لے لیا گیا اور پھر سیزرین کے ذریعے اس کے دو بیٹے ہوئے۔ پورے ایک دن وہ بے ہوش رہی۔ جب ہوش میں آئی تو اپنے اردگرد نظر دوڑائی سوائے تائی اماں اور سعیدہ خالہ کے کوئی نظر نہیں آیا۔

"تائی اماں! کرم علی نہیں آئے۔" اس نے جگر گوشوں کو بھی نہیں دیکھا' پہلے کرم کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں پتر وہ فیصل آباد گیا ہوا ہے۔ وہاں سے سیدھا ادھر ہی آئے گا۔"

وہ پورا دن بھی گزر گیا' وہ منتظر ہی رہی۔ پھر تائی سے نہ رہا گیا' فون کرکے کرم علی کو خوب بے بھاؤ کی سنائیں۔ تایا نے بھی خوب اسے برا بھلا کہا۔

تیسرے دن وہ اسپتال میں موجود تھا۔ جب وہ اندر آیا' دونوں بچے جھولے میں لیٹے ہوئے تھے۔ سجیلہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ سعیدہ خالہ دوسرے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ کرم علی کی نظر دونوں بچوں پر پڑی' دل کے اندر جیسے کن من کن من پھوار سی گری' دل کی دھرتی جو اتنی سخت ہوگئی تھی جیسے پتھر ہو نرم پڑنے لگی' ایک عجیب سی سرخوشی کی لہر پورے بدن میں دوڑ گئی تھی۔

وہ دونوں بچے اس وقت اسے دنیا کے سب سے خوب صورت بچے لگ رہے تھے۔ اس نے جھولے کے پاس بیٹھ کر دونوں بچوں کو احتیاط سے بازوؤں میں اٹھالیا اور ان کے نرم نرم گالوں پر اپنے لب رکھ دیے' کیسے ریشم کی طرح نرم نرم سے گال تھے۔ دونوں خوب صورتی میں بالکل سجیلہ پر پڑے تھے۔ یہ کیا کیا سجیلہ خوب صورت ہے یا آج اسے دنیا کی حسین ترین عورت لگ رہی تھی۔

وہ عجیب سے احساسات میں گھرا ہوا تھا۔ سجیلہ کے گلابی ہونٹ پھیکے پڑے ہوئے تھے اور چہرے پر زردیاں کھنڈی ہوئی تھیں مگر اس کے چہرے پر ایک عجیب سا روشنی کا ہالہ تھا' شاید اسے ہی ممتا کا نور کہتے ہیں۔ دونوں بچوں کو لیے وہ صوفے پر بیٹھا تو ہلکی سی آہٹ ہوئی۔ سجیلہ نے چونک آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا' کرم علی کو دیکھ کر پہلے وہ چونکی' پھر اس کے بازوؤں میں بچوں کو دیکھ کر خوشی اور طمانیت کا احساس دل میں جاگا۔

"کیسی ہو سجو؟" کرم علی نے بہت میٹھے لہجے میں پوچھا۔

"یہ کیا!" اس طرح تو کرم علی اسے شادی کے شروع کے دنوں میں پکارا کرتا تھا۔ سجیلہ کو ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا اور اتنا مٹھاس بھرا لہجہ۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کب آئے؟"

"میں ابھی ابھی ہی تو آیا ہوں۔" اس نے ننھے ننھے ہاتھوں کو منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ "فیصل آباد میں کچھ کام تھا۔ وہاں سے گھر گیا ہوں' ادھر آج ہی آیا ہوں۔" اس نے آرام سے دونوں بچوں کو سجیلہ کے پہلو میں لٹایا۔ ایک کو ایک طرف اور دوسرے کو دوسری طرف۔

"سجیلہ! جانتی ہو آج تم ایک مکمل عورت لگ رہی ہو۔ تمہارا یہ روپ بہت خوب صورت ہے' اتنا خوب صورت کہ میں تمہارا اسیر ہوگیا ہوں۔ آج یوں لگ رہا ہے جیسے میں ایک سمندر کے سامنے ہوتے ہوئے بھی تشنہ لب رہا ہوں۔ تم نے جو خوشی مجھے آج دی۔ اس نے مجھے اندر تک سیراب کردیا ہے۔ ان ننھے فرشتوں پر پہلی نظر پڑتے ہی میرے دل کی دنیا اتھل پتھل ہوچکی ہے۔ مجھے وہ احساس ملا ہے جس سے میں آج تک بے خبر تھا۔ میں تمہارا گناہ گار ہوں سجیلہ! اگر میں تم سے معافی مانگوں تو شاید مجھے وہ الفاظ نہ ملیں جو مجھے تمہاری نظر میں معتبر کردیں' میں اس قدر گرا ہوا ہوں۔ میں نے صرف اور صرف تمہیں اذیت دی ہے۔ جبکہ تم قسمت کی ستائی ہوئی تھیں اور باقی کی کسر میں نے پوری کردی' مجھے معاف کردو سجیلہ!"

کرم علی نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں کرم علی' مجھے اس طرح گناہ گار مت کریں' آپ میرے سرتاج ہیں۔ آپ نے جو کچھ بھی کیا' میں نے ہمیشہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو میرے حق میں نہ پکڑے۔ میں نے آپ کو معاف کیا۔"

"شکریہ سجیلہ... اب تم جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ' تو ہم گاؤں چلیں۔" کرم نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں آپ کو جلدی ہوگی نا' آپ کی شادی جو تیار ہے اگلے ہفتے۔" سجیلہ کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر الفاظ نکلے۔ "سجیلہ ادھر میری طرف دیکھو۔" کرم نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو چن لیے۔ "ان آنکھوں میں اب کبھی آنسو نہ آئیں۔ ان معصوموں کو دیکھ رہی ہو۔ یہ میرے جگر گوشے ہیں۔ کیا میں چاہوں گا ان پر سوتیلی ماں مسلط کردوں' کبھی نہیں۔ جب تک کرم علی زندہ ہے اپنے بچوں پر کسی کی کڑی نگاہ بھی نہیں پڑنے دے گا۔ اب انہیں زمانے کی سرد و گرم سے بچانا ہے نہ کہ انہیں گرم لو کے تھپیڑوں کے حوالے کردوں۔ مجھ پر بھروسا رکھو سجو! تمہارا کرم علی اب تمہیں کبھی تنہا نہیں ہونے دے گا۔ تم نے جو اب تک کڑی دھوپ میں تنہا سفر کیا' ہے جو آبلہ پائی تم نے دیکھی ہے میں نے اب تک تم سے جو زیادتی کی ہے' اب اس سب کی تلافی کرنی ہے۔ مجھے اب وہ سایہ دار شجر بننا ہے جو زمانے سرد و گرم سے تمہیں تحفظ دے گا۔ سجو' اب تمہاری زندگی میں بہار کا وہ موسم ٹھہرے گا جس کی خوشبو ہمیشہ تمہارے وجود کو مہکائے رکھے گی' یہ کرم علی کا تم سے وعدہ ہے۔ بولو میرا اعتبار کروگی نا۔" اور سجو بھلا کیونکر انکار کرسکتی تھی کہ کرم علی کی آنکھوں میں جلتے ہزاروں یقین کے دیئے اسے خوشیوں اور خوشبو بھری ساعتوں کا پتہ دے رہے تھے۔

☆

صدف آصف

"ٹپ... ٹپا۔ ٹپ..." سارہ نے اپنا مرمریں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا۔

"موسم کتنا زبردست ہو رہا ہے۔" گلابی ہتھیلی پر کن من برستی بوندیں جمع ہونے لگیں "کاش... اس وقت احسن یہاں موجود ہوتا... تو..." بارش نے روح میں پھیلتے ملال کو بتدریج کم کرنا شروع کر دیا۔ "اس طرح سے مجھے بھگو دیتا۔" شرارت سوجھی تو اوک میں جمع پانی کے چھینٹے چہرے پر ڈالے اور ہنستے ہوئے بولی۔

"سارہ... چلو یہاں آکر بیٹھو۔" باپ کے آنکھیں دکھانے پر وہ اچھے بچوں کی طرح کہنا مان کر دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی۔ "بعض لوگوں کے چہرے پر کتنا سکون اور اطمینان پھیلا ہوتا ہے۔" عماد نے سوچا اور اس کے لبوں کے گوشوں پر ایک زخمی مسکراہٹ ابھر آئی۔ کلینک کے بوجھل ماحول میں اکتائے ہوئے عماد ملک کی نگاہوں نے اس لڑکی کا تعاقب کرنا شروع کر دیا' جواب خاموشی سے پیرہلاتی ایک میگزین کی ورق گردانی میں محو تھی۔

دو تین مرتبہ اسے سینے میں ہلکا پھلکا درد محسوس ہوا عماد نے شہر کے مشہور ہارٹ اسپیشلسٹ سے ٹائم لیا۔ اب وہ اپنی باری کے انتظار میں یہاں بیٹھا بور ہو رہا

مکمل ناول

تھا۔ مگر ان باپ بیٹی کی وجہ سے اس کی بوریت دور ہونے لگی۔

"اوں ہوں۔ ایسے پیر نہیں ہلاتے۔" باپ نے پھر گھورا' وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"بڑے صاحب تو بہت ہی ذمہ دار باپ ہیں۔ بیٹی کی ایک ایک حرکت پر نظر ہے۔" اس کے دل میں گدگدی ہوئی۔

عماد نے پہلی بار بڑے دھیان سے سارہ کا جائزہ لیا۔ اس کی بے تحاشا سرخ و سفید رنگت' مخملیں' گداز جلد جس میں سے شفاف روشنیاں سی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں' سنہری آنکھوں پر سیاہ گھنیری پلکیں' نازک کلی سے ہونٹ' گالوں پر ابھرتا ڈمپل اور شہد رنگ کے گھنے لمبے بال۔

ایسا لگتا ہے جیسے قدرت نے اسے اپنے ہاتھوں سے سنوارا ہے۔ عماد نے پہلو بدل کر سوچا۔

لڑکی نے تو ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ دل میں خواہش سی جاگی کہ کاش وہ ایک بار تو اس کی جانب بھی دیکھے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

"مسٹر..... عماد ملک۔" ریسپشنسٹ نے اس کا نام پکارا' مگر وہ سارہ کے حسن نوخیز میں کھویا رہا۔

"جناب۔ ڈاکٹر معیز قاضی آپ کو کال کر رہے ہیں۔" سنہری بالوں والی ریسپشنسٹ نے پین کاؤنٹر پر مار کر اسے متوجہ کرنا چاہا۔

"جی..... جی۔ جاتا ہوں۔" عماد ایک دم چونکا۔ من کی من میں ہی رہ گئی۔ اور وہ اپنی رپورٹس اٹھا کے چل دیا۔

☼ ☼ ☼ ☼

"بابا سے کہو۔ تیار ہو جائیں۔" نعمان نے گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی سے کہا۔

"کہیں جانا ہے کیا؟" الماس نے انجان بن کر پوچھا۔

"اُفوہ۔ صبح بتایا تھا نا..... کہ آج بابا کے ٹیسٹ کرانے ہیں۔ ان کی انجائنا کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔" نعمان نے موزے اتار کر جوتوں میں رکھتے ہوئے' بیوی کو گھورا.....

"اچھا! مگر بابا تو سارہ کے ساتھ چلے بھی گئے۔" الماس نے بظاہر افسردہ صورت بنائی۔

"اچھا..... مگر..... تم نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ میں ان کی وجہ سے آج ہاف ڈے لے کر گھر آؤں گا۔" نعمان نے چڑ کر بیوی پر غصہ نکالا۔

"وہ..... میں..... بتاتی بھی تو کیسے۔؟" ایک دم گڑبڑا گئی۔

"اسی زبان سے..... جو ویسے تو ہر وقت چلتی رہتی ہے۔" اس نے طنز کیا۔

"نہیں..... میرا مطلب ہے کہ میں شام کو جب سو کر اٹھی تو..... وہ دونوں جا چکے تھے۔ آپ کی بہن صاحبہ نے فریج پر ایک پرچہ لگا دیا کہ "میں..... بابا کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔" الماس کو بھی غصہ آگیا' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

"شکر ہے..... میں نے رات کو ہی بابا کو پیسے دے دیے تھے۔ ورنہ اس وقت ان کو کتنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔" اس نے صوفے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے سکون کا سانس لیا۔ الماس نے ناگواری سے گردن ہلائی۔

"ویسے مجھ سے غلطی ہو گئی اور تمہارے آسرے پر مارا گیا۔ خود ہی رات کو بتا دیتا تو ٹھیک رہتا۔ خیر..... اب جا کر دیکھتا ہوں۔" نعمان کا رنج کم نہیں ہو پا رہا تھا' پاؤں میں سلیپر پہن کر باہر جانے کا ارادہ باندھا۔

"ہاں..... ساری غلطی تو میری ہے..... سارہ کو کچھ نہ کہنا..... کیا تھا اگر جانے سے پہلے..... وہ مجھے جگا کر بتا دیتی' اس کی خود سری دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے..... مگر۔ آپ کو یہ سب دکھائی نہیں دیتا۔" الماس نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا۔

"میں جا رہا ہوں دروازہ بند کر لو۔" وہ سنی ان سنی کرتا باہر نکل گیا۔

"ان کو تو بابا... بہن کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں.... کتنے عرصے بعد ہاف ڈے لیا۔ سوچا تھا کہ مارکیٹ نکل جاؤں گی مگر۔" اس نے دانت کچکچائے۔

الماس نے شوہر کی ہدایت کے باوجود' دن میں اپنے سسر سے شوہر کے جلدی گھر آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا' شام کو بھی وہ کمرہ بند کیے اس وقت تک سوتی بنی رہی' جب تک وہ دونوں خود ہی نہیں نکل گئے۔ مگر.... اس کی ساری تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں.... اور نعمان ان دونوں کے پیچھے چلا گیا۔

"سارہ کاظمی! تم کتنی خوش قسمت ہو.... تمہارا بھائی تو تمہارا بھائی.... میرا بھائی بھی تمہارے کہنے پر ہی چلتا ہے۔" الماس نے دیوار پر لگی فریم میں جڑی سارہ کی بڑی سی ہنستی مسکراتی تصویر کو دیکھا تو ایک ملال سا دل میں اترنے لگا۔

☆ ☆ ☆
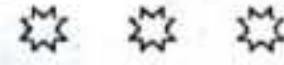
"ماشاءاللہ.... آپ بالکل فٹ ہیں۔ مسٹر ملک۔"

معیز قاضی نے مکمل چیک اپ کے بعد بتایا۔

"اگر.... وہ چلی گئی تو۔" عماد نے ایک دفعہ بھی غور سے نہیں سنا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا۔ اس کا دل ویٹنگ روم میں گلاب سے ناک نقشے والی لڑکی میں اٹکا رہا۔

"میں.... کچھ پین کلرز لکھ رہا ہوں۔ اگر دوبارہ درد اٹھے تو کھا لیجیے گا۔" وہ پیڈ پر جھکے' لکھتے ہوئے بولے مگر جواب ندارد۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی.... کم از کم بڑے صاحب سے تعارف ہی حاصل کر لیتا۔" اس نے خود کو ملامت کی۔

"آپ! سن رہے ہیں.... نا۔" ڈاکٹر نے جواب نہ ملنے پر نگاہ اٹھا کر پوچھا۔

تیس سالہ زندگی میں ایسا پہلی بار ہوا کہ وہ کسی لڑکی سے اس حد تک متاثر ہوا کہ اس کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ رپورٹس میں کیا نکلا۔ ڈاکٹر نے کون سی دوائیں لکھی۔ وہ گم صم اپنی جگہ کھویا کھویا رہا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ٹیک اٹ ایزی۔" ڈاکٹر نے اس کی خاموشی کو پریشانی پر محمول کیا اور الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے ایک بار پھر تسلی دی۔

"اوکے.... تھینک یو۔ ڈاکٹر۔" وہ ان کا ہاتھ چھو کر تیزی سے باہر نکلا۔

"اوہ.... چلی گئی۔" کونے والے صوفے پر نگاہ ڈالی اور ملال کا شکار ہونے لگا۔

اب وہاں ایک پکی عمر والی خاتون بیٹھی نظر آئیں' جو کم عمر بننے کی کوششوں میں ہلکان' میک اپ کے سارے ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ عماد جی بھر کر بدمزہ ہوا اور برستی بارش کی پرواہ کیے بغیر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر پہلے موسم کی رعنائیاں اسے اپنی جانب کھینچ رہی تھیں' مگر اب بارش سے دھل کر نکھری نکھری سبز مائل فضا کے سارے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

سارہ نے پرانی واشنگ مشین کا بٹن آف کیا۔

کپڑے کھنگالنے کے بعد باسکٹ میں بھرے اور سیڑھیاں چڑھتی ہوئی' اوپر چلی آئی۔ چھت پر قدم رکھتے ہی اسے پھریری سی آئی' "اف... کتنی گرمی ہے" وہ جھنجلائی۔ نیچے کے مقابلے میں یہاں کا درجہ حرارت خاصا بلند تھا۔

"اس پر یہ مصیبت بال..." باسکٹ سائیڈ میں رکھنے کے بعد اس نے اپنے پشت پر بکھرے شہد رنگ بالوں کو موڑ کر کیچو لگایا۔

سورج کی کرنوں سے اس کی گردن کی بے شکن سفید جلد چاندی کی طرح چمک اٹھی۔ سارہ نے ایک ایک کر کے کپڑے الگنی پر ڈالنا شروع کردیے۔ اسے امید تھی کہ تیز دھوپ کے ساتھ چلنے والی ہوا' کپڑوں کو جلد سکھا دے گی۔ ایک الگنی مکمل کرنے کے بعد وہ گنگناتی ہوئی باسکٹ اٹھا کر دوسری الگنی کی جانب مڑ گئی اور باقی کپڑے جھٹک جھٹک کر ڈالنے لگی۔

"شکر ہے... سارے گھر کے کپڑے آج دھو ڈالے۔ اب کم از کم ایک ہفتے تک کی چھٹی۔" وہ مطمئن انداز میں ماتھے کا پسینہ پونچھتی واپسی کے لیے مڑی تو ہکا بکا رہ گئی۔

"ہائیں... یہ کپڑے کہاں غائب ہوگئے؟" پہلے والی الگنی پر ایک بھی کپڑا لٹکا ہوا دکھائی نہیں دیا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک طویل سانس لی' جانی پہچانی خوشبو ناک سے ٹکرائی تھی۔

"احسن انور... یہ بچوں جیسی شرارتیں کرنا چھوڑ دو۔ اب ہم بڑے ہوگئے ہیں۔" وہ چھت کی دوسری طرف گئی اور زور سے چیخی۔

"ہا... ہا۔ ہو... ہو..." وہ ایک زوردار قہقہہ لگاتا ہوا دیوار کے پیچھے سے نکل آیا۔

"کب سدھرو گے... ہاں؟" سارہ نے تخت پر سے گیلے کپڑے سمیٹتے ہوئے' مڑی ہوئی پلکوں کو جنبش دے کر پوچھا۔

"تم کو کیسے پتا چلا کہ یہ میری حرکت ہے...؟" احسن نے تھوڑی حیرت کا اظہار کیا۔

"تم نے جو خوشبو لگائی ہے' اس نے تمہارا راز فاش کردیا۔" شرارتی مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی۔

"ہاں... یہ میرا فیورٹ پرفیوم ہے۔" احسن نے اقرار میں سر ہلایا۔

"جی جناب اور ہر اچھی چیز اپنا راستہ بھول کر میری جانب خود بخود مڑ جاتی ہے..." وہ اترائی۔

"واہ رے خوش فہمی..." احسن نے اس کے حسین سراپے کو نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے چڑانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ میں خوش فہم نہیں بلکہ حقیقت پسند ہوں... اس لیے تو تم نے مجھے اپنا بنانے کا فیصلہ کیا۔" اس نے دلکشی سے گردن اٹھا کر بڑے ناز سے کہا۔

"آں۔ ہاں۔" احسن' ایک پل کے لیے سارہ کی آنکھوں کے طلسم میں ڈوبنے لگا' پھر سنبھل گیا۔

"یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے... واقعی حسن کی اپنی حیثیت ہے۔ مجھے بھی دنیا میں موجود ہر حسین چیز سے پیار ہے... میں اپنے اردگرد کی چیزوں کو مکمل اور بے عیب دیکھنا چاہتا ہوں۔" احسن نے کچھ سوچ کر اس کی باتوں سے اتفاق کیا۔

"ایک بات کہوں احسن۔ دنیا میں صرف حسن سے کام نہیں چلتا... بدصورتی کا بھی وجود ہے... وہ بھی ایک مسلم حقیقت رکھتی ہے۔" سارہ نے اسے جانے کیا سمجھانا چاہا۔

"سارہ... یہ بات سچ ہے۔ مگر میں اب اس دل کا کیا کروں جو نقص زدہ' نامکمل اور بدشکل چیزوں سے دور بھاگتا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کچھ ایسی کراہیت سے کہا کہ سارہ کے پیٹ میں اینٹھن سی ہوئی۔

"تمہاری ایسی باتوں سے میں کبھی کبھی خوف میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔" سارہ نے اس سے دور ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں... ہاں..." احسن نے نگاہ اٹھائی' اس کے چہرے کا رنگ بدلا بدلا سا دیکھا تو قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔

"ہا... ہا... ہا... تم۔ نے خود کو کبھی آئینے میں

دیکھا ہے۔" سارہ نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی۔

"خیر... ایسی بات بھی نہیں جناب من۔ ہم بھی کسی سے کم نہیں۔" اس نے خود کو سراہتے ہوئے، اعتماد سے جواب دیا، اور سارہ کی اجلی نرم کلائی تھامی۔

"اوہ۔ بھائی... آپ۔" وہ احسن کے عقب میں دیکھتے ہوئے خوف سے چلائی۔

"بھائی جان۔" احسن گڑبڑا سا گیا، اس کی کلائی چھوڑی، اور پیچھے ہوا۔ تب ہی کانوں میں سارہ کی ہنسی کی جھنکار گونجی۔

"چلو۔ اپنے اعمال کی سزا بھگتو... اور یہ کپڑے دوبارہ الگنی پر ڈالو۔ پھر نیچے جانا۔" سارہ نے اسے پیچھے سے آواز لگائی۔

تم کس لیے ہو...؟" اس کی شرارت سمجھ کر پہلے اس نے سر کھجایا، پھر انگوٹھا دکھا کر نیچے بھاگ گیا۔

✿ ✿ ✿

انسان زندگی میں کم از کم ایک بار کسی نہ کسی کی محبت میں ضرور گرفتار ہوتا ہے، کوئی ایک وجود ایسا ہوتا ہے، جو بغیر کسی رشتے کے بھی اپنا بن جاتا ہے۔ جس کے لیے زمانے سے ٹکرا جانے کو جی چاہتا ہے، جس کا پیار بے بس کر دیتا ہے، ایسا ہی فیز عماد ملک کی زندگی میں بھی دیر سے ہی سہی مگر آگیا۔

اس لڑکی کی انجانی کشش جیسے اسے اپنی جانب گھسیٹنے لگی، ایسی کیفیت سے فرار چاہنے کے لیے اس نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی، مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

عماد ملک جب اپنے دوستوں کے منہ سے محبت کے حق میں باتیں سنتا تو قہقہہ لگاتا، کسی کو اپنے محبوب کی یاد میں سینہ مسلتے دیکھتا تو ہنسی اڑاتا، مگر آج کیا ہو گیا... اس جیسا باعمل انسان بھی گوڈے گوڈے ایک ایسی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا، جس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے، کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے، کیا کرتی ہے؟... وہ۔ کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا۔ ہاں... یہ پتا تھا کہ اس پری پیکر کا نام "سارہ" ہے۔

اس نے نرمین کے جانے کے بعد زندگی کا یہ حسین باب ہمیشہ کے لیے اپنے ہاتھوں سے بند کر دیا تھا۔ مگر سارہ نے جیسے اس کی زندگی میں آکر ہلچل مچاتے ہوئے، زبردستی اس کے دل کے کواڑ کھول دیے۔

✿ ✿ ✿

وہ چھت پر کپڑے ڈال کر نیچے اتری تو لاؤنج میں سر جھکائے رؤف کاظمی کو بیٹھے دیکھا۔ تھکے ہوئے وجود کو آرام دینے کے لیے باپ کے برابر میں جا کر صوفے پر براجمان ہو گئی۔ مگر انہوں نے توجہ نہ دی۔ خیالوں میں کھوئے رہے۔ وہ چونک گئی۔

"کیا بات ہے بابا۔ آپ کا موڈ کیوں خراب ہے؟" سارہ نے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"نہیں بیٹا!... ایسی تو کوئی بات نہیں۔" انہوں نے چہرہ اس کی جانب گھمایا اور چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کی۔

"پھر کیا ہوا؟" سارہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے، اداسی کا سبب جاننا چاہا۔ وہ خاموش رہے۔

ارے... یہ کھانا ایسے ہی پڑا ہے... آپ نے کھایا کیوں نہیں۔" سامنے میز پر ڈھکی پلیٹیں دیکھ کر وہ سمجھ گئی۔

"لنچ کرنے کا دل نہیں چاہ رہا؟" انہوں نے نگاہیں چرائیں۔

کیوں... بابا؟" اس کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹک گئی۔

"تم۔ ایک بات کے پیچھے کیوں پڑ جاتی ہو۔ بس نہیں کھانا مجھے۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"ایک منٹ" سارہ نے باپ کو اشارے سے روکا اور روٹی کا نوالہ توڑ کر سالن میں بھگو کر منہ میں رکھا۔

"سی سی۔ یہ... بھابھی نے کتنی زیادہ مرچیں ڈال دی ہیں... اور پلیٹ میں آئل بھی کتنا تیر رہا ہے۔" وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئی۔

"ہاں... رات سے سینے میں جلن ہے۔ اب ایسا کھانا کھانے کے بعد تو طبیعت اور خراب ہو جاتی...

اس لیے۔" رؤف کاظمی نے مجبوراً" بیٹی سے شکوہ کیا۔

"یہ... بھابھی بھی کیا کرتی ہیں....." اس نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے چڑ کر زور سے کہا۔

"اب کیا کر دیا... بیچاری بھابھی نے۔" الماس ابھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی، سارہ کے جملے کان میں پڑتے ہی بلبلا کر بولی۔

"آپ کو پتا ہے کہ ڈاکٹر نے بابا کو کھانے میں کتنی زیادہ احتیاط بتائی ہے..." اس نے منہ بنا کر الماس کو مخاطب کیا۔

"مجھ سے دس دس کھانے نہیں پکائے جاتے.... ایک اکیلی جان... اس پر چھوٹے بچے کا ساتھ....." وہ تو جیسے ادھار کھائے بیٹھی تھی۔ ایک دم شروع ہو گئی۔

"دس کھانے پکانے کا کوئی کہہ بھی نہیں رہا... ایک ہی ڈھنگ سے پکالیں تو بہت ہے..." وہ زیر لب بڑبڑائی' الماس نے گھور کر دیکھا۔

"بابا... آپ تھوڑی دیر رک جائیں.... میں کچھ پکا کر لاتی ہوں۔" سارہ کو باپ کی فکر لگ گئی۔

"اب... تم کہاں پکاؤ گی... ایسا کرو۔ دودھ کے ساتھ بریڈ لے آؤ... میں وہ ہی کھالوں گا۔" رؤف صاحب نے جلدی سے کہا۔

"دودھ۔ صرف اتنا ہی ہے کہ شام کی چائے بن جائے۔" الماس نے کلس کر بلند آواز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں... بابا میں... آپ کو اس وقت دودھ ڈبل روٹی دے دیتی ہوں... احسن باہر جائے گا تو شام کی چائے کے لیے دودھ منگوالوں گی۔" سارہ نے جان بوجھ کر الماس کو جلایا' وہ تن فن کرتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ جتنا سارہ کے خیالوں سے چھٹکارا پانا چاہتا' اتنی ہی اس کی یاد آتی' آنکھیں موند کر سونا چاہتا تو وہ کھلکھلاتی ہوئی' خیالوں میں چپکے سے چلی آتی۔ آنکھیں کھولتا' تو منہ بنائے کونے میں بیٹھی دکھائی دیتی' اس جیسے سوشل بندے نے دوستوں سے کٹنا شروع کر دیا۔ اس کی اپنے بزنس پر سے توجہ کم ہونے لگی۔ آفس میں ہوتا تو چڑچڑا پن عروج پر پہنچ جاتا' آفس میں کام کرنے والے پیون سے لے کر جنرل منیجر تک اس کے روم میں آتے ہوئے کترانے لگے' جانے کب کس کی بلاوجہ شامت آجائے۔

میٹنگ کے دوران وہ بھول جاتا کہ کس پروپوزل پر بات کرنی تھی' طبیعت کا اکھڑ پن اور بیزاری اسے زیادہ ہی پریشان کرتی تو' وقت سے پہلے آفس سے اٹھ جاتا اور جا کر سمندر کے کنارے تنہائی میں بیٹھ کر خود کو سرزنش کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ پھر بھی بھاگنا اچھا لگنے لگا۔

شاید زندگی کو ایک مقصد مل گیا تھا۔ وہ جو ہمیشہ دماغ کے کہنے پر چلتا۔ پہلی بار اسے شور مچاتے دل کی بھی سننی پڑی' تھک ہار کر اپنی شکست تسلیم کرنی پڑی۔

"شاید میری قسمت میں ایسا لکھا جا چکا ہے' اس لیے پوری کوششوں کے باوجود اسے بھلا نہیں پا رہا ہوں۔" عماد ملک نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دی۔

اگلے کئی دنوں تک وہ گھن چکر بن گیا۔ سڑکوں' بازاروں میں احمقوں کی طرح گاڑی دوڑاتا پھر رہا تھا' اس کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا' کئی بار معیز قاضی کے اسپتال کے چکر بھی لگا ڈالے' ریسپشنسٹ سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر سب لاحاصل رہا۔ "سارہ" نامی کسی مریض کا کوئی ریکارڈ نہیں ملا... اس طرح سے بھلا دنیا میں کبھی کوئی ملا ہے؟ جو سارہ مل جاتی۔ اس کے اندر ملال بھری مایوسی اترتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

موسم بڑا حسین ہو رہا تھا' کھانے کے بعد سارہ کا دل چہل قدمی کرنے کو مچل اٹھا' وہ باپ کو اطلاع دیتی' سڑک پر واک کرنے نکل پڑی۔ احسن نے کھڑکی سے اسے واک کرتے دیکھا تو جلدی سے باہر نکل کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ سارہ نے بھابھی کے ڈر سے منہ بنایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ قدم سے قدم ملا کر چلنے

لگا۔

"تمہیں... میں کیسی لگتی ہوں؟" سارہ نے سنسان سڑک پر رک کر ایک ادا سے پوچھا۔

"بہت پیاری..." احسن اس پر سے نگاہ ہٹانا بھول گیا' سیاہ لباس میں اس کا حسن ناقابل بیان تھا۔ اسے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہ ہوا۔

"سچ بول رہے ہو نا..." اس کی تشفی نہیں ہوئی' کانوں نے مزید کچھ سننا چاہا ویسے بھی سارہ پر مہینے میں ایک بار اپنی تعریفیں سننے کا بھوت سوار ہوتا تھا۔

"خوبصورت ہو' پری پیکر جیسی' حسن کی دیوی اور... اور بس یار اتنا کافی ہے نا۔" اس نے کافی غور و خوض کے بعد ڈھونڈ ڈھونڈ کر مثالیں پیش کیں۔

"اگر چاہو تو کچھ اور بھی کہہ دو' مابدولت آج سننے کے موڈ میں ہیں۔" سارہ نے ترچھی نظروں سے دیکھا اور ہلکے قدموں سے آگے بڑھی۔

"نہیں... بس آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ ویسے بھی کسی کا دل خوش کرنا' میرے نزدیک ثواب کا کام ہے۔" احسن نے پیچھے آتے ہوئے اسے چڑایا۔

"احسن' تمہیں بتاؤں ابھی؟" سارہ نے اس کے کہے الفاظ پر غور کیا پھر گھوم کر کچا چبانے والی نظروں سے گھورا۔

"اچھا' بابا تم بالکل شہزادی جیسی ہو' بس۔" وہ اسے اپنی جانب مڑتے دیکھ کر پیار سے بولا۔

"اچھا... اگر تمہیں میں نہ ملی تو؟" سارہ نے دور ہوتے ہوئے اس کے پیروں کو کچل کر پورا بدلہ لیا۔

"اف... تو' تو میں ادھورا رہ جاؤں گا۔" وہ تکلیف سے اچھلتے ہوئے بولا۔

"بس پھر تو تمہاری قسمت اچھی ہے کہ میں تمہیں مل گئی ورنہ..." سارہ نے فرضی کالر جھاڑے' اور واپس گھر جانے کو مڑی' احسن نے بھی اس کی تقلید میں اپنی گلی کی طرف جانے والی سڑک کی طرف قدم بڑھائے۔

"ہاں... یہ بات تو ہے۔ میرے مالک کا شکر ہے۔" وہ سر جھکا کے انکساری سے اقرار کرنے لگا۔

دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی بلڈنگ تک پہنچ گئے۔

"وائے افسوس کہ مجھے صبر کرنا پڑتا ہے تم جو مل گئے۔" سارہ نے شرارت سے ہونٹ دبا کر افسوس سے ہاتھ ملا اور گھر کے اندر داخل ہوئی۔

"سارہ!" اس نے پیچھے سے کلائی پکڑی' حیران ہو کر آنکھوں میں جھانکا۔ وہ احسن کے انداز پر سٹپٹا گئی۔

"تم... صرف میری ہو نا۔" احسن نے بڑے استحقاق سے پوچھا' وہ جو ہاتھ چھڑا کر اوپر جانے کے لیے پر تول رہی تھی' اپنی جگہ پر جم گئی۔

"نہیں..." سارہ' احسن کے چہرے پر پھیلے محبت کے رنگوں میں نہاتی چلی گئی' مگر منہ سے اقرار نہ کیا۔

"ہا...ں۔" احسن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اقرار کروایا۔

"احسن میرا ساتھ تو نہیں چھوڑو گے نا؟" سارہ نے دھیرے سے چاہت بھرے مان کے ساتھ پوچھا۔

"سارو! میری محبت پہ ہمیشہ بھروسا رکھنا۔ میں ہمیشہ سے تمہارا تھا' تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا۔" وہ نثار ہونے والے انداز میں گویا ہوا۔ "اور... تم بھی کبھی مجھ سے الگ ہونے کا مت سوچنا۔ ورنہ شاید میں زندہ نہ رہوں... اور..." احسن نے کہنا چاہا' سارہ نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے' اس کے ہونٹوں پر اپنی ہتھیلی رکھ کر مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"شکریہ..." احسن نے جھک کر کہا۔ وہ تیزی سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

احسن نے اسے وارفتگی سے جاتے دیکھا' اتنے میں الماس نے اوپر سے اپنی منڈی نکالی اور بھائی کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا۔ وہ دیکھ نہیں سکا اور سارہ کے بارے میں سوچتا ہوا' اپنے پورشن کی جانب مڑ گیا۔

اسے سارہ سے بے پناہ محبت تھی۔ کوئی اس سے پوچھتا تو اپنا اور اس کا تعلق دو لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے حسن کا شیدائی' روح کی گہرائیوں سے چاہنے والا' یوں محسوس ہوتا جیسے ان دونوں کی طبیعتوں کے بیچ قائم گہری ہم آہنگی' انہیں

ایک دوسرے کا دیوانہ بناتی ہے۔ وہ جب بھی سارہ کو دیکھتا اس کے وجود پر محبت کی بے خودی چھانے لگتی۔

☼ ☼ ☼

جب کوئی مرد کسی عورت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور نامعلوم وارفتگی کے کیف سے سرشار ہوتا ہے تو بس یہ ہی وہ لمحہ ہوتا ہے، جب' وہ اسے ایک مضبوط بندھن میں باندھنے کے بعد اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بارے میں سنجیدہ ہو جاتا ہے' عماد ملک نے اس حسین خنک رات میں سارہ کے لیے کچھ ایسا ہی محسوس کیا۔

ساحل سمندر پر ننگے پاؤں چہل قدمی کرتے ہوئے اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اس اجنبی لڑکی کی محبت میں بری طرح سے گرفتار ہو گیا ہے' اس کے بغیر جینا مشکل ہو گا۔

"تم.... تو آسمان کا چاند ہو مجھ سے دور' بہت دور۔" اس نے سر اٹھایا۔

عماد نے دل کی گہرائیوں سے آنکھیں بند کر کے اس کے ملنے کی دعا کی۔ ایک سکون سا وجود میں پھیلتا چلا گیا۔

"وہ مجھے ضرور ملے گی۔ یہ مشکل سہی ناممکن نہیں۔"

عماد نے ایک پتھر اٹھایا اور جوش سے پانی کی طرف اچھال دیا' ایک چھپاکا ہوا اور پانی کے قطرے اچھل کر اس کی طرف آ گئے۔ کئی سالوں بعد اسے سمندر اور ساحل پر پھیلے سکوت نے سرشار کر دیا۔ تنہائی میں سارہ کی یادیں' ایک مسرت سی اس کے اردگرد رقصاں تھی۔

☼ ☼ ☼
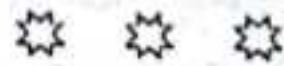
دن کا آغاز اچھا نہیں ہوا تھا' سارہ نے جیسے ہی ناشتے پر نوکری کا ارادہ ظاہر کیا' سب سے پہلے تو نعمان نے ہاتھ روک کر اسے حیرت سے دیکھا' الماس کچھ بولتے بولتے رک گئی اور جھک کر موحد کے منہ میں ابلا ہوا انڈا زبردستی ٹھونسنے لگی۔ رؤف کاظمی البتہ سر جھکائے' ناشتے کی طرف متوجہ رہے۔ سارہ' باپ کے سامنے پہلے ہی اپنا مقدمہ رکھ چکی تھی۔ پہلے تو وہ اس کی بات سن کر دنگ رہ گئے' پھر جی بھر کے لعن طعن کی' سارہ ان کی بھڑاس نکلنے کا انتظار کرتی رہی' اس کے بعد اپنے دلائل پیش کیے' وہ اپنی جگہ پر غلط نہیں تھی۔ انہیں اس --- کی ایک ایک بات ٹھیک لگی' اسی لیے رؤف صاحب نے مجبوراً" پسپائی اختیار کرلی۔ ویسے بھی اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی مرضی پر چلایا جائے۔

"جب موسم بدلتا ہے تو پہاڑوں پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگتی ہے۔" اپنی بڑھتی عمر کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے سوچا۔ اب ان میں جوانی جیسا دم خم کہاں تھا جو ہر بات کو انا کا مسئلہ بناتے۔ اس لیے سارہ کی بات پر غور کیا۔ اس کے بعد حامی بھری۔

"بھائی کو خود منانا۔" انہوں نے اس ایک شرط پر اسے نوکری کی اجازت دی۔ اسی لیے سارہ نے یہ بات ناشتے کی ٹیبل پر سب کی موجودگی میں اٹھائی۔

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسی کیا آفت آپڑی ہے۔ جو تم آفس جاب کرنا چاہتی ہو؟" نعمان نے بیوی کے وہاں سے اٹھ کر جانے کے بعد چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے ہوئے' بہن سے پوچھا۔

"بالکل پوچھ سکتے ہیں۔" سارہ نے طنزیہ نظروں سے بھائی کو دیکھ کر سر ہلایا۔

"ہوں! تو پھر مس سارہ کاظمی! آپ مجھے کچھ بتانا پسند کریں گی؟" نعمان کو بہن کا انداز برا لگا' مگر پھر بھی بشاشت سے پوچھا۔

"بھائی! اپنی شادی کے بعد سے شاید آپ یہ حقیقت بھول چکے ہیں کہ سارہ نامی ایک جیتا جاگتا وجود بھی اس چھوٹے سے گھر میں رہتا ہے' جس کی پیٹ کی روٹی کے علاوہ بھی کچھ ضرورتیں ہیں۔" بھیگتی آنکھوں سے اس نے بھائی کو دیکھا۔ آنسو کا ایک قطرہ پھسل کر گلابی گال پر جا ٹھہرا۔

"سارو.... میں یہ بات بالکل بھی نہیں بھولا ہوں۔" نعمان کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔ رؤف کاظمی نے سرد آہ بھری اور ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"بھائی اور بھولنا کسے کہتے ہیں؟ پچھلے دو سال سے میں نے ایک سوٹ نہیں سلوایا' چپل کی دو جوڑی میرے پاس ہیں۔ ایک گھر میں استعمال کرتی ہوں اور دوسری جھاڑ پونچھ کر باہر آنے جانے میں پہنتی ہوں' ہینڈ بیگ اتنا خستہ حال ہے کہ اسے کہیں لے جاتے ہوئے شرم آتی ہے' اس کے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی کئی ضرورتیں ہیں' اب.... کس کس بات کا شکوہ کروں؟" اس نے بہت کوشش کی کہ اپنا مدعا بیان کرنے میں کم سے کم الفاظ استعمال کرے۔

"کمال ہے!! تم نے اتنا تکلف برتا.... یہ باتیں مجھے پہلے کیوں نہیں بتائیں' اور وہ بابا کی پنشن؟" نعمان پہلے تو بہن اور باپ کا منہ تکنے لگا' پھر پوچھا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں۔ بابا کی پنشن سے گھر کا کرایہ اور بل وغیرہ کی ادائیگی ہوتی ہے.... جس وقت بھابھی نے یہ بات طے کی تو آپ نے کہا تھا کہ گھر کے سارے اخراجات کے علاوہ' میری اور بابا کی ضروریات بھی.... آپ کی تنخواہ سے پوری کی جائیں گی مگر وہ بات ہوا میں اڑ گئی۔ ایک ماہ قبل موحد نے بابا کی گود میں کھیلتے ہوئے' ان کا چشمہ گرا دیا۔ اس کی ایک طرف کی ڈنڈی ٹوٹ گئی' جسے سُتلی سے باندھ کر وہ اخبار پڑھتے ہیں اور بھی بہت ساری باتیں ہیں.... خیر چھوڑیں۔" سارہ نے باپ کے اشارے پر مزید کچھ کہنے سے احتراز برتا۔

"او مائی گاڈ' بابا آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" نعمان نے بے چینی سے پہلو بدلا' اس کی نگاہیں' باپ کے چہرے پر جم گئیں۔

"وہ بیٹا میں تم لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ جو تھوڑی بہت رہ گئی ہے' عزت سے گزر جائے۔" انہوں نے بیچارگی سے کہا۔

"بھابھی کو بتایا تھا مگر' ان کی پرانی رٹ کہ موحد کی پیدائش پر آپ نے آفس سے جو ایڈوانس لیا تھا' اس کی وجہ سے آپ کی آدھی تنخواہ کٹ جاتی ہے۔ پچھلے مہینے بابا کی بیماری اور ہارٹ اسپیشلسٹ کے یہاں وزٹ کرنے پر اتنا خرچا ہو گیا۔ ان کے دانتوں کا علاج بہت مہنگا چل رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔" اس نے سر اٹھا کر اگلی پچھلی ساری کسر ایک نشست میں پوری کر دی۔

"وہ ایڈوانس کٹنا تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اتنی مہنگائی' اس پر کم تنخواہ میں گزارہ کرنا' مشکل تو ہوتی ہے۔" نعمان نے نہ چاہتے ہوئے بھی الماس کی طرف داری کی۔ حالانکہ اس کے جھوٹ پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

"آہ...." سارہ نے دکھ سے سرد آہ بھری۔ رؤف کاظمی نے بیٹی کی جانب دیکھنے سے گریز کیا۔

"اور.... وہ تمہارا کوچنگ؟" نعمان کو یاد آیا تو ساری باتیں کلیئر کرنا چاہیں۔

"بھائی.... وہ کوئی مستقل جاب تو ہے نہیں.... جب تک میری پڑھائی مکمل نہیں ہوئی تھی.... میں ان کے یہاں قلیل تنخواہ پر کام کر کے اپنی پڑھائی کا خرچہ نکالتی رہی۔ اس کے بدلے میں مجھے وہاں فری کلاسز لینے کی سہولت حاصل تھی۔ مگر مجھے ہمیشہ تو یہ کام نہیں کرنا۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"اچ.... چھا۔" نعمان افسردہ ہو گیا۔ الماس نے تو ہمیشہ اس کے کان میں یہ ہی بات ڈالی کہ سارہ کوچنگ سے ٹھیک ٹھاک کماتی ہے۔

"سارو تم یہ کچھ پیسے رکھ لو.... اپنے ایک دو سوٹ لینے کے علاوہ بابا کا نیا چشمہ بھی بنوا لینا۔" نعمان کو آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی' کھڑے ہو کر پینٹ کی جیب سے پرس نکال کر کچھ نوٹ' بہن کے ہاتھوں میں زبردستی تھمانے کی کوشش کی۔

"بھائی اس کی ضرورت نہیں۔ بس آپ جاب کرنے کی اجازت دے دیں میں اپنا اور بابا کا خرچہ خود اٹھانا چاہتی ہوں۔" اس کا منت بھرا انداز نعمان کے دل کو جا کر لگا۔

"میرا دل تو نہیں مان رہا۔ مگر تمہاری خوشی کی خاطر روکوں گا نہیں مگر جاب کو کبھی اپنی مجبوری نہیں بنانا... جب دل بھر جائے تو چھوڑ دینا.... اور ایک بات یاد رکھنا ہم اور بابا.... میری ذمہ داری ہو.... آئندہ کوئی بھی

مشکل پیش آئے... تم مجھ سے ڈائریکٹ بات کرنا۔" نعمان نے بہن کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے نم لہجے میں کہا۔

"تھینک یو..." بھائی کی اتنی توجہ پا کر وہ خوشی سے کھل اٹھی۔

"ان پیسوں پر تمہارا پورا حق ہے۔ پلیز رکھ لو.... اور جا کر شاپنگ کر لینا۔" نعمان نے دوبارہ پیسے پکڑائے۔ اور کسی کی جانب دیکھے بغیر بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

موسم کئی دنوں سے بے حد گرم رہنے کے بعد رات کو قدرے خوشگوار ہو گیا' جب اچانک بارش ہونے لگی۔ رم جھم برستی پھوار نے رفتہ رفتہ تیز بارش کا روپ دھار لیا۔ کچی مٹی کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ بہت دنوں بعد نم آلود ہوا چلنے لگی۔ ساون کی اس برستی رات میں وہ تنہا اس کی یادوں میں دھیرے دھیرے جلنے لگا۔ ایسے ہی سہانے موسم میں تو وہ پہلی بار نظر آئی تھی اور پھر اس دنیا کے میلے میں جانے کہاں کھو گئی۔

"کاش تم ایک بار پھر مل جاؤ۔" رم جھم برستی بوندوں میں دل شدت سے اس کو یاد کرنے لگا' جس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تک نہیں تھا۔

"سارہ..." عماد ملک نے لان کی کرسی پر بیٹھ کر بھیگتے ہوئے کئی بار یہ نام دہرایا' وہ جتنی دفعہ بھی اسے پکارتا' زبان پر جیسے چاشنی سی گھل جاتی۔

"شاید کبھی ہمارا آمنا سامنا ہو' مگر تم تو مجھے پہچانتی بھی نہیں ہو۔" عماد نے دل دکھانے والی بات سوچی' اور گیلے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"ایسا احساس تو نرمین وحید کے زندگی سے جانے کے بعد بھی نہیں ہوا۔" اس نے خود کو ملامت کی۔

وہ لان میں ٹہلنے لگا' ماضی کا پنچھی اس کی یادوں کی منڈیر پر شور مچاتا آ بیٹھا۔ اور وہ خیالوں میں کھو گیا۔

نرمین اس کی منگیتر بنا دی گئی تھی مگر ان دونوں کے بیچ محبت کا کوئی رشتہ قائم نہ ہو سکا' عماد ملک نے کبھی بھی نرمین کے لیے اپنے وجود سے محبت کے سوتے پھوٹتے محسوس نہ کیے۔ حالانکہ دبلی پتلی پر کشش سی نرمین کے تیکھے نقوش دیکھنے والے کو فوراً" اپنی جانب متوجہ کر لیتے۔ مگر وہ اس کے معاملے میں ٹس سے مس ہی رہا۔

نرمین کو بھی اس سے محبت نہیں تھی... ہو بھی نہیں سکتی تھی' وہ اس کا آئیڈیل جو نہ تھا۔ تاہم اسے اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت تھی' اور عماد ملک جیسے امیر زادے سے زیادہ بہتر اسے کون ملتا۔ مگر جب اسے ریان مرزا نامی دوسرا آپشن حاصل ہوا تو اس نے عماد ملک سے علیحدہ ہونے کی ٹھان لی۔ اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے' عماد کی نرم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' اسے ایک وعدے کا پابند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

سارہ نے گرمی سے چھٹکارا پانے کے لیے شام کو نہا کر سبز رنگ کی کرتی اور زرد ٹراؤزر پہننے کے بعد' بڑا سا دوپٹہ اوڑھا' گیلے بالوں کو ایک سائیڈ پر کھلا چھوڑ دیا' بھابھی کے مارکیٹ جانے کے بعد وہ کارپٹ پر بیٹھی موحد سے کھیلنے لگی۔

"ہیلو... ہیلو کوئی ہے۔" وہ شور مچاتا' لاؤنج میں داخل ہوا۔

"ہاں جی' بالکل۔" سارہ خوش دلی سے مڑی' احسن جہاں تھا' وہیں رک گیا' وہ سادے سے حلیے میں بھی بہت زبردست لگی۔

"یہ کتنی پیاری ہے کہ اس کو خود کو سنوارنے کے لیے مصنوعی لوازمات کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔" احسن اسے بغور دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"کہاں کھو گئے ہو؟" اس کی کھنکتی آواز پر خود سے بیگانہ احسن ٹرانس کی کیفیت سے باہر آیا۔

"کیا... کر رہا ہے میرا پرنس۔" اس نے نگاہیں چراتے ہوئے موحد کو اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

"یہ آپ کا نہیں میرا شہزادہ ہے۔" سارہ نے

شرارت سے ناک چڑھا کر بھتیجے کو اپنے سینے سے لگایا۔

آپو کہاں ہیں؟" اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھا۔ حالاں کہ جانتا تھا کہ وہ بازار گئی ہوئی ہیں پھر بھی۔

"کمال ہے بھابھی آنٹی کے ساتھ مارکیٹ جانے کے لیے ابھی نیچے اتری ہیں اور تمہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔" سارہ نے ہنستے ہوئے اس انداز میں جتایا کہ وہ تھوڑا شرمندہ ہو گیا۔

"ایک بات پوچھوں؟" احسن نے اس کی طرف دیکھا تو موحد کو تھپک تھپک کر سلاتی ہوئی سارہ نے سر ہلایا۔

"کبھی آپو کی وجہ سے تم مجھ سے دور تو نہیں چلی جاؤ گی؟" اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"وہ کیوں بھئی؟" سارہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بس یار! وہ میری سگی بہن ہیں۔ اکثر جب وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کرتی ہیں... تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس نے سر جھکا کر کارپٹ پر انگلیاں پھیرتے ہوئے اعتراف کیا۔

"احسن... امی کے جانے کے بعد میں نے برے سے برے حالات سے خاصی حد تک سمجھوتا کر لیا ہے۔ اب بہت ساری باتیں دل پر اثر نہیں کرتیں۔" سارہ نے نم آنکھیں چھپائیں۔ حالانکہ دل دکھانے والی باتیں ہمیشہ اثر کرتی ہیں۔

اچھا... اور وہ... دور جانے والی بات؟" احسن کا آزردہ لہجہ' اس نے بھی محسوس کیا۔

"پتا نہیں... یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔ جانے کس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔" سارہ نے جان کر اسے ڈرایا۔

"نصیب دعاؤں سے بدل بھی جاتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا... چلو تو پھر یہ بھی کر کے دیکھتے ہیں۔" سارہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بے چارگی سے کہا۔

"اچھے نصیب کے لیے صرف تمہارے ہاتھ ہی دعا کے لیے نہیں اٹھتے۔" وہ یک ٹک دیکھتے ہوئے بولا۔

"تو... پھر اور کون میرے لیے دعا کرتا ہے؟" وہ چونک اٹھی۔

"میں... جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں... تم خود بخود ان میں شامل ہو جاتی ہو۔" اس نے بڑے جذب کے عالم میں کہا اور اس کی ناک کو انگلی سے چھوتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

عماد کو دو ہفتوں کے لیے بزنس ٹور پر دبئی جانا پڑا' وجود پر ایک گرہن سا چھایا رہا' وہاں پھیلی رنگینیوں میں دل نہیں لگا' اس کے باوجود دورہ کاروباری لحاظ سے سود مند رہا۔ وہ رات گئے وطن پہنچا اور دوسری صبح نو بجے آفس جوائن کرنے پہنچ گیا۔

ایک مصروف اور تھکا دینے والے سفر کے اختتام پر اس کا پہلا دن بالکل بھی خوش گوار نہیں گزرا' کاموں کا انبار اور تھکاوٹ نے انگ انگ کو توڑ کے رکھ دیا۔ اس نے بہت ضروری کام نمٹائے پھر گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سونیا... میں جا رہا ہوں۔ صرف ارجنٹ کال مجھے ٹرانسفر کرنا۔" وہ اپنے کیبن سے باہر نکلا تو ریسپشن پر رک کر بولا۔

"اوکے... سر۔" سونیا نے تابعداری سے سر ہلایا۔

وہ لفٹ کی جانب بڑھا تو سامنے سے آتے' فاضلی صاحب نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"جی... کیا بات ہے؟" اس نے اپنے جنرل منیجر کے قریب پہنچنے پر منہ بنا کر پوچھا۔

"سر... آج شارٹ لسٹ کیے جانے والے کچھ امیدواروں کو انٹرویو کی کال دی ہے۔" انہوں نے رک رک کر بتایا۔

"اوکے... پھر؟" اس نے جوتے کی نوک سے شفاف فرش کریدا۔

"وہ... جی... اس میں... آپ کی شرکت بھی ضروری ہے۔" انہوں اسے بتایا۔

"پلیز فاضلی صاحب! آج کے دن یہ فارمیلٹی رہنے دیں آپ۔ ایچ آر کے ساتھ مل کر اس مسئلے کو خود نمٹادیں۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔" اس نے جلدی جلدی بول کر جان چھڑائی۔

"اوکے سر' جیسی آپ کی مرضی۔۔۔" وہ تھوڑا مایوس ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

"تھینک یو۔" عماد نے کہا اور راستہ ملنے پر آگے جاکر لفٹ کا بٹن دبادیا۔

سارہ کاظمی اپنے اسناد تھامے "ملک ٹریڈرز" کی عمارت میں داخل ہوئی اور سیڑھیاں چڑھتی ہوئی سیکنڈ فلور تک جا پہنچی۔ اسی وقت عماد کی لفٹ گراؤنڈ فلور پر پہنچی' جہاں سے وہ پارکنگ ایریا کی جانب بڑھ گیا۔ گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے ایک طویل سانس اپنے اندر کھینچی اور خود میں ہمت پیدا کی۔

اسے ملک ہاؤس جانے کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور سے تیار کرنا ہوتا تھا۔ جہاں پھیلی تنہائی اب اسے نگلنے کو تیار بیٹھی ہوتی۔ وہ روزانہ دفتر سے واپسی پر جب اس سرد سے مکان کے سامنے پہنچتا تو اندھیرا' رات سے پہلے وہاں موجود پاتا۔ سرد اداسی' وہی مانوس خاموشی جو ڈھیروں ڈھیر خزاں رسیدہ پیڑوں سے سجے اس مکان کے درمیان معلق رہتی ہے عمار کی آس سے بے نیاز۔ اس کی روح تک ٹھٹھر جاتی۔

☆ ☆ ☆

وہ صبح سارہ کاظمی کے لیے بہت خوش گوار تھی۔ رحمان منزل کی بڑی سی کھڑکی سے آنے والی سورج کی کرنوں کی نرمی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے آنکھیں کھولیں اور واش روم کی جانب بھاگی' ملک ٹریڈرز میں اس کا فائنل امیدوار کے طور پر انتخاب کرلیا گیا تھا جس کے بعد اسے اپنی کامیابی کا یقین ہونے لگا۔

آج اسے ادارے کے مالک سے ملنا تھا۔ اس کے بعد ایک شاندار مستقبل اس کے سامنے کھڑا تھا' ایک سنسنی سی اس کے وجود میں پھیلتی چلی گئی۔

سارہ نے گھنے بالوں میں تیزی سے برش پھیرا' لبوں پر گلابی لپ گلوس لگایا' کانوں میں اپنی ماں کے پرل کے ٹیس ٹاپس پہنے۔ بھائی کے دیے گئے پیسوں سے اس نے دو سوٹ سلوائے تھے' ان ہی میں سے ایک کو پہن کر وہ اترائے جارہی تھی۔

"مسٹر احسن انور۔ یاد ہے نا کہ مابدولت کو آج تمہاری سواری باد بہاری پر اپنے آفس جانا ہے۔ تم۔۔۔ تیار بھی ہوئے ہو یا گھر میں پڑے سو رہے ہو؟" اس نے کچھ سوچ کر احسن کو کال ملا کر چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ذرا اپنی کھڑکی سے باہر جھانکو۔" احسن نے نہ چاہتے ہوئے بھی لہجہ خوش گوار بنایا۔

"اچھا۔۔۔ ابھی دیکھتی ہوں۔" وہ جوش سے فون کان سے لگائے' کھڑکی کی طرف بڑھی اور باہر جھانکا۔

"ہائے۔۔۔" اس نے اپنے بازو لہرا کر سارہ کو متوجہ کیا۔

"تم۔۔۔ دو منٹ رکو۔ میں پانچ منٹ میں نیچے اترتی ہوں۔" سارہ نے جلدی سے دوپٹا اٹھا کر پہنا' فائل ہاتھوں میں تھامی اور شرارتی انداز میں کھلکھلائی۔

سارہ کی ہدایت کے مطابق گھر کی پچھلی گلی میں احسن انور بائیک پر سراپا انتظار بنا ہوا تھا۔ وہ سرشار ہوگئی۔

"بھابھی۔۔۔ میں جارہی ہوں۔" سارہ نے کمرے سے نکل کر عجلت میں الماس کو بتایا۔

"دیکھوں تو یہ کس کے ساتھ جارہی ہے؟" الماس نے جلدی سے گیلری سے نیچے جھانکا' سارہ پیدل جاتی دکھائی دی تو سکون بھرا سانس لیا۔

"شکر ہے۔۔۔ اکیلے جارہی ہے ورنہ ہمارا بھائی تو بے دام غلام بنا۔ محترمہ کی ناز برداریوں میں لگا رہتا ہے۔" الماس نے مطمئن ہو کر وہاں سے ہٹتے ہوئے سوچا اور مسکرادی۔

"بھابھی۔۔۔ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے چار سال گزر گئے ہیں۔ اب تو آپ کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اسی لیے احسن کو پچھلی گلی میں بلایا ہے۔" سارہ نے کن اکھیوں سے الماس کو اندر جاتے دیکھا تو ہنس کر

سوچا۔

"چلو یار... دیر ہو رہی ہے۔" وہ احسن کے نزدیک پہنچی تو اس نے تیزی سے بائیک سیدھی کرتے ہوئے ہدایت دی۔

"ہاں... چلو۔" سارہ نے اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے اپنی پھولی سانسوں پر قابو پایا۔

"تمہیں... بلاوجہ اتنا پیدل چل کر آنا پڑا۔ میں تمہیں گیٹ سے ہی پک کر لیتا، مگر تم بھی نا..." احسن نے بائیک پر کک مارتے ہوئے شیشے میں اس کے گلابی پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"تم ان باتوں کو چھوڑو اور بس وہ کیا کرو جو میں تم سے کہہ دوں۔" سارہ نے اپنے اور اس کے بیچ میں فائل رکھتے ہوئے استحقاق سے کہا تو احسن اس کی حد بندی پر مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆
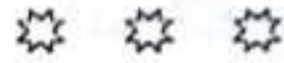
آفس کی فضا میں بلا کا تناؤ تھا۔ ہنسی مذاق اور گفت و شنید ایک طرف، کام کی باتیں بھی دھیمی آواز میں کی جا رہی تھیں۔ ہر ایک کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں عماد ملک کے حضور اس کی طلبی نہ ہو جائے اور بلاوجہ کی جھاڑ کا سامنا کرنا پڑے، وہ پورے دو دن بیمار رہنے کے بعد آفس آیا تو طویل کاموں کی فہرست پا کر اس کا موڈ آف ہو گیا۔ ایک طویل سانس لینے کے بعد اس نے اپنے کف موڑے اور کام میں جت گیا۔ لنچ ٹائم تک ایک بہت اہم میٹنگ نمٹانے کے بعد وہ تھوڑا ریلیکس ہوا تو اسے چائے کی طلب نے بے حال کر دیا۔

عماد نے سوچا دس منٹ کا بریک لینے کے بعد لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ غیر حاضری کے باعث ای میلز کا ڈھیر اس کے جواب کا منتظر ہو گا۔

"ایک کپ چائے بھجوایئے گا۔" اس نے انٹرکام پر کہا اور سامنے پڑی فائل پر نگاہ دوڑائی، اسی دوران ندیم فاضلی صاحب اجازت طلب کرنے کے بعد کمرے میں داخل ہوئے، وہ اس کمپنی کے سب سے پرانے اور قابل اعتماد جنرل منیجر تھے، عماد بھی اکثر ان کا بہت لحاظ کر لیتا۔

"جی... فاضلی صاحب کیا بات ہے؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں پوچھا۔

"سر ایڈمن منیجر کے لیے جو انٹرویوز ہوئے تھے، ایچ آر نے ایک لڑکی کو اس پوزیشن کے لیے سلیکٹ کیا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"ہوں... تو پھر؟" عماد نے بے توجہی سے سر ہلایا۔

"اب امیدوار کو میرے پاس بھیجا گیا ہے تاکہ آپ سے ملوا کر فائنل کیا جائے۔" فاضلی صاحب نے عماد کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بات مکمل کی۔

"بلیو می فاضلی صاحب! صبح سے ایک لمحے کی بھی فرصت میسر نہیں آئی۔ اس وقت ایک کپ چائے کے علاوہ کچھ اور کرنے کا دل نہیں چاہ رہا۔" عماد نے سستی کے غلبے سے چھٹکارا پانے کے لیے جمائی کو روکا۔

"سر پھر میرے لیے کیا حکم ہے۔" فاضلی صاحب نے ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد مؤدب انداز میں دوبارہ پوچھا۔

"پلیز انہیں کل یا پھر کسی اور دن کا ٹائم دے دیں۔ آج مزید کسی کے ساتھ دماغ کھپانے کا بالکل موڈ نہیں۔" عماد نے بے زاری سے جواب دیا اور آنکھیں موند لیں۔

"سر..." فاضلی صاحب تھوڑا تذبذب کا شکار ہو کر بولے۔

"آپ گئے نہیں ابھی تک؟" عماد نے پٹ سے آنکھیں کھولیں، لہجے سے ناگواری ظاہر ہوئی۔

"اصل میں وہ لڑکی ایک دفعہ پہلے بھی آ چکی ہے، مگر آپ اس دن آفس نہیں آئے تھے۔" دل کڑا کر کے انہوں نے بات مکمل کی۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ اگر انہیں جاب کی ضرورت ہے تو جتنی بار ہم بلائیں گے، آنا تو پڑے گا۔" عادت کے برخلاف عماد نے اس طرح سے بات کی اور انہیں بے مروتی سے جانے کا اشارہ کیا۔

"جی ٹھیک ہے تو پھر انہیں دو دن بعد بلا لیتا ہوں۔"

فاضلی صاحب نے اندازہ لگالیا کہ اب اس لڑکی کی ہمدردی انہیں مہنگی پڑسکتی ہے۔ سر جھکا کر باہر نکل گئے۔

عماد نے ٹیبل سے پین اٹھاتے ہوئے یونہی گلاس وال کے پار فاضلی صاحب کے عقب میں دیکھا' روز پنک کرتے' وائٹ پائجامے پر لمبا سا دوپٹا ایک سائیڈ پر ڈالے' فاضلی صاحب کی بات سن کر قدرے افسردہ دکھائی دی۔

عماد گھڑی بھر کو ٹھٹکا' نگاہوں کو یقین نہیں آیا۔ پین ہاتھ سے چھوٹ گیا' وہ لڑکی جس کی تلاش میں شہر کی گلیوں کی خاک چھان ماری' روزانہ راتوں کو دعائیں مانگیں اس کے سامنے روشنی بن کر کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

"شکر ہے ناشتے کا ننٹنا ختم ہوا اب آرام سے ٹی وی دیکھوں گی۔" الماس نے سب کے جانے کے بعد اپنے لیے چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر سوچا۔

"آپو کہاں ہو؟" احسن' آفس جانے سے پہلے اسے پکارتا ہوا ان کے پورشن میں داخل ہوا۔

"بھائی کو کوئی خاص بات کرنی ہو گی جو یقیناً "سارہ" سے متعلق ہو گی۔" اس نے اندازہ لگایا اور انجان بن کر کھڑی ہو گئی۔

"اکیلے اکیلے... یہ مزے ہو رہے ہیں۔" وہ کچن میں بولتا ہوا داخل ہوا اور کاؤنٹر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں آج آفس نہیں جانا کیا؟" تھوڑی دیر بعد عادت سے مجبور ہو کر الماس نے پوچھ ہی لیا۔

"جانا تو ہے' مگر ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" احسن نے پاس رکھی سبزی کی ٹوکری سے آلو نکال کر ہوا میں اچھالا۔

"ہاں بولو' مگر پلیز سارہ کی کوئی بات نہیں کرنا۔ میرے کان اس کا ذکر سن سن کر پک گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارے بھائی جان کا بہن نامہ سنا ہے۔" الماس نے دو کپوں میں چائے انڈیلنے کے بعد کان چھوئے۔

"بات تو اسی کے متعلق ہے۔" وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے ہنس دیا۔

"دیکھا! میں جانتی تھی۔" اس نے انگلی اٹھا کر بھائی کو روکنا چاہا۔

"آپو... سنو تو میں چاہ رہا تھا کہ آپ امی سے بات کرو۔" اس نے گرم چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

"کس بارے میں؟" الماس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"اُفوہ... میری اور سارہ کی شادی کے بارے میں' آخر منگنی کو دو سال گزر چکے ہیں۔" احسن نے چڑ کر اپنا کھیل بند کیا۔

"اتنا اتاؤلا پن اچھا نہیں' تم نے پہلے میری مخالفت کے باوجود سارہ سے منگنی کروائی۔ اب شادی کے لیے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔" الماس نے آلو کھرچتے ہوئے بھائی کو ٹکا سا جواب دیا۔

"آپو... ایک بات کہوں' مجھے کبھی کبھی لگتا ہے سارہ نے اپنے بچپنے میں جو آپ کی اور نعمان بھائی کی شادی کی مخالفت کی تھی۔ اسی بات کو ابھی تک دل سے لگا کر بیٹھی ہو۔" احسن نے بہن کو آئینہ دکھانا چاہا' الماس کے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہوئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں' میں بھلا پاگل ہوں جو یہ سب سوچتی رہوں۔" دل کا چور پکڑے جانے پر وہ گھبرا کر صفائی دینے لگی۔

"اچھا! مگر مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔" احسن نے اپنی بات پر زور دیا۔

"شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں' چھوٹے چھوٹے ہزاروں خرچے ہوتے ہیں۔ لاکھوں کی کہانی ہے بھائی لاکھوں کی... بولو تمہارے پاس کیا اتنے پیسے ہیں...؟" الماس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔

"کس نے کہا کہ شادی جیسے مقدس فریضے کو اپنے لیے وبال جان بنایا جائے' سادگی سے بھی تو یہ کام انجام پا سکتا ہے۔" احسن نے بہن کو لاجواب کرنا چاہا۔

"نہیں بھئی۔ سارہ، نعمان کی لاڈلی بہن ہے۔ وہ اس کی شادی بہت دھوم دھام سے کریں گے۔ ویسے ہم لوگ ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں... ٹائم لگے گا۔" الماس نے سنک کے قریب جاکر آلو کو پانی سے دھوتے ہوئے کہا۔

"کیوں... نعمان بھائی نے اپنی شادی کے وقت تو یہ سب نہیں سوچا... سادگی سے تمہیں بیاہ کرلے آئے اور ہماری شادی میں بلاوجہ کے روڑے اٹکا رہے ہیں۔ میں خود ان سے بات کروں گا۔" مزید انتظار کا سن کر وہ جھنجلا کر پیر پٹخنے لگا۔

"نہیں۔ میرے پیارے بھائی... تم اس بارے میں ان سے کچھ نہیں کہنا۔ یہ نہ ہو کہ وہ غصے میں آکر رشتہ ہی ختم کردیں۔ میں ان کا اچھا موڈ دیکھ کر خود ہی بات کرلوں گی۔" الماس نے اپنی اڑتی رنگت پر قابو پاکر پیار سے اسے رام کیا۔

"اوکے... یہ بات جلدی کرلو تو ہی اچھا ہے... ورنہ میں خود ان سے بات کرلوں گا۔" احسن نے غصے سے دیوار کو ٹھوکر ماری اور بہن کو دھمکایا۔

"اچھا... تم فکر نہ کرو ہوجائے گی بات اب جاؤ ورنہ آفس سے لیٹ ہوجاؤ گے۔" الماس نے بھائی کا ہاتھ تھام کر باہر دھکیلا اور ایک نئی فکر کو خود پر سوار کرلیا۔

☼ ☼ ☼

"سارہ..." اس کے لبوں پر نام آیا۔ وہ پچھلی مرتبہ سے زیادہ خوب صورت دکھائی دی۔

اس کے وجود میں عجیب طلسماتی کشش تھی جو اسے اپنے سحر میں جکڑنے لگی۔ وہ ایک دم سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"حاصل زیست کیا ہے۔" عماد کے دل سے آواز آئی۔

"اس پیاری سی لڑکی کا ساتھ۔" جواب خود بخود ذہن میں گونجا عماد نے گلاس وال کے پار دیکھا۔ کیسی مسرور کن گھڑی چپکے سے اس کی زندگی میں چلی آئی

تھی، فاضلی صاحب کی باتوں پر سر ہلاتی پژمردہ دکھائی دینے والی کوئی اور نہیں سارہ کاظمی تھی، عماد نے نگاہ بھر کر اسے دیکھا۔ وہ پہلے دن سے زیادہ دلکش اور جاذب نظر دکھائی دی۔ آبشار جیسے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے مخروطی انگلیوں والے ہاتھ اٹھا کر سر کو ایک طرف جھکائے، فاضلی صاحب کے بہانے بغور سن رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی فائل سینے سے لگائے اس کی ہر جنبش نہایت متناسب اور نپی تلی تھی۔

"ہاں۔ یہ تو۔ وہ... ہی ہے۔" اس کے دل نے ایک بار پھر اقرار کیا۔ سارہ مایوسی سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھی اور وہ جیسے ٹرانس کی کیفیت سے باہر آیا۔

"میں... یہ کیا کرنے چلا ہوں۔ قسمت کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے بند کررہا ہوں اگر وہ دوبارہ کھو گئی تو..." عماد اندیشوں میں گھرا ہڑبڑا کر جاگا۔

"ہیلو... سونیا... یہ... مس جو فائنل انٹرویو کے لیے آئی ہیں فاضلی صاحب سے کہیں انہیں میرے کمرے میں بھیج دیں۔" بے اختیار اس نے انٹرکام اٹھا کر سارہ کو کمرے میں بھیجنے کے احکام جاری کیے۔

"ایک منٹ بیٹی ٹھہریں!" فاضلی صاحب نے پیچھے سے آواز دی اور اس کے اٹھتے قدم تھم گئے۔ وہ ٹھہر گئی۔

عماد کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے لمحوں میں منظر بدل کر رکھ دیا، فاضلی صاحب تک باس کا حکم کیا پہنچا انہوں نے جوش میں آکر آفس پروٹوکول کا دھیان رکھے بنا خود جاکر اسے دروازے پر روکا۔ وہ حیرت زدہ سی ان کی طرف مڑی، عماد ملک نے اس کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ کو بڑی دلچسپ نگاہوں سے دیکھا۔

"اتفاق سے سر... میٹنگ سے جلدی فری ہوگئے ہیں۔" فاضلی صاحب نے شفقت سے کہتے ہوئے اپنے جھوٹ کو کور کیا۔

"اوکے سر۔" سارہ نے کاندھے اچکائے اور دل ہی دل میں شکر ادا کرتی ہوئی ان کے بتائے ہوئے روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

احسن انور نہا کر تروتازہ ہو کر باہر نکلا تو کانوں میں باتوں کی آوازیں پڑیں۔ وہ بالوں کو تولیے سے خشک کرتا ہوا ٹی وی لاؤنج کی طرف چلا آیا جہاں اس کی بڑی بہن الماس اور ماں شکیلہ بی بی باتوں میں مشغول نظر آئیں... وہ سمجھ گیا آج کا ہاٹ ایشو سارہ کی نوکری ہوگی۔

"کیا بات ہے احسن... ناراض ہوگئے ہو کیا؟" الماس نے بھائی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ بلیک جینز پر لائٹ بلیو شرٹ میں اس کا دراز قد اور غضب کی اسمارٹنس بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ بلاشبہ مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔

"میرا بھائی ہے ہی اس قابل جب ہی تو سارہ جیسی نک چڑھی لڑکی بھی اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئی۔" یہ الماس کا خیال تھا۔

"آپو... ایسی کوئی بات نہیں، مگر مجھے لگتا ہے کہ آپ کو میرا اپنے گھر آنا برا لگتا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے شریر آنکھوں سے بہن کو گھورا۔

"توبہ... بھائی کا آنا کیوں برا لگے گا۔ مجھے تو بس تمہارا ہر وقت سارہ کے اردگرد پروانوں کی طرح چکر لگانا ناگوار گزرتا ہے۔" الماس نے مسکرا کر بھائی کو جواب دیا جس نے موحد کو گود میں اٹھا کر چٹکی بجانا شروع کر دی تھی۔

"میں نے سنا ہے سارہ کسی دفتر میں نوکری کرنا چاہ رہی ہے۔" شکیلہ بی بی نے بیٹی کے پاؤں ہلانے پر مجبوراً یہ ذکر نکالا۔

"ہاں... امی... بعض لوگوں کے پیروں میں بلیاں بندھی ہوتی ہیں۔ انہیں گھر میں بیٹھنا راس نہیں آتا۔ پہلے پڑھائی کے بہانے پورا پورا دن گھر سے غائب رہتی تھی، اب تو خیر نوکری کرنے کی ٹھانی ہے۔" الماس نے پتا نہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالی یا احسن کو شرمندہ کرنا چاہا۔

"آپو... پلیز غلط بات نہ کرو۔ سارہ پہلے اپنے ایم بی اے کی فیس کا خرچہ نکالنے کے لیے ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھانے کے ساتھ ساتھ خود بھی وہاں فری میں کلاسز لیتی تھی اور اب جبکہ ایک اچھے ادارے سے اسے جاب آفر ہوئی تو کرنے میں کیا حرج ہے؟" احسن نے نہ چاہتے ہوئے بھی صاف بات کی۔

"میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر میں جوان نند موجود ہے بھابھی کو خوب آرام دیتی ہوگی، مگر یہاں تو کام کرتے کرتے میرے ہاتھ ٹوٹ گئے، مگر کسی کو پروا نہیں۔" الماس نے مظلوم بننے کی پوری کوشش کی۔

"آپو... سنا ہے آپ کی نند کو بڑی شاندار جاب ملی ہے۔ ایک نوکرانی تو افورڈ کر ہی لے گی۔" احسن نے شرارتی انداز میں کہا اور ماں کو دیکھا جو بہن بھائی کی نوک جھونک پر کھلکھلا رہی تھیں۔

"لوگ اپنا جہیز لے کر میکے جاتے ہیں، مگر یہاں تو ماں اور بھائی، دونوں ہی میرے سسرالیوں کے حمایتی ہیں۔" وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔

"ہاں تو کیا کریں، بلاوجہ کی باتوں پر تمہاری پیٹھ ٹھونکیں۔" شکیلہ نے نواسے کو گود میں بھر کر پیار کرتے ہوئے بیٹی کو گھر کا۔

"میں نے سوچا تھا شادی کے بعد بی اے فائنل کے پیپر دے کر کم از کم گریجویٹ تو کہلاؤں گی، مگر..." الماس کے دماغ میں ایک نئی بات چلی آئی۔

"آپ کو اس بات سے کون روکتا ہے۔ پرائیویٹ ایگزام دے سکتی ہو، کہو تو ایگزامینیشن فارم لے آؤں۔" احسن کا انداز مذاق اڑانے والا تھا، اسے اپنی بہن کی کمزوری پتا تھی۔

"وہ... ابھی نہیں، موحد بھی کافی چھوٹا ہے۔ تھوڑا بڑا ہو جائے تو آگے پڑھوں گی۔" الماس نے گڑبڑا کر بات بنائی۔

"ہا... ہا... آپو... جب پڑھنے کا موقع تھا تب آپ کتابوں سے دور بھاگتی تھیں۔ بھلا اب کیا خاک پڑھیں گی۔" احسن نے صاف کہا۔

"امی دیکھا! یہ میرا بھائی ہے یا دشمن؟" وہ سسکی تو

شکیلہ نے بیٹے کو گھور کر سر کو نفی میں جنبش دی۔

"اس کی تو مذاق کی عادت ہے۔ تم دل پر کیوں لیتی ہو۔ ویسے بھی جو کچھ ہوا بہت اچھا ہوا ہے۔ اللہ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوا کرتی ہے۔ تم اگر پڑھائی وڑھائی میں لگ جاتیں تو مسلسل فیل ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ اٹکی رہتیں اور یہ لوگ ہار مان کر نعمان میاں کی کہیں اور شادی کر دیتے۔" شکیلہ بی بی نے شرارتی انداز میں بیٹی کو دیکھا تو اس نے خاموش ہو جانے میں ہی عافیت جانی۔

"امی... میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ آپو کو آج رات کے کھانے پر روک لیں۔ میرا ان کے ہاتھ کا قیمہ کھانے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔" حسن نے شرارتی انداز میں بہن کو دیکھا اور اپنے دوستوں کی طرف باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر...!" وہ اندر داخل ہوئی تو مؤدب انداز میں بولی۔ عماد نے اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھا اور دھیرے سے مسکرایا۔

"جی... مس سارہ! پلیز تشریف رکھیے۔" اس نے مکمل طور پر متوجہ ہونے کے بعد اشارہ کیا۔

"تھینک یو سر...! میں... وہ... فاضلی صاحب نے بھیجا ہے۔" اس کا اعتماد کہیں غائب ہونے لگا۔

عماد مسحور سا اس کے معصوم اور انتہائی گوری رنگت والے بے ریا چہرے پر فطری گھبراہٹ کے آثار انجوائے کرنے لگا۔

"ایکسکیوز می سر..." اس نے کسمسا کر پکارا اور اپنے اعتماد کو بحال کرنا چاہا۔

"ہاں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے... مس۔" عماد نے اس کی بے حد خوب صورت اور طلسمی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ میرے ڈاکومنٹس اور... یہ ہے میرا سی وی۔" اس نے تکلفانہ انداز میں مسکرا کر فائل آگے بڑھائی۔

"مس سارہ... کاظمی۔" اس نے کرسی پر جھولتے ہوئے سی وی پر اچٹتی سی نگاہ ڈالی اسے پورے نام سے پکارنا اچھا لگا۔

"جی سر..." اپنے باس کے دیکھنے کے انداز پر اس کا دل پھر سے گھبرایا۔

"مجھے یہ بات بتاتے ہوئے، بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کی تعلیمی قابلیت اور دیگر کوائف..." سارہ کو دیکھتے ہوئے وہ بے حد گمبھیر لہجے میں بولتے ہوئے رک گیا۔

"جی..." اس کی دلکش آواز نے خاموشی کو توڑا۔

"نامزد پوزیشن کے لیے بہت موزوں ہیں۔ اس لیے آپ اپنی سہولت کے مطابق ہماری کمپنی کو جوائن کر سکتی ہیں۔" عماد کی بات مکمل ہوتے ہی سارہ کا چہرہ جگمگا گیا۔

"اب... میں اپنے بابا کی ساری خواہشیں پوری کر سکوں گی۔" وہ دل ہی دل میں منصوبے بنانے لگی۔

"ہیلو... مس سارہ! پلیز جا کر ایچ آر سے اپائنمنٹ لیٹر لے لیں۔" اس نے گلا کھنکھارنے کے بہانے اسے چونکایا اور گرم جوشی سے بولا۔

"اچ... چھا!" وہ گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی جبکہ عماد ایک دم سے ہنس پڑا۔ نظریں مستقل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"ویسے... آپ کب سے جوائن کرنا چاہیں گی؟" عماد نے اپنی بے چینی کو شستہ لہجے میں چھپایا۔

"سر... میں ان شاء اللہ... کل سے اپنی سیٹ سنبھال لوں گی۔" سارہ کا اعتماد کیا بحال ہوا اپنے فطری انداز میں بے خوفی سے بولی۔

"او کے مس بیسٹ آف لک۔" اس نے مسکرا کر سارہ کو وش کیا اور وہ اجازت طلب کر کے روم سے باہر چلی گئی۔

عماد نے نرم کرسی کی بیک سے ٹیک لگایا اور اطمینان بھرے انداز میں جھولنے لگا۔ اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا، مگر ایسے حسین حادثے بھی دنیا میں ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

✡ ✡ ✡

شام ہوتے ہی سرمئی بادل آسمان پہ اٹھکیلیاں کرنے لگے، رم جھم پھوار ٹوٹ کے برسی اور اچانک مطلع صاف ہو گیا' بارش تو رک گئی' مگر جگہ جگہ پانی ٹھہر گیا۔ سارہ' رحمان منزل کے سامنے رکشے سے سرشار سی اتری اس کے بیگ میں اپائنمنٹ لیٹر کیا آیا خوشی چھپانے میں مشکل پیش آنے لگی۔ رکشے والے کو فارغ کرنے کے بعد اس نے احتیاط سے قدم بڑھائے' کچھ دیر برسنے والی بارش نے رحمان منزل کے داخلی دروازے کی ڈھلان میں پانی جمع کر کے راستہ بند کر دیا تھا۔ سارہ نے چٹکی سے ٹراؤزر اٹھایا' کونے کونے چلتی ہوئی دروازے تک جا پہنچی اور ڈور بیل پر انگلی رکھ دی۔

"آ گئیں... کیا رہا؟" احسن نے دروازے سے سر نکالا اور بے تابی سے پوچھا۔

"کامیابی..." اس نے اپنی انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا کر دکھایا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"مبارک ہو پارٹنر ٹریٹ پکی۔" احسن نے بجھے دل سے پیچھے سے آواز لگائی۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں کہ اسے جاب نہ ملے' مگر بے سود۔

"او... کے۔" سارہ نے بھی بہ آواز بلند کھینچ کر جواب دیا۔

احسن' سارہ کی نوکری کے حق میں بالکل بھی نہیں تھا' مگر اس نے یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ سارہ بعض معاملات میں کتنی ضدی واقع ہوئی ہے۔ وہ اگر زیادہ روک ٹوک کرے گا تو شاید بھڑ جائے اس لیے شادی سے قبل اسے من مانی کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ شادی کے بعد اسے پیار سے منا کر گھر میں بیٹھنے پر راغب کرنے کا ارادہ دل میں باندھتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

✡ ✡ ✡

"ہیلو عماد...!" کبریٰ خانم کی بھیگی آواز اس کے کانوں میں پڑی' وہ شدت ضبط سے لب بھینچ کر رہ گیا۔

"امی... میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں۔ پلیز واپس آ جائیں..." اس کے منہ سے بڑی دقتوں کے بعد یہ بات نکلی' انکار سننے کا حوصلہ نہیں تھا۔

"بیٹا... میری مشکلات کو نہ بڑھاؤ... میں نے جس بات کا خود سے عہد کیا ہے۔ اس سے نہیں پھر سکتی۔ اس لیے بار بار فون کر کے یہ مطالبہ نہ کرو۔ جس کا جواب تمہیں پتا ہے۔" انہوں نے لہجے میں سختی سموئی۔ عماد ملک تڑپ کر رہ گیا۔

"بیٹے کی خاطر اپنا فیصلہ بدل دیں نا۔" اس نے التجا کی۔

"بیٹے نے ماں کی خاطر اپنا فیصلہ بدلا تھا کیا؟" وہ ایک دم اداسی سے بولیں۔

"کیا آپ کا گھر لوٹنے کو جی نہیں کرتا۔" اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ کیوں کہ مجھے اس گھر میں زمین کی یاد ستاتی ہے۔ اس کے ساتھ کی گئی زیادتی کا خیال مجھے کاٹنے لگتا ہے۔ تم اس بات کو سمجھتے کیوں نہیں ہو؟" کبریٰ خانم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ایسا نہیں ہے امی! میں نے کتنی بار بتایا ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ وہ ریان کے ساتھ خوش ہے۔ جب اسے کوئی پریشانی نہیں تو پھر اتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کر آپ یہاں آنے سے کیوں کتراتی ہیں۔ یہ میرے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔" اب وہ تھوڑا مشتعل ہوا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تم میری اتنی تضحیک و تذلیل کی وجہ بنو گے۔" انہوں نے ماضی کی راکھ کریدی۔

"اس میں تضحیک کی کیا بات ہے۔ دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔" وہ فون ہاتھ میں تھامے ___ صوفے پہ گر گیا۔

"دنیا میں تو اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے' مگر کبریٰ خانم کے لیے اپنی زبان سے پھرنا بہت مشکل کام ہے۔ خاندان والے پہلے ہی اس معاملے میں مشکوک

تھے۔" وہ ایک دم چیخ گئیں۔
"کس معاملے میں مشکوک تھے؟" عماد نے حیرت سے پوچھا۔
"تمہی کیا میں یتیم بھانجی کو اپنی بہو بناؤں گی؟ تمہاری حرکت سے ان لوگوں کی باتوں پر تصدیق کی مہر لگ گئی۔" ان کا لہجہ پھر بھیگا' عماد نے اپنے بال نوچ ڈالے۔
"امی.... اگر میں کہوں کہ اسی بات میں زمین کی خوشی تھی۔ پھر آپ کیا کہیں گی؟" اس نے تھک ہار کر زبان کھولی۔
"کیا مطلب....؟" انہوں نے گڑبڑا کر پوچھا۔
"میرا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے زمین خود میرے ساتھ شادی پر رضامند نہ ہو۔" اس نے دبے انداز میں جتایا۔
"خاموش ہو جاؤ عماد! ایک تو تم نے برادری والوں کے سامنے میرا سر جھکا دیا اور اب تم اپنی غلطی چھپانے کے لیے اس معصوم بچی پر الزام لگا رہے ہو۔" وہ غصے میں گرجیں۔
"امی۔ لل.... لیکن.... وہ.... سنیں...." وہ پکارتا ہی رہ گیا' مگر کبریٰ خانم نے غصے میں فون پٹخ دیا۔
"زمین.... اب تمہیں امی کو خود سے سچائی بتانی پڑے گی۔" عماد ملک کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی چھا گئی۔
وہ پچھلے کئی دنوں سے زمین سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن اس نے موبائل آف کر رکھا تھا یا شاید نمبر بدل لیا تھا۔
اس نے ایک بار پھر اس امید پر نمبر ملایا کہ شاید اب آن ہو گیا ہو' مگر وہ مسلسل آف جا رہا تھا' عماد کا کسی اور پر بس نہ چلا تو غصے میں فون اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

☼ ☼ ☼

آج آفس میں اس کا پہلا دن تھا۔ سارہ مسکراتی ہوئی نیا بیگ کاندھے پر لٹکائے کھلے گیٹ سے باہر نکلی۔ سامنے ہی وین کھڑی نظر آئی جو آفس کی طرف سے دوسری لڑکیوں کے ساتھ اسے بھی پک اینڈ ڈراپ کرنے پر مامور تھی۔ اس نے گھر کا دروازہ احتیاط سے بند کیا اور سبز درختوں میں گھری رحمان منزل پر الوداعی نگاہ ڈالی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا' خود کو اسی گھر میں پایا تھا۔ جو اس کے بابا رؤف کاظمی نے برسوں پہلے کرائے پر لیا تھا۔
رحمان منزل دو فلور پر مشتمل تھی' مالک مکان رحمان بھائی نے یہ عمارت اس طرح تعمیر کروائی تھی کہ ہر فلور پر دو علیحدہ علیحدہ پورشن بنائے گئے اس طرح اوپر نیچے چار پورشن موجود تھے۔ رؤف کاظمی کا پورشن دوسری منزل پر واقع تھا۔ ایک طویل راہداری کے اختتام پر چار کمروں کے اس چھوٹے سے فلیٹ نما گھر کے نزدیک سیڑھیاں واقع تھیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کا بڑی سی چھت پر بھی قبضہ رہتا۔ اس حصے میں رؤف کاظمی کا بیٹا نعمان کاظمی' اس کی بیوی الماس' گل گوتھنا سا پوتا موحد اور ایک کنواری بیٹی سارہ کاظمی رہائش پذیر تھے۔ ان کی اہلیہ صفیہ کا چھ سال قبل انتقال ہو گیا تھا۔ گورے چٹے دراز قد رؤف صاحب کی دونوں اولادوں نے بھی خوب صورتی اپنے والدین سے چرائی تھی۔
نعمان کا چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد' سنہری آنکھیں' چاکلیٹی سلکی بال اور ورزشی جسم اسے ہزاروں میں یکتا بناتا تھا' سارہ بھی دلکشی کا پیکر تھی۔ جو اسے دیکھتا نگاہیں ہٹانا بھول جاتا۔ تاہم الماس کا قد چھوٹا تھا اور وہ قدرے فربہی مائل گداز جسم' گندمی رنگت اور تیکھے نقوش کی مالک تھی۔ نعمان اور الماس کی لو میرج تھی۔
الماس انور اپنے امی' ابو اور ایک بھائی احسن انور کے ساتھ رحمان منزل کے گراؤنڈ فلور میں واقع ایک پورشن میں رہتی تھی۔ آتے جاتے نعمان اور الماس کی اکھیاں لڑ گئیں اور دونوں ایک دوسرے کی محبت میں بری طرح سے گرفتار ہو گئے۔ نعمان' الماس سے شادی کا خواہش مند تھا' مگر صفیہ کو نعمان کے لیے یہ عام سی لڑکی بالکل پسند نہیں آئی۔ کم عمری سارہ بھی اس معاملے میں ماں کی ہمنوا نکلی' وہ بھائی کے جذبات کا

خیال کیے بنا منہ پر الماس کو موٹی اور بھینگی کے القابات سے نوازتی۔

الماس' نعمان کی محبت میں ایسی باتیں ہنس کر پی جاتی اور ناگواری ظاہر نہیں ہونے دیتی۔ قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ صفیہ کی طبیعت اچانک بگڑ گئی اور وہ چند دنوں میں چٹ پٹ ہوگئیں' اس خاندان پر تو قیامت ٹوٹ پڑی' سارہ ابھی اتنی سمجھ دار نہیں ہوئی تھی کہ گھر بار سنبھال سکے۔

بیوی کی پہلی برسی کے بعد رؤف صاحب نے قریبی رشتے داروں سے مشورہ کیا اور بیٹے کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے الماس کے گھر رشتہ لے کر پہنچ گئے' وہاں تو شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ الماس نے اپنی محبت پر فاتحہ پڑلی تھی اور غموں سے ناتا جوڑ لیا تھا' وہ دوبارہ جی اٹھی حالات ایسے ہوگئے کہ سارہ نے زبان بند رکھنے میں ہی عافیت جانی۔ ویسے بھی ماں کے انتقال کے بعد اس میں جانے کیسے سمجھ داری سرایت کرتی چلی گئی تھی۔ شادی بڑی سادگی سے انجام پائی اور الماس' رحمان منزل کے نیچے والے پورشن سے بیاہ کر اوپر آکر نعمان کے سنگ خوشی خوشی جیون بتانے لگی۔ بس سارہ نام کی پھانس' اس کے دل میں گڑی رہ گئی' جسے نکالنا ضروری تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ کو ہماری فیملی میں شامل ہونا کیسا لگا؟" عماد نے کرسی پر جھولتے ہوئے سامنے بیٹھی سارہ سے پوچھا۔

"کیا مطلب.... میں سمجھی نہیں؟" وہ اس کے انداز پر چونک اٹھی۔

"دیکھیں نا ہم سب اس کمپنی میں ایک فیملی کی طرح ورک کرتے ہیں اور ایک نئے فیملی ممبر کے طور پر میں آپ کو ویلکم کرتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر وضاحت پیش کی۔ اس کے چہرے کے تاثرات لطف دے گئے تھے۔

"اوہ۔ اچھا...." سارہ نے سرہلایا۔

"اب بتایئے۔ ہم.... ہمارا آفس اور یہاں کا ماحول کیسا لگا؟" عماد کا انداز ذو معنی ہوا۔

"سب اچھے ہیں۔" سارہ نے زبردستی سرہلایا' ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ پوچھ لے بھلا پہلے دن میں کسی جگہ کا کیا اندازہ؟

"آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ پہلے دن میں کسی جگہ کے ماحول کا کیسے اندازہ لگایا جاسکتا ہے؟" عماد نے اس کی موجودگی کی وجہ سے اپنے وجود میں پھیلتی سرشاری محسوس کی۔

"نہیں.... تو۔" اپنی سوچ پڑھے جانے پر اس نے بری طرح سے گھبرا کر نفی میں سرہلایا تو عماد کا قہقہہ نکل گیا۔

"اب.... میں جاسکتی ہوں۔" جھوٹ بولنے پر وہ تھوڑی شرمندہ ہوئی تو جانے کی اجازت طلب کی۔

"نہیں بھئی.... ابھی تو آپ کی جاب کی خوشی میں ایک کپ چائے یا کافی کا ہو جائے۔" عماد نے سامنے رکھے انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کیا پینا.... پسند کریں گی؟" عماد نے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"یہ.... کچھ زیادہ ہی فری نہیں ہو رہے۔" سارہ نے سٹپٹا کر دل میں سوچا۔ اسے اپنے باس کا انداز ناقابل فہم لگا۔

"نو تھینکس سر۔ میرے خیال میں مجھے اب کام کی طرف توجہ دینی چاہیے۔" وہ خشک انداز میں منع کرتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

"اوں...." عماد نے ایک نظر اس کے حسین چہرے پر ڈالی اور کچھ بولتے بولتے ٹھہر گیا۔

"مس.... سارہ.... آپ اپنی سیٹ پر جاسکتی ہیں۔" اس کی احتیاط پسندی اچھی لگی' اسے جانے کا عندیہ دیا اور اپنے سامنے پڑی فائلوں پر جھک گیا۔ سارہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی' وہ فوراً" ہی اٹھ گئی' اسے محسوس ہوا جیسے عماد ملک کی نگاہیں مستقل اس کا پیچھا کر رہی ہوں۔

☼ ☼ ☼

نرمین کی والدہ اسری، خانم عماد کی خالہ تھیں۔ وہ لوگ پنجاب کے ایک قصبے میں رہتے تھے' اس لیے آپس میں بہت کم ملنا جلنا ہوتا۔ ایک دن خبر آئی کہ نرمین کے ماں باپ ایک خاندانی تنازعے کا شکار ہو گئے ہیں۔ کبریٰ خانم عماد کے ساتھ "فوراً" ہی وہاں پہنچیں مگر دیر ہو گئی تھی۔ دونوں ہی نہ بچ سکے۔ بہن بہنوئی کے کفن دفن کے بعد وہ روتی دھوتی بھانجی کو اپنے ساتھ گھر لے آئیں۔ شروع میں نرمین کا دل خالہ کے وسیع و عریض ملک ہاؤس میں بالکل بھی نہیں لگا' جہاں کمرے تو لاتعداد تھے' مگر ان میں رہنے والے صرف دو سے تین افراد۔ اسے اپنی سہیلیاں اور چھوٹا سا گھر بہت یاد آتا جہاں وہ اپنے اماں' ابا کے ساتھ خوش خوش اچھلتی کودتی پھرتی۔

ملک کمال اپنے دونوں بیٹوں کو اعلا تعلیم کے لیے باہر بھیجنا چاہتے تھے' مگر کبریٰ کی تنہائی کا خیال کر کے یہ معاملہ ٹل رہا تھا۔ نرمین کے آجانے کے بعد عماد اور عباد کا داخلہ امریکا کے ایک مشہور کالج میں کرا دیا گیا اور وہ اعلا تعلیم حاصل کرنے ملک سے باہر چلے گئے۔

ملک کمال اپنے گھر کو کم اور بزنس کو زیادہ وقت دیتے تھے۔ اسی لیے تنہائی کا شکار کبریٰ کے لیے نرمین کا وجود غنیمت تھا۔ انہوں نے بے وقوف سی ڈری سہمی بچی پر خوب محنت کی۔ اسے پڑھایا لکھایا' شہر کے طور طریقے سکھا کر ایک باشعور لڑکی کا روپ بخشا اس کے گریجویشن کے بعد کبریٰ چاہتی تھیں کہ وہ ماسٹرز بھی کر لے مگر اس کا دل پڑھائی میں بالکل بھی نہیں لگتا تھا۔ ایک دوست کے کہنے پر اس نے اپنے آپ کو مستعد اور چست رکھنے کے لیے یوگا کی کلاسز جوائن کر لیں۔ تو کبریٰ نے اس کے مصروف ہو جانے پر سکون کا سانس لیا۔

انہیں نرمین سے جنون کی حد تک محبت تھی' وہ ماں جائی کی آخری نشانی تھی' یا ان کی تنہائیوں کی ساتھی' جو بھی تھا' کبریٰ اسے اپنے سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

نرمین اپنی خالہ کا نہ صرف بہت احترام کرتی بلکہ ان سے دب کر بھی رہتی تھی' وقت گزرتا چلا گیا' اسی دوران ان لوگوں پر ایک دکھ آپڑا' جب ملک کمال چل بسے۔ عماد کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر فوری طور پر وطن واپس آنا پڑا۔ اس نے بڑے بیٹے کا فرض نبھایا اور آتے ہی باپ کا کاروبار سنبھال لیا۔

کبریٰ خانم نے اپنی عدت ختم ہونے کے بعد' گھر میں قائم دکھ بھرا جمود توڑنے کے لیے عماد اور نرمین کی شادی کا سوچا اور ایک دن بیٹے کے سامنے اپنی خواہش رکھ دی۔ عماد کے لیے ماں کا حکم عبادت کا درجہ رکھتا تھا' اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ نرمین نے بھی اپنی محسنہ کبریٰ خالہ کا مان رکھتے ہوئے شادی کے لیے رضامندی دے دی' ورنہ شاید اس نے عماد کے بارے میں کبھی اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔

چھوٹے والے عباد کی منگنی بھی کبریٰ کی نند کی بیٹی رشنا سے شوہر کی زندگی میں ہی طے پا گئی تھی' وہ لوگ امریکہ میں رہائش پذیر تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ دونوں بھائیوں کی شادی ایک ساتھ کر دی جائے۔ دو بیٹوں کی شادی کی تیاری کے لیے کبریٰ کو چھ مہینے کا وقت درکار تھا۔ انہوں نے پورے خاندان میں عماد اور نرمین کے رشتے کا اعلان کر دیا اور شاپنگ شروع کرنے کے ساتھ ساتھ دن گننے لگیں۔ مگر ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی' عماد اپنی شرافت اور نرم دلی کے ہاتھوں مجبور ہو کر زندگی کے سب سے بڑے امتحان سے دوچار کر دیا گیا۔

✡ ✡ ✡

الماس کافی دنوں سے کے بعد نیچے آئی تو' احسن کو ماں کے کمرے میں خاص طور پر بلایا۔ وہ جو آفس سے آنے کے بعد پڑا سو رہا تھا' منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائیاں لیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا' شکیلہ بھی نواسے کو گود میں لیے بستر پر بیٹھی کھلا رہی تھیں۔

"احسن.... مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے.... سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" الماس کے انداز نے اسے

تشویش زدہ کردیا۔

"یااللہ رحم.... اب کیا ہو گیا ہے....؟" احسن نے پہلے ماں کو دیکھا، جو ان دونوں کی طرف متوجہ تھیں، پھر بہن سے پوچھا۔

"مجھے.... لگتا ہے کہ سارہ اب اس گھر میں بہو بن کر آنا نہیں چاہتی...." الماس نے ایک نیا فتنہ پھیلایا۔

"اچھا.... یہ۔ خبر.... آپ کو کیا سی این این والوں نے دی ہے.... یا بی بی سی کا کوئی نمائندہ آپ کے در پر حاضری لگوانے آیا تھا؟" وہ چڑ ہی تو گیا۔

"تم تو اس کی محبت میں اندھے ہو گئے ہو.... مگر میری دونوں آنکھیں کھلی رہتی ہیں.... اور شکر ہے۔ کہ دماغ بھی کام کرتا ہے۔" الماس نے بھی بھائی پر چوٹ کرنا ضروری سمجھا۔

"آپو۔ آپ اصل بات بتاؤ گی....؟" اس نے ٹھنک کر پوچھا۔

"اصل بات بتانے کی نہیں، سمجھنے کی ہے.... وہ اب ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے.... اس کی تنخواہ تم سے ڈبل ہے۔ آفس سے دیگر مراعات ملی ہوئی ہیں.... پھر اسے کیا ضرورت ہے۔ کہ تم جیسے لڑکے سے شادی کرے.... اس کا اسٹینڈرڈ ہائی ہو چکا ہے.... دیکھنا.... کوئی بڑا ہاتھ مارے گی۔" الماس نے دانت کچکچا کر کہا۔

"آپو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کے دل میں سارہ کے لیے اتنا زہر بھرا ہوا ہے۔" وہ افسوس سے بہن کو دیکھتا رہ گیا، پھر خشک ہوتے گلے سے چیخ اٹھا۔

"میرا.... مطلب.... یہ...." وہ تھوڑا گھبرائی.... جذبات میں شاید کچھ زیادہ کہہ دیا تھا۔

"الماس مجھے تم پر نہیں خود پر شرم آتی ہے۔ شاید میری تربیت کا قصور ہے، جو سارہ کے لیے ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہاری زبان نہ لڑکھڑائی۔ وہ لڑکی صرف تمہاری نند ہی نہیں۔ ہونے والی بھاوج بھی ہے۔ اس بات کی ہی شرم رکھ لی ہوتی...." شکیلہ کا طیش کے مارے برا حال تھا، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ بیٹی ایسی باتیں کرے گی ورنہ اسے پہلے ہی روک دیتیں۔

"میں نے سارہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولا.... کریلا تو وہ پہلے ہی تھی، اب نیم چڑھ گئی ہے.... ذرا.... گھڑی میں ٹائم دیکھیں.... مگر محترمہ کا ابھی تک کوئی اتا پتا نہیں خیر ہمیں تو اپنے بھائی کی ہمدردی میں بول رہی تھی۔ آئندہ کچھ نہیں بولوں گی ویسے بھی ہر انسان اپنا برا بھلا بہتر سمجھتا ہے۔" الماس غصے میں کھڑی ہو گئی اور موحد کو جھپٹ کر باہر نکل گئی۔ احسن نے اس کے پیچھے جانا چاہا مگر شکیلہ نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

احسن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے.... بہن کی باتوں سے، اس پر اندیشوں کی یلغار ہونے لگی.... کبھی کبھی وہ بھی اس کے بارے میں منفی سوچنے لگتا.... مگر پھر اس کی چاہت ہر چیز پر حاوی ہو جاتی۔

☼ ☼ ☼

اسے عماد ملک کے آفس میں کام کرتے کافی دن گزر گئے۔ اپنے باس سے جب بھی اس کا سامنا ہوتا، ان کی آنکھوں میں دیپ سے جلتے محسوس ہوتے۔ وہ کچھ الجھ جاتی۔ تین مہینے گزرتے ہی اس کی تنخواہ میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا، ساتھ ہی سیل فون کی سہولت بھی دے دی گئی۔ وہ حیران رہ گئی، اپنے ساتھ ایسا خصوصی سلوک اس کی الجھن و تشویش کا باعث بننے لگا۔ آج کل کے حالات میں کوئی بھی کسی کے لیے اتنا مخلص نہیں ہو سکتا، جو بنا مطلب کے فائدہ پہنچاتا رہے۔

عماد ملک بھی جس صنف سے تعلق رکھتا تھا.... یہ نوازشات بنا کسی مطلب یا بغیر کسی غرض کے نہیں ہو سکتیں۔" وہ کبھی کبھی سوچنے بیٹھتی تو اسے خوف محسوس ہونے لگتا۔

"بابا.... کا علاج کتنے آرام سے ہو رہا ہے.... بھائی کو بھی میری وجہ سے سہولت ہو گئی ہے.... ویسے بھی عماد ملک نے مجھ سے آج تک کچھ کہا تو نہیں...." وہ جاب چھوڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، اسی لیے خود کو

تسلیاں دیتی رہتی۔۔۔ پہلی بار اس نے احسن سے یہ مسئلہ ڈسکس نہیں کیا۔

"احسن کا دماغ تو پہلے ہی بھابھی نے خراب کر رکھا ہے۔" وہ خیالوں میں کھوئی بیٹھی تھی' انٹر کام کئی بار بجنے کے بعد بند ہو گیا' مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

"مس! آپ کو باس بہت دیر سے اپنے روم میں بلا رہے ہیں۔" آخر سونیا چڑ کر اس کے کیبن میں آئی۔ اور ٹیبل بجا کر اسے متوجہ کیا۔

"سس۔۔۔ سوری۔۔۔ میں جاتی ہوں۔" وہ چونک اٹھی اور اچھی خاصی خفت زدہ نظر آنے لگی۔ سونیا نے سرہلایا اور واپس چلی گئی۔

سارہ نے اپنا بالوں پر ہاتھ پھیرا' شانے پر پڑا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا اور مضطرب سی اٹھ کر شیشے کے کیبن کی طرف بڑھی۔

"سر۔۔۔ آپ نے مجھے بلایا؟" اس نے مودب انداز میں پوچھا۔

"مس سارہ کاظمی پلیز" عماد نے اس پر بھرپور نگاہ ڈالی اور ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کا کہا۔

"تھینک یو۔۔۔" سارہ بادل نخواستہ بیٹھ کر بولی۔

عماد ایک اہم فائل چیک کرنے میں مشغول ہو گیا۔ سارہ نے بے تابی سے اپنی کلائی میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ پانچ بج چکے تھے' اس کی چھٹی کا ٹائم ہو گیا تھا۔ مگر وہ تو جیسے اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ کھولے' تیزی سے کچھ لکھنے میں مشغول تھا۔

"سر! کوئی ضروری کام ہے۔۔۔ دراصل میری وین نکل جائے گی۔" سارہ نے دھیرے سے کہا۔

"ہوں۔۔۔" اس نے سرہلایا مگر نگاہیں' اسکرین پر جمی رہیں۔

"ایک۔۔۔ ڈرافٹ آپ کو ای میل کیا ہے۔ پلیز' اس کے پوائنٹس کو فائنل کرکے حسن سنز والوں کو بھیج دیں۔ یہ کام بہت ارجنٹ ہے۔" وہ سر اٹھا کر نرمی سے بولا۔

"سر۔۔۔ میرا آف ہو چکا ہے۔۔۔ مجھے اب گھر جانا ہے' پلیز۔" میں کل صبح آکر سب سے پہلے یہ کام کر دوں گی۔" سارہ کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا' اس کے بعد مزاج کے برخلاف جا کر التجائیہ انداز اختیار کیا۔

"یہ بات تو ہے۔۔۔ اس وقت تو وہ لوگ بھی اٹھ چکے ہوں گے۔ مگر کل بارہ بجے ہماری ان سے میٹنگ ہے' اس سے پہلے انہیں ہمارا پروپوزل مل جانا چاہیے۔" وہ تھوڑے تذبذب کا شکار ہوا۔

"سر۔۔۔ ڈونٹ وری۔ میں صبح سب سے پہلے آنے کے بعد یہ ہی کام کروں گی۔" سارہ تیزی سے اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑی ہوئی۔

"ایک منٹ مس سارہ! آپ کی وین نکل گئی ہوگی۔۔۔ چلیں۔ میں۔ آپ کو گھر چھوڑ دوں۔" عماد ملک بھی فوراً کھڑا ہو گیا۔

"اٹس اوکے سر! میں رکشہ لے لوں گی۔" وہ ہچکچائی۔

"نہیں۔۔۔ اچھا نہیں لگتا کہ ہم اپنے ایمپلائی کو کام کی وجہ سے روکیں۔۔۔ اور وہ بعد میں جانے کے لیے دھکے کھاتی پھریں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اتنی قطعیت سے کہا کہ سارہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی بات ماننی ہی پڑی۔

"اوکے۔۔۔" سارہ نے سرہلا کر حامی بھری۔ وہ اپنی کامیابی پر مسکرا اٹھا۔ آج در جاناں تک جانے کا شرف جو حاصل ہونے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماں کے گھر ہونے والے بحث مباحثہ کے بعد الماس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس نے ہنڈیا' چولہے پر چڑھائی اور دوا کھا کر سو گئی۔ سارہ بھی آفس سے گھر نہیں لوٹی تھی۔ نعمان لاک کھول کر اندر داخل ہوا تو' پورے گھر میں جلنے کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ الماس کو زور زور سے آوازیں دیتا کچن میں داخل ہوا۔ پتیلی میں سے جلنے کی شدید بو اٹھ رہی تھی۔ نعمان نے جلدی سے ناب گھما کر چولہا بند کیا۔

"یہ۔۔۔ عورت کب سدھرے گی۔" وہ اپنے

کمرے میں گھسا تو بیوی کو سوتا دیکھ کر بری طرح سے تپ گیا۔

"الماس! میں دیکھ رہا ہوں۔۔۔ تم گھر کی طرف سے دن بہ دن لاپروا ہوتی چلی جا رہی ہو۔" ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا اور گرجنے لگا۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا ہے؟" مندی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا چڑھا کر سو گئیں۔۔۔ سارا گوشت جل کر کوئلہ بن گیا ہے۔" نعمان نے کہا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

"اف۔۔۔ میرے سر میں درد تھا۔ پتا نہیں کیسے آنکھ لگ گئی۔" وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"آنکھ لگی ہے یا آگ۔۔۔ اس بات کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔" وہ ایک دم گرجا۔

"نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ چائے بنا کر لاؤں۔" وہ نعمان کا طیش زدہ چہرہ دیکھ کر کپکپا اٹھی۔

"ایک منٹ۔۔۔ یہاں آکر بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ پرابلم کیا ہے۔ میں تمہاری غائب دماغی کے یہ تماشے کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔" نعمان کو ترس آیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر قریب بٹھا لیا۔

"نہیں۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔۔۔" الماس نے نگاہیں چرائیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں ہو کیا رہا ہے۔ جسم تمہارا پھیل چکا ہے۔ وزن اتنا بڑھا لیا ہے۔ اوپر سے نہ ڈائٹنگ کرپاتی ہو اور نہ ہی واک اور ایکسرسائز۔" اس نے بیوی پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور بولا۔

"اتنی۔۔۔ کوشش تو کرتی ہوں۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ خوش نہیں ہوتے۔" اس نے دکھی ہو کر شوہر کو دیکھا، جس کی شخصیت وقت کے ساتھ ساتھ نکھرتی چلی گئی تھی۔

"خاک کوشش کرتی ہو۔۔۔ کسی کے یہاں آنا جانا، ملنا ملانا تم نے سب چھوڑا ہوا ہے۔۔۔ کوئی سوشل لائف نہیں رہی۔" اس نے بے زار منہ بنا کر ایک اور غلطی بتائی۔

"گھر کے کاموں سے فرصت ملے تو کہیں جانے کا سوچوں۔" اب کی بار تڑخ کر جواب آیا۔

"یہ بہانے چھوڑ دو۔۔۔ جانتا ہوں گھر کے کتنے کام ہوتے ہیں۔ بس الٹی سیدھی باتیں سوچ سوچ کر فضول قسم کے توہمات میں گھری رہتی ہو۔" نعمان نے اس کا اتنا بہترین مشاہدہ کیا کہ وہ چپکی رہ گئی، کوئی جواب منہ سے نہ نکلا۔

"گھر میں تمام نعمتیں موجود ہیں مگر تمہاری ناشکری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔" نعمان نے اس کے ستے ہوئے چہرے پر ملامتی نگاہ ڈالی، اور تولیہ اٹھا کر واش روم میں گھس گیا۔ الماس نے خاموشی سے اپنے گود میں رکھے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔

کچھ باتیں وہ اپنے شوہر سے بھی شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ اسے سسرال میں شروع دن سے جس ہستی سے نفرت تھی، وہ سارہ تھی۔ مگر۔ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی، یہاں تک کہ کبھی جائز بات پر ڈانٹنے پر بھی نعمان اس کا پیچھا لے لیتا۔ وہ صبر سے اس دن کا انتظار کرنے لگی، جب وہ بیاہ کر دوسرے گھر چلی جائے۔ اندر کی گھٹن اس وقت مزید بڑھ گئی، جب اس کا اپنا بھائی، سارہ کے عشق میں پاگل ہو گیا۔ بہن کی مخالفت پر اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ الماس کے لیے اپنی اکلوتی بھابھی کے روپ میں سارہ کو برداشت کرنا ایک مشکل عمل تھا۔ مگر وہ یہاں بھی ہار گئی۔ شکیلہ کو من موہنی سی سارہ شروع سے پسند تھی، انہوں نے بیٹی کا مان نہ رکھا اور بیٹے کی خواہش پر رؤف صاحب کے آگے دامن پھیلا دیا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد ان دونوں کی منگنی کر دی گئی۔

الماس کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ تھا، یا اپنی ہار کا صدمہ، وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہتی، جلتی، کلستی، اور پھر خوب کھاتی۔ بلا ضرورت، بے وقت بھوک، ہو یا نہ ہو۔۔۔ وہ کھاتی چلی جاتی، جس کی وجہ سے اس کا جسم بری طرح سے پھولنے لگا۔ سارہ کے دیے گئے القابات اب اس پر فٹ بیٹھ گئے۔ سارہ سے نفرت دن بہ دن بڑھتی چلی گئی اور وہ اس کی ترقی سے جلنے لگی۔ وہ جب بھی آئینہ دیکھتی، مایوس ہو جاتی۔ اسے لگتا جیسے سارہ

اب بھی دل ہی دل میں اسے موٹی، پھلکی کہہ کر مذاق اڑاتی ہو گی۔ حالانکہ یہ پہلے کی بات تھی اب تو سارہ کے وہم و گمان میں بھی ایسا کچھ نہ تھا۔ نعمان کے حوالے سے الماس اسے بہت عزیز ہو گئی تھی۔ وہ پیارے سے موحد کی مما جانی اور احسن کی اکلوتی بہن تھی اور وقت نے سارہ کو رشتوں کا احترام کرنا سکھا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عماد نے سارہ کاظمی کے ڈاکومنٹس میں سے اس کی تاریخ پیدائش دیکھ کر ذہن نشین کر لی، اتفاق سے سارہ کی سالگرہ اگلے مہینے تھی۔ عماد نے سوچا کہ اس خاص دن وہ سارہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے گا۔ وہ اک سرشاری کے عالم میں اٹھا۔ اس نے گاڑی کا رخ شہر کے مشہور مال کی سمت موڑ دیا۔ اس کے دل میں سارہ کے لیے کچھ تحائف لینے کی خواہش زور پکڑ گئی۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ ابھی دروازہ لاک کر کے اترنے ہی والا تھا کہ اسے سامنے سے ایک شادی شدہ جوڑا آتا دکھائی دیا۔ اس نے بغور دیکھا اور ٹھٹک کر اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ یہ تو نرمین تھی جو اپنے شوہر ریان کے پیچھے چلتی ہوئی، ہاتھوں میں ڈھیروں شاپنگ بیگز تھامے، قیمتی گاڑی کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔

"مجھے دکھوں کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے تنہا چھوڑ کر یہ اپنی زندگی میں کتنی خوش ہے۔" عماد کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ غصے اور بے بسی سے اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ دل نے چاہا کہ اس کے پاس جا کر سختی سے باز پرس کرے کہ کیوں اسے ایک وعدے میں باندھ کر خوشیوں سے دور کر دیا ہے۔

وہ بے اختیار ان دونوں کی جانب بڑھا۔۔۔ نرمین نے اسے دیکھا۔ مگر انجان بن کر پاس سے گزر گئی۔ عماد نے بھی ضبط کیا اور واپس پلٹ گیا۔

اس نے تیزی سے گاڑی بھگائی اور گھر لوٹ آیا، بھائیں بھائیں کرتا، بڑا سا ملک ہاؤس اسے کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا، اداسی بڑھتی چلی گئی۔

"پتا نہیں۔ میرا امتحان کب تک جاری رہے گا۔" وہ ساکت و صامت بیٹھا سوچنے لگا۔

"نرمین۔ تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟۔۔۔ کیا تھا جو تم امی کو ساری سچائی خود ہی بتا دیتیں۔۔۔ مگر تمہیں تو ان کی نگاہوں میں اپنا اونچا مقام قائم رکھنا تھا اور ملک عماد کے لیے اپنی زبان سے پھرنا بہت مشکل ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور سینہ سہلانے لگا۔

"امی۔۔۔" اس کا دل ماں سے بات کرنے کو مچلنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو۔ فوراً امریکہ کال ملائی۔

"بس۔۔۔ بیٹا۔۔۔ شوگر بہت پریشان کرنے لگی ہے۔" کبریٰ خانم نے عادت کے مطابق اس سے اپنی ساری تکالیف شیئر کرنا شروع کر دیں۔

"امی۔۔۔ اب تو لوٹ آئیں۔" اس نے کبریٰ خانم سے بات کی تو تھوڑا قرار حاصل ہوا اور ایک بار پھر ان سے پاکستان آنے کی درخواست کی۔

"ایسا کرو۔۔۔ تم یہاں آجاؤ۔" وہ جلدی سے بولیں۔

"امی۔۔۔ روز روز وہاں آنا آسان نہیں۔ مجھ اکیلے پر اتنے بڑے کاروبار کی ذمہ داری بھی تو ہے۔" اس نے اپنی مجبوری جتائی۔ "اچھا۔۔۔ یہ لو۔۔۔ عباد سے بات کرو۔۔۔ میری نماز کا ٹائم نکلا جا رہا ہے۔" انہوں نے فون چھوٹے بیٹے کو پکڑا دیا۔ عماد نے تھوڑی دیر بے دلی سے بھائی سے بھی بات کی اور پھر فون رکھ دیا۔

اس کے لیے اب خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہونے لگا تھا۔ ڈیڈی کے جانے کے بعد ماں کے بغیر جینا سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ سب کچھ سہ سکتا تھا، کبریٰ خانم کو دکھ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر حالات ایسے ہو گئے کہ وہ ہی ان کے دکھ کی وجہ بنا۔ یہ سب سہنا بہت مشکل تھا؟ شدت کرب سے اس نے آنکھیں میچ لیں۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم بھابھی!" الماس کے دروازہ کھولنے پر

اس نے آہستہ سے کہا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ آج پھر لیٹ ہوگئیں۔" الماس نے اسے بے حد دھیان سے دیکھنے کے بعد طنز کیا۔
"جی۔۔۔ ہماری آفس وین خراب ہو گئی تھی۔۔۔ رکشے سے آئی ہوں۔" سارہ نے سینڈل سے اپنے پاؤں نکال کر دباتے ہوئے جواب دیا۔
"اچھا۔۔۔ یہ لو چائے۔۔۔" الماس نے بغور سارہ کو دیکھا' فان کرتے اور براؤن ٹراؤزر میں وہ بہت منفرد لگ رہی تھی۔
"بھابھی۔۔۔ یہ رکھ لیں۔" سارہ نے چائے پینے کے بعد پرس کی زپ کھول کر لفافہ نکالا اور اچھی خاصی موٹی رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔
"یہ۔۔۔ اتنے سارے پیسے کس لیے؟" الماس کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔
"آج مجھے تنخواہ ملی ہے۔ موحد اور اپنے لیے شاپنگ کر لیجیے گا۔" اس نے بہت محبت سے کہا۔
"اس کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ رہنے دیتیں نا۔" وہ کھل اٹھی' نوٹ کس کر دبائے رکھے' مگر اوپر سے تکلف دکھایا۔
"بس۔۔۔ میری خوشی کے لیے۔۔۔" سارہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ پیسے واپس کرنے والی نہیں' پھر بھی اصرار جاری رکھا۔
"چلو۔ تم اتنا مجبور کرتی ہو تو میں رکھ لیتی ہوں۔۔۔ مگر وہ تمہارے بھائی کو خبر ہو گئی تو بلاوجہ ناراض ہوں گے۔" الماس نے جان بوجھ کر جتایا۔
"نہیں۔۔۔ کون بتائے گا۔۔۔" سارہ نے مسکرا کر یقین دلایا۔
"اچھا۔۔۔ تو پھر میں امی کے ساتھ بازار سے ہو آؤں۔ رات کا سالن پکا ہوا ہے۔ تم سب کے لیے روٹیاں ڈال دینا۔" الماس کو موقع مل گیا' جلدی سے پروگرام ترتیب دے کر ایک کام بتایا۔
"ٹھیک ہے بھابھی۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

☼ ☼ ☼

سارہ جیسے ہی الماس کی نگاہوں سے بچتی بچاتی' سیڑھیاں' پھلانگ کر چھت پر پہنچی' احسن نے اپنی آستینیں چڑھا کر اسے گھورا۔
"سو۔۔۔ سوری۔۔۔" سارہ نے ڈرنے کی ایکٹنگ کر کے اسے خوش کرنا چاہا مگر وہ سڑا منہ بنائے اسے ایک منٹ تک خاموشی سے گھورتا رہا۔
"آں۔۔۔ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو۔۔۔" سارہ اب تھوڑا گھبرائی۔
"تمہاری۔۔۔ مجھ سے کوئی دشمنی ہے کیا؟" اس نے بھنویں چڑھائیں۔
"نہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔" سارہ نے پریشان نگاہوں سے دیکھا۔
"تو پھر کیوں میری خوشیوں کی قاتل بنی ہوئی ہو؟" اب کی بار اس نے تنک کر پوچھا۔
"م۔یں۔۔۔ نے۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا؟" سارہ اس کے دیکھنے کے انداز پر بوکھلا اٹھی۔
"سارہ۔۔۔ امی نے کتنی مشکلوں سے نعمان بھائی کو ہماری شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے رضامند کیا۔ مگر بیچ میں تم نے روڑے اٹکا دیے۔" وہ درد بھرے انداز میں بولا۔
"احسن۔۔۔ شادی بھی ہو جائے گی۔۔۔ میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہوں۔" سارہ کے سمجھ میں ساری بات آئی تو ڈپٹ کر کہا۔
"کیا۔۔۔ پتا بھاگ جاؤ۔۔۔ تو۔۔۔" وہ زیر لب بولا۔
"اس کا مطلب ہے۔۔۔ تمہیں۔۔۔ مجھ پر اعتبار نہیں۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
سارہ۔۔۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو۔۔۔ عجیب۔۔۔ عجیب سے واہمے میرے من میں جاگ اٹھتے ہیں۔" احسن اس کے نزدیک آکر بولا۔
"میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔۔۔ بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' پھر میں نے اپنی کمپنی والوں سے ایک سال کا کانٹریکٹ کیا ہوا ہے۔ ایسے۔۔۔ میں شادی کا بکھیڑا۔۔۔" وہ جھلا اٹھی۔
"ڈیئر۔ ادھر آؤ۔۔۔" اس نے سارہ کو کاندھے سے تھاما اور لے جا کر تخت پر بٹھا دیا۔ خود اس کے سامنے

بیٹھ گیا۔

"اچھا... ذرا... میری آنکھوں میں دیکھو۔" احسن نے پیار سے سرگوشی کی' سارہ نے نگاہیں اٹھائیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"پلیز۔ احسن... اس طرح سے نہ کیا کرو۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کی محبت کا مقابلہ نہ کرسکی' نگاہیں چرانی پڑیں۔

"مجھ سے اب مزید انتظار نہیں ہوتا... تمہاری بہت سن لی' اب تم میرے دل کی سنو۔" اس نے زبردستی سارہ کی آنکھوں میں جھانکا' محبت کا جادو چل گیا۔

"میرے ساتھ یہ دھوکا بازی... ہاں..." وہ ایک دم اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہوئی اور اس کے فسوں سے آزادی حاصل کی۔

"جیسے کو تیسا۔" احسن دلکشی سے مسکرایا' جانتا تھا کہ اس کی خالص محبت کے آگے' سارہ کی ساری مدافعت دم توڑ دیتی ہے۔

"سارہ... پلیز... مان جاؤ نا۔" اس کا لہجہ ابھی بھی کانوں میں رس گھول رہا تھا۔

سارہ کی مڑی ہوئی پلکیں لرزنے لگیں' سفید گال سرخ پڑ گئے۔ گلابی لب کپکپانے لگے۔ وہ اس کی کیفیت سے لطف اٹھانے لگا۔

"مجھے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت دو گے۔" سارہ نے جلدی سے کہا اور جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"سنو۔" احسن نے اس کی نرم اجلی کلائی تھام لی۔ وہ پسینہ پسینہ ہوگئی۔

"سوچنے میں پورا سال نہ لگا دینا ورنہ..." احسن نے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو سائیڈ پر کیا اور قریب آکر کانوں میں سرگوشی کی۔

"احسن کے بچے۔" اس نے دانت کچکچا کر اسے دھکا دیا اور اپنے دل کو سنبھالتی ہاتھ چھڑاتی پیچھے بھاگی۔

"ہائے... ابھی کہاں ہیں؟" احسن کے چہرے پر شرارت پھیل گئی' پیچھے سے اچک کر آواز لگائی۔

☆ ☆ ☆

عماد ملک نے آفس جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے خصوصی توجہ سے' بالوں کو نئے انداز میں بنایا' اسکائی بلیو شرٹ اور بلیک پینٹ پہننے کے بعد خود پر جی کھول کے پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا۔ اس کے بعد خود کو آئینے میں ہر زاویے سے دیکھا۔ مگر وہ کسی طرح سے بھی مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

آج سارہ کاظمی کی برتھ ڈے تھی۔ وہ اس خاص دن کو مزید خاص بنانے کے لیے' ہر قیمت پہ پر اس کا دل جیتنا چاہتا تھا... اسے اپنے جذبوں کی شدت سے آگاہ کرتے ہوئے' پرپوز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے ملازم سے وہ سارے تحائف جو پچھلے ہفتے خریدے تھے' گاڑی میں رکھوائے اور آفس پہنچ گیا۔ سارہ کے کیبن کے پاس سے گزرتے ہوئے اندھیرا دیکھا تو دل ڈوب گیا۔

"مس سونیا... ذرا... سارہ کاظمی کو میرے پاس بھیجے گا۔" روم میں پہنچنے کے پانچ منٹ بعد اس نے انٹرکام کیا۔

"مگر سر... آج تو مس سارہ کاظمی نے آف لیا ہے۔" اس نے اپنی دلکش آواز میں بتایا۔

"خیریت... ایسے اچانک چھٹی۔" وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔

"پتا نہیں' کوئی پرسنل ریزن ہے... شاید۔" سونیا نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"او کے... تھینک یو۔" اس کے پاس کہنے کو کچھ اور نہ بچا تو ریسیور رکھ دیا۔

"سارہ... یہ تم نے اچھا نہیں کیا' میں سب سے پہلے تمہیں وش کرنے کے ساتھ گلاب کا پھول دیتا۔" اس نے سامنے پڑے پھول دیکھتے ہوئے سوچا۔ "کیوں نہ لنچ ٹائم میں اس کے گھر چلا جائے..." عماد نے گہرا سانس بھرا اور کرسی سے ٹیک لگا کر سوچا۔

"کیا یہ بات مناسب ہوگی؟" ایک لمحے کو جھجک آڑے آئی۔

"جب اوکھلی میں سر دے دیا تو موسلوں سے کیا ڈر۔" اسے اپنی امی کی سنائی ہوئی ایک کہاوت یاد آئی تو

وہ مسکرا دیا۔

در جاناں پر جانے کا سوچ کر اس کا ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا۔ وہ کرسی پر بہت اطمینان بھری کیفیت میں جھولنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو کبریٰ خالہ۔۔۔ آپ میری بات سن رہی ہیں نا۔ پلیز۔۔۔ مجھے معاف کر دیں۔" نرمین کی رنج و غم میں ڈوبی آواز ان کی سماعت پر کڑی گزری مگر ضبط سے کام لیتے ہوئے انہوں نے لب بھینچ لیے۔

"خالہ۔ میں ریان کی محبت میں اتنی پاگل ہو گئی تھی کہ کچھ اور سمجھ میں ہی نہیں آیا۔۔۔ مگر ان سب باتوں میں عماد بھائی کا کوئی قصور نہیں ہے۔۔۔ انہوں نے تو میرا مان رکھا اور۔۔۔ بس۔" اس کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔

"نرمین! بیٹ۔۔۔ کیا کہہ رہی ہو؟" کبریٰ جو سالوں بعد بھانجی کی آواز سن کر خوش ہو رہی تھیں، ایک دم حیرت زدہ رہ گئیں۔

"خالہ۔۔۔ مجھے معاف کر دیں۔۔۔ میں مجبور تھی۔" نرمین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔۔۔ کاش تم مجھے اسی وقت ساری سچائی سے آگاہ کر دیتیں تو کم از کم۔ عماد کو بے خطا سزا تو نہیں ملتی۔۔۔ میرا بچہ کتنا رہا۔۔۔ مگر۔۔۔ افسوس صد افسوس۔۔۔ میں نے اس کا یقین نہ کیا۔" وہ بولتے بولتے رو پڑیں۔۔۔ پچھتاووں نے ان کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"میں اس وقت ریان کی خود غرض محبت میں پاگل ہو کر آپ لوگوں کے خلوص کو فراموش کر بیٹھی، مگر عماد بھائی جب مجھے پچھلے دنوں ایک مال میں دکھائی دیے تو دل کے زخم ہرے ہو گئے۔۔۔ ریان اتنے شکی مزاج ہیں کہ میں نے جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کر دیا، مگر ان کے چہرے پر پھیلی یاسیت اور اداسی نے میری راتوں کی نیند اڑا دی، بس پھر میں نے سوچا کہ میں موقع دیکھ کر آپ کو ساری باتیں سچ سچ بتا دوں، زیادتی میری جانب سے ہوئی، مگر سزا انہوں نے بھگتی، وہ بے قصور ہیں۔" اس نے آہ بھرتے ہوئے اعتراف کیا۔

"تمہاری وجہ سے ہم ماں بیٹے نے سزا جھیلی۔ ایک بار کہہ کر تو دیکھتیں۔" سچائی جاننے کے بعد کبریٰ خانم کو لگا، جیسے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ شکوہ زباں تک آ گیا۔

"سزا تو میں بھی بھگت رہی ہوں خالہ! ریان کو صرف مجھے پانے کا جنون تھا، ورنہ وہ فطرتاً" ہرجائی طبیعت کا ہے۔ بہت جلد اس کی مصنوعی محبت کا پردہ فاش ہو گیا۔ مجھے سونے کے تاروں سے بنائے گئے پنجرے میں قید کر کے تنہائی کی سزا دینے کے بعد وہ خود نئے آسمانوں کی تلاش میں اڑان بھرتا پھرتا ہے۔ ایک پر قناعت اس کے مزاج کا حصہ جو نہیں ہے اور مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھا ہے۔۔۔ میں اس کی مرضی کے بغیر کسی سے بات تک نہیں کر سکتی۔ شاید عماد بھائی اور آپ کا دل دکھانے کا یہ انجام ہے۔" وہ کرب کی انتہاؤں پہ جا کر سچ بولتی چلی گئی۔

"میری بچی۔۔۔ یہ عذاب تم نے خود مول لیا ہے۔" کبریٰ نے غمگین لہجے میں کہا۔

"میں نے تو اپنی زندگی سے سمجھوتہ کر ہی لیا ہے۔ مگر عماد بھائی اور آپ سے معافی مانگنا ضروری تھی۔" اس کے لہجے میں کئی درد ایک ساتھ چیخ اٹھے۔

نرمین نے روتے ہوئے فون رکھا۔ اسے اس بات کا احساس شادی کے فوراً" بعد ہی ہو گیا تھا کہ ریان مرزا سے شادی کر کے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی بھول کی ہے۔ اسے پا کر ریان کی انا کی تسکین ہو گئی، محبت کا نشہ اترا تو والہانہ پن میں کمی واقع ہو گئی۔ ان دونوں کے درمیان دوریاں بڑھتی چلی گئیں۔ اسے تو خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی اسی لیے وہ نرمین کی صورت سے بھی بے زار رہنے لگا۔ اب اس کے نزدیک وہ محبوبہ نہیں بس بیوی رہ گئی، جس کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا، پھر وہ اپنی من مانی کیوں نہ کرتا۔

☼ ☼ ☼

وہ لنچ ٹائم میں جب تحائف سے لدا پھندا، رحمان

منزل پہنچا تو اتفاق سے گھر میں صرف الماس موجود تھی۔ سارہ اپنے بابا کو لے کر اسپتال گئی ہوئی تھی' ان کی طبیعت رات سے خراب تھی۔ نعمان کا آف کرنا مشکل تھا' اسی لیے سارہ نے چھٹی کرلی۔

الماس پہلے تو ایک اجنبی کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئی مگر جب عماد نے اپنا مکمل تعارف کروایا تو پھر وہ اس کے آگے بچھ بچھ گئی۔ عماد نے سارہ کی غیر موجودگی کا سنا تو ایک دم بجھ سا گیا اور دروازے سے ہی لوٹنے لگا۔ الماس نے اسے زبردستی اندر بلایا' ٹی وی لاؤنج میں بٹھانے کے بعد جلدی سے چائے بنائی اور پلیٹ میں نمکو' بسکٹ رکھ کر لے آئی۔

عماد کی بے چین نگاہیں' جس طرح گھر میں سارہ کو نہ پاکر مایوس ہوئیں' الماس کو ان آنکھوں کی تحریر پڑھنا مزہ دے گئی۔ اسے یہ بات سمجھنے میں بالکل دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ اپنے دل میں سارہ کے بارے میں خاص قسم کے جذبات رکھتا ہے۔

"اچھا بھابی... اب اجازت دیں۔" عماد نے چائے ختم کرتے ہی جانے کی اجازت طلب کی۔ سارہ کی نسبت سے اس نے الماس سے خود بخود رشتہ جوڑلیا تھا۔

"ارے بھائی کچھ دیر اور بیٹھیں... وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔" الماس نے بھی اپنائیت کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

"نہیں۔ بھابھی' بہت سارے کام چھوڑ کر آیا ہوں۔ اب آفس لوٹنا ہے۔" اپنی پوزیشن کا خیال کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگلی دفعہ آئیں تو اپنی فیملی کو بھی ساتھ لے کر آیئے گا نا۔" الماس نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاں... فیملی میں ہے ہی کون؟ امی اور بھائی' بھابھی۔ وہ لوگ بھی امریکا میں ہوتے ہیں۔" عماد نے متانت سے جواب دیا۔

"اوہ... اس کا مطلب ہے جناب کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی... گڈ۔" الماس من ہی من میں خوش ہونے لگی۔

"کچھ کہا آپ نے؟" عماد نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کے بعد سوال کیا۔

"نہیں... میں تو بس یہ ہی کہنا چاہ رہی تھی کہ آتے جاتے رہیے گا۔ اسی طرح رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔" اس نے ترپ کا پتا پھینکا۔

"کیوں... نہیں۔" وہ الماس کے خلوص کا مداح ہوگیا۔

"ہاں... آنٹی جب بھی پاکستان آئیں تو انہیں ہمارے گھر ضرور لائیے گا۔" الماس نے گرین سگنل دیا۔ اس نے خوش ہو کر حامی بھری۔

"امی... کو میری شادی کے لیے تو یہاں آنا ہی پڑے گا۔" بشاشت سے سوچا اور جانے کو قدم بڑھائے۔

الماس نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا' مگر اس کے حوصلہ افزا تبسم نے عماد کی ہمت کو بڑھاوا دیا۔ وہ الماس کو اللہ حافظ کہتا ہوا خوش خوش باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

احسن کھڑکی دروازے بند کیے بستر پر اوندھے منہ پڑا تھا' کمرے میں پھیلی تنہائی سے نبرد آزما ہوتا' خود سے لڑتا جھگڑتا' عجیب سی ذہنی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سارہ اس کے ساتھ ایسا بھی کرسکتی ہے' مگر اپنی آنکھوں سے اتنے مہنگے گفٹ دیکھنے کے بعد بھی اس پر یقین رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ایک گھنٹہ قبل جب وہ آفس سے لوٹ رہا تھا تو راستے سے سارہ کو وش کرنے کے لیے کیک اور کارڈ خریدا اور خوشی خوشی لے کر اوپر پہنچا۔ اس وقت سارہ گھر پر نہیں تھی' الماس کو تو موقع مل گیا اس نے عماد کی آمد کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے ساتھ تحفوں کا ڈھیر دکھاتے ہوئے بہت کچھ جتایا' وہ اداسی سے نیچے اتر آیا۔ بہن کے طعنے اسے بری طرح سے کھٹک رہے تھے۔ اپنا وجود ایک دم حقیر لگنے لگا' ہمت جواب دے

گئی تو کمرے میں جا کر خاموشی سے لیٹ گیا۔ شکیلہ کئی بار اسے اٹھانے آئیں' یاد دہانی کرائی کہ سارہ کو وش کرنے اوپر جانا ہے۔ یہ بھی بتایا کہ الماس کا فون آیا تھا' وہ ان دونوں کو بلا رہی ہے' مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سنی ان سنی کیے پڑا رہا۔ جانے کب احسن کی آنکھ لگ گئی۔ وہ نیند میں تھا جب دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا' آس پاس پھیلتی خوشبو سارہ کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔

احسن نے ایک آنکھ کھولی' ناراضی سے دشمنِ جاں کو دیکھا۔

"ا... حسن... انور۔" سارہ نے لال پیلی ہو کر اس کے نام کو کھینچ کر ادا کیا۔

"کیا ہوا؟ خیریت کیوں چیخ رہی ہو؟" وہ بالوں کو درست کرتا ہوا' اٹھ بیٹھا۔

"ظالم انسان میں نے کیک کاٹتے ہوئے تمہیں کتنا مس کیا' اوپر کیوں نہیں آئے۔ چلو اب... لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔" سارہ نے ایک تکیہ اٹھا کر اس کو دے مارا۔ لان کے سرخ قیمتی لباس میں وہ شعلہ جوالا بنی ہوئی تھی' مگر جوابی کارروائی نہ ہونے پر حیرت سے اسے دیکھا۔

"بس یار سر میں شدید درد ہے۔ لیٹا تو سو گیا؟" احسن نے سرخ آنکھوں کو ملتے ہوئے بہانہ بنایا۔

"میں سب سمجھتی ہوں کنجوس انسان! مجھے گفٹ دینے سے بچنا چاہ رہے تھے نا۔" سارہ نے شرارت سے چھیڑا' مگر بات جا کر دل کو لگی۔

"ہاں یار! میں اب کہاں تمہارے اسٹینڈرڈ کے گفٹ افورڈ کر سکتا ہوں۔" دکھی ٹوٹا ٹوٹا سا لہجہ' وہ پھر بھی نہیں سمجھی۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ ایک کال ہی کر لیتے۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔

"اوہ... شاید چارجنگ نہیں ہو گی' مگر میں تمہیں وش کرنے اوپر آیا تھا' تم انکل کے ساتھ اسپتال گئی ہوئی تھیں۔" اس نے سیل اٹھا کر چیک کیا پھر ڈھیرے سے کہا۔

"خیر... یہ لو کھاؤ میں کیک کاٹتے ہی تمہارے حصہ لے کر یہاں آ گئی ہوں۔" اس نے سائیڈ میں رکھی پلیٹ اٹھا کر بڑے مان سے پیش کی۔

"مزیدار ہے۔" اس نے کانٹے سے ذرا سا کونا اٹھا کر چکھا اور بے دلی سے تعریف کی۔

"کیا ہوا ہے؟" سارہ نے اس کی بے رخی کے برتاؤ پر اب کی بار چونک کر پوچھا۔

"ہاں... کیوں کیا کچھ ہوا ہے کیا؟" وہ انجان بن گیا۔

"لگتا ہے تمہاری طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہے' کچھ عجیب سے لگ رہے ہو۔" سارہ نے اس کے چھوڑے ہوئے پیس کو ختم کرنا شروع کیا۔

"سارہ... مجھے غلط نہ سمجھنا' مگر ایک بات کرنی ہے۔" اس نے سارہ کا ایک ہاتھ نرمی سے تھام کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

"جاؤ... نہیں سنتی۔" سارہ نے پلیٹ میں رکھے چاکلیٹ کیک کا آخری نوالہ منہ میں رکھا اور ہنسی۔

"سنو... تو۔" احسن کی آنکھوں میں برہمی نہیں درد کی لکیریں تھیں۔

"ہاں... بولو کیا بات ہے؟" بڑی معصومیت سے پوچھا اور انگلی پر لگی چاکلیٹ چاٹی۔ اس نے پھر بھی کچھ نہیں کہا تو سنجیدگی سے اس کو دیکھا۔

"اگر تم اس منگنی سے خوش نہیں ہو تو ہم اس بات کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔" نگاہیں ملانے سے احتراز برتا' خشک گلے سے بات مکمل کی۔

"کیا...؟" سارہ کے ہاتھ سے پلیٹ گر گئی اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"سارہ... پلیز مجھے غلط نہیں سمجھنا... مگر" اس کے ری ایکشن پر احسن نے سارہ کا دوسرا ہاتھ تھام کر نرمی سے کچھ کہنا چاہا۔

"ایک منٹ احسن انور! آپ مجھے ان فضول باتوں کے پیچھے چھپی وجہ بتا سکتے ہیں؟" وہ ہاتھ چھڑا کر ایک دم بپھر اٹھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ یا شاید حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ میں اب.... میں تمہارے قابل نہیں رہا تم نے ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کرلی ہیں اور میں وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا اور...." وہ اذیت سے بولتا چلا گیا۔

"میں.... ان احمقوں میں سے نہیں ہوں جو پیسے کی چمک دمک میں الجھ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں اگر آئندہ تم نے ایسی بات سوچی بھی تو...." وہ شدید درد سے مغلوب ہوئی۔ گلا رندھ گیا۔

"تو کیا؟" سارہ کے ردعمل نے جیسے اسے دوبارہ زندہ کردیا۔ دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں تک آگئی' اصرار کیا۔

"تو.... میں اپنی اور تمہاری جان ایک کردوں گی آئی سمجھ۔" وہ اس کو دھمکی دینے کے بعد کمرے میں ٹھہری نہیں' آنسو بہاتی' باہر نکل گئی۔

"سارہ.... کیا ہوا بیٹا؟" شکیلہ نے اسے یوں جاتا دیکھا تو پیچھے سے کئی آوازیں دے ڈالیں' مگر وہ اس وقت کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے اس کی زندگی کا اہم دن شک و شبہ میں پڑ کر برباد کردیا۔" احسن نے سر تھام کر خود کو سرزنش کی کہ الماس کی بے تکی باتوں میں آکر جانے کیوں اپنی محبت سے یقین کھو بیٹھا۔

☆ ☆ ☆

نعمان سونے کے لیے تھکا تھکا سا بیڈ روم میں آیا تو الماس بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی کسی سوچ میں گم دکھائی دی۔ ملگجے حلیے اور بکھرے ہوئے بالوں میں وہ بہت اجڑی ہوئی بے رونق سی لگی۔ اسے یوں دیکھ کر نعمان سمجھ گیا کہ اب اسے کوئی نیا غم لگا ہوا ہے۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟" انداز بے زاری سے بھرپور تھا۔

"نیند نہیں آرہی۔" الماس کے لہجے میں خود ساختہ درد چیخ اٹھے۔

"اب.... کیا ہوگیا ہے۔" اس کا جواب سن کر ماتھے پہ ناگواری سے کئی بل پڑ گئے۔

"آپ نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟" اس نے بھی سوال کیا۔

"میری.... مت ماری گئی تھی۔" وہ روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آچکا تھا سوتے ہوئے موحد کے گالوں کو چوم کر بیوی کی جانب دیکھا۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگنے لگا ہے۔ پہلے تو محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔" وہ چیخ کر بستر کی چادر جھاڑنے لگی۔

"الماس! دن بہ دن تمہیں کیا ہوتا جارہا ہے۔ ہر وقت منفی باتیں سوچنا۔ اگر مجھے تم سے محبت نہیں ہوتی تو کیا تم میری بیوی ہوتیں؟" نعمان کو اس پر ترس آیا' نرمی سے پاس بٹھا کر سمجھانا چاہا۔

"محبت.... آہ.... محبت...." الماس کو لگا' گویا محبت اس کا تمسخر اڑا رہی ہے۔

"میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی ناشکری عورت نہیں دیکھی' آخر کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟ اللہ نے تمہاری اوقات سے بڑھ کر نوازا ہے' مگر پھر بھی تم خوش نہیں رہتیں۔" وہ بھی زچ ہو کر چلایا۔

"آخر.... سچی بات زبان تک آہی گئی نا میں۔ آپ کے قابل ہی کہاں تھی؟" وہ بھی رنج والم میں ڈوب کر تکرار کرنے لگی۔

"تو اور کیا کہوں.... کیسے اپنی محبت کا یقین دلاؤں؟ تمہیں چاہا' عزت سے اپنا بنایا پھر بھی جانے ہر وقت کس بات کا سوگ مناتی ہو؟ تمہاری روتی صورت دیکھ کر مجھے خود پر افسوس ہوتا ہے۔ اپنی محبت پر پشیمانی ہوتی ہے۔" بے بس ہو کر نعمان نے بالوں کو مٹھی میں جکڑا' اس کا آگ برساتا لہجہ' الماس کا دل ڈوبا۔

"نعمان میں بھی ایسا نہیں چاہتی' مگر...." اس کے اعصاب بھی ٹوٹنے لگے۔

"آج سارہ کی برتھ ڈے پر بھی تم پورے وقت منہ بنا کر بیٹھی رہیں۔ بے چاری کا کیک کاٹنا مشکل ہوگیا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ زبان تک آگیا۔

"آپ.... کو تو بس اپنی بہن سے محبت ہے اس کا دکھ.... دکھ اور میں کچھ نہیں۔" دل کی جلن بھی زبان

تک آگئی۔

"میں اپنے طور پر تم سب کے ساتھ انصاف کرتا ہوں۔ جس کا جو مقام ہے اسے وہ دینے کی کوشش کرتا ہوں' مگر تم نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ میری بے چاری بہن نے جانے تمہارا کیا بگاڑا ہے' ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو؟" نعمان نے طیش میں آکر پوچھا۔

"اس گھر میں اسے ہمیشہ سے فوقیت دی گئی اور مصیبت یہ ہے کہ میرے میکے میں بھی اب اس کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ میں جاؤں تو کہاں جاؤں؟" وہ بری طرح سے سسکنے لگی۔

"ہاں تو یہ رشتہ بھی تمہاری امی کی ایما پر ہوا تھا' انہوں نے بابا سے اتنی درخواست کی ورنہ ہمارے یہاں تو وٹہ سٹہ نہیں ہوتا۔ اب بھی وقت ہے نہ کرو شادی۔ توڑ دو منگنی۔ میری بہن کو رشتوں کی کمی نہیں۔" اس کی انا پر چوٹ پڑی تو وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

"مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یہ کام تو آپ کی بہن صاحبہ خود کرنے والی ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" نعمان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

"میرے غریب بھائی میں اب اتنی سکت کہاں جو آپ کی بہن کے ناز نخرے اٹھائے۔ اب تو۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"الماس جو کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" سرخ آنکھیں' آگ برساتا لہجہ۔

"کچھ تو بات ہوگی ورنہ اتنے بڑے آفس کا مالک اپنی نئی ورکر کے لیے ہزاروں کے تحائف لے کر یوں ہی گھر تک نہیں پہنچ جاتا۔" اس کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ اپنی زبان کو لگام دو۔ میں سارہ کو اچھی طرح سے جانتا ہوں آئندہ میری بہن پر اس طرح کے الزام لگاتے ہوئے سو بار سوچنا۔ آئی سمجھ۔" نعمان نے انگلی اٹھا کر اسے دھمکایا گیا' سرخ ہوتی آنکھوں سے قہر و غضب کے شعلے لپکے۔

"میں۔۔۔ میں کسی غلط ارادے سے نہیں کہہ رہی ہوں' مگر عماد ملک نے مجھے سارہ کے رشتے کے لیے اپنی والدہ کو بھیجنے کا اشارہ دیا ہے۔" شوہر کو اس قدر گرجتے برستے دیکھ کر الماس نے باتوں کو گھما ڈالا۔

"میں۔۔۔ سارہ سے اس معاملے میں بات کروں گا۔ اگر تمہاری بات جھوٹ نکلی تو اپنے گھر جانے کی تیاری کرلینا۔" دھمکاتا ہوا لہجہ بہت سرد تھا۔

الماس نے۔ جھرجھری لے کر شوہر کو دیکھا جو نائٹ سوٹ اٹھا کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بے چینی حد سے بڑھنے لگی تو وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر دفتر سے باہر نکل آیا۔ بہت دیر تک وہ یونہی سڑکوں پہ بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا پھر اچانک کسی خیال کے تحت اپنا سیل فون نکالا اور عباد کا نمبر ملایا۔ صد افسوس کہ اس کا نمبر بند جا رہا تھا' اس نے لینڈ لائن پر کال ملائی وہاں سے بھی جواب نہیں ملا۔ مایوسی سے اپنا میسج ریکارڈ کرایا اور فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ اب سیدھی سڑک پر تیز رفتاری سے گاڑی بھگاتا چلا گیا' ماضی کے دھندلے سائے ایک ایک کر کے اس کے تعاقب میں دوڑنے لگے اور وہ ان دنوں میں کھو گیا جب نرمین کی وجہ سے ماں بیٹے کے بیچ میں ایک گہری خلیج قائم ہوگئی تھی جس کو پاٹنا بڑا کٹھن ہو رہا تھا۔

نرمین شام کو جس سینٹر میں یوگا کی کلاسز لیتی تھی وہیں اس کی ملاقات ریان مرزا سے ہوئی۔ وہ جو عماد ملک جیسے عام سی شکل و صورت کے لڑکے کے ساتھ بحالت مجبوری شادی پر رضامند ہوئی تھی ریان مرزا سے ملنے کے بعد اس کی شان دار شخصیت کے زیر اثر آکر سب کچھ بھلا بیٹھی۔ ریان اس سینٹر کے مالک کا چھوٹا بیٹا تھا۔ وہ لندن سے تعلیم حاصل کر کے حال ہی میں وطن لوٹا تھا۔ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا جو چار بہنوں کے بعد بڑی منتوں مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ اسی لیے اسے بہت ناز و نعم سے پالا گیا۔ اس کی ہر جائز و

ناجائز بات مانی جاتی جس کی وجہ سے ضد اور ہٹ دھرمی اس کی فطرت کا حصہ بن گئی' اب زمین اسے پسند آگئی تو اسے حاصل کرنے کو مچل اٹھا' وہ دونوں اکثر ایک دوسرے سے بات چیت میں اتنے مگن ہو جاتے کہ ڈرائیور زمین بی بی کے انتظار میں کھڑا رہ جاتا۔

زمین ان لمحوں میں سب کچھ بھول گئی' اپنی منگنی' خالہ کے احسانات اور چند مہینوں بعد ہونے والی شادی بھی۔ اسے بس سرمئی آنکھوں' دراز قد اور ورزشی جسم کے مالک ریان کے عشق نے پاگل بنایا ہوا تھا۔

کبریٰ خانم نے بھانجی کے روزانہ دیر سے آنے پر سرزنش کی تو وہ چڑ گئی' کلاسز ختم ہوئیں تو اس کے باہر نکلنے کا بہانہ بھی ختم ہو گیا۔ اب ریان سے صرف فون پر رابطہ ممکن تھا۔

ریان نے زمین کو خود سے دور جاتے دیکھا تو ملنے پر اصرار شروع کر دیا۔ زمین کے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کرے تو کیا کرے اس کی تو شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو چکی تھی' مگر اس نے ریان سے یہ ساری باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔ ڈرتے ڈرتے اسے سب کچھ بتانا پڑا۔ اس کی مردانہ انا پر شدید چوٹ پڑی۔ وہ اب کسی طور پر اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہ ہوا۔ وہ اس کی ضد بن گئی۔ زمین' کبریٰ خانم کو یہ بات نہیں بتا سکتی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو اس نے تنہائی میں عماد ملک کو ساری بات بتا دی اور ہاتھ جوڑ کر رو دی۔

اتنا بڑا انکشاف سن کر عماد اندر سے ہل گیا۔ لمحے بھر کو اسے زمین پر بڑا غصہ آیا' انا نے زور سے ڈنک مارا۔ دل نے اس کی خواہش رد کرنے کی صلاح بھی دی مگر پھر اس نے سوچا کہ زور زبردستی سے قائم کیے جانے والے رشتے کبھی پائیدار ثابت نہیں ہوتے۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر اور زمین کے مجبور کرنے پر اپنے اوپر ساری بات لیتے ہوئے ماں کے سامنے جا کر زمین سے شادی سے انکار کر دیا۔ کبریٰ خانم کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی' یہاں کارڈ چھپنے چلے گئے اور اب ایسے وقت میں اپنی زبان سے پھرنا ان کے لیے آسان بات نہ تھی۔ ان پر خاندان بھر میں رسوائی کا سوچ کر لرزہ طاری ہوا۔ پہلے تو انہوں نے عماد کے ہاتھ پیر جوڑ کر منانے کی کوشش کی' مگر اس کی مسلسل چپ ان کا غصہ بڑھاتی چلی گئی۔ بیٹے کو دھمکیاں بھی دیں' مگر اس مقام پر آ کر عماد بے بس ہو گیا۔ وہ زمین کے ساتھ کیے گئے عہد میں بندھا تھا' ماں کو سچائی بھی نہیں بتا سکتا تھا' سارے ستم خود پر برداشت کرتا' ماں کی نگاہوں میں معتوب ٹھہرا۔ آخر وہ بیٹے سے روٹھ گئیں۔

ان دنوں عماد کے لیے سانس لینا بھی اذیت ناک ہو گیا تھا۔ وہ شروع سے اپنی ماں سے بہت زیادہ اٹیچڈ تھا۔ زمین بار بار اسے اپنے عہد پر قائم رہنے کی درخواست کرتی۔ شادی کی تاریخ قریب آنے لگی' پھر زمین نے ریان کو رشتہ بھیجنے کے لیے کہا' وہ اپنی جیت پر سرشار دوسرے دن ہی والدین کو لے آیا۔ کبریٰ خانم کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا۔ انہوں نے بہت دھوم دھام سے دونوں کی شادی کرا دی۔

زمین کی شادی کے بعد عماد کو لگا جیسے اس کی آزمائشیں ختم ہونے والی ہیں' مگر اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔ کبریٰ خانم زندگی میں پہلی بار بڑے بیٹے کو تنہا چھوڑ کر خود چھوٹے والے کے پاس امریکا چلی گئیں' جہاں انہوں نے عباد اور ریشا کی شادی کرا دی۔ ان کا مان ٹوٹا تھا۔ بیٹے کو سزا تو دینی تھی۔ اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا تھا' مگر انہوں نے بڑے بیٹے کو معاف نہیں کیا اور نہ ہی پلٹ کر واپس آئیں۔ وہ روتا' گڑگڑاتا ماں کی منتیں کرتا خود ان سے ملنے امریکا پہنچ جاتا' مگر کبریٰ خانم نے اپنا دل پتھر کا کر لیا۔ وہ لوٹ کر واپس پاکستان نہیں آئیں۔

عماد ماضی سے پیچھا چھڑاتا' گھر کے سامنے پہنچا تو ملک ہاؤس کی ساری لائٹیں جلتی دیکھ کر تھوڑا حیران ہوا۔ وسیع کار پورچ میں لے جا کر اپنی بلیک مرسڈیز کھڑی کی۔ فضلو بابا نے سرعت سے بلیک آہنی گیٹ بند کیا اور مسکرا کر اپنے صاحب کو دیکھا۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا اور قدم آگے بڑھائے' ایک اچٹتی نگاہ ہزار گز پر پھیلے وسیع و عریض "ملک ہاؤس" پہ

ڈالی اور قدم زمین پر جم گئے۔ سامنے کبریٰ خانم ہاتھ پھیلائے مسکراتی ہوئی اس کے استقبال کو کھڑی تھیں۔ ان کے ساتھ عباد اور رشنا بچوں کے ساتھ مسکراتے دکھائی دیے۔ اس کا دل چاہا کہ بھاگ کر جائے اور ماں کی بانہوں میں سما جائے تاہم متانت سے کھڑا ان سب کو دیکھتا رہ گیا۔ اتنے انوکھے سرپرائز پر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بیٹے کی آنکھوں میں شبنم اترتے دیکھ کر کبریٰ خانم کی برداشت جواب دے گئی' تڑپ کر عماد کو گلے سے لگالیا اور نرمین کے بارے میں سب کچھ بتانے لگیں۔ وہ سن کہاں رہا تھا' بس ماں کے ہاتھ چومے چلا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارہ' نعمان کی پوری بات سن کر ساکت و صامت رہ گئی۔ نعمان صبح ہی اس کے روم میں پہنچ کر عماد ملک کے حوالے سے اپنے خدشات کلیئر کرنا چاہتا تھا۔

"سوری بھائی' مگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" اسے خود پر قابو پانا مشکل لگا' کئی لمحوں بعد جواب دیا۔

"میں... تمہیں اچھی طرح سے جانتا ہوں سارہ' مگر..." بہن کے جواب نے اسے شانت کر دیا۔ پھر بھی سمجھانا ضروری تھا۔

"مگر کیا؟" وہ گھبرائی۔

"کبھی کبھی جانے انجانے میں لوگ ہم سے غلط توقعات باندھ لیتے ہیں۔ انہیں پہلے قدم پر روک دینا ضروری ہوتا ہے۔" نعمان کا سنجیدہ انداز اسے کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگا۔

"مگر میں نے تو کسی کو کوئی امید نہیں دلائی۔ پھر بھی ایسا ہے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔" شفاف لہجہ اس کی سچائی کی عکاسی کر رہا تھا۔

"ہوں... پھر بھی اپنے طور پر ساری بات واضح کر دینا تاکہ کل کو کسی بڑی مصیبت سے بچ سکو۔" نعمان نے اسے اشاروں میں سب کچھ سمجھا دیا۔

"ٹھیک ہے بھائی' ایسا ہی ہوگا۔" سارہ نے پیار سے بھائی کے بازو کو چھو کر حامی بھری۔

"مجھے اپنی سارہ پر مکمل یقین ہے۔" نعمان نے اس کی شفاف پیشانی چومی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"اوہ! تو احسن صاحب کی بدگمانی کی بھی یہ ہی وجہ ہے۔" سارہ نے کچھ دیر سوچنے میں لگائی پھر ایک شاپر میں عماد کے لائے ہوئے سارے تحائف جمع کرنا شروع کر دیے جو اس نے ابھی تک کھول کر بھی نہیں دیکھے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ تنتناتی ہوئی اس کے روم میں داخل ہوئی اور سارے گفٹ شیشے کی میز پر رکھ دیے۔ عماد جو بڑا خوش خوش آفس آیا بیٹھا تھا' سارہ کے قہر و غضب پر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں ان عنایتوں کا سبب جان سکتی ہوں؟" وہ اتنے جلال میں یہ بھی بھول گئی کہ کہاں کھڑی ہے اور کس سے مخاطب ہے۔

"ایک منٹ سارہ! پلیز... آپ بیٹھ جائیں ہم آرام سے بھی بات کر سکتے ہیں۔" عماد نے متانت سے کہا تو وہ اس کے سامنے بچی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سر' کیا آپ اس بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟" اس نے خود پر قابو پا کر اسے منتظر نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ ہمارے آفس کی ایک قابل قدر ایمپلائی ہیں اس لیے...؟" سارہ کی آنکھوں میں زبردستی جھانکتے ہوئے وہ بے حد گمبھیر آواز میں بولا۔

سارہ کے دل کو ہمیشہ کی طرح کچھ ہوا۔ اس نے ایک بار پھر اعتراف کیا کہ بے حد عام سے عماد ملک کی آواز بے انتہا خوب صورت اور پراثر تھی۔ سارہ نے جھرجھری لی اور خود کو اس آواز کے سحر سے آزاد کرایا۔

"تو کیا آپ اس آفس میں جاب کرنے والے ہر ورکر کے گھر جا کر اس پر تحائف کی برسات کرتے ہیں؟" وہ اس قدر معنی خیزی سے بولی کہ عماد کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرا گیا۔

"نہیں.... کیوں کہ ہر کوئی سارہ کاظمی نہیں ہے۔ سارہ صرف ایک ہی ہے جسے عماد ملک دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ اس وقت سے جب وہ اپنے بابا کے ساتھ اسپتال آئی تھی۔" اس نے کچھ سوچ کر اپنا حال دل بیان کر دیا۔

"یہ.... کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"سارہ.... میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے پہلی نگاہ کی محبت کا بالکل بھی یقین نہ تھا، مگر جانے کیوں تمہیں دیکھتے ہی...." عماد نے پوری بات اس کے گوش گزار کی۔ سارہ بہت دیر تک غیر یقینی سے اسے گھورتی رہی، قدرت کے اس انوکھے اتفاق پر اس کا دل حیران تھا۔

"سارہ.... اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اپنی امی کو آپ کے گھر رشتے کے سلسلے میں بھیجنا چاہتا ہوں۔" عماد نے تھوڑی دیر بعد بڑی نرمی سے ایک سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"میں.... آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں مگر...." سارہ کے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس شخص کو کیسے انکار کرے۔ جو اتنے دنوں سے من ہی من میں اسے پوجتا رہا ہے۔

"ہاں.... میں جانتا ہوں کہ میں کسی بھی طرح تمہارے قابل نہیں ہوں۔ تم آسمان کا چاند ہو اور میں زمین پر پڑا حقیر ذرہ، مگر بس اتنا سمجھ لو کہ میرے جذبے خالص اور بہت قیمتی ہیں۔" بڑی امیدیں لیے ہوئے اس کا دلکش انداز خوب صورت لہجہ بھی اثر نہ دکھا سکا، ایسا ہونا ممکن ہی نہ تھا۔

"یہ بات نہیں ہے کہ آپ میرے قابل نہیں، اصل میں میری منگنی ہو چکی ہے اور جلد ہی ہم دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔" اس نے رک رک کر بتایا۔ دل سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگا۔

"اوہ.... مائی گاڈ۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"یہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔" اس کے چہرے پر اچانک ابھرنے والے رنج و الم کے تاثرات دیکھ کر سارہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گئی۔

"میں نے اپنی پہلی محبت.... اپنی چاہت کو کھو دیا۔ کاش یہ بات مجھے پہلے پتا ہوتی تو...." عماد کی نگاہوں میں شکوے اور درد تیرنے لگے۔

"سو.... سوری میں اس بات سے ناآشنا تھی کہ آپ...." کچھ نہ کرتے ہوئے بھی وہ خطاوار ہو گئی۔ اذیتوں کے تیز ریلے میں بہتے ہوئے اس کا وجود بکھرنے لگا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کی ایک لکیر کھنچ گئی۔

کافی دیر بعد عماد ملک نے بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ سارہ کے گلاب سے ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جھڑ رہی تھی۔ اس نے خود پر قابو پایا۔

"سارہ میں.... آپ کی زندگی میں آنے والی خوشیوں کے لیے دعاگو ہوں۔ زندگی میں کبھی بھی کسی قسم کی ضرورت پڑے تو ایک دوست کی حیثیت سے مجھے آواز ضرور دیجیے گا۔" وہ بڑے وقار سے بولتا چلا گیا۔

"تھینک یو...." اس کی آنکھیں سینت سینت کے رکھے گئے جذبوں کی عکاسی کر رہی تھیں، سارہ کاظمی کا دل ملامت کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اسے اپنے حلق میں خراش کا احساس ہوا، ڈھلتی شام کے ساتھ خود سے بے گانی ہو کر چلتے ہوئے وہ آفس کی عمارت سے باہر چلی آئی، ایک سرد سی اداسی اس کے وجود میں سرایت کر گئی۔ وین ڈرائیور نے ہارن بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا، مگر اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ سب کو نظر انداز کرتی تارکول کی سیاہ سڑک پہ سیدھی چلتے ہوئے عماد ملک کے بارے میں سوچنے لگی۔

"احسن.... تم کہاں ہو؟" دل کی ویرانی حد سے زیادہ بڑھنے لگی تو اس نے بے اختیار ہو کر پکارا۔

"چلو پیچھے بیٹھو۔" احسن انور نے ہمیشہ کی طرح اس کے دل کی آواز سن لی اور اسے سہارا دینے آپہنچا۔

"تم.... یہاں کیسے....؟" سارہ نے چونک کر بائیک پر بیٹھے احسن کو دیکھا اور سکون بھرا سانس لیا۔ اس کا ہونا اس وقت بہت ضروری تھا۔

"بس یار! آفس سے نکلا تو اچانک دل گھبرانے لگا۔ تمہاری یاد نے ستایا' کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو بائیک کا رخ اس راستے پر موڑ لیا۔ شکر ہے کہ تم آفس وین سے گھر نہیں گئیں۔" اس نے سارہ کے پیچھے بیٹھنے کے بعد شیشے میں اسے دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی اور بائیک کی رفتار تیز کی۔

"احسن... آج میں بہت اداس ہوں۔" اس سے بے چینی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"کیوں... کیا ہوا؟" بے قراری سے شیشے میں جھانک کر پوچھا اس کی ساری توجہ سارہ کی طرف منتقل ہو گئی' اور غلط سمت سے آتی ہوئی تیز رفتار گاڑی پر نظر نہیں پڑی۔ ٹائرز بری طرح سے چرچرائے اور بائیک پیچھے سے ہٹ ہوئی۔ وہ دونوں لہراتے ہوئے زمین پر جا گرے۔

آفس کے نزدیک واقع شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر ان کی کرب ناک چیخیں بلند ہوئیں۔ دونوں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے۔ راہ گیر جائے حادثہ کی طرف دوڑ پڑے۔ احسن کا وجود سڑک کے بیچ میں پڑا تھا۔ اسے معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر پیچھے بیٹھی سارہ بری طرح سے زخمی ہوئی تھی اس کے سر کے آس پاس خون پھیلا ہوا تھا۔ سارہ کا بیگ ایک طرف الٹا پڑا تھا۔ سیل فون ہاتھ سے نکل کر لڑھکتا ہوا فٹ پاتھ سے جا ٹکرایا۔ لوگ ان پر جھکے ہوئے زور زور سے بول رہے تھے۔ کچھ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ کچھ نے اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔

عماد تھوڑی دیر بعد اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے آفس سے نکلا تو سڑک پر لوگوں کا جم غفیر دیکھا۔ حادثے کا سن کر بے اختیار اتر کر دیکھا تو اس کی نگاہ ہوش و حواس سے بیگانہ سارہ پر پڑی اور وہ لرز کر رہ گیا۔ حادثے نے اس کے بنے سنورے وجود کو پل میں مٹی میں رول دیا تھا۔ عماد نے اسے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ احسن کو بھی ایک اور گاڑی میں ڈال کر دھڑکتے دل کے ساتھ شہر کے سب سے مشہور اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

کئی گھنٹوں سے سارہ آئی سی یو میں زندگی اور موت کی کشمکش میں گھری ہوئی تھی۔ اس کا سارا بدن پٹیوں اور پلاستر سے کسا بندھا تھا۔ احسن اور عماد شدید پریشانی کی حالت میں آئی سی یو کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ احسن کی چوٹیں اتنی... خطرناک نہیں تھیں اس لیے ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔

عماد کی اطلاع پر باقی لوگ اسپتال پہنچ گئے۔ رؤف کاظمی کی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل اشک برسا رہی تھیں۔ شکیلہ بھی اسپتال کے فرش پر جائے نماز بچھائے ہونے والی بہو کے لیے مسلسل دعائیں پڑھ رہی تھیں' الماس بھی سارہ کی صحت یابی کے لیے بہت پریشان تھی' اندر سے اٹھنے والی شرمندگی کی لہر اسے بے قرار کرنے لگی۔

عماد ملک شام سے یہاں موجود تھا۔ اس نے نعمان کے منع کرنے کے باوجود سارہ کے علاج کی مکمل ذمہ داری اٹھالی' وہ جانتا تھا کہ اتنے بڑے پرائیویٹ اسپتال کا خرچہ اٹھانا ان لوگوں کے لیے دشوار ہو گا۔ وہ سارہ کے معاملے میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

چوبیس گھنٹے بعد سارہ کی حالت خطرے سے باہر ہوئی تو سب نے سکون کا سانس لیا۔ باری باری جا کر اسے دیکھا۔ اب وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ نعمان کے کہنے پر سب لوگوں کو مجبوراً" گھر جانا پڑا۔ احسن ابھی مزید رکنا چاہ رہا تھا' مگر اس کے زخموں میں الگ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں' اسی وجہ سے الماس زبردستی اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ سب کے جانے کے بعد نعمان کو خیال آیا تو اس نے عماد کا شکریہ ادا کیا اور گھر جا کر آرام کرنے کا مشورہ دیا' مگر وہ کسی حال میں بھی اس بات کے لیے رضامند نہ ہوا۔ حالات ایسے ہو چکے تھے کہ نعمان کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ درحقیقت وہ اس کے خلوص کے آگے ہارنے لگا تھا۔

عماد نے دروازے پر لگے شیشے سے جھانک کر سارہ

کو دیکھا۔ اس کے لیے یہ لمحات بہت اذیت ناک تھے' سفید چادر میں چھپا اس کا ہوش و حواس سے بیگانہ وجود اس کے لیے پل صراط بنا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے تیسرے پہر سارہ کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اسپتال کے ایک وی آئی پی روم میں پایا۔ اس نے ذہن پر زور ڈالنا چاہا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہی' مگر کچھ یاد نہ آیا۔

"میں... میں کہاں ہوں...؟" اس نے اٹک اٹک کر پوچھا۔

"آپ... اسپتال میں ہیں۔" نائٹ شفٹ کی اسٹاف نرس مارگریٹ نے اس۔ کی ڈرپ چیک کرتے ہوئے مستعدی سے جواب دیا۔

"میرا ساتھی...؟" اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا' تو فوراً "احسن کا خیال آیا۔

"جی... وہ ٹھیک ہیں...." نرس کی بات سے اس کے دل کو سکون حاصل ہوا۔ اتنے میں عماد ملک اندر داخل ہوا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری جان بچ گئی۔" عماد نے اسے ہوش میں دیکھا تو رنج و محبت کے ملے جلے احساس کے ساتھ کہا۔

"مجھے یہاں کون لایا...؟" اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر عماد کو تعجب سے دیکھا اور سوال کیا۔

"میں تمہیں یہاں لے کر آیا تھا۔" عماد نے جھک کر اسے پورا واقعہ سنایا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ..." وہ مشکور نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی' اچانک پورا وجود درد بن گیا۔ اس کی ایک دم چیخ نکل گئی۔

"آپ... زیادہ ہلنے جلنے کی کوشش نہ کریں۔" مارگریٹ نے اسے ٹوکا۔

"بہت برا حادثہ تھا۔" سارہ ان لمحات سے خوف زدہ تھی۔

"سارہ... اب اس بری گھڑی کے بارے میں بالکل کچھ نہ سوچیں۔ آپ کو آرام و سکون کی سخت ضرورت ہے۔ چپ چاپ آنکھیں بند کرکے لیٹ جائیں۔" عماد نے اس کی جانب محبت بھری نظروں سے دیکھا اور نعمان کو بلانے باہر نکل گیا۔

سارہ نے کروٹ لینی چاہی تو خود کو بے بس پایا۔ درد کے مارے اس کے منہ سے ایک بار پھر کراہیں نکل گئیں۔ مارگریٹ نے جلدی سے اسے پین کلر کھلائیں۔

"جوان جہان لڑکی' پتا نہیں اپنے پیروں پر دوبارہ چل بھی سکے گی یا نہیں۔" نرس مارگریٹ نے اس کے سر کے نیچے تکیہ درست کرتے ہوئے ایک ہمدردانہ نگاہ ڈالی۔ سارہ کے فوری طور پر کافی ٹیسٹ لیے گئے تھے' اس کے دونوں پاؤں اور ریڑھ کی ہڈی بری طرح سے متاثر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر فوری طور پر کچھ کہنے کے قابل نہ تھے۔

☼ ☼ ☼

سارہ کے علاج کے سلسلے میں عماد ملک سے مدد لینا نعمان کی حمیت کو گوارا نہیں ہو رہا تھا' اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اپنی بہن کے اسپتال کا خرچہ نہ اٹھائے' مگر اس کی کل پونجی بینک میں پڑے چند ہزار روپے تھے جس سے ایک دن کی دوا ہی آسکتی تھی۔ دل پہ جیسے کوئی نادیدہ بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ بوجھ برداشت کرنا اس کی مجبوری تھی۔ فی الحال وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں جو نہیں تھا۔

"نعمان... میں تھوڑی دیر کے لیے گھر جا رہا ہوں۔ امی کافی پریشان ہیں۔ ان کے کئی فون آچکے ہیں۔" عماد کی آواز سے اس کے خیالوں کی ڈور ٹوٹ گئی۔

"اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے... یہ تو آپ کی اچھائی ہے جو آپ نے اس مشکل گھڑی میں ہمارا اتنا ساتھ دیا۔" نعمان جو بینچ پر بیٹھا تھا' کھڑا ہو کر مشکور لہجے میں بولا۔

"ارے... ارے' آپ بیٹھیے نا پلیز! اور آئندہ اس طرح کی بات مت کیجیے گا۔" عماد نے باقاعدہ اصرار

کرتے ہوئے اسے بٹھادیا۔

"عماد صاحب... اگر دنیا میں سب اس انداز میں سوچیں تو پریشانیاں کم نہ ہو جائیں۔" نعمان کی آواز بھرّا گئی، آنکھیں نم ہو گئیں۔

"یہ میرا کارڈ رکھ لیں۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو... فیل فری ٹو کال می۔" اس نے نعمان کی بات خندہ پیشانی سے سنی، کچھ دیر سوچنے کے بعد جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا کارڈ نکال کر اسے تھمایا۔

"شکریہ... مگر مجھے ایک بات اور کرنی تھی۔" نعمان کچھ بولتے ہوئے تذبذب کا شکار ہوا۔

"جی... کیا بات ہے؟" عماد جو جانے کے لیے قدم بڑھانے والا تھا، ٹھہر گیا۔

"آپ نے ہمیں بہت عزت بخشی ہے۔ اس کے لیے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ میری بات کو مائنڈ مت کیجیے گا، مگر ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ سارہ کا علاج میں کراؤں فوری طور پر تو یہ میرے لیے ممکن نہیں، لیکن یقین جانیے میں آپ کے پیسے تھوڑے تھوڑے کر کے چکادوں گا۔" اس کا سر جھکتا چلا گیا۔

"نعمان کاظمی شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" عماد دلکشی سے مسکرایا۔

"جی؟" وہ ایک دم گھبرا اٹھا۔

"دیکھیں، سارہ ابھی بھی ہماری ایمپلائی ہیں۔ اس لیے اسپتال کے بل اور علاج پر خرچ ہونے والی رقم اس میڈیکل سے ادا کی جارہی ہے جو انہیں کمپنی کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اگر سارہ کی جگہ کوئی اور آفس ورکر بھی ہوتا تو اس کے علاج کی ذمہ داری کمپنی اٹھاتی۔ یہ چیز ہماری ہیلتھ پالیسی میں شامل ہے۔ اس لیے آپ اس معاملے میں بالکل فکر مند نہ ہوں۔ آپ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔ یہ سارہ کا حق ہے۔" عماد نے اس کا کاندھا تھپک کر بتایا اور وہاں سے چل دیا۔ نعمان کے دل میں اس کی قدر میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ کہہ نہ سکا کہ یہاں کس کو اس کا حق ملتا ہے۔

☆ ☆ ☆
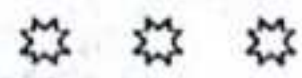
ایک مہینہ اسپتال میں گزارنے کے بعد جب وہ گھر لوٹی تو اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ اس میں گھر والوں کی توجہ بھی شامل تھی۔ نعمان نے دفتر سے چھٹی لے رکھی تھی۔ ہر وقت بہن کے پاس موجود رہتا۔ الماس اور شکیلہ بھی ایک دن چھوڑ کر چکر لگاتیں، احسن شروع کے دو ایک دن تو گھنٹوں بیٹھا رہا اور ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دل بہلاتا، ہنساتا، مگر جانے کیا ہوا کہ عماد ملک کی موجودگی اسے ناگوار گزرنے لگی، وہ عماد کی موجودگی میں بجھا بجھا سا رہتا اور اس کے پہنچتے ہی وہاں سے فوراً" اٹھ کر چلا جاتا۔

وہ لوگ اس معاملے میں کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ ان جانگسل لمحوں میں عماد ملک نے جس خلوص اور جانفشانی سے اس کا خیال رکھا، وہ ناقابلِ فراموش تھا۔ عماد کی امی بھی ایک بار اس سے ملنے آئیں اور خوب دعائیں پڑھ کر اس پر پھونکیں۔ سارہ ان کی محبت سے بھی کافی متاثر ہوئی۔ رؤف کاظمی اور نعمان کو بھی وہ سادہ سے لوگ پسند آئے جنہیں اپنے روپے پیسے کا تھوڑا سا بھی غرور نہ تھا، الماس بھی ان لوگوں کے آگے پیچھے پھرتی رہی۔

سارہ کو ڈسچارج کرانے کے بعد جب رحمان منزل لایا گیا تو اس نے عمارت پر حسرت زدہ نگاہ ڈالی، ایسا لگا جیسے کئی سالوں بعد اپنے گھر لوٹی ہو۔ نعمان نے بہن کو گاڑی سے اتار کر جب وہیل چیئر پر بٹھایا تو اس کے لیے یہ بہت صبر آزما لمحہ تھا، وہ یہاں سے وہاں اپنے پیروں پر چلتی پھرتی، دوڑتی بھاگتی تھی اور اب ان لوگوں کے ہاتھوں پر اوپر لے جائی گئی، باپ کے سامنے اس نے اپنی ہمت بندھائے رکھی، مگر کمرے میں جاتے ہی سارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، وہ بستر پر لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ نعمان کمرے میں داخل ہوا تو سارہ نے روتے ہوئے گردن گھما کر بھائی کو دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ میں جگمگاتا غرور کہیں کھو گیا تھا، نعمان کے دل کو دھچکا لگا۔ وہ اسے بہت اداس اور ٹوٹی بکھری، بے یقینی سے بھائی کی جانب دیکھتی رہی۔

"سارو... جان... ہمت سے کام لو... تم جلد ہی

اپنے پیروں پر چلنے لگو گی۔" نعمان نے بہن کو گلے لگا کر تسلی دی' اسی اثنا میں الماس چائے کی پیالی لیے اندر چلی آئی وہ جو ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی تھی' جانے کیوں سارہ کو اس حالت میں دیکھ کر اسے خوشی نہ حاصل ہو سکی۔

"یہ احسن کہاں ہے؟ دو دن سے اسپتال بھی نہیں آیا۔" چائے کی پیالی ختم کرتے ہوئے نعمان نے الماس سے پوچھا تو سارہ کو اس کا خیال آیا۔ واقعی وہ کتنا بدل گیا تھا۔ کتنے دن ہو گئے' نہ کال کی نہ ہی اس کا کوئی ٹیکسٹ آیا۔ اس کی بیماری کے دوران بھی کھڑے کھڑے اسپتال آتا۔ سارہ کو ایک نئی فکر لاحق ہو گئی۔ اس سے نگاہ اٹھا کر بھابھی کی طرف دیکھا بھی نہیں گیا جو بہانے پر بہانے بنائے چلی جا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

بستر پر نیم دراز' کھلی کھڑکی سے وہ آسمان کو تکتے ہوئے' سارہ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ تب کبریٰ خانم کے مخصوص قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ماں کے احترام میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بیٹا آج کل کہاں غائب رہتے ہو... میں تو تمہاری صورت دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔" انہوں نے عماد کے پاس بیٹھ کر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"آفس میں کام کا لوڈ ہے پھر سارہ کی وجہ سے الگ پریشان ہوں... میں اس کو جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا دیکھنا چاہتا ہوں۔" عماد کا انداز تھکا تھکا سا تھا۔

"تم کہو تو میں سارہ کے بھائی سے تم دونوں کے رشتے کے سلسلے میں بات کروں؟" انہوں نے بیٹے کو محبت سے دیکھ کر پوچھا۔

"امی... سب کچھ جاننے کے بعد آپ ایسی بات کیوں کر رہی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں دکھ ہلکورے لینے لگا۔

"تو کیا کروں... تمہیں... نا آسودہ اور تشنہ دیکھتے دیکھتے اس دنیا سے چلی جاؤں۔" وہ بیٹے کی محبت سے مغلوب ہو کر بولیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ویسے بھی ان حالات میں تو کوئی بات منہ سے نکالیے گا بھی نہیں... کہیں ان کے دل میں یہ بات نہ آجائے کہ ہم اپنے احسان کا بدلہ چاہ رہے ہیں۔" عماد نے بڑھ کر ماں کو گلے سے لگا کر تسلی دی۔ وہ ان کے جذبات سمجھ رہا تھا۔

"پتا نہیں... لکھنے والے نے تمہاری تقدیر میں کیا لکھا ہے... پہلے نرمین اور اب سارہ۔ میری التجائیں' دعائیں۔ لگتا ہے کہ لوٹ کر واپس آرہی ہیں۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے خاصی مایوس ہو گئیں۔

"ایسا بالکل نہ سوچیں اور اللہ سے اچھی امید رکھیں... میں نے کسی کا برا نہیں چاہا۔ وہ بھی میرے ساتھ برا ہونے نہیں دے گا۔" عماد نے ماں کا ہاتھ تھام کر بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

"ان شاء اللہ۔" انہوں نے فخر سے عماد کو دیکھا' جس نے ہمیشہ خود کو توڑنے کے بعد لوگوں کو جوڑا۔

☼ ☼ ☼

"کمال ہے ایسی بھی کیا مصروفیت؟" سارہ نے سوچا اور سیل فون اٹھا کر کال ملائی' مگر دوسری طرف سے لائن کاٹ دی گئی' اس نے کئی بار نمبر ملایا' مگر ہر بار ایسا ہی ہوا' اس کے بعد نمبر بند ہو گیا۔ وہ شاک سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی۔

"احسن بہت بدل گیا ہے... اب اس کے پاس میرے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ بھابھی کا بھی دن میں زیادہ وقت نیچے ہی گزرتا ہے۔ لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔" اس نے اسٹک تھام کر وقت سے چلتے ہوئے سوچا۔

"اوہ... احسن کا فون آگیا... میں ایسے ہی مشکوک ہو رہی تھی۔" گھنٹی بجنے پر سارہ نے خوش ہو کر فون کان سے لگایا۔

"ہیلو... مس سارہ... کیا حال ہے؟" عماد ملک کی بھاری' دلکش مردانہ آواز اس کی سماعت میں اتری تو وہ بجھ سی گئی۔

"او... آپ... جی... میں ٹھیک ہوں۔" خود کو سنبھالنے کے بعد وہ بولی۔

"آپ کو کیا کسی اور کے فون کا انتظار تھا۔" عماد ملک سمجھ گیا تھا' تجسس سے پوچھا۔

"آپ نے میرے علاج معالجے میں بہت مدد کی' میں آپ کا یہ احسان کبھی بھی نہیں اتار سکتی' مگر معذرت کے ساتھ ایک بات ضرور کہنا چاہوں گی کہ اپنی ذاتیات میں کسی کی دخل اندازی مجھے پسند نہیں۔" اس نے طیش اور اشتعال میں کسی کا غصہ کسی پر اتارا۔

"سوری سارہ... مگر... میں نے صرف اس لیے کال کی تھی کہ آپ کی رپورٹس بہت اچھی آئی ہیں۔ کل سے آپ کو فزیو تھراپی کے لیے جانا ہوگا' اس کے بعد ان شاء اللہ آپ بغیر کسی سہارے کے چل سکیں گی۔" سارہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نہیں پتھر تھے جو اسے زخمی کر گئے' عماد کی رنگت سرخ پڑ گئی۔ اس کے باوجود خود پر کنٹرول کیا۔

"عماد... سوری... میں بہت زیادہ اپ سیٹ ہوں۔ اسی ٹینشن میں جانے منہ سے کیا کچھ نکل گیا۔" اس نے پیشانی مسلتے ہوئے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں... سارہ آپ اپنا غصہ مجھ پر اتار سکتی ہیں... انی وے... کل سے ڈرائیور آپ کو ٹائم پر پک کرلے گا اور فزیو تھراپی کرانے کے بعد گھر چھوڑ جائے گا۔" اس کی معذرت پر عماد کا ملال جاتا رہا۔ مسکرا کر بولا اور لائن کاٹ دی۔

☼ ☼ ☼

احسن اپنی بائیک پر کہیں جانے کے لیے باہر نکلا۔ گھر کے باہر عماد ملک کی مہنگے برانڈ کی کار کھڑی دکھائی دی تو اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔ دوسری طرف سے نعمان' سارہ کو تھامے گاڑی کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ اس نے سلام کیا' مگر دونوں بھائی بہن کافی جلدی میں دکھائی دیے۔ اس نے بس اشارے سے جواب دیا۔

ڈرائیور نے کار سے باہر نکل کر انتہائی عزت و تعظیم کے ساتھ سارہ کے لیے دروازہ کھولا۔ سارہ اپنی اسٹک اندر رکھنے کے بعد سنبھل کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور گھوم کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا اور زن سے کار اڑا لے گیا۔ وہ فزیو تھراپی کے لیے جارہی تھی۔

"یہ... کہاں جارہی ہے؟" احسن کے دل پہ زوردار چوٹ لگی۔ اپنے مفتوحہ علاقے کو ہاتھوں سے جاتا دیکھ کر اس کے احساس ملکیت کو بڑی زوردار ٹھیس لگی۔

"آج کل کہاں ہوتے ہو بھائی...؟" نعمان نے سالے کو دیکھ کر بے اعتنائی دکھائی۔

"بھائی جان جب سے پروموشن ہوئی ہے۔ آفس میں لیٹ سٹنگ کرنی پڑرہی ہے۔" بہنوئی کے طنز سے اس کے خیالوں کی ڈوری ٹوٹی تو گڑبڑا کر جواب دیا۔

"ہوں..." نعمان نے ناراضی سے دیکھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ سارہ کہاں گئی ہے' مگر ہمت نہ ہوئی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ سارہ کے پیچھے جائے اور اسے بے نقط سنائے' مگر بے بسی سے پہلو بدل کے رہ گیا۔

"اوہ۔ تو بات یہاں تک آپہنچی ہے۔" ذہن میں شکوک و شبہات کے اٹھتے ہوئے سوالوں پر غور کرتا احسن قطعی طور پر یہ بات بھول گیا کہ سارہ سے عشق کے دعوے کرنے کے باوجود اس مشکل وقت میں کیسا سلوک کررہا ہے یا شاید سارہ کا حسن ماند پڑتا دیکھ کر اس کا دل پہلے کی طرح راغب نہیں ہوپارہا۔ اوپر سے الماس کی برین واشنگ بھی اپنا رنگ جماچکی تھی۔ وہ بدگمان ہوتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"امی... یہ شازیہ ہے۔" الماس نے اپنے ساتھ کھڑی خوب صورت لڑکی کا مسکراتے ہوئے تعارف کروایا۔

"شازیہ کون... میں پہچانی نہیں...؟" شکیلہ جو بیٹی کی حرکتوں سے نالاں' بے دلی سے پوچھا۔

"امی۔۔۔ یہ میری کالج فرینڈ نازیہ کی چھوٹی بہن ہے' کچھ دن پہلے یہ لوگ ہمارے محلے میں اکبر صاحب کے برابر والے مکان میں شفٹ ہوئے ہیں۔۔۔ نازیہ نے مجھے کال کرکے یہ بات بتائی تو میں خوش ہوگئی۔ آج خاص طور پر ٹائم نکال کر آنٹی سے ملنے گئی اور شازیہ کو اپنے ساتھ گھر دکھانے لے آئی۔" الماس نے مسکراتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"اوکے الماس آپی میں اب چلتی ہوں۔" شازیہ نے تھوڑی دیر بعد جانے کی رٹ لگادی۔

"اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔ چلو بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ چائے چلے گی یا ٹھنڈا؟" الماس کو فوراً" آداب میزبانی کا خیال آیا۔

"آپ کو پتا ہے۔۔۔ ہم لوگ دو دن پہلے ہی تو شفٹ ہوئے ہیں۔ گھر میں بہت کام پھیلا ہے۔ اس لیے آج نہیں' پھر کبھی سہی۔" شازیہ نے خوش اخلاقی سے جواب دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو۔۔۔ پھر چکر لگانا۔" الماس نے اسے دروازے تک جاکر الوداع کہا اور خوش خوش واپس آکر ماں کے قریب بیٹھ گئی۔

"امی۔۔۔ شازیہ آپ کو کیسی لگی؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"پیاری بچی ہے۔" شکیلہ نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"صرف پیاری۔۔۔ یا بہت پیاری۔۔۔ سارہ کی ٹکر کی۔۔۔" الماس کا انداز کچھ عجیب ہوا۔

"کیا مطلب۔۔۔ میں سمجھی نہیں؟" وہ حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"میری بھولی امی۔۔۔ شازیہ کو میں نے احسن کے لیے پسند کیا ہے۔" وہ ہنس کے بولی۔

"تمہارا۔۔۔ دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" ان کو ایسا لگا جیسے ذہن ایک دم سن ہوگیا ہو۔

"اس میں دماغ خراب ہونے کی کیا بات ہے۔ احسن۔ میرا اکلوتا بھائی ہے۔۔۔ اس کا اچھا برا سوچنے کا مجھے حق ہے یا نہیں۔" وہ بن کر بولی۔

"بھائی کا۔۔۔ اچھا برا۔۔۔ یا سارہ سے دل میں پلنے والے بلاوجہ کے عناد کے چکر میں۔" انہوں نے بیٹی کو گھورا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ نفی میں سرہلانے لگی۔

"اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔۔۔ مجھے۔۔۔ ڈر ہے کہ ان سب باتوں کی وجہ سے کہیں تمہارا۔۔۔ گھر تباہ نہ ہوجائے۔" شکیلہ نے بیٹی کے قریب آکر سمجھایا۔

"اللہ۔۔۔ نہ کرے۔ امی جو کبھی ایسا ہو۔۔۔ ویسے بھی نعمان' موحد کے بنا ایک لمحہ نہیں رہ سکتے۔ اور جہاں تک سارہ کی بات ہے۔ تو حقیقت پسندی سے سوچئے۔۔۔ وہ اب پہلے جیسی نہیں رہی' حادثے کی وجہ سے چہرے پر نشان پڑگئے ہیں۔ اسے چلنے پھرنے میں بھی مسئلہ ہے۔۔۔ ڈاکٹر نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ مسلسل علاج کے باوجود ہوسکتا ہے پہلے جیسی بات نہ رہے' اس کے پاؤں میں لنگ آجائے۔" سارہ نے بے رحمی سے حقیقت بیان کی۔

"بیٹی۔۔۔ خیر کے الفاظ منہ سے نکالو۔" شکیلہ نے یہ سب سن کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"تمہارے اچھا سوچنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔۔۔ اور پھر آپ۔۔۔ احسن کو جانتی ہیں نا۔۔۔ وہ کتنا حسن پرست ہے۔ اگر کسی ڈیکوریشن پیس میں ذرا سا عیب آجاتا ہے تو وہ اسے اپنے کمرے سے نکال کر باہر رکھ دیتا ہے۔۔۔ پھر۔۔۔ ایسی ٹوٹی' بکھری بیوی کو اپنے کمرے میں برداشت کرپائے گا؟" الماس نے ان تلخ سچائیوں سے پردہ اٹھایا' جو شکیلہ کی نگاہوں سے اب تک اوجھل تھیں۔

"تمہاری بات سچ ہے۔۔۔ پھر بھی ایسا سوچ کر ہی میرا دل دہل رہا ہے۔۔۔" شکیلہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مزید کیا کہیں' ان کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے اور آنکھیں پتھرا گئیں۔

"بس۔۔۔ تو۔۔۔ شازیہ کو بہو بنانے کی تیاری کریں۔ نعمان کو میں خود سنبھالوں گی۔" الماس نے ماں کو رام کرہی لیا۔

٭ ٭ ٭

"جلدی بولو کیا بات ہے... مجھے آفس جانا ہے... پہلے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔" احسن نے صوفے پر تکلف سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"احسن... تم ہوتے کہاں ہو... کچھ بتانا پسند کرو گے... کل اتنی دفعہ کال کی مگر لائن کاٹ دی۔" سارہ کے چہرے پر بے بسی تھی، وہ اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی... مگر پہلے جیسی نہ تھی کہ نگاہیں... بار بار اس کے چہرے کا طواف کرتیں۔

"اب... تمہیں۔ ہر بات تو نہیں بتا سکتا... یار انسان کے کچھ اپنے مسئلے مسائل بھی ہوتے ہیں۔" وہ رعونت بھرے لہجے میں بولتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"واٹ نان سینس!... میں... اب اتنی پرائی ہو گئی کہ تم نے مجھ سے اپنے مسائل ڈسکس کرنا چھوڑ دیے۔" سارہ کے لہجے میں بدمزاجی اور تلخی آ گئی۔

"اپنے پن کی باتیں تو... نہ کرو... کہیں میرا منہ کھل گیا تو..." وہ صوفے پر ہاتھ مار کر زور سے پھنکارا، سارہ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔

"تمہیں... جو بھی کہنا ہے... کھل کر ایک دفعہ ہی کہہ ڈالو... مجھے روز روز مرنا پسند نہیں۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"ہاہ... ہاہ... سارہ بیگم... تو صاف بات یہ ہے کہ تمہارے اور عماد ملک کے بیچ میں ایسا کیا ہے... جو... وہ۔ تمہارے علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہا رہا ہے۔ تمہارا منگیتر میں ہوں... مگر ہر مقام پر وہ تمہارے قریب رہنے کی کوشش کرتا ہے... اسے مجھ سے زیادہ اس گھر میں عزت دی جاتی ہے... وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" احسن کی نگاہوں میں تشکیک کے سائے، مسکراہٹ میں استہزا اتر آیا۔

"تمہارا... دماغ تو خراب نہیں... ایک انسان کے خلوص کا تم نے کتنا غلط مطلب لیا ہے... اور تمہیں مجھ پر بھی اعتبار نہیں رہا۔" اہانت کے احساس نے صحیح معنوں میں سارا کا دماغ اڑا کے رکھ دیا تھا۔

"پلیز سارہ، مجھے مزید بے وقوف نہ بناؤ... صرف ایک بات کا جواب دو... کیا عماد ملک تم سے محبت نہیں کرتا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں... کرتے ہیں... بہت زیادہ پیار کرتے ہیں... مگر..." وہ چونکی اور سچ بولتے ہوئے اچھی خاصی خفت زدہ نظر آنے لگی۔

"اسی لیے... تم الگ ہونا چاہتی ہو۔ شوق سے ہو جاؤ۔" وہ ہتھے سے اکھڑا۔

"میں نے ایسا کب کہا ہے؟" اس نے حیرت سے احسن کے بدلتے رنگ دیکھے۔

"ابھی اور کچھ کہنے کو رہ گیا ہے کیا؟" اس نے رعونت سے پوچھا۔

"اگر عماد کے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ ہے تو اس کا مطلب تم سے الگ ہونا تو نہیں... میں... تو صرف..." آنسو اس کا راستہ روکنے لگے۔

"سارہ... میں نے بہت برداشت کیا... تم نے جاب کی، دنوں میں ترقی کے منازل طے کیے... سب نے مجھے سمجھایا، مگر میں نے صرف تمہارا اعتبار کیا... لیکن... اب آنکھوں دیکھی مکھی نگلنا مشکل ہے۔" وہ غصے کے عالم میں کف اڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنی چھوٹی ذہنیت رکھتے ہو۔" اس کی برداشت ختم ہو گئی تو وہ بھی چیخ کر بولی۔

"بس... مجھے اس کے آگے کچھ نہیں سننا... میرے خیال میں۔ ہمارے بیچ میں اب کچھ نہیں رہا..." احسن ایک دم روکھا اور سرد نظر آنے لگا۔ سارہ نے اسے خائف نگاہوں سے دیکھا۔

"سنو... پلیز... ایسی بات نہیں۔" سارہ نے بمشکل کانپتی آواز میں اسے مزید بتانا چاہا، مگر احسن نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"سارہ... تم نے اپنے منہ سے اقرار کر لیا ہے کہ وہ تمہیں... بے انتہا چاہتا ہے۔ شاید مجھ سے بھی زیادہ... اب تم اپنی زندگی جی لو اور مجھے میری زندگی جینے دو۔" نہ جانے اس کے منہ سے کیسے نکل گیا، شاید

احسن کی انا پہ لگنے والا یہ تازیانہ بڑا شدید تھا۔ اس سے قبل کہ سارہ اسے روکتی' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا' باہر نکل گیا۔

سارہ کو بہت دیر تک یقین نہیں آیا کہ۔۔۔ ان دونوں کے بیچ میں کبھی ایسے زہر آلود لمحے بھی آسکتے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی مچل اٹھی' کچھ غلط ہونے کا احساس پوری شدت سے اسے جکڑنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر بیمار ذہنیت کی عورت نکلو گی۔۔۔ مجھ سے پوچھے بنا۔ اپنی دوست کی بہن کے یہاں بھائی کا رشتہ لے کر پہنچ گئیں۔" سارہ کے کان میں نعمان کی آواز پڑی تو وہ چونک کر وہیں کھڑی ہو گئی۔

"ہاں۔۔۔ میں تو شروع سے آپ کی بہن کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔۔۔ اب۔۔۔ آپ بھی اسی کی طرح سوچنے لگے۔" الماس نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ سارہ کا دل کپکپایا۔

"میری بہن کا نام لینے سے قبل اپنی زبان کو لگام دو۔" وہ دھاڑا۔

"آپ میرے بھائی کو برا بھلا کہیں اور۔۔۔ میں چپ رہوں۔" اس کا لہجہ زہر خند ہوا' سارہ البتہ اس بات پر ضرور ٹھٹک سی گئی۔

"ہاں۔۔۔ تو تمہارا بھائی اسی قابل ہے۔۔۔ کم ظرف انسان۔ آج میری بہن اسی کی وجہ سے ان حالوں کو پہنچی ہے۔ ذرا سی گرم ہوا کیا چلی۔۔۔ وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ رہا ہے۔" نعمان کے غصے کا گراف بڑھنے لگا۔

"تو کیا کرے۔۔۔ ایک لنگڑی لڑکی سے شادی کر کے دنیا میں تماشا بن جائے۔" الماس کے منہ سے بے اختیار نکلا' سارہ کے دل کو دھچکا پہنچا۔

"تمہاری یہ جرات۔" نعمان نے اسے زور سے چانٹا مارا۔ سارہ نے اپنی اسٹک پر سارا زور دے کر خود کو سنبھالا' ورنہ گر جاتی۔

"مارو۔۔۔ اور مارو۔۔۔ مگر میری زبان سچ بولنے سے نہیں رکے گی۔" الماس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

"تم سے شادی کر کے میں نے زندگی کی سب سے بڑی بھول کی ہے۔۔۔ تنگ نظری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نے پوری امید دلائی ہے کہ سارہ بالکل نارمل ہو جائے گی۔۔۔ مگر تم لوگوں کا اتاؤلا پن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔" نعمان کی آنکھوں سے قہر و غضب کے شعلے لپک رہے تھے۔

"اگر۔۔۔ ٹھیک نہ ہوئی تو۔۔۔؟" الماس نے جھنجلا کر پوچھا' سارہ کے اعصاب جواب دینے لگے۔

"سارہ۔۔۔ ٹھیک ہو یا نہ ہو لیکن اگر احسن کی شادی کہیں اور ہوئی تو۔ میں تمہیں آزادی کا پروانہ تھما کر یہاں سے چلتا کروں گا۔" انگارے برساتا ہوا لہجہ ایک دم سرد ہوا۔

"یہ۔۔۔ کیا۔۔۔ کہہ رہے ہیں؟" اس دھمکی سے الماس اندر ہی اندر کانپ گئی۔

"میں۔۔۔ سچ کہہ رہا ہوں۔" اس کا سرد لہجہ الماس کو دہشت زدہ کر گیا۔

"نہیں۔۔۔ میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔" سارہ نے بے اختیار جھرجھری لی اور شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔۔۔ دل ایک دم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا' سمجھ میں نہیں آیا کس کس بات پر روئے۔

☆ ☆ ☆

وہ جب بھی بھائی اور بھاوج کی باتیں یاد کرتی اس کے سارے وجود میں بھانبڑ جلنے لگتے۔

"سارو میری محبت پہ ہمیشہ بھروسا رکھنا۔"

"میں ہمیشہ سے تمہارا تھا' تمہارا ہوں اور تمہارا ہی رہوں گا۔" چاروں طرف احسن کے خوب صورت لہجے کی بازگشت گونجی۔ وہ بری طرح سے نڈھال ہو کر ایسے ہانپنے لگی جیسے میلوں کی مسافت طے کی ہو۔

احسن کی نام نہاد محبت کے جال میں پھنسے کئی سال ہونے کو آئے' پھر بھی وہ بے مول ہو گئی۔ اس کی

محبتیں... شدتیں، سب دکھاوا نکلیں... ساری باتیں محض دھوکا تھیں۔ وہ فطرتاً ”ہرجائی“ نکلا۔

”کیا بے وفائی مرد کی فطرت کا حصہ ہے... یا اس کے نصیب میں ایسا مرد لکھا گیا؟“ اس نے تڑپ کر خود سے سوال کیا۔

”نعمان ملک بھی تو مرد ہے... جس نے بے لوث ہو کر اپنی وفا نبھائی۔“ سارہ کے اندر سے ہوک اٹھی۔ اس نے پہلی بار خود سے نگاہیں چرا کر اعتراف کیا۔

☆ ☆ ☆

سارہ نے نعمان کو ایک ہفتے سے ٹی وی لاؤنج میں سوتا دیکھا تو ایک دن دونوں کو بٹھا کر بات کرنے کی ٹھانی۔ رؤف کاظمی بھی بیٹے کو کئی دنوں سے سمجھائے جا رہے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں بیٹی کا رشتہ ختم ہونے کا دکھ نہیں تھا مگر اس کے لیے بیٹے کی زندگی تباہ کرنا کہاں کی عقل مندی تھی۔

”بھائی... آپ بھابھی کو ان کے گھر بٹھا بھی دیں گے... یا خدانخواستہ طلاق بھی دے دیں... تب بھی میں اور احسن ایک نہیں ہو سکتے۔“ سارہ نے لاؤنج میں سب کو جمع کر کے بات شروع کی۔

”بیٹا... سارہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“ رؤف کاظمی نے بہو کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو بیٹی کی تائید کی۔ موحد ان کی گود میں کھیل رہا تھا۔

”تمہیں پتا ہے کہ اس عورت نے کیا کیا؟“ نعمان نے شدید غصے سے پوچھا۔ الماس سامنے صوفے پر بیٹھی مسلسل رونے میں مصروف تھی۔

”جی... مجھے کافی دن پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے۔“ اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تمہیں واقعی کوئی افسوس نہیں ہے؟“ نعمان نے حیرانی سے پوچھا۔

”افسوس تو مجھے... احسن سے منگنی پر ہے۔ جو بدقسمتی سے میرے ساتھ ہوئی، اس کے ختم ہونے کے بعد اب وہ کچھ بھی کرتا پھرے... کسی کو بھی اپنی زندگی میں شامل کرے... مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟“ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر جھوٹ کہا۔

ٹھکرائے جانے، نارسائی اور دھوکا کھانے سے... فرق تو پڑتا ہے۔

”یہ... کتنی مضبوط ہے۔ میں اس کی طرح کیوں نہیں بن سکی۔“ الماس نے رونا بھول کر سارہ کو قابل رشک نگاہوں سے دیکھا۔

”سارہ۔ تم سب کچھ بھول سکتی ہو... مگر میں تمہاری بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گا... جب یہ طلاق نامہ لے کر اپنے گھر جائے گی۔ تب احسن کے دل میں بھی ایسے ہی آگ لگے گی... جس کے شعلے مجھے بھسم کر رہے ہیں۔“ اس نے بیوی کو دیکھ کر سرد پھنکارتی ہوئی آواز میں صاف صاف جتلایا۔

”نعمان... ہمارے خاندان میں کسی نے بھی طلاق نہیں دی۔“ رؤف کاظمی کا بوڑھا وجود کپکپایا۔

”اگر... احسن اب سارہ سے شادی پر راضی نہیں تو اس میں میرا کیا قصور۔“ الماس نے ایک بار پھر ٹسوے بہانے شروع کر دیے۔

”میرا خیال ہے کہ آپ اس بارے میں ٹھنڈے دل سے سوچیں... بابا کی جان موحد میں اٹکی رہتی ہے... آپ اور میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔“ سارہ نے بھائی کو ایک اور حقیقت یاد دلائی تو نعمان نے بیٹے کو دیکھ کر چپ سادھ لی۔

”ویسے بھی میں اپنی وجہ سے بھابھی کو گھر سے بے گھر ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس لیے ایسی بات زبان سے دوبارہ مت نکالیے گا۔“ سارہ نے سکون سے بات کو منطقی انجام تک پہنچایا۔

”تم... اس کے لیے اتنا اچھا سوچتی ہو... مگر جانے یہ دل میں کتنا زہر پالے بیٹھی ہے۔“ نعمان نے بیوی کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”اور ہاں... سب سے اہم بات... میں خود احسن جیسے شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ سارہ نے بھائی کو دیکھتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ الماس اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کے بولی۔

"جی۔۔۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں جتنی اچھی طرح سے اسے جانتی ہوں کوئی نہیں جانتا ہوگا۔۔۔ ہمارے شفاف رشتے کو شک و شبہات کے چھینٹوں نے آلودہ کردیا ہے۔ اب۔۔۔ اگر اس کا دل صاف بھی ہوجائے یا بھائی کے دباؤ میں آکر۔۔۔ وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے راضی بھی ہوجائے تب بھی میرے دل میں اس کا دوبارہ مقام نہیں بن سکتا' جو اس نے جلد بازی میں کھودیا ہے۔" سارہ کے الفاظ نہیں طمانچہ تھے' جو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے احسن کے منہ پر پڑے۔

وہ بہنوئی کے بلاوے پر یہاں آیا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر بہت دنوں بعد' سارہ کو دیکھا' وہ پہلے سے زیادہ حسین دکھائی دی۔ مسلسل علاج اور دیکھ بھال کے بعد اس کا چہرہ بالکل صاف ہوچکا تھا۔

"تم۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟" وہ ایک دم ہچکچایا۔

"ہاں۔۔۔ اللہ نے مجھے پچھلے دنوں بڑی آزمائش میں مبتلا کرکے میری آنکھوں کا نور بڑھادیا۔۔۔ مجھے کھرے کھوٹے کی پہچان اچھی طرح سے ہوگئی ہے۔" وہ اپنے قدموں پر بنا لڑکھڑائے چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزر کر نعمان کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔

سارہ بچی نہیں تھی جو احسن کا اس درجہ اہانت آمیز سلوک بغیر کسی غلطی کے برداشت کرتی چلی جاتی۔ اس نے ایک بار خود کو منوانے کی ٹھانی' اور ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا' اس کی وِل پاور جیت گئی اور وہ اس دھچکے سے باہر نکل آئی۔۔۔ جس نے اس کی زندگی کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

احسن سحرزدہ سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ پچھلی ملاقات کے برعکس اس کا اعتماد قابل دید تھا' احسن کا سر جھک گیا۔ نعمان نے ہونٹ بھینچ کر سرخ لہو رنگ آنکھوں سے ان دونوں بھائی بہن کو دیکھا۔ پھر سارہ کے گرد اپنے بازو پھیلائے اور اسے لے کر باہر نکل گیا۔

وہ۔۔۔ لبوں کو سی کر' نمی کو پی کر۔ دل میں ایک چبھن' ایک کسک لیے احسن کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔

اچانک احسن کو اپنا وجود خالی خالی لگنے لگا' اپنا آپ کھونے کا احساس من میں جاگا۔۔۔ تقدیر نے اسے موقع دیا تھا' مگر اس نے اپنے ہاتھوں سے سب کچھ گنوادیا' کھودیا۔

✿ ✿ ✿

وہ چند سیڑھیاں چڑھ کر عماد ملک کے بتائے ہوئے عالیشان ہوٹل کے جگمگاتے گلاس ڈور تک پہنچی۔ ساتھ کھڑے گارڈ نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور بڑھ کر دروازہ کھولا' وہ پُراعتماد چال چلتی ہوئی اندر کی جانب بڑھی۔ باہر کی تپش کے مقابلے میں اسے اندر کے یخ بستہ ماحول میں آکر بہت سکون حاصل ہوا۔ ہال میں کھڑے ہو کر نگاہیں گھماتے ہوئے عماد ملک کو تلاش کیا' اسی پل اس کی نگاہ کونے کے صوفے تک گئی۔ وہ سامنے بیٹھا' فون کانوں سے لگائے کسی سے باتوں میں محو تھا۔ اس کے غیر معمولی ٹھاٹ باٹ اور قیمتی لباس نے اسے خاصا پُرکشش بنادیا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف بڑھی۔

"اوہ سارہ۔۔۔ آپ آگئیں۔" عماد نے یک ٹک اسے دیکھا' گہری متاثر کن نظریں' سارہ نے گڑبڑا کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔ وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اس نے قدرے شگفتگی سے اس کی محویت کو توڑا۔

"آئی ایم رئیلی۔۔۔ سوری۔ بیٹھیے نا" عماد نے شرمندہ ہو کر کہا اور ویٹر کو بلا کر اورنج جوس آرڈر کیا۔

"تھینک یو کہ آپ نے میرا مان رکھ لیا اور یہاں چلی آئیں۔" عماد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمکی۔

"آپ۔۔۔ کو۔۔۔ کچھ کہنا تھا۔۔۔؟" ازحد حیرانی کا تاثر سارہ کی نگاہوں میں دکھائی دیا۔

"پچھلے دنوں آپ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا۔۔۔ مجھے اس پر افسوس ہے۔ احسن والے معاملے پر میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ زندگی کسی ایک شخص کی وجہ سے ٹھہرتی نہیں۔ اس کا کام ہے آگے بڑھنا۔ وہ بڑھتی چلی

جائے گی۔" عماد نے دکھی لہجے میں اظہار افسوس کیا۔
"بس' جو ہونا تھا ہو گیا۔ شاید اسی میں میری بھلائی ہو۔" سارہ نے بڑے پروقار انداز میں بات ختم کی۔
"ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ گو کہ آپ کے ساتھ کی تمنا کرنا چاند چھونے کے مترادف ہے' مگر کیا میں ایسی جسارت کر سکتا ہوں۔" اس نے بڑے سبھاؤ سے پیش کش کی۔
"عماد... میں ایک بات کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں... کہ آپ نے بھی مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا... مگر میری بیماری کے دوران آپ کے عمل نے آپ کے جذبے کی سچائی کو مجھ پر عیاں کر دیا... آج اگر میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اس کے پیچھے صرف آپ کی ذات ہے۔" وہ مشکور ہوئی' مگر اصل بات کا جواب پھر بھی نہیں دیا۔
"یہ فارملیٹیز... ہم بعد میں نبھالیں گے۔ پہلے آپ میری بات کا جواب دیں۔ کیا عمر بھر کے لیے آپ کو میرا ساتھ گوارا ہے۔" پراثر لہجہ... آنکھوں سے ٹپکتی چاہت... سارہ کے لیے انجان بننا مشکل ہو گیا۔
"آپ کی ہر خواہش کا احترام کرنا مجھ پر فرض ہے۔" وہ دھیرے دھیرے نگاہیں جھکا کر بولتی چلی گئی۔
"کیا سارہ صرف اس وجہ سے؟" وہ اضطرابی کیفیت اور گھبراہٹ سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"میں نے آپ کے اندر بہت ساری خوبیاں بھی دیکھی ہیں۔" اس نے پھر بات بدلنے کی کوشش کی۔
"میرے سوال کا یہ جواب نہیں ہے۔" عماد نے میز پر رکھا اس کا ہاتھ تھام کر بات کاٹی' وہ گلابی ہو گئی۔
"آپ کیا سننا چاہتے ہیں؟" وہ تھوڑا جھنجلائی' چہرے کا احاطہ کرنے والے اپنے شہد رنگ بالوں کو دوسرے ہاتھ سے ایک طرف کیا۔
"سارہ... کیا تم صرف اس لیے میرے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی ہو۔" اس کے جواب نہ دینے پر عماد کا جوش مدہم پڑنے لگا۔
"پلیز... کچھ تو کہو۔" دل میں اٹھتے خدشات کی وجہ سے دھڑکن بھی مدہم ہو گئی۔
"نہیں... مجھے لگتا ہے کہ آپ کے ساتھ میری زندگی بہت خوب صورت ہو جائے گی... اور" وہ بے اختیار کہہ بیٹھی پھر اپنے کان میں پہنی سونے کی بالی کو دھیرے سے چھوا۔
"اور..." عماد نے بے قراری سے پوچھا۔ لرزتی پلکیں' دہکتے گال' سارہ کی خوب صورتی کو بڑھاوا دے رہے تھے۔
"نہیں... اب یہاں بیٹھ کر محبت کے ترانے تو نہیں گنگنا سکتی..." اس نے کچھ جھینپ کر کہا۔
"اس... میں کوئی حرج بھی نہیں۔" وہ ٹیبل پر ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بے حد خوابناک انداز میں بولا۔ لہجہ اتنا گھمبیر' اتنا خاص تھا کہ سارہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔
"بس... ایک التجا ہے کہ... میں ابھی ایک بہت بڑے حادثے سے نکلی ہوں۔ مجھے سنبھلنے کے لیے تھوڑی مہلت چاہیے۔ محبت نہ سہی... مگر میری دیانت داری... آپ سے ہی وابستہ رہے گی۔" سارہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد صاف بات کی۔
"میرے لیے... اتنا بھی بہت ہے' تمہاری سچائی قابل قدر ہے۔ سارہ۔" عماد نے بے اختیار اسے سراہا' وہ اسے دیکھنے لگی۔
"میں سمجھتا ہوں کہ انسان کوئی مشین تھوڑی ہے جو بٹن دباتے ہی خود کو بدل ڈالے۔ اپنے آپ کو سنبھالنے میں تمہیں جتنا وقت درکار ہو لے لینا... مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر اس کے بعد تمہیں سارے دکھوں کو بھلا کر صرف میرا بن کر رہنا ہو گا... پرامس۔" اس نے محبت سے کہنے کے بعد ہاتھ پھیلایا۔
"او کے... پرامس۔" اس نے عماد کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا۔
"تھینک یو سو مچ" عماد کے سر سے جیسے بھاری بوجھ اتر گیا۔
"یوں ملے ہو جاناں... جس کی مجھے امید بھی نہ تھی۔" سوچتے سوچتے' ایک پیاری سی مسکراہٹ عماد

کے لبوں کو چھو گئی۔ سارہ کے لیے اس کی چمکتی آنکھوں سے نگاہ ملانا مشکل ہو گیا۔

☆ ☆ ☆
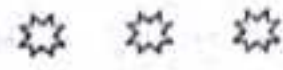
"تم نے اپنی منفی سوچوں کی انتہا کرتے ہوئے خود ہی رائی کا پربت بنالیا... ایک بار مجھ سے پوچھتے تو..." سارہ کے گلابی لبوں نے جنبش کی۔

"سارہ۔ مجھے معاف کردو۔ گزری باتوں کو بھول جاؤ اور میری زندگی میں واپس آجاؤ... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا..." احسن نے اس کے سامنے بیٹھ کر دل گرفتگی سے کہا۔

"ایک بات کہوں احسن۔ میری انگلی میں جب تک تمہارے نام کی انگوٹھی تھی... میں تمہاری پابند رہی۔ ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جس سے ہمارے رشتے یا میری دیانت داری پر حرف آتا۔ البتہ اب جبکہ یہ تعلق ختم ہو چکا ہے تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں اپنی مرضی کی زندگی گزار سکوں۔" سارہ نے خلا میں دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ کہا۔

"یار... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ... میں... تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔" احسن کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔

"اچھا! مگر ابھی ایک ہفتے قبل تو تم خوشی خوشی کسی اور کے ساتھ خیر..." نہ چاہتے ہوئے بھی وہ طنز کر بیٹھی۔

"پرانی باتوں کو بھول جاؤ... پلیز۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں۔ اپنا فیصلہ بدل ڈالو۔" احسن نے ہمت کر کے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر وہ پیچھے ہو گئی۔

"دیکھو... اگر میں عماد ملک سے شادی کا فیصلہ واپس بھی لے لیتی ہوں۔ تب بھی کیا سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ ہم دونوں پہلے کی طرح رہ سکتے ہیں؟" اس کی سوالیہ نگاہوں نے احسن کے چہرے کا احاطہ کیا جہاں شرمندگی پھوٹی پڑی تھی۔

"میں نہیں سمجھتی کہ... سب کچھ پہلے کی طرح ہو سکے گا... نہ محبت... نہ ہی دل میں پہلے جیسی قدر و منزلت۔" سارہ نے کھڑے ہوتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"سارہ... تم بھلے مجھے نہیں چاہو۔ مگر تمہارا میری زندگی میں ہونا ہی میرے لیے کافی ہے۔" وہ بڑی امید سے بولا۔

"مگر میری زندگی میں... اب عماد ملک کا ہونا ہی کافی ہے۔" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی احسن کو دو ٹوک الفاظ میں بہت کچھ سمجھا دیا۔ اسے ناامیدی میں گھرا چھوڑ کر وہ باہر نکل گئی جہاں کبریٰ خانم اپنی ہونے والی بہو کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان دونوں کو شادی کی شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ ڈرائیور نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا، سارہ نے دھوپ کا چشمہ چڑھا کر نم آنکھوں کو چھپایا۔

عورت ایک مرد سے کتنی بھی محبت کرتی ہو... اپنے پیار کے صدقے میں اس کی بڑی سے بڑی غلطی بھلا دینے والی کے لیے، اپنے کردار پر اٹھنے والی ایک انگلی کو بھلانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ سارہ کے لیے بھی اپنی پاکیزگی اور عزت نفس پر پڑنے والی ضرب کو بھلانا آسان نہ تھا۔

☆

صائمہ اکرم چوہدری

سیاہ حاشیہ پار مت کرو۔ "پچھتاؤ گی۔ ایک نادیدہ آواز روکتی رہی لیکن وہ لڑکی نہ رکی۔ سیاہ حاشیہ عبور کر گئی اور تب اسے احساس ہوا کہ اپنے لیے جہنم خرید چکی ہے۔

☆ ☆ ☆

عدینہ کاٹھ کباڑ میں اپنی پرانی ڈائریاں تلاش کر رہی ہے تو اسے ایک کتبہ ملتا ہے۔ جس پر اس کی والدہ صالحہ رفیق کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات درج ہوتی ہے۔ وہ بری طرح الجھ جاتی ہے۔ اس کی والدہ تو زندہ ہیں پھر یہ کتبہ کس نے اور کیوں بنوایا ہے۔ تب ہی اس کی والدہ صالحہ آجاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ڈائریاں تو انہوں نے ردی والے کو دے دی ہیں۔

عدینہ کو بہت دکھ ہوتا ہے پھر اسے کتبہ یاد آتا ہے تو وہ سوچتی ہے کہ عبداللہ سے اس کے متعلق پوچھے گی۔
عبداللہ پابند صوم و صلوٰۃ وہ مسجد کا موذن بھی ہے اور اس نے عربی میں ایم فل کر رکھا ہے عدینہ کی اس کے ساتھ منگنی ہو چکی ہے۔ عدینہ ہاسٹل میں رہتی ہے اور میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔
عدینہ کے والد مولوی رفیق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنی ماں سے زیادہ دادی سے قریب ہے مونا اس کی کزن ہے۔ وہ حویلیاں شہر سے قرآن حفظ کرنے ان کے گھر آئی ہے۔
عدینہ عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہے۔ عبداللہ بھی اسے چاہتا ہے لیکن شرعی اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والی صالحہ آپا نے منگنی ہونے کے باوجود انہیں آپس میں بات چیت کی اجازت نہیں دی۔

ناولٹ
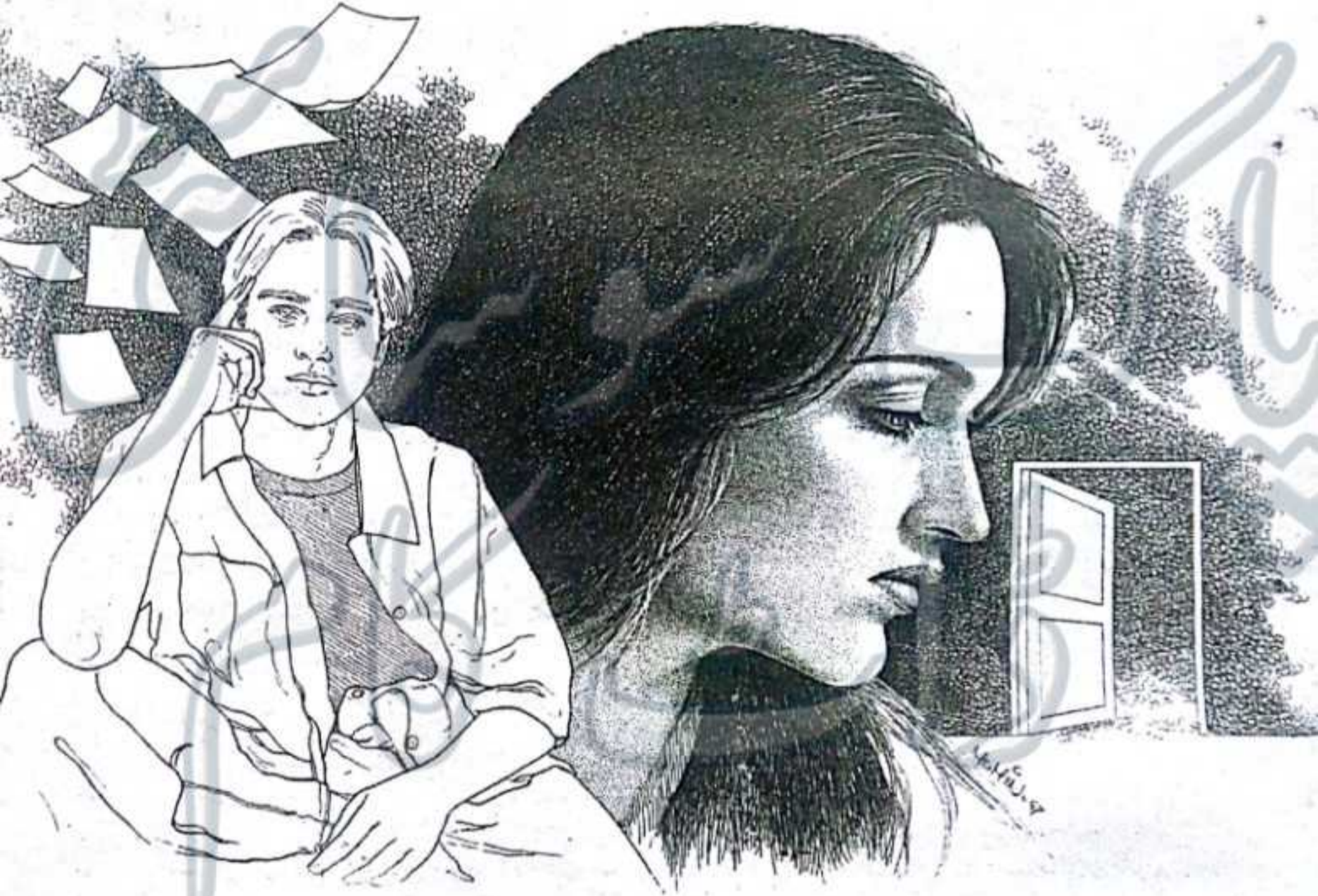
شانزے ماڈل بننا چاہتی ہے۔ ریمپ پر واک کرتے ہوئے اس کا پاؤں مڑ جاتا ہے اور وہ گر جاتی ہے۔
ڈاکٹر بینش نیلی کوٹھی میں اپنے بیٹے ارصم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کے شوہر کرنل جاوید کا انتقال ہو چکا ہے۔
نیلی کوٹھی کے دوسرے حصے میں ان کے تایا ڈاکٹر جلال اپنی بیوی اور پوتی اوریدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دو شادی شدہ بیٹیاں ہیں اور اکلوتا بیٹا تیمور لندن میں مقیم ہے۔ بیوی کی وفات کے بعد تیمور نے اوریدا کو پاکستان اپنے باپ کے پاس بھجوا دیا ہے۔ بیٹا ماہیر ان کے پاس لندن میں ہے۔
اوریدا اور ارصم کی بہت دوستی ہے جو ڈاکٹر بینش کو بالکل پسند نہیں۔ ڈاکٹر بینش تیمور کے نام سے بھی نفرت کرتی ہیں۔
عبداللہ عدینہ کو اپنا سیل نمبر بھجواتا ہے۔ صالحہ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ شدید غصہ ہوتی ہیں اور نمبر پھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔

سرمد اپنے دوست کے پروڈکشن ہاؤس میں جاتا ہے تو وہاں شانزے کو دیکھتا ہے۔ شانزے اس کی منتیں کررہی ہے کہ وہ ایک چانس اسے دے کر دیکھے۔

شانزے سخت مایوسی کا شکار ہے۔ رباب اس کی روم میٹ اسے تسلی دیتی ہے تو وہ بتاتی ہے کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے صرف ایک پھوپھی ہیں جن کے گھر میں اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس کی ماں اسے پھینک کر چلی گئی تھی اور باپ کو کسی مذہبی جنونی نے قتل کردیا۔ شانزے کا خاندان مسلمان ہے لیکن وہ کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ ہاسٹل میں رہنے کے لیے اس نے کالج میں داخلہ لے رکھا ہے۔ وہ شوبز میں اپنا نام بنانا چاہتی ہے۔

آپا صالحہ نے عدینہ کی عبداللہ سے منگنی توڑدی ہے۔ عبداللہ عدینہ سے ایک بار بات کرنا چاہتا ہے۔ عدینہ چھت پر جاتی ہے تو عبداللہ وہاں آجاتا ہے۔ آپا دیکھ لیتی ہیں۔ وہ عدینہ کو برا بھلا کہتی ہیں اور اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔

اوریدا ارصم کے ساتھ پیپر دینے جاتی ہے۔ ارصم باہر اس کا انتظار کرتا ہے۔ وہ اوریدا کو واپس لے کر آتا ہے تو ڈاکٹر بینش اسے بہت ڈانٹتی ہیں کیونکہ وہ ان کی گاڑی لے کر جاتا ہے۔ اوریدا اپنے باپ تیمور کو یہ بات بتاتی ہے تو وہ اس کو نئی گاڑی خرید کردے دیتے ہیں' آغاجی کو یہ بات بری لگتی ہے۔

ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھتے ہوئے صالحہ آپا شدید جذباتی ہوکر رونے لگتی ہیں۔ عدینہ کو اسٹور روم کی صفائی کے دوران ایک تصویر ملتی ہے جو کسی مرد کی ہے۔

ارصم اوریدا کو گاڑی چلانا سکھاتا ہے۔ اوریدا کے امتحان میں کم نمبر آتے ہیں تو وہ پریشان ہوجاتی ہے۔

مونا عدینہ کو بتاتی ہے کہ آپا نے اس کی منگنی اس لیے توڑی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عبداللہ عدینہ سے فوراً" شادی کرلے۔ عبداللہ نے فوراً" شادی سے انکار کردیا تھا۔

عبداللہ تبلیغی دورے پر جاتا ہے تو اس کا جہاز کریش ہوجاتا ہے۔ اور اس کے مرنے کی خبر آجاتی ہے۔

عدینہ پر عبداللہ کی موت کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں سے بری طرح بدظن ہوجاتی ہے۔

شانزے جب بھی کوئی غلط کام کرنا چاہتی ہے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ رباب اسے سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غلط راستوں سے بچانا چاہتا ہے۔

ارسل' شانزے کو زخمی ہونے پر تسلی دیتا ہے' وہ بتاتا ہے کہ ایڈ میں کام کے لیے اس نے سفارش کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ شانزے اسے اپنا بھائی سمجھے۔

ارصم بہت اچھے نمبروں سے ایف ایس سی کرلیتا ہے۔ ڈاکٹر بینش اس خوشی میں ڈنر دیتی ہیں۔

عدینہ فیصلہ سنادیتی ہے کہ اسے ڈاکٹر نہیں بننا۔ یہ سنتے ہی آپا صالحہ شدید پریشان ہوجاتی ہیں۔

۱۴ چودہویں قسط

اگلے ہی دن ملازمہ حمیدہ مائی اپنے مختصر سامان کے ساتھ بختاور کے ہاں آگئی تھی' اس کا انٹرویو لینے کے بعد اسے پتا چلا کہ اس کی بہو ہاشم کے دوست سرفراز بھائی کے گھر میں نوکری کرتی تھی۔ یہ سن کر بختاور مطمئن ہوگئی' پچاس' باون سالہ وہ خاتون تین جوان بچوں کی ماں تھی اور اس عمر میں بھی خاصی پھرتیلی تھی۔ اس نے آتے ہی پورے فلیٹ کی تفصیلی صفائی کی جو بختاور اپنی خرابی طبیعت کی بنا پر کچھ عرصے سے نہیں کرپارہی تھی۔ حمیدہ مائی کے آنے کے بعد بختاور کو خاصا سکون ہوگیا تھا۔

"بیگم صاحبہ! یہ کاغذات دیکھیں' کام کے ہیں یا پھینک دوں....؟" اس دن وہ ظہر کی نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھی' جب حمیدہ مائی کچھ کاغذات کا پلندہ لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ شاید کچھ پمفلٹ ٹائپ کاغذ تھے۔

"کہاں سے اٹھائے ہیں یہ....؟" بختاور نے لاپروائی

سے پوچھا۔

"اسٹور کی صفائی کر رہی تھی' تو صاحب کے بیگ کے پاس گرے ہوئے تھے زمین پر....." حمیدہ نے سادگی سے کہا۔

"ادھر دکھاؤ مجھے....." بختاور نے قرآن پاک بند کیا اور حیرانی سے ان کاغذات کو پکڑا اور ان پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کا دماغ بھک کر کے اڑا اور اس کے چہرے کی رنگت فق ہوئی اور ـــــ تنفس میں ایک دم ہی تیزی آئی۔

"استغفر اللہ....." اس نے بمشکل تھوک نگل کر اپنے خشک حلق کو تر کیا۔

"بیگم صاحبہ! کیا ضروری کاغذات ہیں؟" ملازمہ نے اس کے ہراساں چہرے کو دیکھ کر اندازہ لگایا۔

"کیا اور بھی ہیں.....؟" وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی۔

"شاید صاحب جی کے بیگ میں ہوں....." حمیدہ نے فوراً جواب دیا۔

"جاؤ' وہ بیگ اٹھا کر لاؤ....." حمیدہ کے باہر نکلتے ہی بختاور نے عجلت بھرے انداز میں اس لٹریچر پر دوبارہ نظریں دوڑانا شروع کیں' اس کی آنکھیں گویا پتھرا سی گئیں۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے ان پمفلٹ پر لکھی مکروہ عبارت کو جیسے جیسے پڑھ رہی تھی' ویسے ویسے اس کا دل مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا جا رہا تھا۔

"ایس ایچ ہیلی کینٹرز....." ان ناموں پر نظر پڑتے ہی اس کا سکون تہہ و بالا ہو گیا۔ وہ جانتی تھی کہ ایس ایچ سیموئیل اور ہاشم کے ناموں کا مخفف ہے۔

"او میرے خدایا..... یہ لوگ اتنا شیطانی کام کر رہے ہیں.....؟" بختاور کو لگا جیسے کسی نے ابلتا ہوا پانی اس کے سر پر ڈال دیا ہو۔

حمیدہ مائی ہاشم کا پرانا بیگ اٹھا کر لے آئی جو تھوڑا سا پھٹ گیا تھا' اس لیے ہاشم نے اسے اسٹور میں پھینک دیا تھا۔ بختاور نے جلدی جلدی اس کے بیگ کی تلاشی لی' وہاں اسی قسم کا مواد' پمفلٹ اور چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی صورت میں موجود تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ لوگ ایسی چیزیں کافی زیادہ چھاپ چکے تھے۔ وہ تو شکر تھا کہ حمیدہ بالکل ان پڑھ تھی' ورنہ اب تک وہ ان کا کام چھوڑ کر لعنت بھیج کر جا چکی ہوتی۔

"ٹھیک ہے..... تم جاؤ....." بختاور نے فوراً ہی ملازمہ کو منظر سے ہٹایا۔

"ان کا پبلشنگ ادارہ یہ کام کر رہا ہے....." بختاور کا دل ڈوبتا جا رہا تھا' وہ پریشانی سے اپنے گھر میں موجود خوش حالی کو دیکھ رہی تھی' جو اس قسم کے لٹریچر کو بیچ کر لائی گئی تھی۔ بختاور کو یوں محسوس ہوا جیسے پورا گھر کسی غلاظت کی پلیٹ میں آ گیا ہو۔ جس میں بختاور کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس رات جیسے ہی ہاشم گھر آیا' وہ غصے سے اٹھی اور سارا پلندہ لا کر اس کے سامنے پھینکا۔ ہاشم نے حیرانی سے اس کے آگ بگولہ چہرے کو دیکھا۔ پہلے تو وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکا' پھر جیسے ہی اس نے زمین پر بکھرے پمفلٹ اور کتابچے دیکھے تو ایک لمحے میں سارا معاملہ سمجھ گیا۔

"تم لوگ یہ شیطانی چیزیں چھاپتے ہو اپنے ادارے میں....." ضبط کی کوشش میں بختاور کا چہرہ سرخ ہوا۔

"تو کیا ہوا؟ آرڈر ملا تھا ہمیں۔۔۔" وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولا۔

"شرم نہیں آتی تم لوگوں کو ایسا گھٹیا اور بے ہودہ لٹریچر پبلش کرتے ہوئے' اللہ کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے۔" وہ بھڑک کر بولی۔

"دیکھو' بختاور! یہ اللہ کے ڈراوے تم کسی اور کو دینا' میں ان چیزوں کو نہیں مانتا' میرے اپنے نظریات ہیں۔۔۔" اس کے لہجے سے بھی برہمی چھلکی۔

"کیا نظریات ہیں تمہارے۔۔۔ بولو۔۔۔ یہ ہی نا کہ یہ دنیا خود بخود بن گئی اور جنت اور جہنم کا کوئی وجود نہیں۔" وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔

"ایسا ہی ہے' بختاور! تم کسی دن میرے ساتھ سکون سے بیٹھ کر اس موضوع پر بات کرو تو تمہیں پتا چلے گا کہ تم لوگوں نے ان غلط عقائد کی بنا پر اپنی زندگی کو کتنا مشکل بنا رکھا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا' اصل کیا ہے۔"

بختاور کے لیے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔

"تم مجھے کیا خاک بتاؤ گے ہاشم رضا' جو خود گمراہی کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے' تم اپنے ہاتھوں سے جہنم کی آگ خرید رہے ہو۔" بولتے بولتے اس کی آواز پھٹی۔ وہ کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے' بختاور! تم مذہبی لوگ خوامخواہ جذباتی ہو جاتے ہو' تم لوگ ان دیکھی چیزوں کے لیے لڑنے لگتے ہو' اسی لیے ترقی نہیں کر پاتے' دیکھنا میں اپنی اولاد کو ان چیزوں میں نہیں پڑنے دوں گا۔" اس کی بات پر بختاور کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

"تم اپنی اولاد کو یہ ساری فضولیات سکھاؤ گے۔۔۔؟" وہ بمشکل بولی۔

"ظاہری سی بات ہے میری اولاد' میری ہی چیزوں کو فالو کرے گی نا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ اب کہنے اور سننے کو کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا' لیکن اس نے پھر بھی آخری کوشش کی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے آپ کو نہیں بدلو گے۔"

"مجھے کیا ہوا ہے بختاور! تم کیوں میرے گھر والوں کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟ میں ایسا ہی ہوں اور ایسا ہی رہوں گا۔" بختاور کو یقین ہو گیا تھا کہ اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی تھی اور وہ گمراہی کے راستے کو ہی حق کا راستہ سمجھ رہا تھا' بختاور کو ایسا لگا جیسے اس کا وجود کسی بھاری پہاڑ کے نیچے آ گیا ہو اور وہ چاہ کر بھی اس کے نیچے سے نہیں نکل سکے گی۔

☆ ☆ ☆

"تم ٹینشن مت لو بندیا! میں جاتے ہی تمہارے ڈاکومنٹس مکمل کر کے تمہیں بلوا لوں گا۔"

تیمور کی اگلی صبح فلائٹ تھی اور وہ بندیا کے ساتھ گھر کی چھت پر الوداعی ملاقات کے لیے موجود تھا۔ سامنے ڈوبتے سورج کی سرخی پورے آسمان پر پھیل رہی تھی اور بندیا کو ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا اپنا دل ڈوب رہا ہو۔ وہ دونوں اب ایک مضبوط شرعی رشتے میں تو بندھ گئے تھے' لیکن پیروں میں پڑی زنجیریں اس رشتے کے اعلان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔

"اگر یہاں کسی کو پتا چل گیا تو۔۔۔؟" بندیا کسی سہمی ہوئی چڑیا کی مانند اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تیمور نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لگا کر دلاسا دیا۔

"ان شاء اللہ۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا اور پھر اماں ہیں نا' یہاں سب کچھ سنبھالنے کے لیے۔۔۔" تیمور کی آنکھوں میں اس کے لیے محبت ہی محبت تھی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تیمور۔۔۔" بندیا کی آنکھوں میں خوف ہلکورے کھا رہا تھا۔

"میرا اعتبار کرو بندیا! میں تمہیں کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔" تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے دبایا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

"اپنا بہت سا خیال رکھنا میرے لیے۔۔۔" اس نے چاہت سے لبریز لہجے میں کہا۔

"تیمور۔۔۔ دیر مت کیجیے گا' ایسا نہ ہو کہ کوئی

آزمائش ہمارا نصیب بن جائے۔" بندیا کے لہجے میں ہزاروں اندیشے ابھی بھی پنہاں تھے۔
"ایسا کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ' تم اماں کا خیال رکھنا' وہ بہت تنہا ہو چکی ہیں۔"
تیمور کی بات پر اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔
"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں بلوانے کے بعد اماں کو بھی اپنے پاس بلوالوں' کم از کم وہ میری خوشیوں میں تو شریک ہوں۔" وہ سنجیدہ لہجے میں اسے اپنے مستقبل کے ارادے بتا رہا تھا۔
اس دن وہ دونوں پورے دو گھنٹے چھت پر کھڑے آنے والے خوش گوار دنوں کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ بینش اپنی کسی دوست کی سالگرہ کے فنکشن میں اور جلال صاحب اپنے اسپتال گئے ہوئے تھے۔ تیمور سے ملنے کے بعد وہ بینش کے پورشن میں آگئی۔
بینش اپنی دوست کے فنکشن سے آچکی تھی اور اب کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ بندیا کا ذہن بھٹک بھٹک کر تیمور کی طرف جا رہا تھا۔ جھنجلا کر وہ دوبارہ ان کے پورشن کی طرف آگئی۔ تیمور کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے شائستہ بیگم' بیڈ پر اس کے سامان میں الجھی ہوئی تھیں' ہر طرف کپڑے' جوتے اور تیمور کی اشیا بکھری ہوئی تھیں۔ بندیا نے اندر داخل ہوتے ہی تائی اماں کو سلام کیا' جو اسے دیکھتے ہی بے ساختہ مسکرائیں۔
"اللہ بھلا کرے تمہارا بندیا! بہت موقع پر آئی ہو تم۔۔۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا۔
"خیریت۔۔۔؟" بندیا نے حیرانی سے کمرے میں پھیلے ہوئے سامان کو دیکھا۔
"تیمور کی پیکنگ تو کردو بیٹا' پہلے یہ کام ڈیزی اور طیبہ کردیتی تھیں مگر۔۔۔" انہوں نے اداسی سے فقرہ ادھورا چھوڑا۔
"اچھا۔۔۔ آپ پیچھے ہٹیں' میں کرتی ہوں۔" بندیا نے پھرتی سے سارا کام سمیٹنا شروع کردیا۔ وہ اسے کپڑے تہ کرکے دے رہی تھیں اور بندیا انہیں سلیقے سے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔
"بینش کیا کر رہی تھی؟" انہوں نے تیمور کے سوئٹر کو ایک سائڈ پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
"اپنی اسٹڈیز۔۔۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔
اپنے کمرے میں داخل ہوتے تیمور نے یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔
"خیر ہے' یہ ساس بہو کے درمیان کیا چل رہا ہے۔" اس کی شرارت پر بندیا کا چہرہ گلابی ہوا' جبکہ شائستہ بیگم نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا' شکر ہے وہاں کوئی نہیں تھا۔
"تمہیں اپنی زبان پر کنٹرول نہیں ہے کیا۔" وہ خفا ہوئیں۔
"ساری زندگی بس ڈرتی ہی رہیے گا۔" تیمور نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ بیڈ پر اچھالا۔
"میں ایسی بہادری سے باز آئی جو سارے گھر کا سکون برباد کرکے رکھ دے۔" انہوں نے منہ بنا کر جواب دیا۔
"بندیا! یہ میرے سارے ڈاکومنٹس ہینڈ کیری میں رکھنا۔" تیمور کو اچانک یاد آیا۔
"ارے یہاں کیا ہو رہا ہے۔" بینش جو کہ میڈیکل کا کوئی ٹاپک سمجھنے کے لیے بڑے ابا کے پاس آئی تھی' تیمور کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر چلی آئی۔ اب وہ ناگواری سے نظریں گھما گھما کر سارا منظر دیکھ رہی تھی۔
"کیوں' تمہیں نظر نہیں آرہا ہے کہ کیا ہو رہا ہے' کہیں عینک کا نمبر بڑھ تو نہیں گیا تمہارا۔۔۔" تیمور کے طنزیہ انداز پر بینش کے تیوری کے بل گہرے ہوئے۔
"تم سے میں نے کہا تھا مجھے کسٹرڈ بنادو اور تم یہاں پہنچی ہوئی ہو۔" بینش کا غصہ ہمیشہ کی طرح بندیا پر ہی اترا۔
"وہ تو میں نے کب کا بنا کر فریج میں رکھ دیا ہے۔" بندیا کے جواب پر تیمور کو ہنسی آگئی' بینش نے کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"تم کیوں دانت نکال رہے ہو؟"

"اس لیے کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری نظر واقعی کمزور ہو گئی ہے جو تمہیں فریج میں رکھا کسٹرڈ کا پیالہ بھی نظر نہیں آیا۔" تیمور بڑے مزے سے کاؤچ پر ڈھیر ہو گیا۔

"زیادہ مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں، تایا ابا کہاں ہیں؟" بینش نے بے زاری سے دائیں بائیں دیکھا۔

"تمہیں یہاں بیٹھے نظر آرہے ہیں؟ نہیں نا؟ تو اس کا مطلب ہے اپنے کمرے میں ہوں گے۔" تیمور نے ایک دفعہ پھر طنز کیا۔

"دیکھ لیں تائی اماں! یہ کس اسٹائل میں بات کرتا ہے مجھ سے..." بینش نے خلاف معمول شائستہ بیگم سے شکایت کی۔

"بھئی۔ یہ تم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے، مجھے مت گھسیٹو..." انہوں نے بے زاری سے کہتے ہوئے اپنا دامن بچایا۔

"بندیا! تم کیا اس کی نوکر لگی ہوئی ہو، چھوڑو اس کی پیکنگ کو، چلو میرے ساتھ..." بینش برا مان گئی تھی۔ اس نے... بندیا کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔

"ارے... ارے... اس کو کام تو مکمل کرنے دو..." تیمور بوکھلایا۔

"جی نہیں... خود کرو، تمہارے ہاتھ ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں۔" وہ بدتمیزی سے کہہ کر اس کا بازو پکڑ کر باہر نکل آئی، بندیا کو دل ہی دل میں افسوس ہونے لگا۔

"ایک دفعہ شادی ہو جائے، اس کو تو سیٹ کر کے رکھوں گی میں..." اپنے پورشن کی طرف بڑھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"کب ہے شادی...؟" بندیا نے انجان بن کر پوچھا۔

"آغا جی کہہ رہے تھے کہ وہ تایا ابا سے بات کریں گے کہ نیکسٹ ٹائم وہ میرے ڈاکومنٹس بنوانے کے لیے نکاح کر کے جائے۔" بندیا نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ویسے بھی اسے بات کرتے ہوئے بس اپنی ہی سنانے کی عادت تھی۔ دونوں اپنے پورشن میں گئیں۔

"مجھے پیکنگ ادھوری چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس کا ذہن ابھی تک وہیں پر تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں بے وقوفوں کی طرح ان کے کام کرنے کی۔ تائی اماں تو تمہیں نوکر ہی سمجھنے لگی ہیں۔"

"مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا۔" اس نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"بہت تیز عورت ہیں یہ، ان سے بچ کر ہی رہو۔" بینش کی بات پر وہ خاموش رہی۔

"ان کو تو میں شادی کے بعد ایک کونے میں لگا دوں گی۔" بینش نے ناک چڑھا کر اپنے ارادوں کا اظہار کیا، اس بات پر بندیا کا چپ رہنا مشکل ہو گیا۔

"آپ کی اور تیمور کی شادی کے لیے مان جائیں گی وہ...؟"

"ہونہہ... ان کو پوچھتا کون ہے، اس گھر میں وہی ہوتا ہے جو بڑے ابا چاہتے ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"ایک بات پوچھوں بیا؟" بندیا کے ذہن میں یوں ہی ایک خیال آیا۔

"ہاں پوچھو..." وہ نیل فائلر اٹھا کر اپنے ناخنوں کی شیپ بنانے لگی۔

"آپ کو تیمور سے محبت ہے..." بندیا نے نظریں چرا کر پوچھا۔

"محبت وحبت مجھے کسی سے نہیں ہے۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "ویسے بھی یہ میرے بس کا کام نہیں۔"

"تو پھر کیوں کرنا چاہتی ہیں آپ شادی تیمور سے...؟" بندیا کو تعجب ہوا۔

"اس لیے کہ وہ اپنے اولدین کا اکلوتا بیٹا اور کروڑوں کی جائیداد کا وارث ہے، اس سے شادی کر کے ایک تو میں اسی گھر میں آغا جی کے پاس رہوں گی اور دوسرا اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گی۔" اس کے لاپروا انداز پر بندیا کے سینے پر رکھا ضمیر کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔

"میں تو سمجھی تھی، شاید آپ اس سے محبت کرتی

ہیں۔" اس نے پرسکون سانس خارج کیا۔

"ارے نہیں یار.... مجھے دنیا میں صرف دو ہی افراد سے محبت ہے۔" اس کی بات پر بندیا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ایک خود سے اور دوسرے آغا جی سے...." وہ مزے سے بولی۔

"بہت ہی عجیب شخصیت ہے آپ کی...." اس دفعہ بندیا نے کھل کر اظہار کیا' وہ اس کے تبصرے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

وہ رات تیمور اور بندیا دونوں کے لیے ہی اذیت ناک تھی۔ صبح وہ انگلینڈ کے لیے فلائی کرچکا تھا اور پہلی دفعہ بندیا کو اس کے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ ہر طرف وحشت اور ویرانی سی تھی۔ پہلی دفعہ اسے احساس ہوا تھا کہ ایک خاص شخص کے آس پاس نہ ہونے سے زندگی کیسے بے رونق' اداس اور پھیکی پھیکی سی ہو جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

عدینہ نے جب سے وہ تصویریں اوریدا کے گھر میں دیکھی تھیں' تب سے وہ سخت پریشان تھی' اتنا تو اسے بھی اندازہ تھا کہ آپا کی پراسرار شخصیت کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑا راز چھپا ہوگا' لیکن وہ راز اس طرح اچانک کھل کر سامنے آجائے گا' وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے باتوں باتوں میں اوریدا سے دوبار ڈیزی پھپھو کے بارے میں کریدنے کی کوشش کی تھی' لیکن اوریدا کے ریکارڈ کے مطابق وہ مرچکی تھیں اور یہ ہی بات عدینہ کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

اس حقیقت کے کھلنے کے بعد عدینہ کو ایک دم ہی اس گھر سے اور بڑی اماں سے انسیت محسوس ہونے لگی تھی۔

"تو یہ تھا وہ تاریک کونہ' جس پر آپا نے اتنے سالوں سے پردہ ڈال رکھا تھا۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

"اگر آپا کا میکہ یہ تھا تو پھر کشمیر سے آنے والے دونوں میاں بیوی کون تھے۔" عدینہ جیسے جیسے سوچ رہی تھی' اتنی ہی زیادہ الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

"مجھے فی الحال اس بات کو آپا سے بھی چھپا لینا چاہیے' ورنہ وہ مجھے اوریدا سے ملنے نہیں دیں گی۔" اس نے خود کو سمجھایا۔

جمعہ کی شام کو وہ لوکل ٹرانسپورٹ کے ذریعے گھر پہنچی تو عصر کی اذانیں ہو چکی تھیں اور ان کے گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنا چھوٹا سا سفری بیگ لے کر اندر داخل ہوئی۔ صحن بالکل خالی تھا' وہ خاموشی سے آپا صالحہ کے کمرے کی طرف بڑھی اور جیسے ہی اس نے اندر جھانکا' آپا صالحہ ایک دم بوکھلا گئیں۔

انہوں نے گھبرا کر ہاتھ میں پکڑی دوائی جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور زبردستی مسکرانے لگیں۔

"ارے عدینہ آؤ' آؤ' دروازے میں کیوں رک گئیں؟"

"السلام علیکم آپا...." اس نے تھکے تھکے انداز میں سلام کیا اور ان کے ساتھ ہی پلنگ پر آکر بیٹھ گئی۔

"تم نے بتایا ہی نہیں کہ تم آرہی ہو...." وہ غیر محسوس طریقے سے اپنی دوائیاں سائیڈ میز پر رکھے جگ کے پیچھے چھپا رہی تھیں۔

"بس ایسے ہی دل اداس ہو رہا تھا' اس لیے آگئی۔" اس نے محبت بھرے انداز میں آپا کے کندھے پر سر ٹکایا۔

"وہ تو اچھا کیا۔ اب کیا حال ہے اوریدا کے فادر کا....؟" وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھیں۔

"پہلے سے کچھ بہتر تھے' لیکن ابھی بھی اسپتال میں ہیں۔" اس نے مختصراً" جواب دیا۔

"تمہیں ان حالات میں اپنی دوست کو اکیلے چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا بیٹا۔" آپا صالحہ کو بن دیکھے اوریدا سے انسیت ہو گئی تھی۔

"آپا! وہ اکیلی کہاں ہے' ماشاء اللہ اس کا بھائی' دادا' دادی' کزنز' پھوپھو سب لوگ اس کے پاس تھے۔" عدینہ نے فوراً" صفائی دی۔

"پھر بھی انسان جو بات اپنے قریبی دوست سے

کر سکتا ہے نا' وہ بعض دفعہ کسی خونی رشتے سے بھی نہیں کر سکتا۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے افسردگی سے بولیں۔

"آپا... آپ کی کوئی بیسٹ فرینڈ تھی؟" عدینہ نے کچھ سوچ کر پوچھا' وہ ہلکا سا گڑبڑا گئیں۔

"ہاں... " ان کا جواب سن کر عدینہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ فوراً" اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "اچھا... کہاں ہوتی ہیں وہ؟ آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں؟"

"تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں... " وہ مسکرائیں۔ "ملک سے باہر ہوتی ہے آسٹریلیا میں..." انہوں نے مختصر سا جواب دیا' جس سے عدینہ کی تسلی نہیں ہوئی۔

"کیا اسکول فرینڈ تھی آپ کی..."

"ہاں... بس یوں ہی سمجھ لو... " آپا صالحہ نے گھما پھرا کر جواب دیا۔

"آپا... آپ کا سارا بچپن کشمیر میں گزرا ہے کیا؟" اس نے دھڑکتے دل سے تفتیش کا آغاز کیا۔

"ہوں..." انہوں نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

"آپ کو اپنے بہن بھائیوں کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟ میرا مطلب ہے وہ آپ کو یاد نہیں آتے۔" عدینہ کی بات پر آپا صالحہ کو ایک دم جھٹکا لگا۔

"میرے بہن بھائی کہاں سے آگئے؟ میں تو اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں۔" ان کے لہجے میں ناگواری کا عنصر بھانپ کر عدینہ بوکھلا گئی۔ "میرا مطلب یہ تھا آپا کہ آپ کا دل نہیں کرتا' آپ کے اور بھی بہن بھائی ہوتے۔" اس نے فوراً" ہی اپنا سوال تبدیل کر دیا۔

"میں نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔" وہ تھوڑا سا افسردہ ہوئیں۔

"ویسے آپا... ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کا رشتہ کروایا کس نے تھا ابا سے؟" عدینہ نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

"یہ تم آج کیسے اوٹ پٹانگ سوالات کر رہی ہو عدینہ..." وہ خفا ہوتے ہوئے بولیں۔ "جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اللہ نے جب کسی کا کسی کے ساتھ جوڑ بنایا ہو تو وہ لوگ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ عدینہ ان کی اس بات پر کوئی تبصرہ کرتی' فضا میں مغرب کی اذان گونجنے لگی اور عدینہ کو پتا تھا کہ آپا صالحہ اذان کے دوران بولنے کو سخت ناپسند کرتی تھیں۔ عدینہ کے کانوں میں جیسے ہی اذان کے الفاظ پڑے' اسے ایک اور شدید جھٹکا لگا' یہ جانی پہچانی مانوس آواز بہت طویل عرصے کے بعد ان فضاؤں میں گونجی تھی۔ عدینہ نے بوکھلا کر آپا کی طرف دیکھا' وہ اس کی ماں تھیں' اس کے چہرے پر پھیلی حیرت کے پیچھے چھپی وجہ کو جان گئی تھیں۔

"آپا یہ تو عبداللہ..." اس کے منہ سے پھسلا۔

"شش..." آپا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ عدینہ کا دماغ بھک کر کے اڑا تھا' اسے آپا صالحہ کی تصویریں' ان کا ماضی سب کچھ بھول گیا تھا اور یاد رہی تو صرف یہ بات کہ آپا صالحہ نے عبداللہ کو دوبارہ مدرسے میں جانے ہی کیوں دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہاشم کی باتوں نے بختاور کی زندگی کو عجیب سے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ انسان کسی دلدل میں کیسے اندر ہی اندر دھنستا چلا جاتا ہے۔

وہ کئی دفعہ ہاشم سے اس موضوع پر بات کرنے کے بارے میں کوشش کر چکی تھی لیکن ہر دفعہ ہی وہ اسے جھاڑ کر رکھ دیتا اور ایک دن تو وہ اسے باقاعدہ مارنے کے لیے لپکا تھا۔ اس چیز نے بختاور کو مزید خوف زدہ کر دیا۔

"تم اگر میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں تو بے شک نہ رہو' لیکن میں اپنی اولاد کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔" وہ اس دن بالکل ہی بدلحاظ ہو کر بولا۔

"اور میں اسے تمہارے جیسا بننے نہیں دوں گی۔" وہ بھی مشتعل ہو گئی۔

"تو ٹھیک ہے پھر تم بھی کوشش کر کے دیکھ لو' دیکھتے ہیں کس میں کتنا دم ہے۔" ہاشم نے کھلے الفاظ میں اسے دھمکی دی۔

"اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا..." وہ بات

کرتے کرتے رودی۔

"تو اسے کہو، اگر وہ ہے تو ابھی نازل کردے، میں بھی تو دیکھوں، کیسے ہوتے ہیں عذاب۔" ہاشم کی ہنسی اس سمے بختاور کو بہت مکروہ لگی۔

"میں تم سے فضول بحث کرنا نہیں چاہتی....." وہ ناراض ہوکر کمرے سے نکل گئی۔

ان ہی دنوں ہاشم کو اچانک ہی کسی کام سے سیمو ئیل کے ساتھ کچھ دن کے لیے کراچی جانا پڑ گیا۔ ان ہی دنوں بختاور کی ڈلیوری کے دن بھی قریب تھے۔ اس ذہنی اذیت نے اسے بے چین کررکھا تھا اور اس سے باہر نکلنے کو اسے کوئی راستہ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

تنگ آکر اس نے ہاشم کے دوست سرفراز بھائی اور ان کی بیگم فائزہ بھابھی سے مدد لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے صبح ہوتے ہی فائزہ بھابھی کو کال کی اور انہیں اپنے میاں کے ساتھ فوراً گھر پہنچنے کو کہا۔ دونوں میاں بیوی بوکھلائے ہوئے اگلے ایک گھنٹے میں اس کے فلیٹ میں موجود تھے۔

"بھابھی! خیریت تو ہے ناں.....؟" سرفراز بھائی کو اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر تشویش ہوئی۔

"سرفراز بھائی! آپ کو پتا ہے ناں ہماری شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔" وہ افسردگی سے گویا ہوئی۔

"جی بھابھی! مجھے پتا ہے سب کچھ، لیکن ہوا کیا ہے۔" بختاور کی متورم آنکھیں، زرد چہرہ اور مضمحل وجود کسی بڑی بات کی طرف اشارہ کررہا تھا۔

"بھائی! میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیسے بات کروں اور کس سے کروں، کیونکہ اس شہر میں آپ کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتی۔" بختاور نے تمہید باندھی۔

"بختاور! تمہارا خدانخواستہ کوئی جھگڑا تو نہیں ہوگیا ہاشم بھائی سے....." فائزہ بھابھی نے گھبرا کر اندازہ لگایا۔

"کاش کسی گھریلو بات پر جھگڑا ہی ہوگیا ہوتا....." اس نے ایک سرد آہ بھری۔

"بھابھی!۔۔۔ پلیز آپ کھل کر بات کریں۔ ہم سے جو ہو سکا، آپ کی ہیلپ کریں گے۔" سرفراز بھائی نے اس کی ہمت بندھائی۔

"یقین مانیں سرفراز بھائی میں ایسے دوراہے پر آکھڑی ہوئی ہوں، جہاں آگے کنواں ہے تو پیچھے کھائی۔" وہ بے اختیار رودی۔ "ایسا لگتا ہے جیسے اللہ نے مجھے ماں باپ کی نافرمانی کی سزا دی ہو۔"

"پلیز بختاور! بتاؤ تو سہی، آخر معاملہ کیا ہے۔" فائزہ بھابھی پریشانی سے اس کے پاس آن بیٹھیں۔ بختاور نے سائیڈ ٹیبل سے ایک فائل اٹھائی اور کھول کر ان دونوں میاں بیوی کے سامنے رکھ دی۔

"یہ پڑھیں اور بتائیں، ایسا لٹریچر چھاپنے والا بندہ کون ہو سکتا ہے۔" بختاور کے ہاتھ سے فائل لے کر دونوں میاں بیوی نے پریشانی سے ایک نظر اس پر ڈالی اور ساتھ ہی انہیں جھٹکا لگا۔

"استغفراللہ..... یہ بے ہودہ اور لغو چیزیں کہاں سے آئیں آپ کے پاس۔؟" سرفراز بھائی نے مشکوک نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاشم کا پبلشنگ ادارہ یہ چیزیں شائع کرتا ہے....." بختاور کے تلخ لہجے پر انہیں شاک لگا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہوگیا اس کا۔؟ ان خرافات کو پبلش کرنے کا مطلب سمجھتا ہے وہ۔؟" انہیں ٹھیک ٹھاک غصہ آیا۔ بختاور خاموش رہی۔

"دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے گا وہ پاگل انسان....." وہ غصے سے ٹہلنے لگے۔

"اسے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا....." بختاور کی بات پر دونوں میاں بیوی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا.....؟"

"سرفراز بھائی، وہ دنیا کے کسی مذہب، اللہ اور رسول کو نہیں مانتا، بلکہ اللہ معاف کرے ان چیزوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ گمراہی کے گڑھے میں گرچکا ہے، اور یہ بات مجھے سخت اذیت دے رہی ہے....." بختاور کی آواز انہیں کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیا.....؟" دونوں میاں بیوی کو شدید جھٹکا لگا۔

"بھابھی! آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔"
سرفراز بھائی محتاط انداز میں بولے۔
"آپ خود بتائیں کیا اللہ پر یقین رکھنے والا مسلمان شخص ایسی چیزیں چھپا سکتا ہے۔" بختاور نے انہیں لاجواب کیا۔ "وہ مجھے کہتا ہے کہ میں غلط عقائد کی بناپر اپنی زندگی خراب کررہی ہوں۔" اس نے مزید ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔ "مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی ثبوت آپ کے سامنے ہے۔" وہ جھنجلا گئی۔
"تم نے سمجھایا نہیں اسے...." فائزہ بھابھی پریشان ہوئیں۔
"میں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں بھابھی! لیکن وہ کچھ سننے کو تیار نہیں، اسی بات کی وجہ سے اس کے گھر والوں نے اسے چھوڑ دیا اور میں اندھیرے میں ماری گئی، خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا پتا ہوتا تو میں کبھی بھی اس سے شادی نہ کرتی۔" وہ دکھی لہجے میں انہیں ساری باتیں بتاتی چلی گئی۔
"آئی ایم سوری بھابھی! ان حالات میں ہاشم کو سمجھانے کے بجائے آپ کو خود سمجھنے کی ضرورت ہے۔" سرفراز بھائی نے ساری بات سن کر صاف گوئی سے کہا۔
"کیا مطلب....؟" بختاور کی سمجھ میں نہیں آیا۔
"مجھے لگتا ہے جیسے آپ کا یہ نکاح ہوا ہی نہیں تھا۔" ان کی بات پر بختاور کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں....." وہ بوکھلا گئی۔
"آپ کو اس بات کو کنفرم کرنا چاہیے کسی اسلامک اسکالر سے۔" انہوں نے جھٹ سے مشورہ دیا۔
"لیکن میں تو کسی کو نہیں جانتی...." بختاور کے چہرے پر اب صحیح معنوں میں ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
"مولانا عبدالرشید صاحب ہیں میرے جاننے والے، اگر آپ کہیں تو ہم آپ کو ان کے پاس لے جاسکتے ہیں۔"
"پلیز سرفراز بھائی! ابھی اور اسی وقت چلیں، مجھے سخت ٹینشن ہورہی ہے۔" وہ حقیقتاً" بوکھلا گئی تھی۔
سرفراز بھائی اسے لے کر فوراً" اپنے جاننے والے مولانا صاحب کے پاس پہنچے اور انہیں سارا واقعہ تفصیل سے بتایا۔
"دیکھیں بی بی! آپ کا نکاح لاعلمی میں ہوا اور مجھے لگتا ہے، وہ بھی اس شخص نے صرف آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کیا ہوگا۔ حقیقت میں کسی مومن خاتون کا نکاح ملحد مرد کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔" مولانا صاحب نے بختاور کی سماعتوں پر بم گرایا۔
"تو اب کیا ہوگا مولانا صاحب....." فائزہ بھابھی گھبرا گئیں۔
"دیکھیں، لاعلمی میں ہونے والی باتوں پر اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں لیکن جب انہیں اس حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا اور اس کے بعد بھی یہ ان کے ساتھ رہیں تو یہ گناہ کبیرہ کے زمرے میں آتا ہے، انہیں فوراً" اللہ سے توبہ کرکے ایسے شخص سے علیحدہ ہونا چاہیے۔"
مولانا صاحب نے گویا پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا تھا۔ وہ بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے سب کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پورے کمرے کی چھت اس پر آن گری ہو۔ اس نے حقیقتاً" اپنے ہاتھ سے جہنم کی آگ کا سودا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

تیمور کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے پورے پندرہ دن ہوچکے تھے۔ اس عرصے میں آغا جی ارحم کے ساتھ کئی دفعہ وہاں کا چکر لگا آئے تھے اور جلال صاحب نے تیمور کی عیادت کرنا تو دور کی بات، کسی سے اس کا حال احوال تک نہیں پوچھا تھا اور یہ بات بڑی اماں کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ بڑے انسان گھر میں جانور بھی پال لے تو اس کی تکلیف بے چین کردیتی ہے، ادھر تو میرا جیتا جاگتا اکلوتا بیٹا ہے۔ مجال ہے تمہارے باپ کے کان پر جوں بھی رینگی ہو۔
وہ آج طیبہ کے سامنے بے ساختہ رو پڑیں۔ طیبہ،

تیمور سے ملنے کے لیے شہر آئی تھیں اور سرمد نے انہیں اسپتال آنے سے منع کردیا تھا کیونکہ تیمور صاحب کو آج ڈسچارج کیا جارہا تھا۔

"آپ کو پتا تو ہے بابا کا' کیوں اپنا دل جلارہی ہیں..." طیبہ کو بوڑھی ماں کے آنسو پریشان کررہے تھے۔

"کیا کچھ نہیں کیا میں نے ان کے لیے اور یہ اپنے بیٹے کی ایک غلطی معاف نہیں کرسکتے۔" انہوں نے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھے۔

"آپ کو ابھی بھی ان سے کسی اچھائی کی امید ہے۔" طیبہ نے بے زاری سے پوچھا۔

"سوچا تھا شاید بیٹے کو دیکھ کر دل پسیج جائے' میں ہی پاگل تھی جو زبردستی اسے پاکستان لے آئی۔" ان کا دکھ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"اب کہاں ہیں وہ...؟" طیبہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"اپنے کمرے میں گھسے بھتیجی کے ساتھ دنیا جہاں کے کیس ڈسکس کررہے ہیں اور اپنے بیٹے کی پرواہ نہیں۔" وہ جل کر بولیں۔

"بینش آئی ہوئی ہے کیا...؟" طیبہ کو کوفت ہوئی۔

"وہ یہاں سے جاتی ہی کب ہے' ایک ہی تو بچی ہے تمہارے باپ کی اور باقی اولاد لے پالک..." وہ تلخ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"معاف کیجئے گا اماں! آپ ہی بے وقوف ہیں۔" طیبہ کو ان کے مسلسل رونے پر غصہ آیا۔

"میری طرح ایک دفعہ دل کو سمجھائیں' جس طرح ڈیڈی یا چاچی مرگئیں' ایسے ہی ابا نہیں رہے اب ہمارے لیے۔ یقین مانیں زندگی میں سکون آجائے گا۔"

طیبہ چڑ کر اچھا خاصا بلند آواز میں بول گئی تھیں اور اپنے کمرے سے نکلتے جلال صاحب نے اپنی بیٹی کا یہ جملہ بقائمی ہوش وحواس سنا تھا' ان کے ساتھ کھڑی بینش نے جتاتی ہوئی نگاہوں سے ڈاکٹر جلال کی طرف دیکھا' جن کا چہرہ لمحے بھر کو تاریک ہوا تھا۔

"کیسی ہو طیبہ...؟" بینش نے جتاتے لہجے میں انہیں مخاطب کیا جو ان کی آمد سے بے خبر شائستہ بیگم کو دلاسا دینے میں مصروف تھیں۔

"ٹھیک ہوں..." طیبہ نے مڑ کر دیکھا اور ان کے ساتھ کھڑے بابا کو دیکھ کر لمحے بھر کو سٹپٹائیں اور پھر خود کو سنبھال لیا۔

"السلام علیکم بابا..." انہوں نے سپاٹ لہجے میں انہیں رسماً سلام کیا۔

"وعلیکم السلام' صلاح الدین نہیں آیا تمہارے ساتھ؟" انہوں نے نرم لہجے میں پوچھا۔ یہ ان کی واحد اولاد تھی' جس سے وہ نظر ملا کر بات نہیں کرسکتے تھے۔ اپنے غلط فیصلے کا دکھ آج بھی ستاتا تھا انہیں۔

"آپ کو پتا تو ہے ان کو یہاں آنا پسند نہیں' ویسے بھی وہ شکار پر گئے ہوئے ہیں اندرون سندھ۔" طیبہ کی بے رخی جلال صاحب کا دل چیر کر رکھ دیتی تھی۔

"حیرت ہے اتنے سالوں میں بھی تم نہیں بدل سکیں اپنے شوہر کو؟" بینش نے طنز کیا۔

"میں نے کبھی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ہی مجھے کبھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔" طیبہ کے دوٹوک جواب پر وہ سٹپٹاسی گئیں۔

"چلیں بابا ابا! ہمیں سیمینار سے دیر ہورہی ہے۔" وہ جتاتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"طیبہ! تم رکو گی آج یہاں؟" جلال صاحب نے پرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" حسب توقع انہیں وہی جواب ملا تھا جو وہ ہمیشہ دیتی تھیں۔

اپنی شادی کے بعد وہ اپنی ماں کے بے تحاشا اصرار پر بھی کبھی ایک رات میکے میں نہیں رکی تھیں۔ جلال صاحب بوجھل دل کے ساتھ لاؤنج کا دروازہ کھول کر بینش کے ساتھ باہر نکلے اور دوسرے ہی قدم پر انہیں دھچکا سا لگا۔ سامنے ماہیر اور سرمد' تیمور کو سہارا دے کر گاڑی سے وہیل چیئر پر بٹھا رہے تھے۔ تیمور کے چہرے پر چھائی زردی اور نقاہت انہیں دور ہی سے دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے دل پر ایک گھونسا پڑا۔ جب کہ بینش استہزائیہ نگاہوں سے تیمور کے بے بس وجود کو دیکھ رہی تھیں۔

"تایا ابا! ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" وہ جھنجلائیں اور ڈاکٹر جلال نظریں چرا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

بختاور جب سے مولانا صاحب سے مل کر آئی تھی۔ اس کی حالت انتہائی عجیب ہو چکی تھی۔ اس کا احساس جرم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ دن رات کی ذہنی اذیت نے اسے نیم پاگل کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس گناہ کا مداوا کیسے کرے۔ وہ ساری ساری رات بیٹھ کر روتی رہتی۔ ان ہی دنوں عجیب و غریب خوابوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

وہ کوئی اجاڑ بیاباں ویرانے کی ایک پراسرار رات تھی' جہاں سرکنڈوں کی جھاڑیاں منہ اٹھائے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں' بختاور کا خوف سے برا حال ہو گیا۔ اسے کسی قوت نے اکسایا کہ وہ اس جگہ سے بھاگ جائے' بختاور نے لاچاری سے مٹھیاں بھینچ لیں اور بھاگنے لگی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا' بھاگتے بھاگتے اس نے مڑ کر دیکھا تو ہزاروں کی تعداد میں سانپ اور بچھو اس کے تعاقب میں تھے۔ بختاور کو لگا جیسے اس کے گناہوں نے ان موذی جانوروں کا روپ دھار لیا ہو۔" سراسیمگی اس کے چہرے پر پھیلی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دل سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

"بختاور رکو۔ میری بات سنو۔" ہاشم کی آواز اس ویرانے میں گونجی۔

"سانپوں کو میں نے بھگا دیا ہے' پیچھے مڑ کر دیکھو۔" ہاشم کی بات سن کر اس کے قدم رک گئے' اس نے ڈرتے ڈرتے مڑ کر دیکھا اور اس کی سانس کہیں حلق میں ہی اٹک گئی' کیوں کہ ہاشم کے دھڑ کے اوپر کسی اژدھے کا چہرہ تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر اس سے فریب کھا چکی تھی۔

بختاور کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی' اگلے ہی لمحے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا سارا وجود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"کیا میں ہاشم کے ساتھ گناہ کی زندگی بسر کرتی آئی ہوں۔؟" اسے اپنے جسم اور اپنے اندر سانس لیتے وجود سے نفرت محسوس ہوئی۔ اس نے خود کو اپنے ہی ہاتھوں سے مارنا شروع کر دیا اور مارتے مارتے جب تھک گئی تو زمین پر بیٹھ کر اونچی آواز میں رونے لگی۔

پھر خوابوں کا یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا۔

تنگ آ کر اس نے ایک دفعہ پھر نیلم کو فون کر دیا وہ سارا واقعہ سن کر ششدر رہ گئی۔

"اوہ میرے خدایا! بختاور یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" نیلم کے حلق میں آواز پھنس گئی۔

"وہ انسان نہیں' انسان کے روپ میں شیطان ہے۔" بختاور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"اس میں تمہارے بچے کا کیا قصور ہے۔؟" نیلم کو اس کی باتیں سن کر خوف آیا۔

"وہ کمینہ انسان اسے بھی ملحد بنا دے گا۔" بختاور کو یہ سوچ کسی صورت بھی چین لینے نہیں دے رہی تھی۔

"تم اسے لے کر کشمیر آ جاؤ میرے پاس' یقین مانو میرے والدین کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" نیلم کی پیشکش اس کے لیے اندھیرے میں اچانک جل اٹھنے والے چراغ کی سی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں۔؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"پاگل لڑکی! میں مذاق کیوں کروں گی تمہارے ساتھ۔" اس نے بختاور کو دلاسا دیا۔

"بس تم اپنا ایڈریس لکھواؤ مجھے' میں اس شیطان کے واپس آنے سے پہلے پہلے یہ گھر چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔" بختاور کو پہلی دفعہ اپنے اندر توانائی بھرتی محسوس ہوئی۔ نیلم سے چند ضروری باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

اسی رات جب وہ اپنا بیگ تیار کر چکی تھی' قدرت نے اس کی قسمت میں کچھ اور لکھ دیا تھا۔ اس کی طبیعت اچانک خراب ہوئی اور بختاور نے گھبرا کر ایک

دفعہ پھر فائزہ بھابھی کو فون کر ڈالا' وہ لوگ تو اس کا پہلے ہی بہت خیال رکھتے تھے لیکن اس واقعے کے بعد تو انہیں بختاور سے اور زیادہ ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ سرفراز بھائی اپنی گاڑی میں اسے لے کر اسپتال پہنچے اور اسی رات بختاور نے ایک خوب صورت سی بچی کو جنم دیا تھا' جس کے نچلے ہونٹ کے پاس ایک چھوٹا سا تل تھا' لیکن پتا نہیں کیوں بختاور کو اس بچی سے گھن سی آرہی تھی۔ فائزہ بھابھی ہی مسلسل اسے سنبھال رہی تھیں۔ بختاور نے تو بہانہ کر کے اسے دودھ پلانے سے بھی انکار کر دیا تھا' پتا نہیں اس کا دل اتنا سخت کیوں ہو گیا تھا۔

"بختاور! اب تم کیا کرو گی؟" فائزہ بھابھی نے اگلے دن ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

"مجھے اس شخص کے ساتھ مزید گناہ کی زندگی بسر نہیں کرنی..." وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

"لیکن وہ اپنی اولاد کو نہیں چھوڑے گا..." فائزہ بھابھی نے اسے ڈرایا۔ اتنا تو اسے بھی اندازہ تھا کہ ہاشم اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ جانے نہیں دے گا۔

"بھابھی! کیا اسے آپ نہیں رکھ سکتیں؟" بختاور کی عجیب سی فرمائش پر وہ ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں' انہیں بختاور کے چہرے پر اپنی بیٹی کے لیے نفرت اور بےزاری... کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

"بختاور! اس میں اس بےچاری کا کیا قصور ہے..." انہوں نے اس ننھی پری کا بوسا لیتے ہوئے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں کیوں بھابھی! مجھے اس بچی میں کوئی کشش محسوس نہیں ہو رہی' شاید اس وجہ سے کہ اس کی رگوں میں اس شخص کا خون ہے۔ جس سے میں اب سب سے زیادہ نفرت کرتی ہوں۔" اس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جو بھی ہے بختاور! یہ سب وقتی جذبات ہیں' کچھ دنوں کے بعد جب تم سیٹ ہو جاؤ گی تو ان شاء اللہ تمہیں اس بچی پر بہت پیار آئے گا کیونکہ ماں تو پھر ماں ہی ہوتی ہے ناں..." انہوں نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں..." وہ مایوس ہوئی۔

"بختاور! ہاشم بھائی اسے ہمارے پاس بالکل بھی نہیں رہنے دیں گے' ہمارا اس بچی یا تمہارے ساتھ کوئی بلڈ ریلیشن (خونی رشتہ) ہوتا تو بات کچھ بن جاتی۔" فائزہ بھابھی نے صاف گوئی سے کہا اور یہ بات اس کی بھی سمجھ میں آگئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ اگر میں اس بچی کو چھوڑ کر چلی جاؤں تو ہاشم اسے ضرور اپنے کسی نہ کسی بہن بھائی کو دے دے گا' کیونکہ اکیلے اسے سنبھالنا تو اس کے لیے ناممکن ہے..." اس سوچ نے اسے تھوڑا حوصلہ دیا۔

ہاشم کو بچی کی پیدائش کی اطلاع مل گئی تھی اور اس نے خلاف توقع خاصی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا تھا اور ساتھ ہی بھاری رقم کا منی آرڈر بھجوا دیا۔ وہ دن اسپتال میں رہنے کے بعد وہ بچی کے ساتھ گھر منتقل ہو گئی تھی اور اس عرصے میں فائزہ بھابھی اور ان کے میاں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

"بچی کا نام میں ریکا رکھوں گا اور اسے سینٹ جوزف میں پڑھاؤں گا۔" وہ اسے فون پر مستقبل کے ارادے بتا رہا تھا۔

"تم واپس کب آؤ گے؟" بختاور نے اکتا کر اس سے پوچھا۔

"مجھے کچھ دن کے لیے کراچی سے انڈیا جانا ہے سیموئیل کے ساتھ..." وہ لاپروائی سے بولا۔

"اچھا' ٹھیک ہے..." بختاور کے دل کو کچھ اطمینان ہوا۔

"تم اکیلی رہ لو گی ناں...؟" وہ اس کی خاموشی پر کچھ فکر مند ہوا۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے' تم آرام سے اپنے کام نبٹاؤ..." بختاور نے سپاٹ لہجے میں اطمینان دلایا تو اس نے بھی مطمئن ہو کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

وہ دن بختاور کی زندگی کے بدترین دن تھے' وہ سارا سارا دن زینب کو ہاتھ تک نہیں لگاتی تھی' اسے ملازمہ ہی سنبھال رہی تھی اور اس نے ہی اس بچی کو یہ نام دیا تھا۔ یہ وہ دن تھے جب بختاور اپنے احتساب کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس نے سرفراز بھائی سے کہہ کر ڈپریشن ــــــ سے بچنے کی دوائیں منگوالی تھیں اور آج کل ان ہی کے سہارے چل رہی تھی۔

"ماں باپ کی نافرمانی کرو گی تو کبھی خوش نہیں رہو گی....." اپنی ماں کا کہا ہوا ایک جملہ اسے جون کی اس تپتی دوپہر میں یاد آیا تھا۔

"جس کے والدین کا نہیں پتا محترمہ اس کے ساتھ گھر بسانے جارہی ہیں۔" بابا کی ناراضی میں کہی بات میں کتنی سچائی تھی' یہ اس دن کھل کر اس کے سامنے آگئی۔

بختاور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر ساری دنیا کی لڑکیوں کو بتائے کہ والدین کو ناراض کرکے کیے جانے والے فیصلے غلط نہ بھی ہوں تو تب بھی زندگی میں کوئی نہ کوئی بڑا خلا رہ ہی جاتا ہے اور اس نے تو سرے سے ایک جائز کام کو ناجائز طریقے سے کیا تھا' اب ساری زندگی کا پچھتاوا ہاتھ میں لیے اسے اس غلط فیصلے کا تاوان بھرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عبداللہ واپس آگیا اور تم نے مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا....." عشاء کی نماز کے لیے وہ وضو کرکے آئی تو مونا پر برس پڑی۔

"یقین مانیں' میں نے تو سوچا تھا۔ آپ کو سرپرائز ملے گا....." مونا ایک دم شرمندہ ہوگئی۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے' اب اس کی آمد میرے لیے خوشی کا نہیں بلکہ پریشانی کا باعث بنتی ہے۔" عدینہ کی بات پر وہ حیران ہوئی۔

"عدینہ باجی! اب ایسا بھی کیا کردیا تھا انہوں نے' جو آپ اتنے نخرے کررہی ہیں۔" مونا جھنجلا گئی۔

اس نے شکوہ کناں نظروں سے مونا کی طرف دیکھا اور خاموشی سے جائے نماز بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھ کر اس کے قدم آپا صالحہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر وہ اندر بڑھی' اسے جھٹکا لگا' سامنے وہ کھڑا تھا۔ اس نے بھی نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا' اس ایک نظر میں التجا کا پورا جہاں آباد تھا۔

"آپا! بس یہی میڈیسن لانی ہیں....." کبھی یہ آواز سن کر وہ چلنا بھول جاتی تھی اور اب وہ ڈھیٹ بن کر دیوار سے لگی کھڑی تھی۔

"ہاں فی الحال تو یہی ہیں....." آپا صالحہ نے عجلت بھرے انداز میں کہا تو وہ فوراً ہی کمرے سے نکل گیا۔

"تم کیوں ایسے کھڑی ہو.....؟" آپا صالحہ نے گہری آنکھوں سے اسے جانچا۔

"آپ نے اسے معاف کردیا.....؟" وہ ان کے پاس بیٹھ کر ناخنوں کی سطح کو کھرچنے لگی۔

"اس نے ایسا کیا کیا تھا' جس کی میں اسے سزا دیتی؟" آپا صالحہ نے اسے لاجواب کیا۔

"اس نے ہم سے جھوٹ بولا' اور اتنے سال خود کو مردہ ظاہر کیا۔" عدینہ کے لہجے کی ناگواری بھانپ کر وہ چونکیں وہ میز سے خالی گلاس اٹھا کر اسے انگلیوں سے گھمانے لگی۔

"اس سے ہمیں تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔" آپا صالحہ کے جواب پر گلاس کو گھماتی ہوئی عدینہ کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔

"آپا! نقصان صرف مالی ہی تو نہیں ہوتے ہیں۔" وہ شکوہ کناں ہوئی۔

"تمہیں اس کا آنا برا لگا ہے کیا.....؟" ان کے سوال نے عدینہ کے تنفس کو تیز کیا۔

"برا نہیں' بہت زیادہ برا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا گلاس زور سے میز پر پٹخا۔ "آپ کو اسے واپس آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔" وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ "اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے..؟"

"میری زندگی کے دو خوب صورت سال ضائع کر دیے میرا قیمتی وقت برباد کر دیا' اور آپ پوچھ رہی ہیں اس نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے۔" عدینہ کی بات پر انہیں اپنے اندر ناگواری کی ایک لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیا اس نے کہا تھا تمہیں ایسا کرنے کو....." آپا صالحہ کے لفظ اتنے تلخ نہیں تھے جتنا ان کا لہجہ سفاک تھا۔ عدینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ ان سے خفا ہو کر کمرے سے نکل آئی۔

اپنے کمرے میں پہنچتے ہی وہ ضبط کھو بیٹھی' لاکھ جتن کر کے اس نے خود کو دھاڑیں مار مار کر رونے سے باز رکھا تھا' اسی وقت اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی' وہ سیل فون کی اسکرین پر نظریں ڈالے بغیر بھی سمجھ سکتی تھی کہ یہ عبداللہ کی کال ہے۔ اس کی دھڑکنیں اب بھی کبھی کبھار بغاوت کر جاتی تھیں۔

"فرمایئے.....؟" عدینہ کے گلے میں بے شمار آنسو اٹکے۔

"مجھے تم سے آپا صالحہ کے متعلق بات کرنی ہے۔" دوسری طرف عبداللہ بغیر سلام دعا اور تمہید کے بولا۔

"کیسی بات.....؟" عدینہ کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

"ان کی بیماری کے متعلق....." عبداللہ کی بات سن کر اس کا دھڑکتا دل تھما۔

"کیسی بیماری.....؟" ایک لمحے کو وہ اپنی ساری ناراضی بھول گئی۔

"چھت پر آؤ' مجھے کچھ رپورٹس دکھانی ہیں تمہیں۔" اس کے لہجے میں کچھ تھا' وہ فوراً" سیل فون بند کر کے تقریباً" بھاگتی ہوئی اوپر پہنچی تھی' تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول گیا' وہ پہلے سے وہیں موجود تھا' شاید اس نے کال بھی اوپر آ کر ہی کی تھی اسے۔

"ہاں بولیں....." اس نے بھی دو ٹوک انداز اپنایا۔

"انہوں نے مجھے سختی سے تاکید کی ہے کہ میں تم سے شیئر نہ کروں کیونکہ انہیں ڈر ہے کہ تم اپنی پڑھائی چھوڑ کر ان کے علاج میں لگ جاؤ گی۔" اس کی تمہید سن کر عدینہ کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔

"یہ دیکھو آپا کی بائیو پسی رپورٹ....." وہ ٹارچ کی روشنی میں اسے ایک رپورٹ دکھانے لگا' جس پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپا کتنی بڑی بیماری اپنے اندر چھپائے بیٹھی ہیں۔ عدینہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ آپا کو بڑی آنت کا کینسر تھا۔

"میرا خیال ہے' تم ان رپورٹس کو ساتھ لے جاؤ اور اپنے کسی پروفیسر سے ڈسکس کرو۔" وہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر مشورہ دینے لگا اور عدینہ کو خود پر سخت غصہ آیا' وہ ہر دفعہ سوچتی تھی کہ آپا کی فائل اپنے ساتھ لے کر جائے گی اور بڑے ابا کو دکھائے گی لیکن ہر دفعہ اس کے ذہن سے نکل جاتا تھا۔

"پلیز آپا کو مت بتانا کہ میں نے تمہیں ان کی رپورٹس دکھادی ہیں۔" وہ اس سے درخواست نہ بھی کرتا تو تب بھی وہ یہی کرنے والی تھی۔

"ہوں....." وہ تھکن زدہ لہجے میں بولی۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گی' تم ٹینشن مت لو۔" عدینہ کو اس وقت ایسے ہی ایک دلاسے کی ضرورت تھی۔

"لیکن ان کی رپورٹس.....؟" وہ خوف زدہ انداز سے عبداللہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا اور چاند کی چٹکی ہوئی چاندنی میں بھی وہ عبداللہ کے چہرے پر پھیلی نرمی' ہمدردی اور پریشانی کو پڑھ سکتی تھی۔

"شفاء دینے والی ذات اوپر ہے اور وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔" وہ پر امید تھا۔

"کیا مونا کو پتا ہے اس بات کا.....؟" اس نے تھوڑا جھجک کر پوچھا۔

"ہاں' آپا صالحہ نے اس کے سامنے ہی اپنا یہ کیس مجھ سے ڈسکس کیا تھا۔" عبداللہ کے جواب سے اس کے ہونٹ سختی سے آپس میں پیوست ہو گئے اور آنکھوں کے کونے سرخ ہونے لگے۔

"اس سے خفا مت ہونا' تمہیں پتا ہے ناں' آپا نے اسے بھی سختی سے منع کیا ہوگا۔" اس نے بڑی

سرعت سے اس کے ذہن کو پڑھا۔
"منع تو آپ کو بھی کیا تھا۔۔۔" عدینہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"وہ بچی ہے، بے وقوف ہے، اس بات کو نہیں سمجھتی کہ مرض کو چھپانا، مریض کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے۔" عبداللہ نے اسے لاجواب کیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک چھوٹا سا وقفہ حائل ہو گیا۔
"پھر کیا سوچا ہے تم نے۔۔۔؟" وہ بے تکلفی سے اس طرح پوچھ رہا تھا جیسے ان کے درمیان کبھی کوئی ناراضی رہی ہی نہ ہو۔
"اور یدا کے بڑے ابا کو دکھاؤں گی ان کی رپورٹس۔" وہ ابھی تک اس شاک سے نہیں نکلی تھی۔
"تم جتنی جلدی ہو سکے ان کا کیس ڈسکس کر لو، کیونکہ میرے خیال میں ایسی کنڈیشن میں سرجری میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے، باقی ڈاکٹرز بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔" عبداللہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔" عدینہ کی آواز میں نقاہت تھی۔
"ایک بات کہوں عدینہ! برا تو نہیں مانو گی۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولا، عدینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"زندگی کے ہر مشکل مرحلے پر میں تمہارے ساتھ ہوں کبھی خود کو اکیلا مت سمجھنا۔" عبداللہ کے نرم لہجے پر اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ تقدیر نے ایک دفعہ پھر دونوں کو ایک ساتھ لا کھڑا کیا تھا۔ عدینہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں، عبداللہ سے ساری ناراضی بھک کر کے اڑ گئی تھی اور یاد رہی تو صرف ایک بات کہ اسے آپا کو موت کے منہ میں جانے سے بچانا تھا اور یہ مرحلہ وہ اکیلے طے نہیں کر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بندیا انگلش کی کتاب کھولے خالی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی، دھیان کی ساری کھڑکیاں تو تیمور کی جانب کھلی ہوئی تھیں جسے یہاں سے گئے ہوئے پورے چار مہینے ہو چکے تھے۔ ان چار مہینوں میں وہ کئی دفعہ اس سے فون پر بات کر چکا تھا لیکن بندیا کو تسلی ہی نہیں ہو رہی تھی۔
"میں نے تمہیں سمری دی تھی یاد کرنے کو۔" لاؤنج میں داخل ہوتی بینش نے ناگواری سے اسے دیکھا، وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا دھیان پڑھائی کی جانب نہیں ہے اور یہ بات اسے کافی دنوں سے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔
"ارے آپ کب آئیں۔۔۔" بندیا بوکھلا گئی۔ اس کی آنکھوں میں شرمندگی کے رنگ اتر آئے۔
"جب تم مراقبہ کرنے میں مگن تھیں۔" بینش کو غصہ آ گیا۔
"پانی لے کر آؤں آپ کے لیے۔۔۔" اس نے تھوک نگل کر گلے کو تر کیا۔
"کوئی ضرورت نہیں، گھر میں اور بھی بہت ملازم ہیں، تم یہ بتاؤ کہ پچھلے کچھ عرصے سے تم اتنی بوکھلائی بوکھلائی کیوں رہتی ہو؟" وہ آج اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لینے کے موڈ میں تھی۔
"نہیں تو۔۔۔" اس نے غائب دماغی سے بینش کا ناراض چہرہ دیکھا۔
"سوال کچھ کرو، جواب کچھ آتا ہے۔ کوئی چکر وکر تو نہیں چلا لیا تم نے کالج آتے جاتے۔" وہ طنزیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"میں آپ کو ایسی لگتی ہوں۔۔۔" بندیا کے حواس بحال ہوئے۔
"محبت کرنا گناہ تو نہیں، کسی کو بھی کسی سے ہو سکتی ہے۔" اس نے اپنا سفید اوور آل اتارتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ محبت جب بھی ہوتی ہے بغیر سوچے سمجھے اور بغیر نفع و نقصان کے ہوتی ہے؟" بندیا نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا، جواب دونوں ٹانگیں صوفے پر رکھے بے تکلفی سے بیٹھ گئی تھی۔

"آف کورس..." وہ کھل کر مسکرائی۔
"تو آپ کو کیوں نہیں ہوئی اب تک...؟" بندیا نے نظریں چرا کر پوچھا۔
"بھئی، میں ذرا وکھری مزاج کی لڑکی ہوں اور کسی حد تک تم مجھے بے حس بھی کہہ سکتی ہو، میں کوئی بھی کام نفع و نقصان دیکھے بغیر نہیں کرتی۔" بینش پر آج سچ بولنے کا دورہ پڑا ہوا تھا۔
"اس کا مطلب ہے، آپ کا دل ان لطیف جذبات سے خالی ہے۔" بندیا نے اسے چھیڑا۔
"خیر، ایسی بھی کوئی بات نہیں، میرا دل کرتا ہے میں دنیا کو نہ چاہوں اور دنیا مجھے چاہے..." اس کی نرالی منطق سن کر بندیا کو ہنسی آگئی۔
"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے...؟" وہ برا مان گئی۔
"دنیا تو کچھ دو اور کچھ لو کے اصولوں پر چلتی ہے بیا! اس دور میں کون ایسی بے غرض اور یک طرفہ محبت کر سکتا ہے۔"
"تیمور ہے نا..." بینش نے مزے سے کہا بندیا کا دل دھک سے رہ گیا۔
"وہ آپ سے ایسی محبت کرتے ہیں..." بندیا نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔
"ہاں ناں، اس نے بڑے ابا سے کہہ کر خود ہماری منگنی کروائی تھی، ورنہ اس کی بہنیں اور اماں تو سخت خلاف تھیں بلکہ ابھی تک ہیں۔" بینش نے ہنس کر کہا۔
"لیکن میں نے تو سنا ہے..." وہ جھجک کر چپ کر گئی۔
"کیا سنا ہے...؟" بینش نے چونک کر پوچھا۔
"آپ ان کو جا کر بتائیں گی تو نہیں..." بندیا کو اپنی فکر پڑ گئی کیونکہ بینش سے کوئی بعید بھی نہیں تھا کہ منہ اٹھا کر بڑے ابا کی طرف چلی جاتی اور سب کو ٹھیک ٹھاک سنا آتی۔
"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کو بتانے کی۔" وہ برا مان گئی۔
"میرا مطلب ہے کہ کہیں میرا نام لے کر تو نہیں کسی سے پوچھیں گی۔" بندیا کو ابھی بھی خدشات لاحق تھے۔
"کم آن بندیا! میرے پاس اتنا فالتو ٹائم نہیں ہے اور ویسے بھی مجھے پتا ہے، تیمور کی بہنوں کو فضول باتیں کرنے کی عادت ہے۔"
"طیبہ بتا رہی تھی کہ تیمور بھائی نے صرف بڑے ابا کو خوش کرنے کے لیے آپ سے منگنی کی تھی۔" وہ اٹک اٹک کر بولی، اس کی بات سنتے ہی بینش نے بے ساختہ قہقہہ لگایا، بندیا الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔
"وہ لوگ جیلسی میں ایسی باتیں کرتی ہیں، مجھے معلوم ہے ایسا کچھ نہیں ہے، ورنہ تیمور وہاں جا کر بھی مجھے کالز کیوں کرتا۔" وہ مطمئن تھی۔
"وہ ابھی بھی آپ سے بات کرتے ہیں..." بندیا کے اندر حسد کے جذبے نے انگڑائی لی۔
"ہاں ناں، ابھی رات ہی تو بات ہوئی ہے اس سے میری، دو ماہ کے بعد آ رہا ہے وہ پاکستان۔" بینش کی بات پر بندیا کا منہ کھلا اور بند ہونا بھول گیا۔
"اور ایک اور بات بتاؤں، کسی کو بھی نہیں علم کہ اس دفعہ وہ مجھ سے نکاح کرنے آ رہا ہے۔" بینش نے دائیں بائیں دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں کہا، بندیا کے من میں کوئی پھانس سی چبھی اور سانس لینا دشوار ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"بے وقوف لڑکی! تم اپنا ٹائم کیوں ضائع کر رہی ہو۔" اگلے دن پھر نیلم کی کال آگئی اور اس نے جیسے ہی پی ٹی سی ایل کا ریسیور اٹھایا، نیلم اس کی آواز سن کر اس پر برس پڑی۔
"ابھی تک زینب کا بندوبست نہیں ہو پا رہا..." بختاور حد درجہ پریشان تھی۔
"تم اسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لانا چاہتیں...؟" نیلم کو غصہ آیا۔
"میں گناہ کی یہ پوٹلی اپنے ساتھ لا کر ہر وقت خود کو اذیت نہیں دے سکتی۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے، اس

کی شکل دیکھ کر مجھے ہاشم یاد آجاتا ہے۔" آنسوؤں کی ایک لکیر اس کی آنکھوں سے نکلی اور گالوں پر پھیل گئی۔ "میں اسے ادھر چھوڑ کر ہی آؤں گی۔"

"اتنی چھوٹی بچی ہے' ہاشم اسے کیسے سنبھالے گا؟" نیلم کا حیران لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

"میں سوچ رہی ہوں اسے ایدھی کے جھولے میں ڈال دوں' کم از کم وہ اسے مسلمان تو رہنے دیں گے۔" بختاور نے ہلکا سا جھجک کر کہا۔

"میری مانو تو زینب کو اپنے ساتھ ہی لے آؤ...." نیلم کو اس بچی پر ترس آرہا تھا۔

"ہرگز نہیں...." بختاور اپنے دل کو پتھر کر چکی تھی۔ "میں ساری زندگی اسے اپنے ساتھ رکھ کر خود کو اذیت نہیں دے سکتی اور ویسے بھی اس کی ولدیت کے خانے میں اسی مردود شخص کا نام لکھا جائے گا۔"

"تم اتنی ظالم تو نہیں تھیں یار...." نیلم کو حیرانی ہوئی۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو میں کتنی اذیت میں ہوں' روز ضمیر کی عدالت میں کوڑے کھاتی ہوں' پھر بھی میری سزا کم نہیں ہوتی' تم دیکھ لینا نیلم! اللہ مجھے دنیا اور آخرت میں رسوا کردے گا' میرا گناہ چھوٹا نہیں ہے۔" وہ ایک دفعہ پھر رو دی۔

"اللہ رحیم و کریم ہے' وہ تمہیں معاف کردے گا بختاور۔" اس نے اسے دلاسا دیا۔

"میں حشر والے دن کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں گی۔ میں نے جو رسوائی اپنے والدین کے منہ پر ملی تھی' اس کا نتیجہ ہے' جو زمانے بھر کی کالک میرا نصیب بن گئی ہے۔" وہ ریسیور رکھ کر ایک دفعہ پھر بلند آواز میں رونے لگی' اسے پتا ہی نہیں چلا' کب اس کا رونا بین کی صورت میں ملازمہ تک پہنچا' وہ حواس باختہ کچن سے بھاگ کر اس تک پہنچی۔

"بی بی جی! طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" وہ اسے یوں روتے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"حمیدہ! اللہ سے کہو' مجھے معاف کردے' مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔" وہ آج واقعی اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

"کیا کیا ہے آپ نے....؟" ملازمہ خوف زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"میں نے اللہ کی حدود کو توڑ دیا' میں نے سیاہ حاشیہ عبور کر لیا...." وہ اب گھٹنوں میں منہ دے کر رونے لگی۔

"سیاہ حاشیہ....؟" ملازمہ کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی' لیکن اس کے رونے سے گھبرا کر حوصلہ دینے لگی۔

"حوصلہ کریں بی بی جی! اللہ کی ذات غفور الرحیم ہے' سچے دل سے اپنے رب سے توبہ کریں' وہ معاف کردے گا آپ کو۔" ملازمہ نے پریشانی سے اسے حوصلہ دیا اور بھاگ کر کچن سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لے آئی۔ پانی پی کر بختاور کے کچھ حواس بحال ہوئے تو اپنی بے اختیاری پر وہ شرمندہ ہو گئی۔

"تم جاؤ' جا کر زینب کو دیکھو...." بختاور نے اپنی شرمندگی کم کرنے کے لیے اسے وہاں سے ہٹایا۔

"آپ تھوڑا ہمت سے کام لیں بی بی جی! انسان تو خطا کا پتلا ہے...." ملازمہ ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

"میں نے تمہیں کہا ناں' تم جاؤ یہاں سے...." اس کے برہم لہجے پر وہ گھبرا کر باہر نکل گئی۔

بختاور ڈپریشن دور کرنے کی دوا کھا کر سو گئی' شام کو چھ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی' ملازمہ اس کی اجازت سے مارکیٹ سے کچھ چیزیں لینے چلی گئی تھی' فلیٹ کی بیل بجی' وہ بے زاری سے دروازہ کھولنے گئی اور سامنے ہاشم کے بڑے بھائی اعظم کو دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا۔

"میں کام کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ سوچا آپ لوگوں سے ملتا چلوں۔"

وہ ہاشم کا بتا کر چائے بنانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹرے لے کر وہ اندر آئی تو زینب نے رونا شروع کر دیا۔ وہ فوراً" اندر گئی اور اسے تھپکی دے کر دوبارہ سلا دیا۔

"یہ کون بچہ رویا تھا....؟" وہ حیران ہوئے۔

"میری بیٹی زینب...." بختاور نے سپاٹ لہجے میں

کہا تو وہ یک دم خوش ہوئے۔

"ہاشم کی بیٹی ہوئی ہے۔"

"کاش نہ ہوئی ہوتی۔" بختاور کے منہ سے ایک دم پھسلا انہوں نے تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

"بھابھی' بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں' کیا آپ کو اس کی پیدائش کی خوشی نہیں ہوئی۔" وہ حیرانی سے بختاور کا افسردہ چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"میں بیٹی کی وجہ سے نہیں کہہ رہی ہوں' میرا مطلب ہے کہ آپ کے بھائی کے ہاں کوئی بھی اولاد نہیں ہونی چاہیے تھی۔" اس دفعہ اس نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ایسے کیوں کہہ رہی ہیں آپ ...؟" وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اس بات کی کہاں توقع تھی ان کو۔

"کم از کم میں اس دکھ کے ساتھ نہیں مرنا چاہتی جو آپ کے والد نے جھیلا ہے۔" وہ ایک فقرے میں ساری داستان کہہ گئی۔

"یہ تو آپ کو شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" انہوں نے بھی صاف گوئی سے کہا۔

"اس وقت مجھے بھنک بھی پڑ جاتی تو میں شاید ایسے شخص کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہ کرتی۔" بختاور کے لہجے میں تنفر تھا۔

"کیا مطلب ...؟" انہیں دھچکا لگا۔ "ہاشم نے آپ کو نہیں بتایا تھا کیا؟"

"بتایا ہوتا تو کیا کوئی مسلمان لڑکی اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوتی۔" بختاور نے اسے لاجواب کیا۔

"تو آپ کو کیسے پتا چلا ...؟" اعظم کو اس لڑکی سے ہمدردی محسوس ہوئی۔

"اس رات جب آپ اپنے فادر کی بیماری کا بتانے آئے تھے' اور اس کے بعد بھی تو ایک دفعہ آپ سے بات ہوئی تھی اس ٹاپک پر۔" بختاور نے اسے یاد دلایا۔

"تو آپ کو فوراً" اس سے علیحدہ ہو جانا چاہیے تھا۔" اعظم نے پریشانی سے اس کا سرخ چہرہ دیکھا جو آنسو روکنے کی کوشش میں لال ہو رہا تھا۔

"میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا اعظم بھائی اور خدا کی قسم میں نے سوچا تھا کہ میں اسے دین کی طرف راغب کر لوں گی۔" اس نے فوراً" اپنی صفائی دی۔

"جس کو اس کا اسلامی اسکالر باپ نہیں سمجھا سکا' اسے کسی عام لڑکی کی بات کیسے سمجھ میں آ سکتی تھی۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائے۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ' اسی لیے تو میں نے اب اسے چھوڑنے کا تہیہ کر لیا ہے۔" بختاور نے انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

"لیکن وہ آپ کو سکون سے بیٹھنے نہیں دے گا کیونکہ اس کے پیچھے خاصے مضبوط ہاتھ ہیں۔" اعظم نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے معاملے کی سنگینی سے آگاہ کیا۔

"میرا اور اس کا نکاح تو ویسے بھی رہا ہی نہیں بلکہ ہوا ہی نہیں تھا' اس نے ڈھونگ رچایا تھا' وہ زبردستی مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

"لیکن وہ اپنی اولاد کے ذریعے آپ کو بار بار تنگ کرے گا۔" وہ محتاط انداز میں گویا ہوئے۔

"اس کی اولاد کو تو میں خود بھی نہیں رکھنا چاہتی' باپ کا گندا خون کبھی نہ کبھی تو رنگ دکھائے گا۔" وہ متنفر لہجے میں بولی۔

"بات خون کی تاثیر کی نہیں ہوتی' ورنہ میرا باپ تو حافظ قرآن اور فقہ و حدیث پر عبور رکھتا تھا۔" اعظم بھائی کی بات پر وہ ایک لمحے کو چپ ہو گئی۔

"اس کی بیٹی کو کہاں چھوڑیں گی آپ ...؟" انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

"کسی خیراتی ادارے یا ایدھی کے جھولے میں ڈال دوں گی۔" وہ سپاٹ لہجے میں اس طرح گویا ہوئی جیسے اپنی نہیں کسی اور کی اولاد کی بات کر رہی ہو۔

"آپ زینب کو مجھے دے دیں ..." اعظم بھائی کی بات پر اسے دھچکا لگا۔

"کیا مطلب ...؟" انہوں نے دوبارہ تصدیق کے لیے پوچھا۔

"آپ ہاشم کی بیٹی مجھے دے دیں' کم از کم وہ ہم سے اسے نہیں لے سکے گا۔" ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" اسے یقین نہیں آیا۔

"میری ایک سسٹر کے ہاں اولاد نہیں ہے' اور ہاشم ان سے بہت محبت کرتا ہے۔ میں یہ بچی ان کو دے دوں گا۔ ویسے بھی وہ اکیلا اسے نہیں پال سکتا۔" اعظم بھائی کے لہجے کی سچائی ہر قسم کے شک و شبے سے بالاتر تھی۔

"تو آپ ان سے کیا کہیں گے' یہ بچی آپ کو کہاں سے ملی؟" بختاور اب اگلا لائحہ عمل طے کر رہی تھی۔

"کچھ نہیں' جو سچ بات ہے۔ یعنی آپ بچی کسی خیراتی ادارے کو دے کر اپنے پیرنٹس کے ہاں جانا چاہتی تھیں اور میں پہنچ گیا وہاں۔"

"ٹھیک ہے' پھر کب لے کر جائیں گے آپ زینب کو۔۔۔۔؟" اس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا۔

"جب آپ چاہیں' ابھی یا کل۔۔۔" انہوں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے آپ کل صبح آکر لے جائیے گا اسے' میں تب تک اس کا سارا سامان پیک کر دوں گی۔" بختاور فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

اعظم بھائی ایک گھنٹہ بیٹھ کر چلے گئے تھے اور بختاور نے اسی رات اپنا اور اس کا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی ملازمہ اسے چائے دینے آئی تو دیکھ کر پریشان ہو گئی کیونکہ پورے کمرے میں اس کی اور زینب کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔

"کہیں جا رہی ہیں بی بی جان۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں' اپنے والدین کے ہاں اسلام آباد۔۔۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"اور سنو' تم بھی پندرہ دن کی چھٹی کر لو' میں واپس آکر تم سے رابطہ کر لوں گی' یہ اپنی تنخواہ رکھ لو۔" بختاور نے کچھ پیسے اس کی طرف بڑھائے جو اس نے جھجک کر تھام لیے۔ اگلی صبح اس نے اعظم بھائی کے آنے سے پہلے ہی ملازمہ کو رخصت کر دیا تھا۔

وہ بالکل ٹائم پر پہنچ چکے تھے اور اب سنجیدگی سے زینب کا سامان دیکھ رہے تھے۔

"آپ سے ایک درخواست کرنا تھی مجھے۔" بختاور نے ننھی زینب کو ان کی گود میں ڈالتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"جی کہیے۔۔۔" انہوں نے بڑی احتیاط سے بچی کو تھام لیا تھا' وہ منہ میں انگوٹھا لیے سو رہی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ بختاور کو اپنے اندر سکون کی لہریں اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں' کچھ بھی تھا یہ ان کا اپنا خون تھا۔ ان کے بھائی کی اولاد۔

"میں نے اس کا نام رجسٹرڈ نہیں کروایا۔ آپ لوگ جو بھی اس کا نام رکھیں' پلیز اس کے نام کے آگے اس کے باپ کا نہیں دادا کا نام لگائیے گا۔" اعظم بھائی اس کی بات پر شاکڈ رہ گئے۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں اسے مستقبل میں اپنے باپ کے نام کی وجہ سے جگہ جگہ ذلت اور رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔۔۔" بختاور کو پہلی دفعہ اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ ایسا ہی ہو۔۔۔" اعظم بھائی کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک خاموش دلاسا تھا۔ جیسے ہی وہ ننھی زینب کو لے کر گھر سے نکلے' بختاور کو اپنی خالی گود دیکھ کر پہلی دفعہ وحشت ہوئی۔

☼ ☼ ☼

بندیا' دل ہی دل میں تیمور سے سخت خفا تھی اور جیسے ہی اگلے دن اس کی کال آئی تو وہ بے اختیار اس کے ساتھ لڑ پڑی' وہ اس کی باتیں سن کر ہنستا رہا اور اس کی غیر سنجیدگی بندیا کو زیادہ بھڑکا رہی تھی۔

"اچھا تو تمہیں بینش کو کال کرنے پر اعتراض ہے۔۔۔" اس نے ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے مزہ لیا۔

"تو کیا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔؟" وہ چڑ کر بولی۔

"تم سے نکاح کے بعد پہلی دفعہ بیویوں کی طرح ری ایکٹ کیا ہے تم نے۔۔۔" وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"ہاں آپ کو تو جیسے بہت تجربہ ہے۔۔۔" بندیا نے ناراضی سے ہنکارہ بھرا۔

"بے وقوف لڑکی! اس کو اگر کال نہیں کروں گا تو وہ مشکوک ہو جائے گی' ابھی میں اسے کوئی ایسا اشارہ نہیں دینا چاہتا۔" تیمور نے نہ چاہتے ہوئے بھی اصل بات بتادی۔

"تو کم از کم اسے جھوٹے نکاح کے لارے تو مت دیں..." اس کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا۔

"ایک نمبر کی جھوٹی ہے یہ بینش' میں نے ایسا کچھ نہیں کہا' اپنی طرف سے لگا رہی ہے وہ۔" تیمور کے لہجے کی جھنجھلاہٹ اس بات کی گواہ تھی کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔

"تو پھر کب آ رہے ہیں آپ' پورے چار ماہ ہو چکے ہیں۔" بندیا نے انگلیوں پر گن کر بتایا۔

"ان شاء اللہ ایک ماہ بعد۔ تمہارے ڈاکومنٹس آخری مراحل میں ہیں۔" وہ خاصا مطمئن تھا۔

"اماں کی طرف چکر لگاتی ہو نا؟" تیمور کی بات نے اسے ایک دم شرمندہ کیا کیونکہ وہ آج کل اپنی پڑھائی میں مگن تھی۔

"ہاں کبھی کبھار..." اس نے گھما پھرا کر جواب دیا۔

"بندیا جب تک یہاں ہو پلیز' ان کے پاس روز چکر لگایا کرو۔ وہ بہت تنہا ہو گئی ہیں۔" تیمور کو اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی ماں کا احساس تھا۔

بندیا نے دل ہی دل میں پکا عہد کر لیا کہ وہ روزان کے پاس جائے گی اور ازالے کے طور پر وہ اسی شام ان کی طرف چلی آئی۔ وہ اپنے دوپٹے کے کروشیے میں الجھی ہوئی تھیں' اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"ارے آؤ آؤ بندیا! کہاں مصروف تھیں تم...؟"

"سوری تائی اماں' آج کل کالج میں ٹیسٹ ہو رہے تھے' ان ہی میں مصروف تھی۔" اس نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے صفائی دی۔

"بس تم تو اچھی طرح گھر داری سیکھ لو باہر تو ملازم بھی نہیں ملتے۔" ان کی بات پر بندیا کے گال گلابی ہوئے۔

"مجھے سب آتا ہے تائی اماں..." وہ ہلکا سا جھجک کر گویا ہوئی۔

"ہاں ہاں پتا ہے مجھے' لیکن تھوڑی بہت کپڑوں کی سلائی کڑھائی بھی سیکھ لو' باہر سلائی بہت مہنگی ہے۔" وہ بڑے پر خلوص انداز میں اسے مشورہ دے رہی تھیں۔ بندیا کو ایک دم ہی ان پر پیار آیا۔

"تھینک یو تائی اماں..." اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ پکڑ کر محبت سے کہا تو وہ حیران ہو گئیں۔

"کس بات کا؟"

"ان تمام چیزوں کا' جو آپ نے میرے لیے کیں..." اس کا لہجہ بھیگ گیا۔

"پگلی نہ ہو تو' میرا بس چلتا تو میں تمہارے والدین کے پاس خود جاتی تمہارا ہاتھ مانگنے' لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس سے بہت شر پھیلے گا۔" انہوں نے افسردہ انداز میں کہا۔ "مجھے اس طرح چھپ کر نکاح کا بہت افسوس ہے۔"

"آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں...؟" بندیا نے الجھ کر ان کا چہرہ دیکھا۔

"جو چیز میں اپنی اولاد کے لیے مناسب نہیں سمجھتی' اسے کسی اور کی اولاد کے لیے کیوں پسند کروں گی بیٹا۔" "نہیں حقیقتاً" اس بات کا دکھ تھا۔

"لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا نا..." بندیا مطمئن تھی۔

"لیکن والدین کو اولاد کی ایسی حرکت کا بہت دکھ ہوتا ہے' ہم لوگ آج تک ڈیزی کو معاف نہیں کر سکے۔" انہوں نے پہلی دفعہ اس کے سامنے اپنی بیٹی کا ذکر چھیڑا تھا۔

"تائی اماں! گلے شکوے تو زندہ لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے بعد تو بس ان کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو بیٹا' لیکن انسان چاہ کر بھی اپنا ظرف اتنا بڑا نہیں کر سکتا' میں تو ماں ہوں۔ کب کی معاف کر چکی' لیکن جلال صاحب تو آج بھی اس کا نام سننا پسند نہیں کرتے۔" کروشیے پر ان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

"اچھا' آپ چھوڑیں ان باتوں کو۔ مجھے یہ ڈیزائن سکھائیں' بہت شوق ہے مجھے تیز تیز کروشیہ چلانے کا۔" بندیا نے ان کا دھیان ہٹانے کو کہا اور وہ مان بھی گئیں' اگلے ہی لمحے وہ سب کچھ بھول بھال کر اسے کروشیہ چلانا سکھا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆
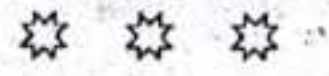
وہ میڈیکل کی بھاری بھرکم کتاب گود میں رکھے کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا جب کہ اس کا ذہن ارسلہ کی طرف تھا' جو آئے دن اسے باہر شفٹ ہونے کے مشورے دیتی تھی جسے سن کر ارصم کا دماغ گھوم جاتا تھا' آخری دفعہ تو ان کا اس بات پر ٹھیک ٹھاک جھگڑا ہوا تھا۔ ڈائننگ روم میں ٹیبل سیٹ کرتی بینش نے حیرانی سے اس کا یہ انداز دیکھا اور پھر کچھ سوچ کر اس کے پاس چلی آئیں۔ دونوں کے تعلقات دو دن پہلے ہی بحال ہوئے تھے۔

"کوئی مسئلہ ہے ارصم...؟" وہ خلاف توقع بڑی نرمی سے بولیں۔

"ارسلہ کی موجودگی میں کسی اور مسئلے کی ضرورت تو نہیں ہے۔" وہ تلخ لہجے میں بولتا ہوا انہیں حیران کر گیا۔

"تم نے اتنے روڈ لہجے میں کب سے بولنا شروع کر دیا ہے۔" وہ اس کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئیں۔

"ممی! آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیں ورنہ میں اسٹڈیز کر رہا ہوں۔" اس کا صاف گو انداز بینش کا دل جلا گیا۔

"دیکھ رہی ہوں میں' پچھلے آدھے گھنٹے سے جتنی تم اسٹڈی کر رہے تھے۔" انہوں نے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔

"سو واٹ؟" وہ سپاٹ نظروں سے ان کی طرف دیکھتا ہوا انہیں مزید پریشان کر گیا۔

"ارصم' میری جان! بتاؤ کیا ہوا ہے' کیوں ایسے بات کر رہے ہو مجھ سے؟" وہ گھبرا کر اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

"ممی! کیا سوچ کر آپ نے میری انگیجمنٹ کی تھی ارسلہ کے ساتھ۔" وہ عجیب انداز میں مسکرایا۔

"کیا مطلب...؟" وہ الجھ گئیں۔

"میں آپ کو چھوڑ کر پڑھنے کے لیے لاہور نہیں گیا' تو وہ کیسے سوچ رہی ہے کہ میں اس کے ساتھ باہر شفٹ ہو جاؤں۔" اس نے بینش کی سماعتوں میں بم پھوڑا۔

"ارسلہ نے یہ کہا ہے تم سے؟" بینش کے چہرے کا رنگ اڑا۔

"آف کورس ممی! اسے صاف صاف بتا دیں' میں اس کی خاطر اپنا ملک نہیں چھوڑ سکتا۔ اٹس ٹو مچ...." وہ اپنی کتاب کارپٹ پر پٹخ کر لاؤنج سے نکل گیا اور اپنے پیچھے بینش کے لیے سوچوں کا ایک جہان آباد کر گیا۔

"عمیرہ میرے ساتھ کیسے یہ کر سکتی ہے...." وہ گھبرا کر آغا جی کے پاس چلی آئیں جنہوں نے سارا واقعہ سن کر بڑے آرام سے کہا۔

"میں نے تو پہلے دن ہی تم سے کہا تھا' اس کی بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔"

"ارصم میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں بھلا اسے کیسے باہر بھیج سکتی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئیں۔

"یہ بات تو تمہیں منگنی کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی' تمہاری نند کی بھی ایک ہی بیٹی ہے' وہ بھلا کیوں اسے یہاں بھجوائے گی۔" آغا جی نے انہیں آئینہ دکھایا اور وہ برا مان گئیں۔

"عمیرہ نے منگنی سے پہلے مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی...."

"ایسی باتیں بے وقوف ہی وقت سے پہلے کرتے ہیں اور ویسے بھی کچھ باتیں کرنے کی نہیں بلکہ کر کے دکھانے کی ہوتی ہیں۔" آغا جی نے بھی تلخ انداز اپنایا۔

بینش کو ایسا لگا جیسے وہ اپنے ہی بچھائے ہوئے پھندے میں پھنسنے جا رہی ہوں۔ ہمیشہ کی طرح وہ تایا ابا کے پاس چلی آئیں بھلا ان سے بہتر کون انہیں مشورہ دے سکتا تھا۔

"مجھے تو اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں لگتا' اچھا ہے باہر سے اسپیشلائزیشن کرنے سے ارصم کی

ڈگری کی ویلیو بڑھ جائے گی۔" بڑے ابا کی صاف گوئی نے ان کا دل ایک دفعہ پھر دکھا دیا۔

"تایا ابا! وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے، میں کیسے اسے باہر بھجوا سکتی ہوں۔" وہ جھنجلا کر بولیں اور کمرے میں چائے لاتی ہوئی بڑی اماں نے بغور ان کا یہ جملہ سنا تھا اور وہ خود کو بولنے سے روک نہ پائیں۔

"ساری دنیا جاتی ہے باہر، ہمارا بھی تو اکلوتا بیٹا تھا تیمور، ایک ناکردہ جرم کی سزا کاٹی ہے اس نے کئی سال باہر رہ کر۔"

"تائی اماں! وہ سزا اس نے میری وجہ سے نہیں اپنے کیے کی وجہ سے کاٹی تھی۔" بینش نے دوبدو جواب دیا۔

"ماں باپ کا دل اتنا سخت نہیں ہوتا، وہ تو معاف کر ہی دیتے ہیں اپنے بچوں کو، تیمور کی جلاوطنی کس وجہ سے تھی، سارا جہان یہ بات جانتا ہے۔" وہ بھی کھل کر میدان میں آ گئیں۔ بینش نے شکایتی نظروں سے بڑے ابا کی طرف دیکھا جو اس وقت ہونٹ مضبوطی سے بند کیے خاموش بیٹھے تھے۔

"میں نے کسی کو منع تھوڑی کیا تھا، اور اب بھی تو وہ آ ہی گیا ہے۔" وہ بھڑک کر کھڑی ہوئیں۔

"ہاں تو اپنے ہی گھر میں آیا ہے، کس میں جرات ہے جو اسے منع کر سکے۔" بڑی اماں بھی مشتعل لہجے میں بولیں۔ بینش کے لیے تکلیف دہ بڑی اماں کی گفتگو نہیں، تایا ابا کی خاموشی تھی۔

"تایا ابا! میں چلتی ہوں، ارصم کو ایک ٹاپک سمجھانا تھا۔۔۔" وہ بہانہ کر کے اٹھیں، اور کمرے سے نکلیں تو سامنے ہی لاؤنج میں ان کا دل جلانے کے لیے ماہیر، سرمد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے غضب ناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑی اماں نے کہیں چائے میں چینی کی جگہ نمک تو نہیں ملا دیا تھا سرمد۔۔۔" ماہیر جان بوجھ کر بینش کو تپانے کی غرض سے بلند آواز میں بولا۔

"سرمد اس سے کہو، میرے منہ نہ لگا کرے۔۔۔" انہوں نے انگلی اٹھا کر سرمد کو وارننگ دی جو بوکھلا کر کھڑا ہو گیا

تھا۔ بینش طوفان کی طرح لاؤنج سے نکلی تھیں اور ماہیر کے فاتحانہ قہقہے نے بڑی دور تک ان کا تعاقب کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کتابوں کے ڈھیر کے ساتھ باہر نکلتی رباب کے ساتھ اس کی ٹکر بالکل اچانک ہوئی تھی۔

"آئی ایم سو سوری..." رباب بوکھلا گئی۔

"محترمہ! کیا آج ہی ساری کتابیں اور وہ بھی بھاری بھاری، خریدنا ضروری تھیں؟" وہ اپنا پاؤں مسلتے ہوئے بے چارگی سے بولا، اس کا سارا دھیان اپنے پاؤں کی طرف تھا جیسے ہی اس نے سر اٹھا کر دیکھا اسے جھٹکا لگا۔

"ارے رباب آپ...؟" وہ اپنی چوٹ بھول کر اس کا حال پوچھنے لگا۔

"جی، شکر ہے، آپ مجھے مل گئے، ایک ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔" وہ اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے جلدی جلدی بول رہی تھی۔ سرمد نے جھک کر اس کی کتابیں سمیٹنے میں مدد دی۔

"تھینک یو..." وہ کتابیں سنبھال کر بولی۔

"میرا خیال ہے، ہمیں کہیں بیٹھ کر بات کرنی چاہیے..." وہ اسے پزاہٹ کی طرف لاتے ہوئے بالکل بھول چکا تھا کہ وہ ماہیر کے ساتھ آیا ہے۔ وہاں بیٹھ کر رباب نے محتاط انداز میں بات کا آغاز کیا، وہ شانزے کے شوبز میں کام کرنے کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کر رہی تھی کہ اسی وقت ماہیر کی اسے کال آگئی۔

"میں آرہا ہوں، تم گاڑی میں بیٹھو..." سرمد نے ماہیر سے کہہ کر فوراً کال کاٹ دی۔

"آپ ماہیر بھائی کے ساتھ آئے ہیں۔" وہ ایک دم بوکھلا گئی۔

"ڈونٹ وری، وہ میرا ویٹ کر لے گا، آپ بات کریں۔" سرمد کو اس کا مخلصانہ اسٹائل اچھا لگا تھا اور دل ہی دل میں شانزے پر غصہ بھی آیا تھا جو اتنی محبت کرنے والے لوگوں کی قدر نہیں کر رہی تھی۔

"اب آپ چاہتی ہیں کہ میں ماہیر کو خود بتادوں شانزے کے شوبز میں کام کرنے کے متعلق؟" سرمد کی بات پر رباب نے جھٹ سے سر ہلایا۔

"یقین مانیں میں نے کئی دفعہ کوشش کی لیکن ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا، ورنہ انہیں خود سے پتا چلا تو سچویشن خراب ہو جائے گی۔" وہ دونوں پزا پیک کروا کر باہر نکل آئے۔

"چلیں، آج دونوں مل کر کوشش کرتے ہیں۔" سرمد نے مسکرا کر اسے حوصلہ دیا۔

"یقین کریں، وہ خود بھی بہت شرمندہ ہے..." رباب ہر ممکن شانزے کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں بات کرتے کرتے سڑک پر چلے آئے جہاں ماہیر اپنی گاڑی کے پاس کھڑا تھا اور غصے کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"ماہیر! ان سے ملو، یہ شانزے کی دوست ہیں رباب۔" سرمد نے اس کے پہنچتے ہی کہا۔

"آئی ڈیم کیئر شانزے..." وہ ایک دم بھڑک کر بولا، رباب کا چہرہ فق پڑ گیا۔

"کیا ہوا...؟" سرمد نے بوکھلا کر پوچھا۔

"واٹ دا ہیل یار...؟" وہ سڑک کی دوسری جانب لگے بڑے بل بورڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا، جہاں شانزے کی سیریل کا بڑا سارا اشتہار لگا ہوا تھا اور شانزے کا ہنستا مسکراتا ہوا چہرہ ان تینوں کو ہی اپنا منہ چڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

کبھی جب زندگی میں ہو تمہیں احساسِ تنہائی
تو کچھ اچھی کتابوں، اچھے لوگوں کی
رفاقت میں
کسی جلوت کی حکومت میں
بس اپنے دل کو بہلانا
اور اس کو اتنا سمجھانا
کہ اب ان فاصلوں کو پاٹنا مشکل ہے جاناں
اگر یہ فاصلے مٹ بھی گئے تو
اجنبی بن کر کہیں ملنے سے کیا حاصل
تمہیں شام جدائی، اس لیے سمجھا رہا ہوں میں
کہ جانِ من
دکھی ہو کر کبھی فریاد مت کرنا
مجھے تم یاد مت کرنا

اعتبار ساجد

کفن بدوش، جو نکلے وفا کے رستے میں
انہیں حیات ملی ہے، قضا کے رستے میں

بھٹک چکا ہے بہت کاروانِ نکہت گل
دلوں کی شمعیں جلا دو، وفا کے رستے میں

کہیں حرم تو، کہیں دیر نے ہمیں روکا
عجیب مرحلے آئے خدا کے رستے میں

چلے نہ تھے تو بہت سہل تھا، چلے ہیں تو پھر
جفا کے موڑ بھی آئے، وفا کے رستے میں

کہاں ہم اور کہاں تو، اے دوست اے خاور
وہ انجمن نہ پڑی ہو، ہوا کے رستے میں

رحمن خاور (علیگ)

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھی۔"

(بخاری)

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی چیز کے متعلق کہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے جسے اس نے نہیں دیکھا۔ ایسا دعوا خواب کے بارے میں ہو یا حالت بیداری میں، دونوں صورتوں میں بڑا جھوٹ ہے۔ اس میں جھوٹ بولنے کی مذمت ہے۔

رب تعالیٰ کی تجارت،

مؤرخین نے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک عورت اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی! آپ کا پروردگار عادل ہے یا ظالم؟"

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ "تیرا ناس ہو اے عورت! تو کیا بات کر رہی ہے۔ رب تعالیٰ تو سراسر عدل و انصاف ہے۔ وہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔"

پھر اس سے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو، تمہارا قصہ کیا ہے؟"

اس عورت نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔

"اے اللہ کے نبی! میں ایک بیوہ ہوں، میری تین بچیاں ہیں جن کی پرورش میں اپنے ہاتھ سے سوت کات کے کرتی ہوں۔ میں دن بھر اور راتوں کو جاگ کر سوت کاتتی ہوں۔ گزشتہ روز میں اپنا کاتا ہوا سوت ایک سرخ کپڑے میں باندھ کر اسے بیچنے کے لیے بازار جانا چاہتی تھی کہ اس کی آمدنی سے بچیوں کے کھانے پینے کا بندوبست کر لوں لیکن اچانک ایک پرندہ مجھ پر ٹوٹ پڑا اور سرخ کپڑے کا ٹکڑا جس میں، میں نے سوت باندھ رکھا تھا، اسے گوشت کا ٹکڑا سمجھتے ہوئے لے اڑا۔ میں یونہی حسرت سے پاس سے ہاتھ ملتی رہ گئی۔ اب میرے پاس کچھ نہیں کہ اپنی بچیوں کو کھانا کھلا سکوں۔"

ابھی وہ حضرت داؤد علیہ السلام سے اپنی داستان بیان ہی کر رہی تھی کہ اتنے میں آپ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے آنے والے کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اجازت ملتے ہی دس تاجر یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے جن میں ہر ایک کے ہاتھ میں سو سو دینار تھے۔ تاجروں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے نبی! ہمارے ان دیناروں کو ان کے مستحق تک پہنچا دیں۔"

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا۔ "میرے پاس یہ مال حاضر کرنے کا سبب کیا ہے؟"

تاجروں نے جواب دیا۔ "اے اللہ کے نبی! ہم ایک کشتی میں سوار تھے اتفاق سے ایک زور دار آندھی آئی، جس سے ہماری کشتی میں ایک جانب سوراخ ہو گیا۔ اور پانی کشتی میں داخل ہونا شروع ہو گیا۔ موت ہمیں سامنے نظر آ رہی تھی۔ ہم نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس طوفان سے نجات دے دے تو ہر شخص سو دینار صدقہ کرے گا۔ اب پانی کشتی میں تیزی سے داخل ہونے لگا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے اس سوراخ کو بند کر سکیں۔ ادھر ہم نے نذر مانی، ادھر رب تعالیٰ نے ہماری مدد کا

بندوبست کر دیا کہ ایک بہت بڑا پرندہ منڈلاتا ہوا کشتی کے اوپر آ گیا۔ اس کے پنجے میں ایک سرخ رنگ کی پوٹلی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے پوٹلی کشتی میں پھینک دی۔ ہم نے لپک کر اس پوٹلی کو پکڑا۔ اس میں کاتا ہوا سوت تھا۔ ہم نے فوراً اس سے کشتی کا سوراخ بند کیا اور اس میں داخل شدہ پانی کو ہاتھ سے باہر پھینکا۔ تھوڑی دیر بعد طوفان تھم گیا اور یوں ہم موت کے منہ سے واپس آئے۔ اب یہ صدقے کی رقم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ جسے چاہیں اسے دے سکتے ہیں۔"

یہ قصہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام بیوہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

"پروردگار تیرے لیے بحر و بر میں تجارت کر رہا ہے۔ اور تو ہے کہ اسے ظالم گردان رہی ہے۔"

پھر آپ نے وہ دینار اس خاتون کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا۔

"جاؤ انہیں اپنے بچوں پر خرچ کرو۔"

(مجالس النسائی)

تحمل

ایک شخص کو سرکاری افسر مقرر کیا گیا تو ایک قریبی دوست اسے خدا حافظ کہنے آیا۔

"افسر بننے کے بعد ایک بات یاد رکھنا کہ صبر و تحمل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔" دوست نے نصیحت کی۔

اس نے جواب دیا کہ وہ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھے گا۔ دوست نے وہی نصیحت تین بار کی اور اس نے تینوں بار اثبات میں سر ہلا دیا۔ مگر جب دوست نے چوتھی بار اپنی بات دہرائی تو وہ مشتعل ہو گیا اور بولا۔

"تم نے کیا مجھے گھامڑ سمجھ رکھا ہے کہ بار بار یہی معمولی سی بات دہرائے جا رہے ہو؟"

دوست نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"دیکھا، صبر و تحمل سے کام لینا کوئی آسان بات نہیں۔ میں نے چند بار ایک ہی بات کہی تو تم مشتعل ہو گئے۔"

(چینی حکایتیں)

مسلمانوں کی مذہبی رواداری

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہوا اور خلیفہ وہاں تشریف لے گئے تو نصرانیوں کے کلیسا میں بھی گئے۔ اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا تو بشپ نے کہا۔

"آپ نماز یہیں ادا کر لیں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اگر میں نے کلیسا کی حدود میں نماز ادا کر لی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد مسلمان اس جگہ پر دعوا کر کے مسجد بنا لیں۔"

اسی طرح فتح مکہ کے وقت خلیفہ نے حکم دیا کہ قبطی گرجا گھر اور یہودیوں کا عبادت خانہ جسے بازنطینی حکمرانوں نے بند کر دیا تھا۔ کھول دیا جائے اور ان کے پیروکار اپنی مقررہ عبادت گاہوں میں دوبارہ عبادت شروع کر سکتے ہیں۔"

(یہ مشہور واقعات جرمن ادیب کارل بیکر نے اپنی کتاب میں درج کیے ہیں اور آج انہی مسلمانوں کو بنیاد پرست، انتہا پسند، دہشت گرد قرار دے کر تمام دنیا میں نفرت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔)

عظمت استاد

فاتح عالم سکندر ایک مرتبہ اپنے استاد ارسطو کے ساتھ ایک گھنے جنگل سے گزر رہا تھا۔ راستے میں ایک بہت بڑا برساتی نالہ آ گیا۔ نالہ بارش کی وجہ سے طغیانی پر آیا ہوا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان بحث ہونے لگی کہ خطرناک نالہ پہلے کون پار کرے گا۔ سکندر بضد تھا کہ پہلے وہ جائے گا۔ آخر ارسطو نے اس کی بات مان لی۔ پہلے سکندر نے نالہ پار کیا پھر ارسطو نے نالہ عبور کر کے سکندر سے پوچھا۔

"کیا تم نے پہلے نالہ پار کر کے میری بے عزتی نہیں کی؟"

سکندر نے ادب سے جواب دیا۔

"نہیں استاد محترم! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ارسطو رہے گا تو ہزاروں سکندر تیار ہو سکتے ہیں لیکن ہزار سکندر ایک بھی ارسطو تیار نہیں کر سکتے۔"

عاصمہ مطیع الرحمان۔ ٹانڈہ مانسہرہ

شکایت

ایک صاحب اپنے دوست سے اپنے بیٹے کی شکایت کر رہے تھے۔ "جب سے میرے بیٹے نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہے پڑھائی کی طرف توجہ دینے کے بجائے ہروقت لڑکیوں کے چکر میں رہتا ہے۔"

دوست نے پوچھا۔ "وہ کیسے؟"

کہنے لگے "وہ ایسے کہ کبھی وہ لڑکیوں کے ساتھ لائبریری میں ہوتا تو کبھی کینٹین میں، کبھی لان میں تو کبھی کبھی وہ یونیورسٹی جانے کے بجائے باہر ہی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ یونیورسٹیوں میں یہی کچھ ہوتا ہے تو میں خود یونیورسٹی میں داخلہ لے لیتا اور اپنے بیٹے کو دکان پر بٹھا دیتا۔"

شاکرہ خاتون، کراچی

کولمبس کی کامیابی کا راز

کولمبس نے شادی نہیں کی، اس لیے امریکہ ڈھونڈ لیا۔ کیونکہ اس سے کسی نے کبھی نہیں پوچھا۔

1 ۔ کہاں جا رہے ہو؟
2 ۔ کس کے ساتھ؟
3 ۔ کب واپس آؤ گے؟
4 ۔ میں بھی چلتی ہوں۔
5 ۔ گھر رہ کر ہی ڈھونڈ لو امریکہ۔
6 ۔ آپ چھوڑ دو کوئی اور ڈھونڈ لے گا۔
7 ۔ میں اکیلی گھر میں کیا کروں گی؟
8 ۔ اچھا! بچوں کو بھی لے جائیں۔
9 ۔ میرے لیے کیا لاؤ گے؟
10 ۔ کوئی اور چکر تو نہیں؟
11 ۔ اچھا واپسی میں دہی لیتے آنا۔

قراۃ العین، اورنگی ٹاؤن، کراچی

اتنی ہمت

ایک تاجر کا حوصلہ بندھاتے ہوئے نفسیاتی علاج کے ماہر نے کہا۔ "ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کیجیے کاروبار اگر آج مندا ہے تو کل ضرور چمکے گا مصیبت سامنے آئے تو ہمت سے اس کا سامنا کیجیے، اس کی ہنسی اڑائیے۔" تاجر نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اتنی ہمت نہیں کر سکتا، میری بیوی مجھ سے زیادہ لمبی اور تگڑی ہے۔"

ایمان فاطمہ

ڈاکٹری نسخہ

ایک دوست دوسرے سے "ڈاکٹر پرچے پر ایسا کیا لکھتے ہیں جو صرف میڈیکل اسٹور والے ہی سمجھ پاتے ہیں۔"

دوسرا دوست۔ "وہ لکھتے ہیں، میں نے لوٹ کیا ہے... اب تم بھی لوٹ لو۔"

یک نہ شد......!

ٹریفک سارجنٹ نے طویل اور طوفانی تعاقب کے بعد ایک صاحب کو روکا، جو سگنل توڑ کر تیز رفتاری سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

"تمہیں شرم نہیں آتی، تم نے سگنل توڑا اور پھر اتنی تیزی سے گاڑی بھگائی تھی، جتنی رفتار سے اس سڑک پر گاڑی چلانے کی اجازت نہیں ہے۔" سارجنٹ غصے سے بولا۔

"میں نے تو ایسی کوئی حرکت نہیں کی، آپ میری بیگم سے پوچھ لیں۔" وہ صاحب معصومیت سے بولے۔

"کیوں بیگم صاحبہ؟ کیا آپ گواہی دیں گی کہ آپ

کے شوہر نے نہ تو سگنل توڑا اور نہ ہی گاڑی تیز چلائی' میں آپ جیسی معزز خاتون سے جھوٹی گواہی کی توقع نہیں کر سکتا۔"

"میں تو ایک بات جانتی ہوں۔" خاتون نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "جب میرے میاں نشے میں ہوں اور ڈرائیونگ لائسنس گھر بھول آئیں تو ان سے بحث نہیں کرنی چاہیے۔"

عظمیٰ شفیق' جڑانوالہ

ڈراما

کسی جگہ کشتی ہو رہی تھی۔ دونوں پہلوان یا تو تھکے ہوئے تھے یا لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے۔ ان کی کشتی سے اکتا کر ایک صاحب نے بہت زیادہ بوریت محسوس کی۔ وہ چیخ کر کہنے لگے۔ "بتیاں بجھا دو۔ بجلی فضول خرچ ہو رہی ہے' یہ دونوں پہلوان ڈراما کر رہے ہیں۔"

دوسرے کونے سے آواز آئی۔ "نہیں' نہیں! ابھی بتیاں مت بجھانا' میرا ناول ابھی ختم نہیں ہوا۔"

کوکب نصیر..... بنوں

کارکردگی

ایک صحافی نے جائے واردات پر پہنچ کر تفتیشی افسر سے پوچھا۔ "آپ کو ملزمان کے سلسلے میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی؟" "جی ہاں! ہمیں سب معلوم ہو گیا ہے۔" تفتیشی افسر نے جواب دیا۔

چند نامعلوم مسلح افراد ایک نامعلوم کار میں آئے اور ڈکیتی کرنے کے بعد نامعلوم مقام کی جانب روانہ ہو گئے۔"

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

معاوضہ

ایک صاحب دوسرے صاحب سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ نے اپنے بیٹے کو وکیل کیوں بنایا؟"

"بھئی وہ بچپن سے ہی بہت جھگڑالو تھا' بہت بحث کرتا تھا' عجیب عجیب دلیلیں ڈھونڈ کر لاتا تھا' دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا تھا' ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی کمزوریاں نکال کر لاتا تھا۔ میں نے سوچا کہ بہتر ہے ان کاموں کا اسے معاوضہ بھی ملنے لگے۔"

تہمینہ خان..... پشاور

ورزش

دفتر کے جنرل منیجر کی کاہلی مثالی تھی۔ ایک روز اچانک انہوں نے یہ اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا۔

"بھئی آج میں جمنازیم جاؤں گا۔"

"بہت خوب!" ایک صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "آخر آپ کو ورزش کا خیال آ ہی گیا۔"

"ورزش کرنے کون کم بخت جا رہا ہے۔" جی ایم منہ بنا کر بولے۔ "مجھے تو اپنی ممبر شپ کینسل کرانے جانا ہے۔"

حرا کاشف..... نارتھ کراچی

فضول خرچ

"حمزہ تم کچھ پڑھ رہے ہو؟" کنجوس باپ نے شاہ خرچ بیٹے سے پوچھا۔

"نہیں پاپا جی۔" بیٹے نے مختصر جواب دیا۔

"کیا تم کچھ لکھ رہے ہو؟" باپ نے پھر دریافت کیا۔

"نہیں پاپا! میں کچھ سوچ رہا ہوں۔" حمزہ نے جواب دیا۔

"تو پھر خدا کے لیے چشمہ اتار دو' تمہاری یہ فضول خرچی کی عادت کسی دن مجھے دیوالیہ کر دے گی۔" کنجوس باپ نے دھاڑ کر کہا۔

عینی ملک..... سکھر

خواہش

خوب صورت اداکارہ عائزہ خان کا کہنا ہے کہ وہ دانش تیمور (بھئی عائزہ کے شوہر!) کی فلمی کامیابیوں سے بہت خوش ہیں (کیوں ۔۔۔؟) اور اب ان سے ہر شخص یہ سوال کرتا ہے کہ وہ کب فلموں میں کام کریں گی؟ (جتنی اداکارائیں فلموں میں کام کررہی ہیں اتنی تو فلمیں بن بھی نہیں رہی ہیں ۔۔۔) عائزہ کا کہنا ہے کہ میری بھی شدید خواہش ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ کسی فلم میں کام کروں، مگر مجھے صرف اچھی فلم، اچھے اسکرپٹ اور اچھی ٹیم کی طرف سے آفر ملنے کا انتظار ہے۔ (تو دانش تیمور ان سب باتوں کا خیال نہیں کرتے؟) عائزہ نے مزید کہا کہ فی الحال تو میری ساری توجہ چھوٹی اسکرین پر کام کر کے بڑے ایوارڈ حاصل کرنے پر مرکوز ہے۔

اعتراض

بھارتی مسلمانوں کے دشمن مودی کو سعودی عرب کے سب سے بڑے سول ایوارڈ دیے جانے پر بھارتی اداکارہ رانی مکھرجی نے تنقید کرتے ہوئے کہا ہے "نریندر مودی کو یہ اعزاز گجرات میں مسلمانوں کو زندہ جلانے پر دیا گیا ہے۔"

رانی مکھرجی نے کہا کہ پیغمبر اسلام (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے (اور مودی تو زندہ جلانے جیسا جرم کرچکا ہے) رانی نے مزید کہا کہ "اگر وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوتیں تو ان کے پیر دھو دھو کر پیتیں۔"

(کاش یہ بات مسلم امہ بھی سمجھ سکے)

یکسانیت

آمنہ شیخ نہ صرف ٹی وی اور فلم میں اداکاری کے جوہر دکھا رہی ہیں بلکہ وہ کراچی میں ہونے والی مختلف فلمی پریمیر کی تقریبات میں بھی پابندی سے شریک ہو رہی ہیں۔ ایک تقریب میں انہوں نے سب کو یہ کہہ کر چونکا دیا کہ زیبا بختیار کی فلم 021 میں کام کرنے کا ان کا تجربہ انتہائی تلخ تھا۔ (یہ بات فلم کے فلاپ ہونے پر....؟) کیوں کہ دہشت گردی کے موضوع پر اتنی فلمیں بن رہی ہیں کہ موضوعات کی یکسانیت سے لوگ تنگ آچکے ہیں۔ (یہ بات کام کرنے سے پہلے نہیں پتا چلی تھی کیا....؟) اسی طرح ٹی وی ڈراموں میں بھی یکسانیت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ (یہی تو المیہ ہے آمنہ! کہ ریٹنگ کی دوڑ میں معیار کی فکر اب کوئی نہیں کرتا۔) دو بہنوں کی کہانی سے ناظرین اکتاہٹ کا شکار ہیں (دو لڑکیاں ایک لڑکے کی کہانی سے بھی....؟) اور خواتین کی مظلومیت سے بھی۔

خبر ہے کہ

پاکستان فلم انڈسٹری پر زوال آیا تو مدیحہ شاہ ایک دم غائب ہو گئی تھیں (کیا خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھیں؟) پھر اچانک شادی کر کے واپس آئیں تو انہیں فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے کی کئی آفر دی گئیں مگر انہوں نے ان کو مسترد کر دیا۔ (یہ آفرز دی کس نے تھیں؟)

— اب سنا ہے کہ مدیحہ شاہ اپنی ذاتی فلم بنا رہی ہیں (جب کوئی نہیں لے گا تو پھر خود ہی بنانی پڑے گی نا.... فلم!) جس کی ہدایت کارہ بھی وہ خود ہوں گی (وہی تو.... اور یہ فلم ان کی ہوم پروڈکشن کے تحت مکمل ہو گی (دیکھا....!) مدیحہ نے کہا ہے کہ وہ فلم انڈسٹری کی بحالی کے عمل میں حصہ ڈالنا چاہتی ہیں (بلے بھئی بلے) وہ عنقریب کراچی سے لاہور منتقل ہو رہی ہیں (پر مدیحہ! آج کل تو فلمیں بن ہی کراچی میں رہی ہیں تو آپ....؟) — تاکہ فلم کی تیاریوں پر زور و شور سے کام شروع کر سکیں۔

مدیحہ نے کہا ہے کہ وہ اپنی فلم میں نئے اور نو عمر ٹی وی آرٹسٹ لیں گی۔ (تو پھر ٹی وی ڈراما ہی بنا لیتیں فلم کے بجائے۔)

اِدھر اُدھر سے

☆ اپنے ایک انٹرویو میں سابق صدر آصف زرداری نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ایوان صدر میں مستقل ملازمین کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہے اور ان پر اٹھنے والے بھاری اخراجات کروڑوں میں ہیں، جبکہ ملک

دوسرا ثمر یہ نکلا کہ اپوزیشن بس نام کی رہ گئی

(عبداللہ طارق سہیل۔ وغیرہ وغیرہ)

☆ نواز شریف کے خلاف تذکرہ کرنے والے یہ سوال کرنے کے لیے اپنے بھیھڑوں کو کوئی زحمت نہیں دیں گے کہ نواز شریف کے خلاف مبینہ طور پر کرپشن، قومی خزانے میں خرد برد اور مختلف ذرائع سے منی لانڈرنگ کے ایسے واضح ثبوت ہوتے ہوئے بھی جنرل مشرف نے انہیں اپنے خاندان سمیت بڑے احترام سے ایک طیارے میں بٹھا کر سعودی عرب کیوں بھیج دیا تھا۔

(نصرت جاوید۔ برملا)

دستک دستک دستک

شاہین رشید

سائرہ شہروز

(کچھ فلم کے بارے میں)

"کیا حال ہیں جی....؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"سائرہ یوسف سے سائرہ شہروز ہونا کیسا لگا تھا۔ گو کہ اب اس بات کو تقریباً" دو سال ہو گئے ہیں؟"

"بہت اچھا لگا.... یہ دن ہر لڑکی کی زندگی میں آتا ہے اور میری زندگی میں بھی آیا اور میں بہت خوش ہوں۔"

"جو لڑکیاں اپنے نام سے شہرت حاصل کرتی ہیں۔ پھر وہ اپنا نام نہیں بدلتیں شادی کے بعد مگر.... آپ نے؟"

"ہاں.... فرق تو نہیں پڑتا کہ ہم نام بدلیں یا نہ بدلیں کیونکہ میری پہچان پہ کوئی فرق نہیں آئے گا۔ شہروز پہلے سے ہی بہت پاپولر ہیں' میں سمجھتی ہوں کہ ان کے ساتھ میرا نام لگنے سے مجھے زیادہ شہرت ملی ہے اور خود مجھے بھی سائرہ شہروز کہلانا اچھا لگتا ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟ سنا ہے آپ بھی "فلم" کو پیاری ہو رہی ہیں؟"

ہنستے ہوئے.... "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سب فلم کی طرف جا رہے ہیں تو ہم کیوں نہ جائیں اور جب آفرز اچھی ہوں۔ اسکرپٹ جاندار ہو اور رولز بھی اچھے ہوں تو پھر جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔"

"کیا یہ فلمیں بالی ووڈ کی ہیں یا لالی. وڈ کی ہیں؟"

"جی.... یہ لالی. وڈ کی فلمیں ہیں۔ میں "بالی وڈ" میں بھی جانا چاہتی ہوں' مگر اچھے اسکرپٹ اور بہترین رول کے ساتھ.... پھر کاسٹ بھی اچھی ہونی چاہیے اور ٹیم بھی بہت اچھی ہونی چاہیے ورنہ آفرز تو آتی رہتی ہیں۔"

"کچھ بتائیں گی ان فلموں کے بارے میں؟"

"جی.... جی.... ضرور.... پہلی فلم "چلے تھے ساتھ ساتھ" ہے اور دوسری فلم کا نام ابھی ڈیسائیڈ نہیں ہوا ہے۔ "چلے تھے ساتھ ساتھ" کے ڈائریکٹر عمر عادل ہیں۔ اس کی شوٹ کراچی اور "ہنزہ" میں کی جائے گی۔ یہ چار دوستوں کی کہانی ہے اور اس کا اسکرپٹ کافی اسٹرونگ ہے اور میرا کردار بھی.... میں اس میں ایک "مہم جو" لڑکی دکھائی گئی ہوں اور دوسری فلم کے بارے میں ابھی زیادہ تفصیلات نہیں بتا سکتی کہ ابھی اس پہ کام ہو رہا ہے' جب فائنل ہو جائے گا تو پھر ان شاءاللہ بتاؤں گی۔ ویسے اس کا اسکرپٹ بھی بہت اچھا ہے۔"

"اور جو فلمیں بن رہی ہیں یا بن چکی ہیں' ان کے بارے میں کچھ کہنا چاہو گی؟"

"اب ہماری عوام سینما ہاؤسز کی طرف لوٹ رہی ہے' اس وجہ سے کہ اب اچھی فلمیں بننا شروع ہو گئی ہیں اور ہمیں مزید بھی کوشش کرنی ہو گی کہ ہم اچھی فلمیں بنائیں' ہمارے موضوعات' ہماری ثقافت کو پروموٹ کرتے ہوں نہ کہ پڑوسی ملک کی ثقافت کو.... اور جو فلمیں بن چکی ہیں انہوں نے باکس آفس پر کامیابیاں حاصل کی ہیں تب ہی تو مزید فلمیں بن رہی ہیں ورنہ اگر حوصلہ ٹوٹ جاتا تو کون اس کام کو جاری رکھتا۔"

"شہروز کے ساتھ بھی کوئی فلم کر رہی ہیں؟"

"نہیں.... ابھی تو نہیں.... لیکن میری خواہش ہے کہ میں ان کے ساتھ بھی کوئی فلم کروں.... اور میرا خیال ہے کہ میں زیادہ ایزی ہو کر کام کروں گی۔"

"سائرہ! مجھے یاد ہے کہ آپ نے ایک بار کہا تھا کہ میں ڈائریکشن کی طرف آنا چاہتی ہوں.... تو....؟"

"جی ہاں.... بالکل کہا تھا.... اور ابھی بھی مجھے اداکاری سے زیادہ ڈائریکشن کا شوق ہے.... اور ان شاءاللہ میں اس فیلڈ میں بھی ضرور آؤں گی اور اپنی ذاتی فلم

بناؤں گی اور اس کی ڈائریکشن خود کروں گی۔"
"لیکن۔۔۔ اگر فلمی مصروفیات اور کمرشلز کی مصروفیات نے اجازت نہ دی تو؟"
"ایسا ہو نہیں سکتا۔۔۔ کیونکہ انسان اپنے شوق کے لیے کہیں نہ کہیں سے وقت نکال ہی لیتا ہے۔۔۔ اور ان شاء اللہ بہت جلد میں اپنی یہ خواہش پوری کروں گی۔۔۔ بس اللہ کی مدد میرے ساتھ ہونی چاہیے۔"
"کام کے معاملے میں کبھی مروّت۔۔۔ مطلب تعلقات آڑے آئے آپ کے؟"
"نہیں جی۔۔۔ کام کے معاملے میں میرے اپنے اصول ہیں۔ اگر مروّت میں کام کروں تو کام بھی ختم نہیں ہو گا اور کام کا معیار بھی ایسا نہیں ہو گا جیسا میں نے رکھا ہوا ہے۔ تو وہ ایک جملہ اکثر لوگ بولتے ہیں ناکہ اصولوں پہ کوئی سودے بازی نہیں ہو گی۔ تو میری بھی یہی سوچ ہے کہ اصولوں کو نہیں توڑنا۔ معیار کو نہیں گرانا۔"
"اور تب ہی آپ کے تمام سیریل مقبولیت حاصل کرتے ہیں؟"
"بالکل جی۔۔۔ آپ دیکھیں تو میں نے بہت کام نہیں کیا مگر جتنا بھی کیا سب مقبول ہوا۔۔۔ خواہ وہ "میرا نصیب" ہو یا "بلقیس کور" ہو۔ "تنہائیاں" "کوک کہانی" وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اور آپ یہ بات بھی نوٹ کریں کہ ہر سیریل میں میرا رول بہت مختلف ہوتا ہے۔ میں اپنی انفرادیت بھی کھونا نہیں چاہتی۔۔۔"
"کمرشلز بھی آپ کر رہی ہیں۔ فلم اور ڈرامے بھی۔ اور ڈائریکشن کی طرف بھی آنا ہے۔۔۔ تو فیوچر میں کسی ایک فیلڈ کے لیے کام کرنا ہے یا سب کو ٹائم دینا ہے؟"
"یہ فیلڈ میرا پروفیشن ہے۔ اس لیے مجھے اس کی ہر فیلڈ میں کام کرنا ہے ہر شعبے میں اپنی جگہ بنانی ہے اور اپنے آپ کو منوانا ہے۔"
"ہوں۔۔۔ گڈ۔۔۔ فیشن کے معاملے میں دنیا کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ فیشن کے معاملے میں اپنے دل کے ساتھ چلتی ہوں۔ جو فیشن میرے دل کو اچھا لگتا ہے۔۔۔ جو میرے لیے آرام دہ ہوتا ہے وہی فیشن اختیار کرتی ہوں۔"
"گھر میں کس لباس میں رہتی ہیں؟"
"ڈھیلی ڈھالی شرٹ اور ٹراؤزر یا پھر جینز۔۔۔ اس لباس میں بہت ایزی فیل کرتی ہوں۔ بہت سادگی پسند ہوں۔"
"کوکنگ کا تو ہمیں پتا ہے آپ نے شیف بننا تھا مگر آرٹسٹ بن گئیں۔۔۔ گھومنا پھرنا کیسا لگتا ہے؟"
"جی۔۔۔ بالکل شیف بننا تھا۔ مگر اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے اور گھومنا پھرنا بھلا کسے پسند نہیں ہوتا۔۔۔ مجھے بھی بہت پسند ہے اور فیملی کے ساتھ گھومنے پھرنے کا زیادہ مزا ہے۔"

زینب جمیل

"کیا حال ہیں جی۔۔۔؟"
"اللہ کا شکر ہے۔"
"فیس بک پہ تو آپ روز نظر آتی ہیں۔ اسکرین سے کیوں غائب ہیں؟"

"نہیں... نہیں... غائب نہیں ہوں۔" سسرال میری بہن کا آن ایر ہے۔ اگرچہ وہ دوسری بار ہے... اور ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تو "سدا سکھی رہو" ختم ہوا ہے۔"

"ارے ہاں... اس سوپ میں آپ کے ساتھ تو بہت زیادتیاں ہوئیں... کتنا سچ تھا... ؟"

ہنستے ہوئے... "کچھ کچھ بالکل حقیقت تھا۔ تھپڑ کے لیے تو ٹرک استعمال ہو جاتی ہے۔ ہاں جو میری انگلیوں پر تشدد ہوتا تھا اس میں زیادہ تر میری اداکاری کا کمال ہوتا تھا..."

"واقعی... بہترین پرفارمنس تھی آپ کی... کیا رسپانس ملا... ؟"

"بہت اچھا... اب آپ نے دیکھا' تعریف کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی بہت تعریف کی... تو میری تعریف ہوئی۔ یہی میری کامیابی ہے۔"

"مزید کیا آنے والا ہے؟"

"بس ابھی سب کچھ انڈر پروڈکشن ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی آن ایئر آئے گا۔"

"اچھا لگتا ہے اپنے آپ کو اسکرین پہ دیکھنا' اپنے ڈرامے دیکھنا؟"

"جی... بہت اچھا لگتا ہے... اپنے آپ کو اسکرین پہ دیکھنا بھی اور اپنے ڈرامے دیکھنا بھی... میں تو خاص طور پر اس لیے دیکھتی ہوں کہ کہاں اچھا پرفارم کیا اور کہاں برا... اور جہاں مجھے لگتا ہے کہ میں نے اچھا پرفارم نہیں کیا اور فلاں فلاں جگہ غلطی کی ہے تو پھر اسے دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں..."

"اپنی غلطیوں پہ خود نظر رکھتی ہیں یا لوگوں کی بھی سنتی ہیں؟"

"ارے' یہ کیا بات ہوئی؟... میں لوگوں کی زیادہ سنتی ہوں کیونکہ تنقید کرنے والا ہی اچھا نقاد ہوتا ہے... اپنی خامیوں پر تو ہم پردے ڈال سکتے ہیں۔ مگر دوسرے ہماری خامیوں پر کیوں پردے ڈالیں گے... تو مجھے اچھا لگتا ہے جب کوئی مجھ پر صحیح والی تنقید کرتا ہے۔"

"شروع شروع میں لڑکیاں اپنی جگہ بنانے کے لیے ہر طرح کے کردار قبول کر لیتی ہیں... کیا آپ بھی اس نظریے سے اس فیلڈ میں آئی تھیں؟"

"بالکل نہیں... اور میں خود سے تو آئی بھی نہیں ہوں۔ خبرناک کے ڈائریکٹر نے مجھے دیکھا تو آفر دے دی اور جب ڈرامے کے ڈائریکٹر نے دیکھا تو انہوں نے آفر دے دی... تو پھر جب ایسی صورت حال ہو تو پھر کردار بھی اپنی ہی مرضی کے لیتی ہوں۔"

"ہوں... گڈ... اچانک ملنے والی شہرت نے ساتویں آسمان تک پہنچایا؟"

"نہیں... نہیں ایسا کچھ نہیں ہے... مگر اپنے آپ پر فخر ضرور ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ تصاویر بنوانا چاہتے ہیں... کیونکہ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اس فیلڈ میں آؤں گی اور پاپولر ہو جاؤں گی۔ اور ہاں... یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ لائٹ کامیڈی سیریل "من چلی" عنقریب آن ایر آنے والا ہے۔ بلکہ اس بات چیت کے شائع ہونے سے پہلے ہی آن ایر ہو چکا ہو گا۔"

"دیگر بہن بھائی کو بھی شوق ہے اس فیلڈ کا؟"

"ہم تین بہنوں کا ایک ہی بھائی ہے اور میرے علاوہ کسی کو شوق نہیں ہے اس فیلڈ میں آنے کا... میں نے بھی چونکہ "جیو" سے انٹرن شپ کی تو مجھے آفر آگئی... اگر انٹرن شپ نہ ہوتی تو شاید میں بھی اس فیلڈ میں نہ ہوتی..."

"پھر آپ کیا ہوتیں... ؟ مطلب کہیں جاب کر رہی ہوتیں؟"

"نہیں... پھر میں ایک اچھی ہاؤس وائف ہوتی... "قہقہہ...

"تو پھر کب بن رہی ہیں ایک اچھی ہاؤس وائف؟"

"ہنستے ہوئے... "اب تو آگئی اس فیلڈ میں تو اب اس فیلڈ میں نام کما کر پیسہ کما کر ہی سوچوں گی شادی کا۔"

"زینب' بہت شکریہ بات کرنے کا... اب تمہارا نیا سیریل آئے گا تو بات کریں گے۔"

"ان شاء اللہ۔"

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جواب کے ساتھ حاضر ہیں

شروع اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے جو عزت اور ذلت دینے پر قادر ہے اور جسے چاہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

آپ سب کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو، ہمارے پیارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

بنت سحر اپنا تبصرہ لیے شریک محفل ہیں

آج میں ایک رائٹر بن کر نہیں صرف اور صرف قاری بن کر کہانیوں پر تبصرہ کرنے حاضر ہوئی ہوں۔ آپ مصنفین کے انٹرویوز کا سلسلہ بھی شروع کریں۔ شوبز کی دنیا سے طبیعت اوب چکی ہے۔

خواب شیشے کا..... عفت آپی آغاز تو اچھا ہے۔ رقص بسمل..... نبیلہ آپی آپ کی پہلی کہانیاں زبردست ہوتی تھیں..... پلیز ویسا انداز اپنائیے۔ رب البشر..... سمیرا حمید ہمیں تو یارم فوبیا ہو گیا ہے، آپ کی منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمے، عنوان سب کچھ اعلا ہوتا ہے..... رب البشر ایمان کی لذتوں کو بڑھاوا دے گیا زبردست۔ محبت مارچ کا موسم..... سائرہ آپی آپ کی تحاریر سادگی، دلچسپی، برجستہ مکالموں، اور خوب صورت الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہیں..... بہت اعلیٰ لکھتی ہیں، خوش رہیں۔ سیاہ حاشیہ..... صائمہ آپی مجھے بہت پیاری ہیں آپ اور آپ کی کہانیاں..... کوئی تعویذ ہو ردبلا کا..... پیاری سمیرا ابھی تک تمہاری تحریر کے حصار میں ہوں..... میں ہوں ناں..... لوگو خود تبصرہ کرو اس افسانے پر، خوب بخیے ادھیڑو قطعاً" برا نہ مانوں گی۔ جگنو..... عزیزی ہاجرہ دلکش الفاظ و بیان..... بہت اچھا اضافہ ہیں آپ۔

رشتہ تانے بانے کا..... مصباح آپ کے طویل ناول کا سب سے زیادہ مجھے انتظار ہے۔ کھلتے گلاب..... پیاری مریم بہت اعلیٰ لکھتی ہو یار، ویل ڈن۔ کس سفر میں ہے..... سدرہ آپی واہ کیا لکھتی ہیں آپ، مجھے آپ کے انداز میں جھلکتا ادبی رنگ بہت پسند ہے..... اور سن لیں افسانوں پر نہ ٹرخائیں ناول لائیں۔ کچھ ناموں کی غیر موجودگی کھل رہی ہے۔ سحر ساجد، فریدہ فرید، میمونہ صدف، امایہ خان..... ارے کہاں ہو بھئی سب..... تم بن شعاع ادھورا ہے۔

ج ہماری پیاری بنت سحر! بہت اچھا لگا کہ آپ ایک قاری کی حیثیت سے تشریف لائیں مگر تبصرہ کچھ محتاط سا لگا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ بھی کھل کر اظہار خیال کرتیں۔ یقین جانیں، ہماری دیگر رائٹرز کا دل بھی بہت بڑا ہے۔ یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی کہ ہر چیز کی زیادتی خطرناک ہوتی ہے خواہ وہ تعریف یا محبت ہی کیوں نہ ہو، اعتدال اور میانہ روی ہر شعبہ حیات کے لیے ضروری ہے۔

رضوانہ پروین نے سیالکوٹ سے لکھا ہے

سب سے پہلے سمیرا حمید کا "رب البشر" پڑھا اس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ سمیرا اللہ تمہیں اجر دے۔ سائرہ رضا نے قلم کا حق ادا کر دیا ہے، سائرہ اللہ تمہیں خوش رکھے آمین۔ صائمہ اکرم "سیاہ حاشیہ" زبردست جا رہا ہے، سمیرا یونس "کوئی تعویذ ہو" کچھ خاص پسند نہیں آیا (معذرت کے ساتھ) افسانہ "میں ہوں نا" بنت سحر ویل ڈن، بہت زبردست لکھا حاجرہ ریحان "جگنو"

بہت مختلف انداز بیان تھا پسند آیا۔ مصباح علی "رشتہ تانے بانے کا" اس تحریر نے بہت ہنسایا۔ مریم بنت ارشاد "کھلتے گلاب" اور سدرۃ المنتہی کس سفر میں ہے، بہت اچھا لکھا' اس دفعہ کے ڈائجسٹ کو میں بیسٹ قرار دوں گی۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" گ ل م کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اللہ انہیں اجر دے۔ سچ کہا اولاد کی خاطر دوسری شادی کرو۔ تو صبر کرو عائزہ اور دانش کو "بندھن" میں پڑھ کر اچھا لگا "دستک" میں ناجیہ بیگ، نیلم منیر اور عنیٰی جعفری سے ملاقات اچھی رہی۔

ج پیاری رضوانہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ بلاشبہ اس شمارے میں ہماری بہت اچھی مصنفین یکجا تھیں۔

نفیسہ ستار' مدثرہ ستار فورٹ عباس سے لکھتی ہیں

سائرہ رضا کا ناول بہت اچھا تھا۔ سائرہ جی لکھیں اور ہمیں پسند نہ آئے ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ سمیرا جی آپ کے بڑے فین ہیں ہم اب اور بھی زیادہ ہو گئے "رب البشر" پڑھ کے۔ شروع سے آخر تک پورے 10 صفحے ضائع کرکے ایک خط لکھا ہے۔

ج پیاری نفیسہ! اتنا مختصر خط لکھنے کے لیے آپ نے دس صفحے ضائع کر دیے۔ ایسا کیا لکھ رہی تھیں۔ صرف اپنی رائے اور خیالات سے ہی تو آگاہ کرنا تھا۔

قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے بشریٰ گوندل نے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

اس ماہ کا شعاع واہ' واہ۔ سب سے پہلے شادی کا احوال پڑھا۔ آسیہ رزاقی لکھیں اور مزہ نہ آئے۔ عفت سحر کا ناول "خواب شیشے کا" چونکہ ابھی نیا ہے' کردار پوشیدہ ہیں تو تبصرہ بھی پوشیدہ۔ مکمل ناول کی بات اور سامنے سائرہ رضا ارے واہ "محبت مارچ کا موسم" ہم تو آج تک پیپرز کا ہی سمجھتے رہے۔ شاباش سپرہٹ' صائمہ اکرام مجھے بہت پسند ہیں کیا کہنا ان کے اور "سیاہ حاشیہ کے ویل ڈن۔ سمیرا یوکس کا کوئی تعویز ہو اچھا ناولٹ تھا۔ خاص کر ان کا جملہ خواب جتنے مرضی اونچے دیکھ لو مگر قسمت کے آگے مرضی نہیں چلتی۔" بہت اچھا لگا۔ لکھتی رہیں' ہم منتظر ہیں۔ افسانوں میں سارے اچھے تھے۔ "کھلتے گلاب" مریم بنت ارشاد بہت اچھا لگا۔ مصباح علی کا "رشتہ تانے بانے کا" ہاہاہا کیا کہنے بھئی۔ ایک بات پوچھوں اگر آپ جواب دیں پچھلے خطوط میں آپ نے ان کے کسی ناول کا ذکر کیا تھا۔ کیا وہ کوئی بہت شاہکار چیز لکھ رہی ہیں جو لکھی نہیں جا رہی یا وہ آپ کے اقارب سے ہیں جن کے آنے والے ناول کا اشتہار چل رہا ہے۔ زہرہ کے پی ایچ ڈی کا پتا چلا تھا کس سبجیکٹ میں کر رہی ہیں کیا سکالرشپ ملا؟ کیسے ملا؟ ہمیں بھی طریقہ بتائیں۔

ج ۔ پیاری بشریٰ! شعاع میں لکھنے والی تمام مصنفین اور قارئین ہماری رشتہ دار ہیں۔ ہمارا ان سے دوستی اور محبت کا رشتہ ہے۔ ہم ہر اچھے لکھنے والے کے خواہ وہ بڑا نام ہو یا نیا قدردان ہیں اور اچھی تحریروں کے لیے ہمارے دروازے ہر وقت کھلے ہیں خواہ کوئی بھی تحریر کرے۔ آپ کے سوالوں کے جواب نسبت زہرہ ہی دے سکتی ہیں اگر انہوں نے جواب دیا تو ہم شائع کر دیں گے۔

ثمینہ اکرم' بہار کالونی لیاری' کراچی

سمیرا حمید کا ناول "رب البشر" اور دوسری خوشی اپنے خط کو صف اول پر لگا دیکھ کر ملی۔ آپ کا جواب + پرخلوص دعائیں پا کر تو میں جیسے دوبارہ جی اٹھی .... میری خوشی میں اکرم بھی خوش .... اور خط لکھوانے کا کریڈٹ اپنے سر لیتے ہوئے بولے کہ اگر خط نہ لکھتیں تو اتنی محبتیں کیسے ملتیں؟ میری محبتوں کو محبت بھری پذیرائی بخشنے کا بہت شکریہ۔

اس مرتبہ "رب البشر" قلم اٹھانے کا محرک بنا۔ ناول کے عنوان سے لے کر ہر ہر سطر پر اثر .... سمیرا حمید لکھتی نہیں ہیں' قاری پر سحر کرتی ہیں۔ جب اللہ کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اسے فکر آخرت بخش دیتا ہے۔ عدینہ کو اپنے گناہوں کا ادراک اور اللہ سے معافی کی طلب .... اور دن رات اللہ کے خوف اور اس کی محبت میں مدہوش رہنا۔ یہ سب دراصل عدینہ پر اللہ کا کرم خاص ہی تھا۔ اگر وہ اللہ کی پیاری نہ ہوتی تو سیبل کا حق میں اللہ اس کی دعا قبول نہ کرتا اور سیبل کو موسیٰ نہ عطا فرماتا۔" بے شک اللہ کی محبت مجوب ہے۔" بہت خوب سمیرا حمید "اللہ پاک تمہیں اپنے پیاروں میں رکھے۔" تم اسی طرح اپنے قلم کا حق ادا کرتی رہو۔ (آمین)

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے ہر ماہ اس طرح کی کہانی کو

ضرور شامل ہونا چاہیے۔ مجھ جیسے بیماروں کے لیے ٹانک کا کام دیتی ہے۔ "خوش رہو مصباح علی" سیاہ حاشیہ میں دھیرے دھیرے ہر راز افشا ہو رہا ہے۔ عفت سحر طاہر کا نیا سلسلہ وار ناول "خواب شیشے کا" ابتدا ہی سے اچھی مضبوط کہانی کا آغاز ہوا۔ عفت سحر اپنے قاری کو زیادہ الجھاؤ میں نہیں ڈالتیں۔ سمیرا یونس کا ناول "کوئی تعویز ہو" بھی بس ٹھیک ہی رہا۔ سائرہ رضا کا ناول شکر ہے کہ دو اقساط میں ہی نپٹ گیا۔ ہلکی پھلکی مزاحیہ رنگ میں یہ کہانی اچھی رہی۔

ثمینہ! آپ تو ہماری دعاؤں میں ہی نہیں ہماری قارئین کی دعاؤں میں بھی شامل ہیں۔ اللہ آپ کو شفائے کلی عطا فرمائے۔ تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

اسلام آباد سے دانیہ لکھتی ہیں

سب سے پہلے رقص بسمل پر دوڑ لگائی۔ اوہو' لگتا ہے یہ تو اب تلواروں پر رقص کروا کر دم لے گا۔ ہائے مارچ کا موسم' کیا کہنے بھائی جہاں سائرہ آپی ہوں اور اے پلس نہ آئے افسانوں میں۔ آہاہا مصباح علی کا رشتہ تانے بانے کا .... سمجھ نہیں آرہا کیسی تعریف کروں۔ ناولٹ میں سیاہ حاشیہ کی کیا تعریف کروں بس یہ بتا دیں بختاور کے بخت کہاں ہیں بھئی؟ آسیہ رزاقی نے شادی کا حال لکھا' افسانہ بھی لکھ دیتیں۔

دانیہ! مختصر ہونے کے باوجود تبصرہ اچھا لگا بہت شکریہ۔

جویریہ ناز نے صوفی پورہ سے لکھا ہے

خط لکھنے کی اصل وجہ نبیلہ عزیز کا ناول "رقص بسمل" ہے نبیلہ آپی کا اصل مسئلہ آپ کئی بار بتا چکی ہیں تو پھر قارئین کا اعتراض بنتا تو نہیں وہ بہت پسندیدہ رائٹر مانی گئیں۔ مجھے قارئین سے یہ سوال کرنا ہے کہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو مشکل کے وقت میں دل جوئی کی ضرورت ہوتی ہے یا تنہا چھوڑ دینے کی۔ یہاں تک کہ آپ اپنے لفظوں سے ان کے اندر کی صلاحیت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر رہے ہیں نبیلہ جی آپ بھلے ایک صفحہ ہی لکھیں۔ مجھ جیسی فین ضرور پڑھیں گی داد دیں گی اور آپ کے لیے دعا گو رہیں گی اب جناب مکمل ناول کی باری وہ بھی دو ٹاپ کی رائیٹرز کا۔ حمیرا کے برجستہ جملے اچھے تھے یا عدینہ کے تجرباتی شاباش۔ ناولٹ میں سیاہ حاشیہ صائمہ اکرم کا ہے ہی زبردست تقریباً "نمٹنے کے قریب ہی ہے۔ کوئی تعویز ہو رد بلا کا اچھی کہانی تھی لیکن ایک جملہ معترض تھا' یہ کیا صرف اور صرف ایثار کے لیے مسلمان ہوا یعنی دل سے عیسائی تھا ایسے شخص کا دکھ ہونا تو نہیں چاہیے افسانے سارے اچھے تھے' ہاں خاص کر مصباح علی کا رشتہ تانے بانے کا اچھا لگا۔ ارے واہ بھئی واہ چھا گیا۔ بنت سحر اپنے مخصوص دھند' بادل' کافی' ڈائری والے انداز میں نظر آئیں۔ بہت یکسانیت ہے ان کی کہانیوں میں کچھ تبدیلی لائیں بھئی....

جویریہ! آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے۔ ہم جن سے محبت کرتے ہیں ان کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ سچ ہم بھی اکتا گئے ہیں ایک ہی بات پڑھ پڑھ کر اور اس کا جواب لکھ لکھ کر۔ اللہ تعالیٰ نبیلہ عزیز کی پریشانیاں دور کرے' وہ بہت باصلاحیت ہیں اور ہمیں یقین ہے وہ بہت جلد تمام پریشانیوں سے نجات پا کر ہمارے لیے بہت اچھا ناول لکھیں گی۔ آپ کی تعریف اور تنقید متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

اورنگی ٹاون کراچی سے قرۃ العین عباسی نے لکھا ہے

اس ماہ کا شعاع 2 اپریل کو ملا۔ رقص بسمل انتہائی ست چل رہا ہے۔ پلیز صفحات اسے بڑھائیں۔ سیاہ حاشیہ دلچسپ چل رہی ہے پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھ کر روح سرشار ہو جاتی ہے جب مجھ سے ناتا جوڑا ہے کافی اچھا اور مزے دار سلسلہ ہے اپنی امی کی شادی کے واقعات بھی لکھ کر جلد ہی بھیجوں گی۔ کوئی تعویز ہو ردبلا کا بہت خوب صورت لکھا سمیرا یونس ہارون نے۔ "محبت مارچ کا موسم" سائرہ رضا نے کیا لکھا ہے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

ج۔ قرۃ العین آپ ہماری دعاؤں میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ خط لکھنے کا شکریہ۔

عائشہ انصاری نے حیدر آباد سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

پنک فینسی سوٹ میں مبارک باد وصولتی جانے کس دھن میں مسکراتی اوپر آئی تو بلال کی آواز نے وہیں روک دیا۔ بولا باجی اپنا خط تو دکھا دو اپنی ہونے والی نندوں کو۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہر ماہ سے

زیادہ اچھی لگیں۔ سرورق پر سمیرا حمید کو جگمگاتا دیکھا تو دل خوشی سے بھر گیا۔ جتنا خوب نام اتنی ہی خوب تر کہانی "میں ہوں نا" دھوپ چھاؤں سی تحریر، آنکھیں نم کر دیں "رشتہ تانے بانے کا" مصباح علی! محفل ہی لوٹ لی سچ بہت ہنسایا اور آخر میں جذباتی ہی تو کر دیا۔ "کس سفر میں ہے" سدرۃ المنتہی! مجھے آپ کی تحریر نے بہت دکھی کیا۔ آمنہ زریں سے کہیے زیرو پوائنٹ پر بھی تبصرہ کریں۔ بہت تعریفیں سنی ہیں (جی) مگر پلیز اردو اتنی گاڑھی نہ لکھا کریں آخر میں کنیز نبوی سے کہوں گی۔ چند مہینوں کی غیر حاضری تو چلتی ہے مگر دو ڈھائی سال اہمیت رکھتے ہیں "صنم سے صمد تک" جیسی تحریر لے کر بس اب آجائیں۔

ج ۔عائشہ! منگنی کی دلی مبارک باد بہت ساری دعاؤں کے ساتھ۔ تبصرے کا شکریہ۔ جی ہاں اسے اتفاق ہی سمجھیں کہ بانو قدسیہ کا اقتباس ایک سے زائد بار شامل ہوا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں یہ اقتباس بہت پسند ہے کنیز نبوی تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

نجمہ فدا لکھتی ہیں

آپ کے موقر جریدے میں چھپنے کے لیے افسانہ۔ ناولٹ یا ناول آپ کو مہینہ کی کس تاریخ تک درکار ہوتا ہے تاکہ وہ اگلے ماہ آپ کی پسند کی سند حاصل کر کے شامل اشاعت ہو سکے۔ میں نے حور اور زیب النساء کا دور بھی دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے جریدے میں عمیرہ احمد اور نمرہ احمد کلاسیکل حیثیت اختیار کر گئی ہیں جبکہ جبیں سسٹرز، عطیہ بانو اور باقی سب بھی کسی سے کم نہیں اور نئی آنے والی سمیرا حمید اور سائرہ رضا نے بھی دھوم مچا دی ہے۔

پیاری نجمہ! آپ کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک طویل عرصہ سے مطالعہ کر رہی ہیں۔ یقیناً" آپ نے جو لکھا ہو گا۔ اس میں آپ کے مشاہدات تجربات اور مطالعہ شامل ہو گا۔ آپ کسی بھی تاریخ کو اپنی تحریر بھجوا دیں۔ ہمارے ادارے سے خواتین کے تین پرچے شائع ہوتے ہیں۔ کسی بھی پرچے میں شامل ہو جائے گی۔ مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچا رہے ہیں۔ عطیہ بانو مرحومہ اب ہمارے درمیان نہیں ہے۔

شازیہ الطاف ہاشمی شجاع آباد سے شریک محفل ہیں

شجاع آباد آموں سے لدے باغ جیسا ہے نرم میٹھے رس دار آموں کی سرزمین شجاع آباد۔ یہاں کے آم سارے ملک میں مشہور ہیں مینگو ریسرچ سنٹر، چھوٹا سا تفریحی پارک، نیلے پانیوں سے بھری نہریں اور ضرورت کی ہر چیز بازار سے مل سکتی ہے۔ لوگ سرائیکی بولتے ہیں، اردو بھی پنجابی بھی مگر زیادہ تعداد سرائیکی ہے جب بھی خوشبو دار اعلیٰ کوالٹی کے آموں کا ذکر آئے گا، ہمارا شہر اس فہرست میں پہلے نمبر پر آئے گا، یہاں کے مشہور کھانوں میں سہانجنا گوشت، ساگ، اور کچنار گوشت شامل ہیں اور سب سے اہم بات یہاں "میں" رہتی ہوں۔

ج پیاری شازیہ! آم میٹھے ہوں اور بہت سارے ہوں۔ اس معاملے میں ہم بھی غالب کے طرف دار ہیں۔ ہم نے شجاع آباد کے آم کھائے ہیں۔ واقعی ان کا ذائقہ ہی الگ ہوتا ہے۔

آپ کے افسانے پڑھ لیے ہیں، شازیہ! آپ میں صلاحیت ہے۔ اچھا لکھ سکتی ہیں لیکن آپ کے ان افسانوں میں کچھ کمی سی محسوس ہوئی ایسا لگا جیسے بہت سرسری انداز سے، بہت جلدی میں لکھے گئے ہوں۔ آپ محنت کر کے دوبارہ لکھیں۔

عائشہ رباب اورنگی ٹاؤن کراچی سے لکھتی ہیں

پہلی شعاع زبردست "حمد اور نعت" دونوں ہی پسند آئیں "پیارے نبی کی پیاری باتیں" لفظ لفظ موتی ہیں۔ اللہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے عائزہ خان اور دانش تیمور سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ آسیہ رزاقی کی کہانیوں کی طرح "شادی کا احوال" بھی تیز رفتار تھا۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ "خواب شیشے کا" روایتی سی کہانی لگی۔ لیکن انٹرسٹنگ اور اسٹرانگ سی۔ "محبت مارچ کا موسم" بہت بہت ہی زبردست اینڈ ہوا۔ "رب البشر" سمیرا حمید نے اس بار بھی ریکارڈ قائم رکھا۔ کہانی کے اختتام تک آنکھیں نم ہو گئیں۔ کہانی بے حد اچھی تھی۔ بس ایک شکایت ہے۔ کیا پاکستان اتنا چھوٹا اور برا ملک ہے کہ سمیرا حمید دوسرے ملکوں کی فین ہو گئی ہیں۔ ان کی لگاتار پچھلی کئی کہانیوں میں غیر ملکوں کا ذکر ہے۔ "سیاہ حاشیہ" ہمیشہ کی طرح شاندار "کوئی تعویز ہو ردبلا" کہانی خوب تھی۔ بس

اختتام پر کچھ تشنگی سی رہ گئی۔ "میں ہوں ناں" بہت اعلیٰ کہانی لکھی۔ نظمیں، غزلیں میں ڈاکٹر طاہر مسعود کی نظم بہت پسند آئی۔ "خط آپ کے" حرا قریشی کا خط بہت ہی یونیک تھا۔ ہم تو ان کی فصاحت و بلاغت پر حیران ہوتے تھے۔ اس بار تو ان کا انداز ہی خوب تھا۔

ج پیاری عائشہ رباب! شمارے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ سمیرا جس موضوع اور ماحول کو دکھاتی ہیں، وہ پاکستانی معاشرے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے ان کی کچھ کہانیوں میں پس منظر غیر ملکی ضرور ہوتا ہے مگر مغربی نہیں۔ آپ ہمیں اچھے اچھے رومینٹک شعر بھیجیں۔ ہم منتظر ہیں۔

عابدہ بشیر عابی نے کھاریاں گجرات سے لکھا ہے

سب سے پہلے "پہلی شعاع" کو پڑھا۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح دل و جان کو معطر کر دینے والا سلسلہ۔ محبت مارچ کا موسم۔ بالکل مارچ جیسا، کھٹا میٹھا، سرد و گرم لگا۔ بہت سی باتوں پہ آنسو روکنا مشکل لگا۔ اور حمیرا کے تو کیا ہی کہنے.....

سمیرا حمید کا "رب البشر" اس کے لیے کیا کہوں۔ صفحات کی کمی آڑے آجاتی ہے ورنہ..... (اہم) سن لیں سمیرا جی! آپ بھی۔ آپ، نمرہ احمد اور سائرہ رضا نے تو ہمارے دل پہ قبضہ ہی جما لیا ہے۔

ج ۔ پیاری عابدہ! خطوط کا جو یہ سلسلہ ہے، وہ در حقیقت ہمارے لیے ہے کہ ہم آپ قارئین کی رائے، پسند ناپسند یا فرمائشوں سے آگاہ ہو سکیں۔ اور یقین جانیں کہ جو خطوط شائع ہونے سے رہ جاتے ہیں، وہ بھی پڑھے ضرور جاتے ہیں۔

مگر آپ لوگوں نے تو ہماری ردی کی ٹوکری کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ سوچتے ہیں کہ اس ردی کی ٹوکری کو ہمیشہ کے لیے پھینک دیتے ہیں اور اس کی جگہ خوب بڑا سا ٹوکرا رکھ لیتے ہیں۔

آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں اور بھئی وقت بے وقت فون کر کے خود کو نہ تھکائیں۔ سیدھا سیدھا 5 تاریخ کو فون کریں۔

فاطمہ ارشد نے راولپنڈی سے لکھا ہے

سب سے پہلے پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں، ہمیشہ کی طرح بہت ہی معلومات ملیں۔ آپی جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے بہت اچھا سلسلہ ہے اس کو جاری رکھیے گا۔ عائزہ اور دانش تیمور کا انٹرویو دلچسپ تھا۔ عفت سحر طاہر کا خواب شیشے کا پڑھا۔ طلال کی باتیں بہت مزے کی لگیں۔ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ رقص بسمل بھی اچھا رہا۔ محبت مارچ کا موسم اپنے نام کی طرح منفرد۔ حمیرا کا کردار بہت جان دار تھا۔ مکمل ناول میں سمیرا حمید صاحبہ چھائی رہیں۔ سمیرا جی ناول لکھیں اور اچھا نہ لگے امپاسبل۔ افسانے سب اچھے رہے مگر سدرۃ المنتہیٰ کا افسانہ بازی لے گیا۔

ج پیاری فاطمہ! اگر شعاع صرف ہمارا ہوتا تو آپ چٹ کر سکتی تھیں؟ جناب یہ آپ سب محبت کرنے والوں کا ہے۔ آئندہ بھرپور تبصرے کے ساتھ آئیے گا۔

فائزہ بھٹی نے پتوکی سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

سب سے پہلے "رقص بسمل" پر پڑاؤ ڈالا۔ تھوڑی ہی سہی مگر اچھی رہی.....

"سیاہ حاشیہ" صائمہ بہت خوب صورتی سے کہانی کو لے کر آگے بڑھ رہی ہیں۔ "خواب شیشے کا" عفت سحر کی کہانی کافی اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ آغاز تو بہت اچھا کیا ہے۔ سائرہ رضا کی کہانیوں کی ایک بات جو بہت اچھی لگتی ہے۔ ان کی کہانیوں میں مایوسی، یاسیت، قنوطیت کا کالے پروں والا پرندہ کوشش کے باوجود پر نہیں مار سکتا۔

"رب البشر" سمیرا حمید اور سائرہ رضا تو معلوم پڑتا ہے ادارہ خواتین کے دامن کو اپنی تحریروں سے مالا مال کرنے پر کمربستہ ہیں۔

اتنے مزے سے پڑھ رہی تھی مگر یہ کیا..... آخر سے کہانی غائب "کوئی تعویذ ہو" سمیرا یونس نے اپنی کہانی کے لفظوں میں گلابوں کی ساری خوشبو بھر دی۔ "میں ہوں نا" ہلکا پھلکا افسانہ دل میں جگہ بنا گیا۔ بنت سحر آپ افسانوں کی دنیا کو تاروں سے بھرنے کا سوچتی ہیں نا.....

ج پیاری فائزہ! بہت خوشی ہوئی یہ جان کر آپ کا آپریشن کامیاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور سب بیماروں کو شفائے کلی اور صحت مند زندگی عطا فرمائے آمین۔ کبھی کبھی بائنڈنگ کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے آپ اپنے بک اسٹال سے تبدیل کرالیتیں تو مزہ کرکرا نہ ہوتا۔ آپ بیماری کی حالت میں اتنے مزے کا خط لکھتی ہیں، آپ کے اس خط کا انتظار ہے، جو آپ مکمل صحت یاب ہو کر

لکھیں گی۔

فرحانہ نے گوجرہ سے لکھا ہے

ٹائٹل پسند آیا' سائرہ رضا کا مکمل ناول پسند آیا۔ "خواب شیشے کا" عفت سحر جی آغاز تو بہت اچھا ہے اگر ہر بار صفحات اتنے ہی پڑھنے کو ملیں سیاہ حاشیہ صائمہ اکرم کی تحریر مجھے بے حد پسند ہے۔ دین' دنیا' تہذیب' ناچ' فیشن غرض اس ناولٹ میں مجھے تو ہر چیز پڑھنے کو ملی۔ کوئی تعویز ہو بس سو سو تھی۔ مصباح علی کا افسانہ "رشتہ تانے بانے کا" بہت عرصہ بعد ثمرہ بخاری کی طرح ہنسایا۔ میمونہ خورشید کا ناول "تیری راہ میں رل گئی وے" آج تک یاد ہے' ہو سکے تو دوبارہ ریپیٹ کر دیں۔

ج فرحانہ! یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ہماری دیرینہ قاری ہیں۔ آئندہ کوشش کریں گے کہ ایسا ٹائٹل لگائیں جو آپ کے ساتھ آپ کی پیاری سی بیٹی صحیٰ کو بھی پسند آجائے۔ ویسے کچھ الگ سی بچی لگتی ہے۔ جو ماں کی پسند کو لفٹ نہیں کراتی۔

ثناء خان جمبر خورد پتوکی سے شرکت کر رہی ہیں' لکھا ہے

اس ماہ کا ٹائٹل اچھا تھا اور ٹائٹل پر سمیرا حمید کے ناول کا نام پڑھتے ہی دل بلیوں اچھلا۔ لیکن دل کو صبر کا درس دے کر خاموش کروایا کہ سب سے پہلے ہمیشہ "دوپہلی شعاع" حمد' نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھتی ہوں۔ پھر چھلانگ لگائی "رب البشر" کی طرف۔ کمال کر دیا سمیرا جی۔ واقعی وہ رب البشر ہے۔ ہم انسانوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والا' سائرہ رضا آتی ہیں چھا جاتی ہیں۔ "سیاہ حاشیہ" صائمہ اکرم کہانی کو بہت اچھے انداز میں لے کر آگے بڑھ رہی ہیں۔

عفت سحر طاہر کا "خواب شیشے کا" امید ہے کہ ان کے باقی ناولوں کی طرح یہ بھی زبردست رہے گا۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے۔

ج پیاری ثناء! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

وجیہہ یونس خان ٹنڈو الہ یار سے شریک محفل ہیں

یہ رسالے میرے لیے اولمپکس کی مشعلوں کی مانند ہیں۔ بچپن میں کافی روک ٹوک ہوتی تھی ان کے پڑھنے پر لیکن اب گھر میں سب پڑھتے ہیں اور سراہتے ہیں اگر تبصرہ کیا جائے تو میرے خیال میں تمام کہانیاں زبردست ہوتی ہیں۔ سب تحریریں میرے لیے ایک بلند مرتبہ استاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ تنقید کچھ کر ہی نہیں سکتی کیونکہ مجھے تو شعاع کے تمام سلسلے ہی بہت پسند ہیں۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" بھی زبردست سلسلہ ہے اور اس سے صبر' برداشت اور اللہ پر پختہ یقین کا سبق ملتا ہے۔ اس کے علاوہ انٹرویوز موسم کے پکوان' آئینہ خانے میں' تاریخ کے جھروکوں سے غرض سب ہی سلسلے پھولوں کی مانند ہیں۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں میں بھی ایک افسانہ لکھوں۔

ج وجیہہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید افسانہ لکھنا چاہتی ہیں تو دیر کس بات کی ہے۔ ضرور لکھیں اچھا ہو گا تو شائع ہو جائے گا۔

نایاب' نگینہ اور کائنات نے بنوں سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

"رب البشر" بہت زبردست تھا۔ میں نے پچھلے خط میں بھی پوچھا تھا کہ مجھے 2015ء کے سارے ڈائجسٹ چاہئیں۔ میں اس کے لیے کتنے پیسے بھیجوں؟

اور 2013ء کے ڈائجسٹ اگر میں منگوانا چاہوں تو کیا ہر مہینے آپ لوگ مجھے ڈائجسٹ بھجوا سکتے ہیں؟

ج نایاب' نگینہ اور کائنات آپ 720 روپے اس ایڈریس پر منی آرڈر کر دیں۔

خواتین ڈائجسٹ 37۔ اردو بازار۔ کراچی

آپ کو 2015ء کے شمارے بھجوا دیے جائیں گے۔ ایک سال تک گھر بیٹھے پرچا حاصل کرنے کے لیے آپ کو سالانہ 720 روپے بھجوانا ہوں گے۔ آپ 2013ء کے پرچے حاصل کرنے کے لیے بھی 720 روپے منی آرڈر کریں۔

مریم انصاری بھاولپور سے شریک محفل ہیں

"محبت مارچ کا موسم" پڑھتے ہوئے آنکھوں میں شفاف موتی جھلملائے اور ساتھ ہی ہونٹوں پہ مسکان بھی آ ٹھہری۔ سائرہ رضا کیوں اتنے پردوں میں ملفوف ہیں؟ میں ان کا انٹرویو پڑھنے کو بے تاب ہوں۔

سمیرا حمید کو میں نے خوابوں میں دیکھا ہے "رب البشر" پڑھنا شروع کیا ہے۔ بہت ساری دعائیں۔ ساری

لکھاریوں کے لیے۔
اس دنیا میں کتنے غم ہیں
"جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" سلسلہ اچھوتا ہے۔

ج پیاری مریم انصاری! آپ کے اتنے اچھے خیالات جان کر بہت خوشی ہوئی۔ پروردگار ہر ایک کو اپنے فرائض پہچاننے اور انہیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
سائرہ رضا اور سمیرا حمید دونوں کے تفصیلی انٹرویو دیں گے۔ تھوڑا انتظار کریں۔

چوک اعظم سے ناظمہ زیدی لکھتی ہیں

"خط آپ کے" میں اپنا نام نہ پا کر بہت دکھ ہوا۔ نہایت دکھی دل سے لکھ رہی ہوں۔
میرا فیورٹ سلسلہ "خط آپ کے" ثمینہ اکرم حوصلہ افزائی کا شکریہ! اللہ آپ کو صحت کاملہ عطا کرے۔ ممتاز یوسف جی! آپ کی بات کا جواب دینا چاہوں گی۔ کہ جن کے شوہر دوسری شادی کرلیں وہ عورتیں ساس نندوں کی برائیاں نہیں کرتیں! اس کا جواب یہ ہے کہ میری امی اب بھی ایسی ہیں، کسی کی برائی نہیں کرتیں۔ میں نے آپ کا خط امی کو پڑھایا تو امی نے آپ کی بات کے جواب میں مسکراتے ہوئے کہا "بیٹا چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظرانداز کرنا سیکھو، اللہ آپ کے بڑے بڑے وہ کام بھی پورے کردے گا جن کے بارے میں آپ نے سوچا بھی نہ ہوگا۔" اس بات کی گواہ میں خود ہوں۔ امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ یہ احوال کس کا ہے۔
آسیہ رزاقی شادی کا احوال خوب تھا۔ آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ میری امی شعاع اور خواتین کی اولین قارئین میں سے ایک ہیں۔ میری امی آج کل علیل ہیں۔ تمام بہنوں سے التماس دعا ہے۔

ج ناظمہ زیدی! خط شائع ہونے پر اتنا دکھی نہ ہوا کریں۔ ہمارے پاس اس سلسلے کے لیے بہت محدود صفحات ہوتے ہیں اس لیے بس کچھ خطوط ہی جگہ پاتے ہیں مگر بخدا، ہم سارے خطوط پڑھتے ضرور ہیں۔ آپ کی نظم کے لیے معذرت ہیں اور آپ کی والدہ کی صحت کے لیے دعاگو ہیں۔ ہمارا بھی سلام انہیں پہنچائیے گا۔ افسانے کے لیے معذرت، آپ میں صلاحیت ہے، کسی ہلکے پھلکے موضوع پر لکھیں۔

قارئین متوجہ ہوں!

1- ماہنامہ شعاع کے لیے تمام سلسلے ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں، تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کاغذ استعمال کریں۔
2- افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کرسکتے ہیں۔
3- ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔
4- کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
5- مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں، ناقابل اشاعت کی صورت میں تحریر واپسی ممکن نہیں ہوگی۔
6- تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
7- ماہنامہ شعاع کے لیے افسانے، خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب، اشعار وغیرہ درج ذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔

ماہنامہ شعاع
37-اردو بازار کراچی

سرورق کی شخصیت

ماڈل	سنیعہ
میک اپ	سلیک بائی عینی
فوٹوگرافی	ایم۔ کاشف

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

کرسپی بیف زنگر

ضروری اشیاء :

گوشت کے پارچے	آدھا کلو (انڈر کٹ)
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو سے تین عدد
کارن فلور	دو سے تین کھانے کے چمچے
بریڈ کرمز	آدھا کپ
بیکری چپس	آدھا کپ
کارن فلیکس	آدھا کپ
تیل	تلنے کے لیے
سفید مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ووسٹر شائر سوس	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

دیگچی میں پارچے، پسا ہوا لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر ہلکا سا گلا لیں۔

ایک باؤل میں سویا ساس، ووسٹر شائر ساس، چائنیز نمک اور پسی سیاہ مرچ ڈال کر ملا لیں اور اس میں پارچے ڈال کر آدھا گھنٹے تک فریج میں رکھ دیں۔

ایک پلیٹ میں چپس، کارن فلیکس اور بریڈ کرمز ڈال کر چورا کرلیں۔ ایک پیالے میں انڈے پھینٹ لیں اور پسی سفید مرچ اور کارن فلور ڈال کر آمیزہ تیار کرلیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کر کے مسالا لگے ہوئے پارچے پہلے انڈے کے آمیزے میں ڈبو کر۔ بریڈ کرمز، کارن فلیکس اور چپس کے چورے میں لپیٹ کر تل لیں۔ پارچے سنہری ہونے پر نکال لیں۔

ڈش میں نکال کر سلاد، فنگر چپس، کیچپ اور چلی ساس کے ساتھ پیش کریں۔

کاک ٹیل کباب

ضروری اشیاء :

قیمہ	آدھا کلو
ہری پیاز	ایک کپ
گرم مسالا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لونگ	دو سے تین عدد
ہرا دھنیا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں	چار عدد
انڈا	ایک عدد
ڈبل روٹی کا سلائس	ایک عدد
دودھ	دو کھانے کے چمچے
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب :

ایک پتیلے میں تیل گرم کریں۔ اس میں چوپ کی ہوئی پیاز ڈال کر براؤن کرلیں۔ اس کو پیالے میں ڈال کر اس میں قیمہ، گرم مسالا، زیرہ، نمک، لونگ (کوٹ لیں) ہرا دھنیا، مرچیں اور انڈے ملا دیں۔

ایک پیالے میں سلائس (کنارے الگ کرلیں) کو دودھ میں بھگو دیں اور تھوڑی دیر بعد مسل لیں۔ مسلے ہوئے سلائس کو قیمے میں ملا دیں۔

آمیزے کی اپنے حساب سے بالز بنالیں۔ تیل گرم کریں اور بالز کو تل لیں۔ سنہری ہو جائیں تو پلیٹ میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

امت الصبور

کیرو

وہ اپنے وقت کا ایک عظیم ادیب تھا۔ اس کے سامنے ایک بار امریکا میں آکر بسنے والے ایک پامسٹ کا تذکرہ کیا گیا جس کی مہارت کی بڑی دھوم تھی۔ ادیب کو پامسٹری یا نجوم سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس نے مسکرا کر کہا۔

"وہ صرف چند احمقوں کی عقیدت کی وجہ مشہور ہو گیا ہے۔ جلد ہی لوگ اسے بھول جائیں گے۔"

جب یہ خبر پامسٹ کو ملی تو وہ جذباتی ہو گیا۔ اس نے غصے میں کہا۔

"میں اس ادیب کے ہاتھ کا ایک پرنٹ دیکھ چکا ہوں اور آج سب کے سامنے یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ شخص جلد ہی دنیا کی نظروں سے گر جائے گا اور اسے جلاوطن کر دیا جائے گا۔"

پھر کچھ دنوں بعد یہی ہوا۔ ادیب کو سزا ہو گئی۔ اسے پورے ملک میں بدنام ہونا پڑا اور اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس ادیب کا نام سب ہی جانتے ہیں' اس کا نام تھا آسکر وائلڈ

اور یہ دست شناس کون تھا؟ یہ ایک عجیب و غریب شخص تھا۔ دنیا میں ایسے پراسرار افراد صرف گنتی کے پیدا ہوتے ہیں۔ لندن میں اس نے اپنی پریکٹس کا آغاز کیا تھا اور ایسی ایسی پیش گوئیاں کیں کہ وہ دیکھتے دیکھتے لاکھوں میں کھیلنے لگا۔ عالم یہ تھا کہ پبلک پیلس پر جاتا ہی نہ تھا۔ اسے پہچان کر ایک بھیڑ اکٹھی ہو جاتی تھی۔

1893ء میں اس نے لندن کو خیرباد کہا اور نیویارک آگیا۔ یہاں اسے بدنام کرنے کے لیے ایک چیلنج کا انعقاد ہوا۔ ایک ہوٹل میں یہ تقریب منعقد ہوئی۔ لیے متعدد انجانے افراد کے ہاتھوں کے پرنٹ پڑھنے کے لیے دیے گئے اور پھر اس نے انہیں یکے بعد دیگرے پڑھتے ہوئے اس طرح بولنا شروع کیا جیسے وہ کوئی کتاب پڑھ رہا ہو۔

"یہ ایک آئرش کے ہاتھ کا پرنٹ ہے۔ جس نے ابتدائی عمر میں سخت مشقت کی۔ اب کروڑ پتی ہے۔۔۔۔"

"درست۔ بالکل درست۔" اس آئرش نے اٹھ کر اعلان کیا جس کا پرنٹ وہ پڑھ رہا تھا۔

ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔

اس نے دوسرا پرنٹ اٹھایا۔

اس نے تیسرا پرنٹ اٹھایا۔ ہال بار بار تالیوں سے گونجتا رہا۔

"سچ کا اعتراف کرو۔" لوگ اخباری نمائندوں پر چیخنے لگے۔

انگلینڈ کے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے شاہی تاج ابھی نہیں پہنا تھا جب اس نے اس کی تاریخ پیدائش کے ذریعے پیش گوئی کی کہ وہ 9 اگست کو بادشاہ بنے گا اور اس کے بعد نو سال زندہ رہے گا اور یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ درست نکلی۔

اس نے انگلستان کے لارڈ کچز کے بارے میں پیش گوئی کی کہ وہ پانی میں ڈوب کر مرے گا اور کچز جنگ کے دوران ۔ ایک جہاز کی کمان کرتے ہوئے پانی میں ڈوب کر مرا۔

اس نے روس کے شہزادے نکولس کے بارے میں پیش گوئی کی کہ وہ جنگ میں مارا جائے گا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ پرنٹ اسے ایک گمنام شخص کے پرنٹ کی حیثیت سے پڑھنے کے لیے دیا گیا تھا۔

اس کی آمدنی اس قدر تھی کہ وہ اس کا حساب کتاب

تک نہیں رکھ پاتا تھا۔ اس نے بہت دنیا گھومی۔ اپنا اخبار نکالا۔ ایک میگزین چلایا۔ اس نے ایک بینک ہاؤس قائم کیا جہاں شیئرز سرٹیفکیٹ کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اس کے ایک اشارے پر کمپنیوں کے شیئرز کے بھاؤ آسمان پر چلے جاتے تھے اور اگر وہ انگلی اٹھا دیتا تھا تو کمپنیاں کنگال ہو جاتی تھیں۔ بڑے بڑے مشاہیر' رؤسا اور شاہان وقت اس سے مشورے کے لیے آتے تھے۔

اس عظیم پامسٹ کا انجام کیا ہوا۔ اب اس کا کچھ احوال سنیں۔

آہستہ آہستہ اس کے اندر سے وہ خفیہ صلاحیتیں زائل ہونے لگیں جن کی بنا پر وہ درست باتیں بتا دیا کرتا تھا۔ جب اس نے اپنا ہاتھ پڑھنا چاہا تو ناکام رہا۔ اس کی صلاحیتیں گھٹیں تو اس کا زوال شروع ہو گیا۔ اس نے کئی فاش غلطیاں کیں اور لوگوں کو شدید نقصانات ہوئے تو وہ بدنام ہونے لگا۔ اس پر مقدمہ ہوا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔

اس کا اخبار اور میگزین دونوں بند ہو گئے۔ اس کا بینک دیوالیہ ہو گیا۔ پھر وہ کافی عرصے تک ایک بھولا ہوا افسانہ بنا رہا۔ 1907ء میں اس کا زوال ہوا۔ 1936ء تک لوگ اس کے بارے میں بالکل بھول چکے تھے۔

اچانک نیویارک کے اخباروں میں اس کا نام پھر ایک دھماکے کی طرح نمودار ہوا۔ اسے ہالی ووڈ کے ایک فٹ پاتھ پر چلتا ہوا دیکھا گیا۔۔۔ وہ پاگلوں کی طرح کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے بدن پر پھٹا پرانا سا سوٹ تھا اور اس کی مقناطیسی اور ساحرانہ شخصیت بوسیدگی کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اسے پولیس والے نے دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ تیز بخار میں ہے۔ اس نے ازراہ ہمدردی اسے اسپتال بھیج دیا مگر وہ راستے ہی میں مر گیا۔

اس مشہور پیش گو' پامسٹ' ماہر علم الاعداد اور نجوم کی کتابیں آج بھی آپ پاکستان کے ہر اسٹال پر دیکھ سکتے ہیں۔ رائل پامسٹ فریڈ گننگ کا کہنا ہے کہ یہ شخص قدرتی طور پر پیش گوئی کی کچھ پراسرار قوتوں سے مالا مال تھا۔ اس کے اندر حقیقتاً "پامسٹری یا کسی اور پراسرار علم کا کوئی خزانہ ہرگز نہ تھا۔ وہ کہتا ہے۔

"اس کی ساری کتابیں فرانس کے پامسٹوں ڈی آرپر نگ نگنی اور ڈسبیوے لو کی کتابوں کا چربہ ہیں اور بس۔"

بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو اس کی شخصیت نے انسانی تاریخ پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

انسانی تقدیروں کو بہت عرصے تک کھلی کتابوں کی طرح پڑھنے والے اس پراسرار شخص کا نام تھا "کاؤنٹ ڈی آرمونٹ۔ دنیا اسے کیرو دی گریٹ پامسٹ کے نام سے جانتی ہے۔

کٹے ہوئے سر

ثعالبی نے عبدالملک بن عمیر اللیثی سے روایت ہے کہ میں نے اسی محل میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد اسی محل میں عبیداللہ بن زیاد کا سر مختار بن ابی عبید کے سامنے رکھا ہوا دیکھا۔

پھر تھوڑے دن گزرنے کے بعد مختار بن عبید کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے اس محل میں رکھا ہوا دیکھا۔

پھر کچھ دنوں بعد مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک کے سامنے رکھا ہوا پایا۔

جب میں نے یہ قصہ عبدالملک سے بیان کیا تو انہوں نے اس محل کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دیا۔

(تاریخ خلفاء۔ علامہ جلال الدین سیوطی)

بے رونق بالوں کے لیے

اگر آپ کے بال روکھے اور بے رونق ہیں یا ان میں خشکی ہے تو آپ اس طریقے سے ایک پیسٹ بنائیں۔

☆ کھانے کے چار چمچے دہی میں کھانے کے دو چمچے سرسوں یا زیتون یا کھوپرے کا تیل اچھی طرح ملا لیں، پھر انہیں بالوں کی جڑوں میں اور چاروں طرف اچھی طرح لگا کر ایک گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں، اس کے بعد اسے کسی اچھے شیمپو سے دھولیں۔ اگر آپ ہفتے میں ایک بار یہ عمل کرلیں گی تو آپ کے بالوں کی رنگت بدل جائے گی اور یہ ہمیشہ صحت مند اور چمک دار نظر آئیں گے۔ اگر ان میں خشکی ہوگی تو وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

گھریلو نسخے

چہرے اور بالوں کو خوب صورت اور تندرست بنانے کے لیے چند گھریلو نسخے پیش خدمت ہیں۔

☆ چہرے کی رنگت صاف کرنے کے لیے ایلویرا کے رس میں بیسن ملا کر پیسٹ بنا لیں اور ہفتے میں دو سے تین بار لگائیں۔ جب یہ پیسٹ آپ کی جلد میں اچھی طرح جذب ہو جائے تو تازہ پانی سے منہ دھولیں۔ اسے لگانے کے بعد سکون سے آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں، کسی سے بات نہ کریں۔

☆ بالوں کو لمبا کرنے کے لیے میتھی دانہ، ماش کی دال اور سکاکائی تینوں ملا کر پاؤڈر بنا لیں۔ اسے رات بھر پانی میں بھگوئیں، صبح نہانے سے ایک گھنٹہ پہلے سر پہ لگا کر اچھی طرح مساج کریں اور صاف پانی سے دھولیں۔ یہ عمل ہفتے میں کم از کم دو بار ضرور کریں، پھر نتیجہ دیکھیں۔

میک اپ کرنے کے لیے ضروری نکات

میک اپ کرنے سے پہلے اس کے ضروری اور اہم نکات کو ضرور مدنظر رکھیں تاکہ آپ کا میک اپ زیادہ خوب صورت اور موثر دکھائی دے۔ مثلاً"

☆ لپ اسٹک اور نیل پالش ہم رنگ استعمال کیجیے۔ اس سے آپ کی شخصیت مزید دلکش محسوس ہوگی۔ آنکھوں کا میک اپ گہرا ہے تو لپ اسٹک بھی ہلکے رنگ کی استعمال کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

☆ ہاتھ، پیروں اور گردن کی مکمل صفائی کے بغیر کیا جانے والا میک اپ بے تاثر نظر آتا ہے، تقریب میں جانے سے ایک دن قبل ہاتھوں اور پیروں کی صفائی پر توجہ دیں۔

☆ ہاتھوں اور پیروں کے ناخن بھی ایک دو روز پہلے تراش لیں۔ نیم گرم پانی میں ڈیٹول، لیموں کا رس اور شیمپو ملائیں، اب اس میں دس منٹ پیروں کو ڈبو کر رکھنے کے بعد کپڑے سے صاف کریں پھر جھانوے سے رگڑ کر پیروں کو دھولیں۔ اس کے بعد لیموں کے ٹکڑے لیجیے۔ ان پر چینی چھڑکیں اور ہاتھوں، بازوؤں اور کہنیوں پر رگڑیں، اس عمل سے جلد کی رنگت نکھر جائے گی۔

☆ اگر آپ کے میک اپ کے سامان میں بلشر نہیں ہے تو کوئی بات نہیں، آپ لپ اسٹک استعمال کر سکتی ہیں، وہ اس طرح کہ اپنی ہتھیلی پر لپ اسٹک لگائیں، لپ اسٹک پر تھوڑی سی کولڈ کریم ڈال کر انہیں یک جان کر لیں۔ اب اسے بلشر کی جگہ بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

☆ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے بال چمک دار نظر آئیں تو ایک دن پہلے بالوں میں کنڈیشنر لگائیں اور ٹھنڈے پانی سے بال دھولیں۔ پھر انہیں قدرتی ہوا میں خشک ہونے دیں اور سر لٹکا کر بالوں میں گردن سے ماتھے کی جانب برش کریں اس عمل سے سر کا دوران خون بڑھے گا اور بال چمک دار، جان دار اور خوب صورت نظر آئیں گے۔